رمضان المبارک

معروفات ومنکرات

تالیفِ لطیف

مفتی احمد اللہ نثار صاحب قاسمی نقشبندی مجددی

ناظم دارالعلوم رشیدیہ حیدرآباد

ناشر

دارالعلوم رشیدیہ

مہدی پٹنم، حیدرآباد

اضافہ وتصحیح شدہ جدید ایڈیشن

رمضان المبارک
معروفات ومنکرات

تالیف
مفتی احمد اللہ نثار قاسمی
ناظم دار العلوم رشیدیہ مہدی پٹنم حیدرآباد

ناشر
دار العلوم رشیدیہ مہدی پٹنم حیدرآباد

اجمالی فہرست

۞	ماہِ رمضان تاریخ وشریعت کی نگاہ میں	۵۱
۞	فضائل رمضان موضوع اور ضعیف احادیث	۱۳۷
۞	اہل اللہ کا رمضان	۱۹۸
۞	رؤیت ہلال کے مسائل	۲۱۰
۞	سحری کے فضائل ومسائل	۲۲۵
۞	افطار کے احکام ومسائل	۲۴۰
۞	روزہ اور طبی مسائل	۲۶۷
۞	روزے کے مسائل	۲۹۸
۞	تراویح کے احکام ومسائل	۳۱۸
۞	واجب الوتر کے احکام	۳۹۹
۞	نماز میں قرآن مجید دیکھ کر تلاوت کرنا	۴۱۱
۞	عورت کا نماز کے لیے مسجد آنا	۴۲۴
۞	باجماعت نوافل ادا کرنا	۴۴۴
۞	قضائے عمری	۴۶۱
۞	آن لائن نماز باجماعت کا حکم	۴۶۶
۞	عورتوں کی امامت کا حکم	۴۷۶

۞	زکاۃ کے فضائل ومسائل	۴۸۱
۞	صدقہ فطر کے احکام ومسائل	۵۴۵
۞	اعتکاف کے فضائل ومسائل	۵۵۹
۞	عید کے دن نماز جمعہ کی حیثیت	۵۹۹
۞	عید کے فضائل ومسائل	٦١۵
۞	رمضان کے بعد کی زندگی کیسے گذاریں	٦٦١

فہرست مضامین

۞	تقریظ: حضرت مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم	۳۶
۞	دعائیہ کلمات: حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمٰن صاحب مفتاحی دامت برکاتہم	۳۷
۞	تقریظ: حضرت مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری دامت برکاتہم	۳۸
۞	مقدمۃ الکتاب: حضرت مولانا مفتی ابوبکر جابر صاحب قاسمی زید مجدہٗ	۴۰
۞	مقدمۃ العلم: مفتی احمد اللہ نثار صاحب قاسمی زید مجدہٗ	۴۳
۞	طبع ثالث کا حرفِ اولین	۵۰
	پہلا باب: ماہِ رمضان تاریخ و شریعت کی نگاہ میں	
۞	رمضان مجاہدے کا مہینہ ہے	۵۲
۞	رمضان میں پیش آمدہ چند تاریخی واقعات	۶۳
۞	رمضان کے مہینے میں وفات پانے والے	۶۴
۞	رمضان میں عمرہ کی فضیلت	۷۱
۞	اخلاص کا ایک پہلو جو نگاہ سے اوجھل رہتا ہے	۷۵
۞	حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ	۷۷
۞	حضرت ربیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ	۷۸
۞	عبادت کو تجارت نہ بنائیں	۸۰

۞	رمضان اور احتکار	۸۲
۞	ماہِ رمضان ماہِ پکوان!	۸۳
۞	صحابہؓ کا رمضان اور ہمارا رمضان	۸۴
۞	استقبالِ رمضان کا طریقہ	۸۶
۞	رمضان المبارک اور برادرانِ وطن	۸۹
۞	ماہِ قرآن میں برادرانِ وطن تک قرآن مجید پہنچائیں	۸۹
۞	غیر مسلم کو افطار میں شریک کریں	۹۰
۞	غیر مسلموں کو نماز کا منظر دکھائیں	۹۱
۞	غیر مسلموں کو صدقہ وغیرہ دیں	۹۲
۞	کیا مخصوص کھانے کو حلیم کہنا جائز ہے؟	۹۴
۞	رمضان اور قوالی	۹۶
۞	قوالی کا گناہ، گانے کے گناہ سے بڑھا ہوا ہے	۹۷
۞	نیکی کر فیس (Facebook) بک پر ڈال!	۹۸
۞	ضرورتمندوں کی عزتِ نفس کو ٹھیس نہ پہنچائیں	۱۰۰
۞	رمضان اور پیشہ ور فقیروں کا حال	۱۰۲
۞	مسلم قوم کے لیے نہایت شرم کا پہلو	۱۰۳
۞	ہر چوتھا بھکاری مسلمان ہے	۱۰۳
۞	مقدس مقامات اور پیشہ ور فقیروں کا حال	۱۰۳

۞	گداگری کی شکلیں	۱۰۴
۞	بلا ضرورت بھیک مانگنے کا وبال	۱۰۵
۞	بھیک مانگنے کی وجہ کیا ہے؟	۱۰۶
۞	گداگری کے سدِ باب کے لیے آپ ﷺ کا عمل	۱۰۶
۞	سدِّ باب کا مثبت اقدام	۱۰۷
۞	سدِّ باب کا منفی اقدام	۱۰۸
۞	پیشہ ور بھکاریوں کو دینا درست نہیں	۱۰۸
۞	روزے کا مذاق اڑانا	۱۰۹
۞	رمضان میں مسلمان محلوں میں ہوٹلوں کا حال	۱۱۱
۞	رمضان میں ہوٹل کھولنے کا شرعی حکم	۱۱۲
۞	مسلم ممالک میں رمضان میں دن کے وقت ہوٹل چلانا	۱۱۳
۞	روزہ ترک کرنے کا گناہ	۱۱۶
۞	رمضان میں مغفرت نہ ہو تو پھر کب ہوگی؟	۱۱۷
۞	رمضان کی ناقدری کرنے والے کے لئے بددعا	۱۱۸
۞	شیاطین قید ہو جاتے ہیں تو گناہ کیوں ہوتے ہیں؟	۱۱۹
۞	ماہِ رمضان کا احترام نجات کا ذریعہ	۱۲۱
۞	رمضان کو اختلاف کے حوالے نہ کریں	۱۲۲
۞	مسجد میں بچوں کے ساتھ مصلیوں کا نامناسب رویہ	۱۲۴

۞	عہدرسالت اور مساجد میں بچے	۱۲۶
۞	آج کل کے نمازیوں کا مزاج اور ذمہ داری	۱۲۷
۞	اپنے عمل سے مسجد کا احترام سکھائیں	۱۲۸
۞	کیا ہم مساجد کے نظام میں مثبت تبدیلی کے لیے تیار ہیں؟	۱۲۸
۞	رمضان میں بچوں کو مسجد لانے کا رواج	۱۳۰
۞	بچوں کو بڑوں کی صف میں کھڑا کرنا	۱۳۲
۞	موجودہ دور میں بچوں کی الگ صف بنانا	۱۳۴
دوسرا باب: فضائل رمضان-موضوع اور ضعیف احادیث		
۞	ضعیف احادیث کی شرعی حیثیت	۱۳۸
۞	رمضان کی اطلاع دینے پر ثواب	۱۳۹
۞	کیا رمضان کی پہلی رات نظر رحمت سے عذاب نہ ہوگا؟	۱۴۰
۞	سارا سال رمضان ہونے کی تمنا کرنا	۱۴۰
۞	روزہ دار کے لیے جنت کی حوروں کا استقبال	۱۴۱
۞	رمضان میری امت کا مہینہ ہے	۱۴۳
۞	افطار کرانے کا ثواب	۱۴۴
۞	روزے دار کا سونا عبادت ہے۔	۱۴۵
۞	تین آدمیوں کا حساب نہیں	۱۴۶
۞	عصر کے بعد گناہ نہ لکھے جائیں	۱۴۶

۞	کھجور سے افطار کی فضیلت	۱۴۷
۞	تراویح کی ہر رات کا ثواب	۱۴۷
۞	تراویح کے ایک سجدے پر پندرہ سو نیکیاں	۱۴۹
۞	تراویح پر ڈھائی ہزار نیکیاں اور یاقوت کا محل	۱۵۱
۞	روزہ دار کے لیے عظیم الشان محل	۱۵۲
۞	رمضان کی ہر رات جہنم سے آزاد ہونے والوں کی تعداد	۱۵۴
۞	اعتکاف پر دو حج اور دو عمروں کا ثواب	۱۵۶
۞	اس امت کی افطار کے وقت کی فضیلت	۱۵۶
۞	رمضان کی عجیب فضیلت	۱۵۷
۞	رمضان میں انتقال کی فضیلت	۱۵۹
۞	عذابِ قبر سے حفاظت کے چار اسباب ہیں	۱۶۳
۞	روزے کی حالت میں وفات کا ثواب	۱۶۵
۞	رمضان میں انتقال ہونے والا فتاوی کی روشنی میں	۱۶۶
۞	روزہ رکھو اور صحت پاؤ	۱۷۰
۞	حضرت سلمان فارسی ص کی طویل حدیث کی تحقیق	۱۷۰
۞	جنت کو پورا سال سجایا جانا	۱۷۴
۞	نفل فرض کے برابر اور فرض ستر فرض کے برابر	۱۷۵
۞	رمضان کے تین حصے	۱۷۸

۞	ہر عشرے کی مستقل دعا	۱۸۰
۞	حرمین میں رمضان کی فضیلت	۱۸۰
۞	رمضان ملنے کی دعا کرنا	۱۸۳
۞	رمضان کا روزہ چھوٹنے پر زندگی بھر روزے رکھنا کافی نہ ہوگا	۱۸۵
۞	روزہ جسم کی زکوۃ ہے	۱۸۵
۞	ایام بیض کے روزوں کی فضیلت	۱۸۶
۞	قضائے عمری پر ایک موضوع روایت	۱۸۶
۞	لیلۃ الجائزۃ کی حدیث	۱۹۳
۞	یوم الشک کا حکم	۱۹۴
۞	عوام وخواص میں فرق	۱۹۶
تیسرا باب : اہلُ اللہ کا رمضان		
۞	خواتین کے کثرتِ عبادت کے واقعات	۲۰۳
چوتھا باب : رؤیتِ ہلال کے مسائل		
۞	چاند کے ساتھ حکم شرعی کیوں متعلق ہے؟	۲۱۱
۞	احکام شریعت کا چاند سے متعلق ہونے کی حکمت	۲۱۱
۞	اختلافِ عیدین باعثِ شرمندگی ہے	۲۱۲
۞	فلکیاتی پیشین گوئی کی حیثیت	۲۱۲

۞	وحدتِ عید کا ایک غیر معتبر طریقہ	۲۱۳
۞	پوری دنیا میں وحدت عید ممکن ہے؟	۲۱۴
۞	اختلافِ مطالع کا مطلب کیا ہے؟	۲۱۵
۞	مجلسِ تحقیقات شرعیہ کے فیصلے	۲۱۵
۞	فقہی اختلافات یا ذہنی فاصلے؟	۲۱۷
۞	اختلاف سے بچنے کے لیے ہلال کمیٹی کیسی بنائی جائے؟	۲۱۷
۞	وحدتِ امت کے لیے کشادہ قلبی ضروری ہے	۲۱۸
۞	رؤیت ہلال کمیٹی کی ذمہ داری	۲۱۹
۞	رمضان کا چاند نظر نہ آئے تو کیا حکم ہے؟	۲۱۹
۞	چاند سے متعلق چند قابل اصلاح پہلو	۲۲۳

پانچواں باب: سحری کے احکام ومسائل

۞	صبحِ صادق کے بعد سحری	۲۲۶
۞	اذان شروع ہونے تک سحری کرنا	۲۲۶
۞	اذان ختم ہونے تک سحری کرنا	۲۲۷
۞	رمضان کے نظام الاوقات والے کارڈ کا حکم	۲۲۷
۞	وقت سے پہلے اذان دینا غلط ہے	۲۲۹
۞	حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سحری کب ختم فرماتے تھے؟	۲۲۹

۞	سعودیہ سے ہندوستان آیا تو عید کا حکم	۲۳۰
۞	ہندوستان سے سعودیہ جائے تو عید کا حکم	۲۳۱
۞	سحری سعودی میں - افطار ہندوستان میں	۲۳۲
۞	منکراتِ سحری	۲۳۳
۞	سحر کے وقت احتلام	۲۳۴
۞	سحری کے لیے اذان دینا	۲۳۵
۞	سحری میں اٹھانے کا مکروہ طریقہ	۲۳۵
۞	رمضان میں فجر کی نماز جلدی پڑھنا	۲۳۶
۞	فجر کی نماز کے بعد روزے کی دعا پڑھانا	۲۳۸
۞	روزے کی نیت کے مسائل	۲۳۸
	چھٹا باب: افطار کے احکام ومسائل	
۞	غروبِ آفتاب کے فوراً بعد اذان پر افطار کرنا	۲۴۱
۞	رمضان میں افطار کے بعد جماعت میں تاخیر	۲۴۳
۞	بے روزے دار کا روزے دار کے ساتھ افطار کرنا	۲۴۵
۞	بڑے روزے اور چھوٹے روزے!	۲۴۵
۞	انجان آدمی کی دعوتِ افطار قبول کرنا	۲۴۶
۞	سود اور رشوت خور کی دعوت کا حکم	۲۴۷

۞	بہلول دانا کی نصیحت	۲۴۸
۞	بے روزے دار کی دعوتِ افطار قبول کرنا	۲۴۹
۞	غیر مسلم کی افطار پارٹی قبول کرنا؟	۲۴۹
۞	افطار میں غیر مسلم کا شریک ہونا	۲۵۱
۞	رمضان میں حکومت سے ملنے والی رقم	۲۵۲
۞	حرام آمدنی والا حلال کا انتظام کہاں سے کرے؟	۲۵۴
۞	مساجد میں افطار وسحری کا انتظام اور کچھ ضروری گذارشات	۲۵۵
۞	افطار کے وقت نیم اور زیتون کی مسواک	۲۵۷
۞	اجتماعی افطار کا فائدہ	۲۵۸
۞	افطار پارٹیاں	۲۵۸
۞	افطار پارٹی کا نقصان	۲۵۹
۞	افطار پارٹیاں اور چند گذارشات	۲۶۱
۞	منکراتِ افطار	۲۶۲
۞	مؤذن کی اذان ختم ہونے تک افطار نہ کرنا	۲۶۴
۞	کھانے پینے میں اسراف کرنا	۲۶۵
۞	افطار کے وقت کونسی دعاء پڑھنا ثابت ہے؟	۲۶۵
۞	افطار کی دعاء کی حیثیت	۲۶۸
۞	دعاء افطار کرنے سے پہلے پڑھی جائے یا افطار کے بعد؟	۲۶۹

۞	افطار کے وقت دعاؤں سے غفلت برتنا	۲۷۵
۞	افطار کے وقت اجتماعی دعاء	۲۷۵
۞	عورتوں کی افطار کے وقت کوتاہیاں	۲۷۶
ساتواں باب : روزہ اور طبی مسائل		
۞	روزہ صحت کے لیے مفید ہے	۲۷۸
۞	روزہ صحت کے لیے کب مفید ہے؟	۲۸۰
۞	ترکِ روزے میں غیر مسلم یا فاسق ڈاکٹر کا قول	۲۸۰
۞	روزے میں انجکشن (Injection) کا حکم	۲۸۱
۞	روزے میں دوا زبان کے نیچے رکھنا	۲۸۳
۞	خون یا گلوکوز (Glucose) چڑھانا	۲۸۴
۞	روزے کی حالت میں بدن سے خون نکالنا	۲۸۵
۞	روزے میں آپریشن (Operation)	۲۸۶
۞	روزے کی حالت میں مصنوعی دانت کا استعمال	۲۸۸
۞	روزے کی حالت میں دانت نکلوانا	۲۸۸
۞	vicks، امرتجن وغیرہ ادویہ کے استعمال کا حکم	۲۸۹
۞	ہومیوپیتھک دوا سونگھنا	۲۸۹
۞	روزے میں انہیلر (Inhaler) کا استعمال	۲۹۰

۞	روزے میں بھپارے کے ذریعے دوا	۲۹۱
۞	مقعد میں دوائی یا آلات کا داخل کرنا	۲۹۲
۞	پیشاب کے راستے سے دوا یا کوئی آلہ داخل کرنا	۲۹۳
۞	اعضا کو سُن کرنے کا روزے پر اثر	۲۹۴
۞	روزے میں آنکھ میں لینس (Lens) لگانا	۲۹۵
۞	بہ حالتِ روزہ آنکھ، کان یا ناک میں دوا ڈالنا	۲۹۵
۞	(NEBULIZER-PUMP) کا استعمال	۲۹۸
۞	گیس (GAS) اور آکسیجن (OXYGEN) کا حکم	۲۹۹
۞	روزے میں دوائی سے غرغرہ کرنے کا حکم	۲۹۹
۞	بواسیری مسوں پر دوا لگانے کا حکم	۳۰۰
۞	روزے میں ’’انیما‘‘ (ENEMA) کا حکم	۳۰۰
۞	ڈائیلاسس (Dialysis) مریض کا روزہ	۳۰۱
۞	شوگر و ٹی بی کے مریض کا روزہ	۳۰۱
۞	روزے میں انسولین لینا	۳۰۲
۞	دماغی مریض کا روزہ	۳۰۳
۞	روزہ کی حالت میں قیئے کا حکم	۳۰۳
۞	طلوعِ فجر کے بعد دوائی کا اثر منہ میں محسوس ہوا	۳۰۳
۞	طباخ کو روزے کی حالت میں سالن چکھنا	۳۰۴

۞	منجن اور ٹوتھ پیسٹ کا استعمال	۳۰۴
۞	روزے کی حالت میں گل منجن	۳۰۵
۞	روزے میں عود وغیرہ کا دھواں سونگھنا	۳۰۵
۞	روزے میں نسوار (ناس) سونگھنے کا حکم	۳۰۶
۞	بیماری کے ایام میں فوت شدہ روزوں کا حکم	۳۰۶

آٹھواں باب : روزے کے مسائل

۞	کن اعذار میں روزہ معاف ہے؟	۳۰۸
۞	امتحانات کی وجہ سے روزے کا ترک	۳۰۹
۞	محنت طلب کام کی وجہ سے ترکِ روزہ	۳۱۰
۞	دودھ پلانے والی عورت کا روزہ رکھنا	۳۱۱
۞	وہ امور جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے	۳۱۱
۞	وہ امور جن سے روزہ فاسد ہوتا ہے اور صرف قضاء لازم ہے	۳۱۳
۞	وہ امور جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور کفارہ واجب ہوتا ہے	۳۱۴
۞	مکروہاتِ روزہ	۳۱۴
۞	عورتوں کی قضا روزے سے غفلت	۳۱۵
۞	دولہا و دلہن احتیاط کریں	۳۱۵

نواں باب: تراویح کے احکام ومسائل

۞	تراویح کی شرعی حیثیت	۳۱۹
۞	تراویح کی اجرت اور خدام دین کی خدمت	۳۲۱
۞	نسیانِ قرآن کا گناہ	۳۲۶
۞	قرآنِ کریم بھولنے سے مراد کتنا قرآن بھولنا ہے؟	۳۳۱
۞	لاؤڈ اسپیکر پر تراویح پڑھنا	۳۳۲
۞	لاؤڈ اسپیکر کا تکلیف دہ استعمال	۳۳۳
۞	یہ ظلم وایذاء رسانی ہے	۳۳۳
۞	مذہب کے نام پر ظلم	۳۳۵
۞	دین فہمی یا غلط فہمی؟	۳۳۵
۞	چند نکات پیشِ خدمت	۳۳۶
۞	ایک استفتاء کا متفقہ جواب	۳۳۸
۞	لاؤڈ اِسپیکر پر قرآن کی تفسیر کرنا	۳۳۹
۞	فنکشن ہال میں نمازِ تراویح	۳۴۰
۞	گرمی کی وجہ سے تراویح کی جماعت مسجد کی چھت پر کرنا	۳۴۰
۞	تراویح میں قرآن پڑھنے کی مقدار	۳۴۱
۞	تروایح اور ہمارا معاشرہ	۳۴۱

۞	مستقل امام کی موجودگی میں تراویح کے لیے حافظ مقرر کرنا؟	۳۴۳
۞	امام مستقل کو رمضان میں زائد تنخواہ دینا	۳۴۳
۞	منچلوں کی تراویح	۳۴۴
۞	حنفی حافظ کا اہلِ حدیث کی مسجد میں ۸؍رکعت تراویح پڑھانا	۳۴۴
۞	عشرے کا حکم	۳۴۵
۞	شبینہ کا حکم	۳۴۶
۞	تراویح سے متعلق حکیم الامتؒ کا ایک عمل	۳۴۸
۞	”الصلاۃ سنۃ التراویح رحمکم اللہ“ کی ندا لگانا؟	۳۴۹
۞	تراویح میں ثناء پڑھنا	۳۵۰
۞	ترویحہ کا حکم	۳۵۰
۞	تراویح کی ہر چار رکعت پر دعاء کرنا	۳۵۲
۞	آیتِ سجدہ کی اطلاع پہلے سے کرنا۔	۳۵۳
۞	تراویح کی مروجہ دعاء کا حکم	۳۵۴
۞	ترویحے میں خلفائے راشدینؓ کے نام لینا	۳۵۶
۞	نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنا	۳۵۸
۞	مراہق کے پیچھے تراویح کا حکم	۳۵۹
۞	ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے تراویح	۳۵۹
۞	غیر مقلد کے پیچھے نماز کا حکم	۳۶۰

۞	ایک مسجد میں دو جگہ تراویح کا اہتمام	۳۶۲
۞	تراویح کی جماعتِ ثانیہ	۳۶۳
۞	کثرت حفاظ کی وجہ سے تراویح کی جماعتِ ثانیہ	۳۶۳
۞	سامع کے لیے اجرتِ تراویح	۳۶۴
۞	دو جگہ تراویح پڑھنا یا پڑھانا	۳۶۴
۞	"مفلحون" پر تروایح ختم کرنا	۳۶۵
۞	عورتوں کی تراویح	۳۶۵
۞	مرد کی امامت میں خواتین کی تراویح	۳۶۶
۞	زوجین کا آپس میں تراویح کی جماعت کرنا	۳۶۷
۞	حافظہ لڑکی کے پیچھے خواتین کی اقتداء	۳۶۷
۞	عورتوں کا سماعتِ قرآن کے لیے جمع ہونا	۳۶۹
۞	عورتوں کے درمیان تفسیر کرنا	۳۷۱
۞	ختمِ تراویح پر ضیافت یا مٹھائی	۳۷۱
۞	ختمِ قرآن کی دعاء کا حکم	۳۷۲
۞	۲۷ر رمضان کو ختم قرآن کی حیثیت	۳۷۳
۞	ختم قرآن پر پانی دم کروانا	۳۷۶
۞	ختم قرآن کے موقع پر "سورۃ اخلاص" کو تین مرتبہ پڑھنا	۳۷۶
۞	ختم قرآن اور ہمارا معاشرہ	۳۷۷

۞	رمضان کی راتیں اور ہمارا معاشرہ	۳۷۸
۞	بیس رکعات تراویح سنتِ مؤکدہ ہے	۳۷۹
۞	کتنی رکعات تراویح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے؟	۳۸۰
۞	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک عمل	۳۸۱
۞	حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل	۳۸۲
۞	حرمین شریفین اور ائمۂ حرمین کا عمل	۳۸۵
۞	بیس رکعات تراویح پر علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تائید	۳۸۶
۞	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی تحقیق	۳۸۸
۞	حضرت جابرص سے مروی حدیث کی تحقیق	۳۹۱
۞	آٹھ رکعت تراویح سلف سے ثابت نہیں	۳۹۲
۞	ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۳۹۳
۞	نمازِ تراویح اور نمازِ تہجد دو جدا جدا نمازیں ہیں	۳۹۳
دسواں باب: واجب الوتر کے احکام		
۞	تین رکعات وتر ایک سلام کے ساتھ	۴۰۰
۞	وتر واجب ہے	۴۰۰
۞	تین رکعات وتر کی احادیث	۴۰۱
۞	تین رکعات وتر ایک ہی سلام سے ہے	۴۰۴

۞	عقلی دلیل	۴۰۶
۞	وتر کی تیسری رکعت میں رفع یدین کرنا	۴۰۶
۞	حرم میں حنفی حضرات وتر کی نماز کیسے پڑھیں؟	۴۰۶
۞	رمضان میں وتر کی نماز تراویح کے بعد افضل ہے یا تہجد کے بعد؟	۴۰۸
۞	وتر کے بعد دو رکعت نفل	۴۰۸
گیارھواں باب: چھ مختلف فیہ مسائل پر مقالات اور مسلک جمہور		
۞	فرض یا نفل نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا	۴۱۱
۞	صحابہؓ وتابعینؒ کا مسلک	۴۱۴
۞	مجوزین کے دلائل کا تجزیہ	۴۱۶
۞	امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی	۴۲۱
۞	علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی	۴۲۱
۞	علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی	۴۲۲
۞	ہاتھ میں قرآن لیکر تراویح سننا	۴۲۳
۞	فرض نمازوں یا تراویح کے لیے عورتوں کا مسجد آنا	۴۲۴
۞	خلاصۂ سوال	۴۲۴
۞	مسئلے کی شرعی حیثیت	۴۲۵
۞	فقہائے اربعہ کی رائے	۴۲۷

۞	احادیثِ جواز اور منشائے احادیث	۴۲۷
۞	شرائطِ جواز	۴۲۸
۞	اب شرائط جواز باقی نہیں رہے	۴۳۰
۞	بہتان الگ چیز ہے احتیاط الگ چیز ہے	۴۳۱
۞	دینی مراکز کو بدنامی سے بچاؤ	۴۳۲
۞	خواتین کو مساجد سے روکنا حق تلفی نہیں احترام ہے	۴۳۳
۞	حدیث فہمی یا غلط فہمی ؟	۴۳۴
۞	فقہی مسائل سے بے نیازی	۴۳۵
۞	سعودی عرب میں عورتوں کا مسجد آنا	۴۳۶
۞	مساجد میں عورتوں کا داخلہ اور سپریم کورٹ میں مقدمہ	۴۳۶
۞	راہِ اعتدال	۴۳۹
۞	خلاصۂ مضمون	۴۴۱
۞	مساجد سے متصل خواتین منزل کا نظام ہو	۴۴۲
۞	عہد نبوی میں خواتین کے دینی اجتماعات کی مثال	۴۴۳
۞	تہجد کی جماعت اور حنفی نقطۂ نظر	۴۴۴
۞	امام مالک، امام شافعی و دیگر ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے فتاوی	۴۴۶
۞	نوافل کی جماعت کے مکروہ ہونے کی دلائل	۴۴۷
۞	دوسری دلیل	۴۴۹

۞	تیسری دلیل	۴۴۹
۞	ایک شبہ کا جواب	۴۵۰
۞	دوسرے شبہ کا جواب	۴۵۱
۞	علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی	۴۵۱
۞	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ	۴۵۲
۞	حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد	۴۵۲
۞	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ	۴۵۳
۞	حضرت جی مولانا یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد	۴۵۴
۞	فقہائے امت کے فتاوی	۴۵۴
۞	بریلوی مسلک کے مشہور و مستند عالم مولانا امجد علی صاحب کا فتوی	۴۵۵
۞	علامہ ابن تیمیہؒ کا فتوی	۴۵۵
۞	شیخ عثیمینؒ کا فتوی	۴۵۶
۞	شیخ محمد شنقیطیؒ کا فتوی	۴۵۶
۞	شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کی تحقیق	۴۵۷
۞	شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا عمل کی توجیہ	۴۵۹
۞	ایک ضروری گزارش	۴۶۱
۞	قضائے عمری کی اہمیت	۴۶۱
۞	نوافل پڑھنا افضل ہے یا قضا نمازیں؟	۴۶۶

۞	آن لائن نماز باجماعت کا شرعی حکم	۴۶۶
۞	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فتوی	۴۶۹
۞	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتوی	۴۶۹
۞	آن لائن نماز کی خرابیاں	۴۷۵
۞	عورت کی امامت کا حکم	۴۷۶
۞	عورتوں کی امامت عورت کرنے کا حکم	۴۷۶
۞	عورت کا مردوں کی امامت کرنا	۴۷۷
۞	عدمِ جواز کے دلائل	۴۷۷
۞	ام ورقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا مطلب	۴۷۹
۞	کسی مذہب میں عورت کو مذہبی قیادت حاصل نہیں ہے	۴۷۹
۞	کیا امامت سے عورت کے مسائل حل ہوں گے؟	۴۸۰
بارھواں باب: زکوۃ کے احکام ومسائل		
۞	زکوۃ کی شرعی حیثیت	۴۸۲
۞	کیا زکوۃ واجب ہونے کے لیے ایک سال گذرنا شرط ہے؟	۴۸۳
۞	موجودہ دور میں سونے اور چاندی کا نصاب	۴۸۴
۞	زکوۃ قمری تاریخ سے ادا کریں یا شمسی تاریخ سے؟	۴۸۵
۞	زیور وغیرہ کی بازاری قیمت سے زکات ادا کرے	۴۸۶

۞	تھوڑے تھوڑے پیسے جمع ہوں تو زکوۃ کا حکم	۴۸۶
۞	مقروض شوہر کی صاحب نصاب بیوی پر زکوۃ فرض ہے	۴۸۷
۞	رہن رکھے ہوئے زیور پر زکوۃ کا حکم؟	۴۸۷
۞	عورت کے استعمالی زیور میں زکوۃ حدیث سے ثابت ہے؟	۴۸۹
۞	عورتیں اپنے زیورات کی زکوۃ نکالیں	۴۹۲
۞	کیا مالِ تجارت پر زکوۃ کی فرضیت حدیث سے ثابت ہے؟	۴۹۳
۞	خلافِ حدیث مسلک	۴۹۵
۞	مالِ مستفاد اصل مال سے ملحق کرنا حدیث سے ثابت ہے؟	۴۹۶
۞	مسئلۂ ضم حدیث سے ثابت ہے؟	۴۹۷
۞	فکس ڈپازٹ رقم پر زکوٰۃ؟	۴۹۸
۞	شادی یا حج کے لیے رکھی رقم پر زکوٰۃ	۴۹۸
۞	مکان کے کرایہ پر زکوٰۃ؟	۴۹۹
۞	مکان بنا کر بیچنے کی غرض سے خریدی ہوئی زمین کا حکم	۴۹۹
۞	PF پرائیویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم	۵۰۰
۞	L.I.C فنڈ کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟	۵۰۰
۞	نابالغ کے مال پر زکوٰۃ نہیں	۵۰۱
۞	نابالغ کو زکوۃ دینے کا حکم	۵۰۱
۞	قرض لے کر کھولی گئی دکان کی زکوٰۃ کس طرح نکالے؟	۵۰۲

۞	بینک سے ملنے والی اضافی رقم سے زکوٰۃ ادا کرنا؟	۵۰۲
۞	زکوٰۃ کی وصول یابی کے لیے کسی کو کمیشن پر رکھنا؟	۵۰۲
۞	دکان یا مکان وغیرہ کے کرایہ میں ڈپازٹ کی رقم پر زکوٰۃ	۵۰۳
۞	طویل المیعاد قرضے مانع زکوٰۃ ہیں یا نہیں؟	۵۰۴
۞	گذشتہ سال کی زکوٰۃ کی رقم منہا کر کے حساب لگایا جائے	۵۰۵
۞	حقوق اللہ سے متعلق کون سے مطالبات مانع زکوٰۃ نہیں	۵۰۵
۞	زکوٰۃ خوش دلی سے دی جائے	۵۰۵
۞	سوتیلی ماں، بہو یا دامادکو زکوٰۃ دینا	۵۰۶
۞	زکوٰۃ کی رقم سے تبلیغی جماعت میں جانا	۵۰۶
۞	رفاہی ہسپتال میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا	۵۰۶
۞	تملیک اور حیلۂ تملیک	۵۰۷
۞	حیلۂ تملیک کی کئی صورتیں	۵۰۸
۞	داخلہ فارم پر لکھا ہوا وکالت نامہ اور حیلۂ تمیلک	۵۰۹
۞	زکوٰۃ سے دنیاوی مقاصد کا حصول	۵۱۰
۞	حرام مال مخلوط ہو جانے کا عذر	۵۱۰
۞	دعوت کے ذریعے زکوٰۃ کا حکم	۵۱۰
۞	قرض میں زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۱۱
۞	غریب لڑکی کی شادی میں زکوٰۃ دینا	۵۱۱

۞	حج کے پیسے پر زکوٰۃ کا حکم	۵۱۳
۞	زکوٰۃ کی رقم سے حج کروانا	۵۱۴
۞	پیشہ ور فقیر کو زکوٰۃ دینا	۵۱۵
۞	زکوٰۃ مستحق تک پہنچائیے	۵۱۶
۞	زکوٰۃ صحیح مصرف میں ادا کریں	۵۱۷
۞	مصرف تلاش نہ کرنے کا نقصان	۵۱۸
۞	ویلفیر (WELFARE) ادارے کو زکوٰۃ دینا	۵۱۹
۞	زکوٰۃ غریبوں کا حق ہے، خیرات نہیں	۵۲۱
۞	زکوٰۃ رمضان ہی میں ادا کرنا غلط ہے	۵۲۱
۞	چندہ کرنے والوں کے ساتھ برتاؤ	۵۲۵
۞	اہل چندہ سے گذارش	۵۲۷
۞	مدارس کو زکوٰۃ دینا وقت کا اہم تقاضا ہے	۵۲۸
۞	زکوٰۃ اس طرح بھی ادا ہوسکتی ہے	۵۳۱
۞	زوجین کا آپس میں زکوٰۃ دینا	۵۳۲
۞	بنوہاشم اور سید کو زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۳۳
۞	نبی ﷺ صدقہ قبول نہیں فرماتے تھے	۵۳۴
۞	تملیک کے بعد صدقہ قبول کرنا	۵۳۴
۞	بنوہاشم کو زکوٰۃ دینے کے جواز سے متعلق اہلِ علم کے اقوال	۵۳۴

۞	علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت وفتویٰ	۵۳۵
۞	مفتی محمود الحسن صاحبؒ کا فتوی	۵۳۷
۞	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی رائے	۵۳۸
۞	مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کا فتویٰ	۵۳۹
۞	شیخ عبد اللہ بن صالح عثیمین صاحبؒ کی رائے	۵۴۰
۞	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم کی رائے	۵۴۰
۞	کیا اوساخ الناس لینا درست ہے؟	۵۴۳
	تیرھواں باب: صدقۂ فطر کے احکام ومسائل	
۞	صدقۂ فطر کس پر واجب ہے؟	۵۴۶
۞	صدقۂ فطر کی مقدار	۵۴۶
۞	صدقۂ فطر کی حیثیت	۵۴۷
۞	صدقۂ فطر کی حکمت	۵۴۷
۞	صدقۂ فطر میں قابل توجہ پہلو	۵۴۹
۞	گیہوں پونے دو کلو مقرر کرنے کی وجہ	۵۵۱
۞	صدقۂ فطر میں دو قابل توجہ پہلو	۵۵۱
۞	دوسرے ملک میں مقیم کا صدقۂ فطر کس حساب سے نکالیں؟	۵۵۴
۞	صدقۂ فطر میں (Control Rate) کا اعتبار نہیں	۵۵۴

۞	چاول وغیرہ سے صدقۂ فطر ادا کرنا	۵۵۵
۞	صدقۂ فطر کے چند ضروری مسائل	۵۵۵
۞	صدقۂ فطر امام یا مؤذن کو دینا	۵۵۸
چودھواں باب: اعتکاف کے فضائل ومسائل		
۞	اعتکاف کی فضیلت	۵۶۰
۞	اعتکاف کی حکمتیں	۵۶۱
۞	اعتکاف کمالِ محبت کی دلیل ہے	۵۶۳
۞	حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اعتکاف اور اس کی اہمیت	۵۶۴
۞	اعتکاف کا حکم	۵۶۵
۞	اعتکاف سے بے رغبتی	۵۶۶
۞	اعتکاف افضل یا جماعت میں جانا؟	۵۶۷
۞	مسجدِ شرعی کے حدود	۵۶۹
۞	اعتکاف میں پردے لٹکانا	۵۷۱
۞	اعتکافِ مسنون وواجب کے شرائط	۵۷۱
۞	اعتکافِ مسنون کب سے شروع ہوتا ہے	۵۷۲
۞	کیا اعتکافِ مسنون میں خروج کا استثناء درست ہے؟	۵۷۲

۞	ایک محلے میں کئی مساجد ہوں تو......؟	۵۷۳
۞	زنجیری اعتکاف	۵۷۴
۞	اجرت دے کر اعتکاف کروانا	۵۷۴
۞	معتکف کن اعذار سے باہر نکل سکتا ہے؟	۵۷۵
۞	اعتکاف میں کرنے کے کام	۵۷۵
۞	مکروہاتِ اعتکاف	۵۷۶
۞	مباحاتِ اعتکاف	۵۷۷
۞	مفسداتِ اعتکاف	۵۷۷
۞	کسی خاص مسجد میں اعتکاف کے لیے اعلان کرنا	۵۷۸
۞	اعتکاف کے لئے سفر کرنا	۵۷۹
۞	خانقاہی اعتکاف	۵۷۹
۞	دوسری منزل پر اعتکاف کرنا	۵۸۰
۞	غسلِ جمعہ وغسلِ تبرید کے لیے مسجد سے نکلنا	۵۸۱
۞	جنبی معتکف کا غسل جنابت	۵۸۳
۞	حرمین شریفین میں معتکفین کا کھانے کے لئے باہر نکلنا	۵۸۴
۞	مسجدِ نبوی کے معتکف کا سلام پیش کرنے کیلئے مسجد سے نکلنا	۵۸۵
۞	معتکف کا ڈاکٹر کو دکھانے کے لئے جانا	۵۸۵

۞	اضطراری حالات میں مسجد سے باہر نکلنا	۵۸۶
۞	معتکف کا عدالت کی تاریخ پر حاضر ہونا وغیرہ	۵۸۶
۞	اعتکافِ مسنون کی قضاء	۵۸۷
۞	عورتوں کے اعتکاف کے مسائل	۵۸۸
۞	عورت کا مسجد میں اعتکاف	۵۹۰
۞	کیا مرد گھر میں اعتکاف کرسکتا ہے؟	۵۹۴
۞	طاق راتوں کا پروگرام	۵۹۵
۞	آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا فتوی	۵۹۷
پندرھواں باب: عید کے دن نماز جمعہ کی حیثیت		
۞	جمعہ جیسا بہترین اصلاحی نظام کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا	۶۰۰
۞	خطبہ عربی زبان میں ہو	۶۰۱
۞	خطبۂ جمعہ سے پہلے علاقائی زبان میں خطاب کا ثبوت	۶۰۱
۞	جمعۃ الوداع کی حیثیت	۶۰۳
۞	خطبہ اور تقریر سے پہلے سلام کرنا	۶۰۴
۞	جمعہ اور عیدین ایک دن میں جمع ہو جائیں تو کیا حکم ہے؟	۶۰۴
۞	جمعہ کی فرضیت پر نص قطعی	۶۰۵

۞	تارک جمعہ کا حکم	۶۰۵
۞	امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک	۶۰۷
۞	امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک	۶۰۹
۞	امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک	۶۱۰
۞	جمہور فقہاء کے دلائل	۶۱۰
	سولھواں باب: عید کے فضائل و مسائل	
۞	شبِ عید کی اہمیت	۶۱۶
۞	شبِ عید کی کوتاہیاں	۶۱۷
۞	عید کی خوشی میں اظہار بندگی	۶۲۰
۞	عید پر خوشی کس بات کی ہے؟	۶۲۴
۞	ہماری خوشی کے اسباب کیا ہیں اور خوشی کا مستحق کون؟	۶۲۵
۞	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عید	۶۲۶
۞	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عید	۶۲۶
۞	عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اور عید کا دن	۶۲۷
۞	ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اہل کوفہ کی عید	۶۲۷
۞	کاش کپڑے سے زیادہ قلب صاف ہوتا	۶۲۸

۞	عید میں ساتر و سنت لباس کا اہتمام کریں	۶۲۸
۞	عید عبادت ہے تہوار نہیں	۶۳۰
۞	وحدتِ عید سے زیادہ وحدتِ فکر کی ضرورت ہے	۶۳۲
۞	عیدین کے مسائل	۶۳۴
۞	عید کے دن کی ممنوعات	۶۳۵
۞	عید مبارک کی حقیقت	۶۳۵
۞	عید مبارک کہنا	۶۳۶
۞	عید کی نماز عید گاہ میں ادا کرنا سنت ہے	۶۳۷
۞	مساجد میں عید کی نماز پڑھنا	۶۴۲
۞	عید کی نماز سے پہلے بیان کرنا	۶۴۳
۞	عید گاہ میں جماعتِ ثانیہ	۶۴۴
۞	عید کی تکبیرات کتنی ہیں؟	۶۴۴
۞	عید میں دعاء نماز کے بعد یا خطبے کے بعد...؟	۶۴۵
۞	نمازِ عید اگر فوت ہو جائے	۶۴۹
۞	عید کے بعد سلام کرنا	۶۴۹
۞	سلام کے جواب میں سر ہلانا	۶۵۰
۞	مصافحے کی کوتاہیاں	۶۵۱

۞	دو ہاتھ سے مصافحہ سنت ہے	۶۵۲
۞	غیر مسلم سے سلام ومصافحہ	۶۵۴
۞	عید کے بعد مصافحے کی حیثیت	۶۵۵
۞	عید کا مصافحہ اور نقطۂ اعتدال	۶۵۶
۞	اگر کوئی مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو؟	۶۵۷
۞	مصافحہ کرتے وقت روپئے دینا	۶۵۷
۞	عیدی لینا دینا	۶۵۷
۞	عید کے دن عورتوں کو سلام ومصافحہ کرنا	۶۵۸
۞	معانقے کی حقیقت	۶۵۹
۞	عید کی نماز کے بعد معانقہ کرنا بدعت ہے	۶۶۰
۞	عید کی نماز کے لیے عورتوں کا عید گاہ جانا	۶۶۰
۞	صحابہؓ اپنی عورتوں کو جمعہ وعیدین میں نہیں بھیجتے تھے	۶۶۱
۞	کیا عورتوں پر عید کی نماز ہے؟	۶۶۳
۞	عورت کی اقتداء میں نماز عید ادا کرنا	۶۶۴
۞	عورتیں اگر عید گاہ چلی جائیں تو نماز پڑھیں گی؟	۶۶۵
۞	مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں خواتین کی نماز	۶۶۵
۞	عید کے دن قبرستان جانا	۶۶۶

۞	عید کے دن تعزیت	۶۶۶
۞	عید کے دن اپنے بڑوں کی قدم بوسی	۶۶۷
۞	لاک ڈاؤن میں نماز عید کا حکم	۶۶۸
۞	لاک ڈاؤن میں عید کی نماز	۶۷۰
۞	لاک ڈاؤن میں نماز عید اور انتظامی ہدایات	۶۷۰
۞	شوال کے چھ روزوں کا ثبوت	۶۷۱
۞	جمہور امت کا قول	۶۷۲
۞	عیدِ ابرار بدعت ہے	۶۷۴
ستر ہواں باب: رمضان کے بعد زندگی کیسے گذاریں		
۞	میرا رمضان قبول ہوا کہ نہیں؟	۶۷۶
۞	ربانی بنیں رمضانی نہ بنیں	۶۷۷
۞	رمضان ختم ہوا بندگی ختم نہیں ہوئی ہے	۶۷۸
۞	رمضان کے بعد عبادت میں عدم دلچسپی کی وجہ	۶۷۹
۞	ہم سے دھوبی کا بیٹا خوش نصیب ہے	۶۸۰
۞	ایک رات میں مسجد کی تعمیر کا دلچسپ واقعہ	۶۸۱
۞	اعمال پر استقامت پیدا کریں سری سقطیؒ کا واقعہ	۶۸۲

۞	روزے کا مقصد اپنے اندر کتنا پیدا ہوا؟	۶۸۵
۞	رمضان کی برکت سے چند گناہوں سے توبہ کیجئے!	۶۸۵
۞	[۱] حرام کمائی سے توبہ کیجئے!	۶۸۶
۞	[۲] شراب سے توبہ کیجئے!	۶۸۶
۞	[۳] فضول خرچی سے توبہ کیجئے!	۶۸۸
۞	[۴] شادی بیاہ کے لین دین سے توبہ کیجئے!	۶۸۹
۞	[۵] لڑکیوں کو میراث سے محروم نہ کیجئے!	۶۹۰
۞	ماخذ و مراجع	۶۹۱

تقریظ

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم دیوبند

ماہِ رمضان المبارک اپنے جلو میں بہت سے احکام و مسائل اور فضائل لے کر آتا ہے جن میں ماہِ مبارک کے فضائل، روزے کے مسائل، تلاوت، تراویح، تہجد کے علاوہ صدقۂ فطر اور زکاۃ کے مسائل بھی عملاً شامل ہوتے ہیں۔

مولانا مفتی احمد اللہ نثار قاسمی صاحب نے ایک علمی سرمایہ ترتیب دیا ہے اور اپنی کتاب ''رمضان المبارک معروفات و منکرات'' میں ان تمام احکام و مسائل کو فقہ و فتاویٰ کی کتابوں سے مرتب فرمادیا ہے۔

مآخذ و مراجع کی فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف نے اس سلسلے میں کافی محنت کی ہے۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزیزم موصوف کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور سب کے لیے نافع بنائے اور امت کو بھرپور استفادے کی توفیق دے۔

والسلام

(مفتی) ابوالقاسم نعمانی (صاحب دامت برکاتہم) غفرلہٗ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲/۸/۱۴۳۸ھ

۳۰/۴/۲۰۱۷ء

دعائیہ کلمات

حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

محترمی ومکرمی مولانا مفتی احمد اللہ نثار صاحب قاسمی (سابق) استاذ مدرسہ خیر المدارس نے ایک گراں قدر علمی سرمایہ "رمضان المبارک، معروفات ومنکرات" نامی کتاب تقریباً تین سو صفحات پر مشتمل مرتب فرمایا ہے، جس میں ماہِ رمضان کے احکام وفضائل سے متعلق بیشتر مواد جمع کیا گیا ہے، مشتملات میں حوالجات، علمائے محققین کے اقوال وفتاویٰ، مآخذ ومراجع کا بھی کافی اہتمام کیا گیا ہے، کتاب کے مطالعے کا موقع تو نہیں مل سکا، صرف فہرست ہی پر نظر ڈال سکا جس سے اندازہ ہوا کہ رمضان المبارک کے ضروری مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے، دیگر بعض مفتی حضرات کی تصدیق بھی اس پر ثبت ہے، اس طرح امید ہے کہ مندرجات قابل اعتماد ہیں، اللہ تعالیٰ موصوفِ مکرم کی اس کاوش کو قبول فرمائے، اور اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ نافع بنائے۔

والسلام

(حضرت مولانا شاہ) جمال الرحمن مفتاحی (صاحب دامت برکاتہم)

۲۸/ رجب/ ۱۴۳۸ھ

تقریظ

حضرت مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری دامت برکاتہم

نائب ناظم کل ہند مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت دارالعلوم دیوبند

رمضان کا تقدس اور اس کے انوار و برکات کا ہر کس و ناکس کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس ماہِ مبارک میں جہالت و ناواقفیت کی وجہ سے کچھ لوگ عملی منکرات و مکروہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ایسے لوگوں کو دیکھ کر ہر فکرمند عالم دین کا کڑھن میں مبتلا ہونا خیر خواہی کا تقاضا ہے اور اگر یہ جہالت و ناواقفیت، اعتقادی کج روی؛ بلکہ ارتداد تک کسی مسلمان کو لے جائے، تو پھر سینہ تان کر میدان میں کود پڑنا اور مسلمانوں کو اعتقادی گمراہیوں سے بچانا ہر عالم دین کا فریضہ بن جاتا ہے۔

محترم جناب مفتی احمد اللہ نثار قاسمی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ استاذ مدرسہ خیر المدارس حیدرآباد نے زیرِ نظر اپنی تازہ تصنیف میں، مسلمانوں کے اندر عملی منکرات و مکروہات پائے جانے کے تئیں جہاں خیر خواہی کے تقاضے کی مناسب تکمیل کی ہے، وہیں جا بجا اعتقادی کج روی سے بھی مسلمانوں کو بچانے کی کامیاب کوشش کی ہے، اس دور میں ان دونوں امور کی سخت ضرورت ہے۔

بنظرِ استفادہ کتاب کے تقریباً تمام ہی ابواب کو راقمِ سطور نے پڑھنے کی کوشش کی ہے، ماشاء اللہ ماحول اور معاشرے میں پیش آمدہ جدید مسائل کو فقہی اسلوب میں پیش کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے، ساتھ میں دلائل اور حوالوں نے مسائل میں مزید معتبریت پیدا کر دی ہے، بعض مقامات پر تو مصنف نے عاملین منکرات پر اس قدر سوالات قائم کیے ہیں کہ ان کو خود ہی اپنی غلطی اور غلط روش کا احساس کر کے اصلاح کی فکر کرنے پر مجبور ہونا پڑے

گا،اصلاح کا ایک معقول اسلوب یہ بھی ہے کہ مبتلا بہ کو اس کی اپنی غلطی کا احساس دلادیا جائے۔

مسودہ دیکھتے وقت ضرورت پڑی اور ممکن ہوسکا تو بعض مقامات پر راقمِ سطور نے ترمیم واصلاح سے بھی دریغ نہیں کیا،امید ہے کہ فاضل گرامی مصنف اسے قبول فرمائیں گے،اپنے موضوع پر مسائل کی جامعیت اور ترتیب نے بھی کتاب میں ایک خاص ایسی کشش پیدا کی ہے کہ جو بھی پڑھے گاان شاءاللہ بھرپور اس سے فائدہ اٹھائے گا،دعاہے کہ باریِ تعالیٰ اس کتاب کا نفع عام وتام فرمائے اور مصنف کی اس کدوکاوش کو امتِ مسلمہ کی ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ بنائے؛نیز ہم سب کے لیے صدقۂ جاریہ بھی۔

وصلی اللہ علی خاتم النبیین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

والسلام

(حضرت مولانا) شاہ عالم (صاحب) گورکھپوری (دامت کاتہم)

نائب ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند

مقدمۃ الکتاب

مفتی ابوبکر جابر صاحب قاسمی زید مجدہم

ناظم کہف الایمان ٹرسٹ حیدرآباد

رمضان المبارک اور اس کے متعلقات پر الحمدللہ ایک کتب خانہ تیار ہو چکا ہے، اس کتاب میں کچھ قابلِ اصلاح امور کی طرف توجہ دہانی کی گئی ہے، جو مسائل تنگ نظری کی وجہ سے فرقہ واریت کو ہوا دے رہے ہیں، اسلام وکفر سے بڑی دیواریں کھڑی کر رہے ہیں، عالمی اور ملکی ہر مسئلے سے زیادہ امتِ مسلمہ کی ساری توانائیاں اسی پر صرف ہو رہی ہیں۔ (جیسے رکعاتِ تراویح کی تعداد، عورتوں کو مسجد میں لانا وغیرہ)

اور بعض امور وہ ہیں جو ہمارے معاشرے میں بھلا دیے گئے، خواص اور اہل علم کی طرف سے بھی خاطر خواہ اہتمام نہیں کیا جاتا، جیسے عورتوں کا گھر میں اعتکاف کرنا، زبان ودین کے چٹخاروں سے زیادہ اعمال پر توجہ دینا، مسائل اعتکاف، لیلۃ الجائزہ یعنی عید سے پہلی والی رات کو عبادت سے معمور کرنا، کہیں صلاۃ التسبیح اور تہجد کو فرائض اور حقوقِ واجبہ سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، باجماعت علی الاعلان پڑھ کر اس کی روح کو ختم کر دیا جاتا ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ بدعتِ اعتقادی بدعتِ عملی سے زیادہ سنگین ہے، عملی بدعت پر نرمی کے ساتھ بتدریج نکیر کرنا چاہیے۔ (جیسے عید گاہ پر مصافحہ، معانقہ، خطبے کے بعد اجتماعی دعاء وغیرہ بدعتِ عملی میں داخل ہے)

جھگڑے کا بازار گرم نہ ہو، دیگر دینی خدمات متأثر نہ ہوں، رہا سہا خدمتِ دین کا میدان نہ چھین لیا جائے، جو رمضان اور عید ہمارے نفسانی امراض کا علاج کرنے کے لیے تھے، اپنے رب اور اپنے بھائیوں سے فاصلے ختم کرنے کے لیے تھے، کہیں وہ فاصلے بڑھانے

کا ذریعہ نہ بن جائے، کسی حال میں مسلمان کا مقام بحیثیتِ مسلمان ہماری نگاہوں سے اوجھل نہ ہو، ہم اسلامی اخوت یاد رکھ نہیں پاتے ہیں، انسانی اخوت کب زندہ کریں گے؟ ٹوکنے کے شرائط یہ ہیں کہ نیت درست ہو، طریقہ درست ہو، واقعی وہ منکر اس قدر شدت کا متقاضی ہو، ہمارا انداز جارحانہ نہیں بلکہ ناصحانہ ہو، مناظرانہ نہیں بلکہ داعیانہ ہو، مخاطب پر نکیر کرتے ہوئے اس کی خوبیوں کا اعتراف بھی ہو، اس کے قبولِ اصلاح کے جذبے سے پر امید بھی ہو، مرض سے نفرت کا اظہار کرتے وقت مریض پر محبتِ ایمانی نچھاور کی جائے۔

سمجھ دار ڈاکٹر قدیم زمانے میں قارورہ اور نبض دیکھ کر اور موجودہ زمانے میں درجۂ حرارت، بی پی (BP) وغیرہ دیکھ کر دوا دیا کرتے ہیں، زبان و بیان سے نصح و خیر خواہی، سلوک و برتاؤ میں تواضع و بے نفسی ٹپک رہی ہو، سب جانتے ہیں کہ صرف زبانِ ہوش مند ذہن ارجمند کافی نہیں ہے؛ بلکہ دلِ دردمند بھی چاہیے، مسلک تو ترجیح کے لیے ہوتا ہے، تبلیغ کے لیے تو مذہب ہے، خلاصہ یہ کہ تراویح کی تعدادِ رکعات یا عورتوں کو مسجد میں لانے کے مسائل پر علمی سنجیدہ تبادلۂ خیال اتنا غیر متوازن نہ ہو کہ قادیانیت پھیلنے، عیسائیت دندنانے، اور ذھنی ارتداد پھلنے پھولنے لگے، اور امت کی اکثریت کے بے نمازی و بے پردگی میں مبتلاء ہونے کے مسائل پر ہمارے پاس توانائی باقی نہ رہے، بدعت پر نکیر اپنی جگہ پر لیکن تعلقات اتنے کشیدہ نہ ہوں کہ مکاتب قائم کرنے، دارالقضاء چلانے اور مسلم پرسنل لاء کی حفاظت کرنے میں ہم شانہ بشانہ نہ چل سکتے ہوں، اصلاح کیجیے مگر دشمنوں کو ہماری صفوں میں داخل ہونے کا موقع نہ دیجیے۔

ہمارے رفیق تدریس وتالیف مفتی احمد اللہ نثار قاسمی صاحب خاص علمی ذوق، دردمند دل رکھتے ہیں مجلس علمیہ کڈپہ کے تحت ان مسائل پر اکابر امت کی تحقیقات و اصلاحات کو برموقع سلیقہ مندی، نہایت احتیاط اور دقت بینی کے ساتھ تحریری شکل میں پیش کر رہے ہیں۔ میں نے بھی نظر ثانی کی، جو بن پڑا وہ خدمت کی، بیشتر وہی عناوین ہیں جن پر بہت کم کام ہوا ہے، اگر ہوا بھی ہے تو رواج نہیں ملا ٹھوس حوالہ جات اور دیگر مکاتبِ فکر کی تحریرات کو

سامنے رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر طبقۂ امت کے لیے بآسانی قابلِ قبول ہو، محض جماعتی عصبیت یا مسلکوں کا جھگڑا قرار دیکر کوئی جان نہ چھڑالے، پروردگارِ عالم پوری امتِ مسلمہ کو فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(حضرت مولانا مفتی) ابوبکر جابر قاسمی (صاحب مدظلہ)
۱۵/رجب المرجب ۱۴۳۸ھ
۱۳/اپریل ۲۰۱۷ء

مقدمۃ العلم

مفتی احمد اللہ نثار صاحب قاسمی

ان المقادیر إذا ساعدت ألحقت العاجز بالقادر

تقدیرِ الٰہی جب کسی کی مددگار ہوتی ہے تو وہ عاجز اور درماندہ شخص کو بھی کسی قابل بنادیتی ہے۔

احقر خود کو اس شعر کا مصداق خیال کرتا ہے، جو اپنی تمام تر علمی بے مایگی کے ساتھ رمضانیات سے متعلق چند مسائل پر خامہ فرسائی کی توفیق سے ہمکنار ہوا، یہ اسی منعمِ حقیقی کا انعام ہے، اس نعمت پر یہ کوتاہ علم بارگاہِ رب کریم میں تشکر وامتنان کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔

بندے کے ضلع کڈپہ آندھرا پردیش کے، فکرمند و دردمند، ہم مزاج علمائے کرام اور قوم کی خیر خواہی کا جذبہ رکھنے والے حفاظِ کرام کے تعاون سے ایک مجلس ''مجلس علمیہ'' کے نام سے ۲۰۱۵ء سے اپنی خدمات میں مصروف ہے، جس کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ فارغینِ مدارس کی علمی دل چسپی باقی رہے، اس کے لیے میٹنگ میں طے شدہ علمی مضامین پر تحریری مواد پیش کیا جاتا ہے، تحریر کا خلاصہ مجلس میں سنایا جاتا ہے اور مثبت انداز میں قوم کے آگے منبر ومحراب سے پیش کیا جاتا ہے۔ مجلس علمیہ کڈپہ کے تحت ۱۲؍ جمادی الآخر ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۲؍ مارچ ۲۰۱۷ء کو منعقد کی گئی میٹنگ میں رمضانیات سے متعلق ضروری مسائل کا مواد پیش کرنا طے پایا، احقر نے چند متفرق مسائل کو لکھنا اور یکجا کرنا شروع کیا، اللہ رب العزت نے وقت میں برکت عطا فرمائی الحمد للہ ثم الحمد للہ ۱۹؍ رجب ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۱؍ اپریل ۲۰۱۷ء بروز بدھ بفضلِ الٰہی یہ کوشش پائے تکمیل کو پہنچی، اپنے محسن قارئین کی خدمت میں کتاب سے متعلق چند باتیں پیش خدمت ہیں:

(الف) انسان کی طبیعت میں وہ سارے مادی وسفلی تقاضے ہیں جو دوسرے حیوانوں

یں ہوتے ہیں،اسی طرح ابن آدم کی فطرت میں روحانیت کا وہ نورانی جوہر بھی ہے جوملاء اعلی کی خاص دولت ہے۔

انسان کی فلاحِ دارین بہیمی عنصر کوملکوتی عنصر پر حاوی اورتابع رکھنے میں ہے، بہیمیت کوملکوتیت وروحانیت کی تابعداری کا خوگر بنانے میں روزے کا خاص دخل ہے،اور حیوانیت کو شریعت کا خوگر بنانا شریعت کے مقاصد میں سے ہے اس لیے روزہ ہرقوم پر فرض کیا گیا،اگرچہ نوعیت ومدت میں فرق رہا،ملکوتیت کوتقویت پہنچانے کے لیے اگرچہ ہمیشہ روزہ رکھنا ضروری تھا،مگر معاشی مسائل اورازواج سے اختلاط کے ساتھ یہ ممکن نہیں ہے؛اس لیے اتنی مقدار فرض کی گئی جس سے ملکوتیت کوغلبہ ہواورایک مہینے کی مقدار اس کے لیے بالکل مناسب ہے،اگریہ مقدار طے نہ کی جاتی تولوگ افراط وتفریط میں مبتلا ہوجاتے،کوئی تو کھا کھا کرصائم کے بجائے سائم(جانور) بنے رہتا اورکوئی کثرت صوم کی وجہ سے قبرستان پہنچ جاتا،روزے کوتقویت پہنچانے کے لیے رات کی تراویح کوسنت قراردیا گیااوردن بھرمیں فرض وواجب نمازیں ۲۰؍رکعات ہیں،اسی مناسبت سے ۲۰؍ رکعات تراویح مسنون ہوئی،قرآن کا نزول رمضان کے مہینے میں ہواتو قرآن ورمضان کو ظرف ومظروف سا تعلق ہے،اوراسبابِ معصیت کم اورشیاطین قید کردیے جاتے ہیں،تو اجتماعیت کے ساتھ ان دونوں پرعمل کرنا آسان ہوجاتا ہے،اگرروزوں کے لیے مہینہ مقرر نہ کیا جاتا توفرضیت کی اہمیت بلکہ فرضیت ہی بھلادی جاتی،رمضان المبارک میں عموماً اہتمامِ صوم وصلاۃ ہوتا ہے؛مگربعض جزوی مسائل میں ایسی کوتاہی کبھی سرزد ہوجاتی ہے،جس سے پوری عبادت پرنہایت منفی اثر مرتب ہوتا ہے،مثلاً وقتِ مشتبہ تک سحر کرنا،وقتِ مشکوک میں افطار کرلینا،جمہورامت کی رائے سے اختلاف کرنا،دعاء میں مشغول ہونے کے بجائے تعیینِ دعاء اوروقتِ دعاء کے اختلافات میں لگے رہنا،قبولیتِ دعاء کے اوقات میں پکانے اور کاٹنے میں مصروف رہنا،رمضان المبارک میں تلاوت کے بجائے قوالی کوتلاوت سمجھ لینا، بے جاافطار پارٹیاں کرنا،لاؤڈاسپیکر کابے جا استعمال کرنا،تلاوت وفہم قرآن سے زیادہ ختمِ

قرآن کی پارٹی ومٹھائی کو اہمیت دینا، تراویح میں افراط وتفریط کرنا، مثلاً تراویح میں کچھ زائد تسبیحات واسماء کو ضروری کر لینا یا تراویح ہی کی رکعات کم کردینا، اور پورا قرآن پڑھے تو راج دھانی کی طرح فاسٹ (Fast) پڑھناوغیرہ، جن کی تفصیل آگے ذکر کی گئی ہے، یہ سارے وہ امور ہیں جو تمام اربابِ علم و دانش کے نزدیک قابل اصلاح ہیں۔

(ب) افضل اور غیر افضل کے لیے فتنوں کو ہوا دینا، تفقہ میں تصنع برتتے ہوئے فقہائے امت سے اختلاف کرنا، مسجد میں نماز پڑھنے اور اعتکاف کرنے کی عورتوں کو ترغیب دینا، شذوذ کو رواج دیتے ہوئے نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا، انفرادی اعمال کو اجتماعی طور پر کرکے عمل کی روحانیت ختم کردینا، جیسے تہجد کی جماعت پر اصرار کرنا اگر چہ نہ صرف غیر رمضان میں؛ بلکہ رمضان میں بھی فرائض سے غفلت ہوجاتی ہو، ان کے علاوہ دیگر مسائل میں بھی (جن کا تذکرہ آئندہ سطور میں کیا گیا ہے) اعتدال وانصاف کی راہ اختیار کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

(ج) اقامتِ صلاۃ کے بعد اسلام کا تیسرا رکن زکات ہے، جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ۷۰/ سے زائد مقامات پر نماز کے ساتھ کیا گیا، جس کی واضح دلیل ہے کہ یہ رکن نماز کے برابر ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکرین زکات کے خلاف جنگ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا تھا "واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلاۃ والزکاۃ" زکات جہاں بارگاہِ الٰہی میں مالی نذرانہ ہے، وہیں خدمتِ خلق کا ایک اہم باب ہے، جس کے ذریعے انسان میں جذبۂ ترحم پیدا ہوتا ہے اور مال کے زہریلے اثرات سے نفس کی تطہیر ہوتی ہے اور تطہیر نفس ہر دور کے افراد کے لیے ضروری ہے؛ اس لیے زکات پچھلی قوموں پر بھی فرض رہی، اس کی ادائیگی پر جہاں بے پناہ ثواب کا وعدہ ہے، وہیں ادائیگی میں کوتاہی پر سخت وعید سنائی گئی، زکوۃ کا اجمالی حکم ابتدائے اسلام میں نازل ہوا جب کہ تفصیلی احکام ہجرت کے دو سال بعد نازل کئے گئے، بعض اہلِ ثروت زکات ادا کرنے کا اہتمام نہیں کرتے اور بعض لوگ اندازے سے زکات نکال دیتے ہیں، بعض لوگ زکات کو رمضان المبارک کے

ساتھ خاص کر لیتے ہیں، اگر چہ سال تین ماہ پہلے ہی ہو چکا ہو اور محتاج کئی دنوں سے سوال پر سوال کیے جا رہا ہو، مگر اسے یہ کہہ کر ٹال دیا جاتا ہے کہ ''ابھی رمضان نہیں آیا آپ رمضان میں آئیے''، بعض تو مالِ تجارت اور عورت کے استعمالی زیورات میں زکات ہی کے قائل نہیں اور بعض مصارفِ زکات میں مدارس کے سلسلے میں تشدد برتتے ہوئے سفیروں کے ساتھ تحقیر و تذلیل کا معاملہ کرتے ہیں، اور بعض صدقۂ فطر کی مقدار میں گیہوں پر ہی ساری زندگی اکتفاء کر لیتے ہیں، اس کے علاوہ دیگر اور بھی امور قابل اصلاح ہیں جن کا تذکرہ آ رہا ہے۔

(د) بندہ کے لیے ہر طرف سے یکسو ہو کر درِ مولیٰ پر پڑ کر اور اخص الخواص عبادت میں مصروف رہ کر روح کو لطیف سے لطیف تر ین بنانے کے لیے اعتکاف کرنا بہترین راستہ ہے تزکیۂ عوامی اور ملاء اعلی سے خصوصی ربط قائم کرنے کا سہل موقع ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ آں حضرت ﷺ کے اہتمامِ اعتکاف سے کیا جا سکتا ہے کہ ہجرت کے بعد کبھی اعتکاف ترک نہ فرمایا، اگر کسی وجہ سے چھوڑنا پڑا تو بعد میں اس کی قضاء فرما کر اس کی اہمیت کو دو بالا کر دیا نیز نبوت سے قبل غارِ حراء میں خلوت نشینی سے روحانیت کو اس مقام پر پہنچایا کہ رمضان کے اخیر عشرے میں شبِ قدر میں آپ ﷺ کو نبوت سے نوازا گیا، گویا اخیر عشرے کا اعتکاف مسنون ہونے کی یہ بھی ایک حکمت ہے کہ انسانیت کے جس معیارِ منتہاء پر آپ ﷺ پہنچے، بندہ اس عشرے کا اعتکاف کر کے خود کو صفاتِ قبولیت کا مستحق بنا لے، مگر معاشرے کا اکثر طبقہ جو بظاہر دین دار بھی کہلاتا ہے اس سنت میں کوتاہی کرتا نظر آتا ہے، اعتکاف کے سنتِ کفایہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اعتکاف نہ کرنے والوں کو بھی اعتکاف کرنے والوں کی وجہ سے پورے اعتکاف کا ثواب مل جائے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں کے اعتکاف کر لینے سے دیگر لوگوں سے ذمہ ساقط ہو جائے گا اور انھیں اعتکاف نہ کرنے کا گناہ نہیں ہوگا، ظاہر ہے سنت کا ثواب سنت پر عمل سے ہی حاصل ہوگا، اعتکاف سے عدم توجہ کا یہ عالم ہے کہ کہیں اجرت دے کر اعتکاف کروایا جاتا ہے تو کہیں زنجیری اعتکاف کے مشورے ہوتے ہیں اور جن بندوں کو اس سنت کی توفیق ملتی ہے وہ آدابِ اعتکاف اور مسجدِ شرعی کے حدود سے

ناواقفیت کی بنا پر اعتکاف کا اکثر وقت مسجدِ شرعی کے حدود سے باہر گزارتے ہیں، اعمالِ اعتکاف کا علم ہے نہ کوئی نظام العمل والاوقات، کوئی فون میں لگا ہے، کوئی لیپ ٹاپ (Laptop) لالیا ہے اور کوئی ان گناہوں میں مبتلاء ہے جو مسجد کے باہر بھی حرام تھے، کتاب کے باب الاعتکاف میں مذکورہ امور کے علاوہ اعتکافِ مسنون کی قضاء، اعتکافِ مسنون ومنذور کا فرق وغیرہ، احکام قلم بند کیے گئے ہیں۔

(ھ) دنیا میں بسنے والی تمام قومیں عید مناتی ہیں، مسلمانوں کی عید اور دیگر قوموں کی عید میں فرق یہ ہے کہ دیگر قوموں کی عید ایک تہوار ہے، جب کہ مسلمانوں کی عید ایک عبادت ہے، اجتماعی عبادات میں جہاں دیگر حکمتیں مضمر ہیں وہیں ایک حکمت حتی الامکان اتحاد اور عظمتِ اسلام کی ہے؛ مگر عید کے موقع پر ہماری بے اعتدالیوں نے اتحاد کے شیرازے کو پارہ پارہ کر دیا ہے، کہیں افراط ایسا کہ عورتوں کو عید گاہ لانے پر مصر تو کہیں تفریط ایسی کہ جمعہ اور عید ایک دن ہو جائے تو جمعہ پڑھنے تیار نہیں، کوئی مصافحے اور معانقے میں افراط وتفریط کا شکار، صحابہؓ کے آثار اور فقہاءؒ کے اقوال میں سنجیدگی سے غور کرنے پر آمدہ نہیں، جس کی وجہ سے جزوی مسائل مسلک کے تعارف کا ذریعہ نہیں بلکہ مسلکی امتیاز کی بنیاد بنے ہوئے ہیں، کتاب کے اخیر باب میں مسائل جمعہ وعیدین کے تحت ان امور پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے، نہایت احترام سے اپنے دیگر مکاتبِ فکر کے بھائیوں کو اتحادِ فکر وعمل کی دعوت جہاں مقصود ہے وہیں اپنوں سے نہایت ادب سے کچھ اعمالِ رمضان میں دعوتِ اعتدال بھی مقصود ہے، احقر اپنی کم علمی اور کوتاہ معلومات کا معترف ہے، اللہ رب العزت کا فضل نہ ہوتا تو ایک حرف رقم نہ ہو پاتا، کیونکہ بندہ اپنی سراپا ناکارگی، نالائقی اور تساہلی سے خوب واقف ہے، پس جو کچھ ہوا اسی ربِ کریم کے فضل سے ہوا۔

(و) ماہِ رمضان کو مردوں نے تجارت کا، عورتوں نے پکوان کا، بعض لوگوں نے کھانے کا، بعض علم دشمنوں نے جزوی مسائل کے اختلاف کا مہینہ بنالیا ہے، اور اکثر ایسے بھی ہیں جن کے لیے رمضان جنت کی ضمانت لے کر آتا ہے، ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم کس گروہ میں شامل

ہونا پسند کریں گے۔

(ز) اور میں بہت شکر گزار ہوں حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند کا کہ جنھوں نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود کتاب پر نظر ڈال کر اپنی جامع تقریظ سے کتاب کی توثیق فرمائی نیز عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم کا کہ حضرت نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود دعائیہ کلمات سے نوازا۔

اور حضرت مولانا شاہ عالم گورکھپوری صاحب دامت برکاتہم نائب ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں کہ نہایت مصروفیت کے باوجود از اول تا آخر تمام ابواب بنظرِ اصلاح وافادہ پڑھا اور مفید ہدایات سے نوازا، بندہ اپنی جلد بازی کی وجہ سے مجلس علمیہ ضلع کڈپہ کے ضلعی پروگرام منعقدہ ۹؍شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ میں زیرِ نظر کتاب بشکل محاضرہ پیش کرنا چاہتا تھا؛ لیکن جب حضرت نے فرمایا کہ میں پوری کتاب پڑھ کر تقریظ لکھوں گا تو احقر کو بڑی خوشی ہوئی کہ جب اکابر ہم جیسے اصاغر کی تحریرات پڑھیں گے اور تصحیح اور توثیق فرمائیں گے تو صدفی صد اطمینان قلبی کتاب سے متعلق ہو جاتا ہے۔

اور الحمد للہ حضرت نے بنظر غائر کتاب پڑھی اور اصحابِ افتاء دارالعلوم دیوبند کی نظر سے گذروایا اور بعض جگہ ترمیم واصلاح کا حکم فرمایا۔

احقر نے حضرت کی اصلاحات وترمیمات پر بصمیمِ قلبِ فرحاں وشاداں عمل کرنے کی کوشش کی ہے، اللہ تعالیٰ اکابر کی توجہات پر دارین میں انھیں اجرِ جزیل عطا فرمائے اور تادیر ہمارے لیے سہارا بنائے اور ہمیں ان کی قدر کی توفیق بخشے۔

اور احسان مند ہوں حضرت مولانا مفتی ابوبکر جابر قاسمی صاحب کا جنھوں نے تین تین بار سفر وحضر میں مسودے کو ساتھ رکھا، از اول تا آخر گہرائی سے نظرِ ثانی وثالث فرمائی، کئی مقامات پر تصحیح واضافہ فرمایا، کئی مسائل پر لکھنے کے سلسلے میں حکیمانہ سرپرستی ومخلصانہ رہبری فرمائی، اللہ تعالیٰ احقر کی حقیر کوشش کو اپنی رضا کا ذریعہ بنائے اور تمام معاونین وقارئین

کے حق میں دارین میں صلاح وفلاح کا ذریعہ بنائے۔آمین
اخیر میں قارئینِ کرام سے گزارش ہے کہ جہاں کہیں مرجوح، غیر مفتیٰ بہ قول یا اور کوئی سقم دکھائی دے تو امانۃً مطلع فرمادیں ان شاءاللہ آئندہ درست قول ہی کو نقل کیا جائے گا۔

احمداللہ نثار قاسمی

بروز بدھ ۲۲/رجب المرجب/ ۱۴۳۸ھ

مطابق ۲۰/اپریل/ ۲۰۱۷ء

۹۹۶۶۷۶۵۷۸۶

رمضانیات پر مشتمل متداول فتاویٰ وترغیبی مضامین کا یکجا اہلِ علم کی تحقیقات کی روشنی میں دستیاب ہوجانا اربابِ علم ودانش کے لیے نعمتِ عظمیٰ ہے، کتاب کی پہلی طباعت تین سو صفحات پر مشتمل ۲۰۱۵ء میں ہوئی، دورانِ مطالعہ چند اہم مسائل وابواب کا اضافہ ضروری محسوس ہوا، جو موضوع کی جامعیت کے لیے اہم تھا، الحمدللہ طبع ثانی دو سو صفحات کے اضافے کے ساتھ پیشِ خدمت ہے، جو کچھ بھی ہوا اپنے علمی وعملی سرمایے کے فقدان کے ساتھ ہوا، بندہ تعریف سے زیادہ تعمیری تنقید کا محتاج ہے، اللہ رب العزت اس کتاب کو ہم سب کے لیے دنیا میں نافع اور آخرت میں ذریعۂ نجات بنائے۔

احمداللہ نثار

بروز پیر ۲/شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ

مطابق: ۷/۴/۲۰۱۹ء

طبع ثالث کا حرفِ اولین

بحمدہ تعالیٰ زیر نظر کتاب کا یہ تیسرا ایڈیشن تصحیح و اضافہ کے ساتھ اپنے ادارے دار العلوم رشیدیہ سے طبع ہو رہا ہے، دوسرا ایڈیشن پانچسو صفحات پر مشتمل تھا، بعض مسائل پر نظر ثانی کی گئی، بعض مقامات پر اضافہ ہوا، بعض جدید مختلف فیہ مسائل پر مقالہ مرتب کیا گیا، موضوعات کے باب میں بعض احادیث کی تحقیق معتدل طریقہ کار سے انجام دی گئی۔

الغرض رمضانیات پر بالعموم جتنے مسائل کی ضرورت پیش آتی ہے ان کا حتی الامکان احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی خوشی ہے کہ تیسرا ایڈیشن تقریباً اعتبار سے جامع محسوس ہوا، گمان ہے کہ ہر امام و خطیب کے لیے یہ کتاب عوام الناس میں ضروری باتیں پیش کرنے کے لیے کافی رہے گی، تزئین کار میں عزیزم عبد الهادی قاسمی سلمہ نے بھی کافی محنت کی ہے، خیر خواہ دوستوں کے مفید مشورے شامل رہے، اللہ اس ادنیٰ کوشش کو قبول فرمائے، عوام و خواص کے لیے مفید تر اور ذریعۂ نجات بنائے آمین۔

احمد اللہ نثار قاسمی
خادم دار العلوم رشیدیہ
بروز بدھ ۲۲ر جمادی الاخریٰ
مطابق ۲۶ر جنوری ۲۰۲۲ء

پہلا باب

ماہِ رمضان تاریخ وشریعت کی نگاہ میں

ماہِ رمضان کے واقعات مجاہدات، رمضان کی تاریخی اہمیت رمضان وروزے کی حالت میں انتقال ہونے کی فضیلت، رمضان میں عمرہ کرنے کی فضیلت، منکراتِ رمضان، رمضان کو ماہِ تجارت بنالینا، کھانے کو ''حلیم'' کہنا، رمضان کی قدر واستقبالِ رمضان کا طریقہ وغیرہ۔

رمضان مجاہدے کا مہینہ ہے

رمضان المبارک میں بعض لوگ دن کا اکثر حصہ سوکر گزار دیتے ہیں اور روزے کو بہانہ بناتے ہیں، گویا رمضان کا مہینہ دیگر عبادات میں کوتاہی کا سبب بنتا ہے اور روزہ صرف وصرف استراحت کو چاہتا ہے، جب کہ تاریخِ اسلام پر نظر ڈالی جائے تو واضح طور پر معلوم ہوگا کہ یہ مہینہ تزکیۂ نفس کا ہے اور تزکیۂ نفس استراحت سے نہیں بلکہ مجاہدے سے حاصل ہوتا ہے، لیکن آج کل رمضان میں اس قدر کھایا اور سویا جاتا ہے کہ کھانے اور سونے میں مجاہدہ کیا جاتا ہے، یعنی زبردستی کھایا جاتا ہے اور زبردستی سویا جاتا ہے، سحری کے بعد سوکر ۱۲ر بجے اٹھتے ہیں اور ظہر کے بعد تھوڑی دیر جاگے کہ پھر سوکر عصر کو اٹھتے ہیں، رات کا اکثر حصہ کھانے میں ہی گزرتا ہے، شرعاً نہ کم کھانا مطلوب ہے نہ ہی زیادہ کھانا محمود ہے، اس مقدار میں کھانا کہ عبادات پر قوت حاصل ہو ضروری ہے، اتنا کم کہ دیگر عبادات میں ضعف آجائے یا اتنا زیادہ کہ عبادات میں سستی آجائے، دونوں باتیں مذموم ہیں۔

تاریخِ اسلام کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو ماہِ رمضان میں ہمیشہ عزت اور سربلندی سے نوازا ہے، اہلِ ایمان اس ماہ میں عظیم عظیم فتوحات حاصل کر لیے، ان کے شدید دشمنوں کو شکستِ فاش اور ذلت و رسوائی کا سامنا ہوا ہے جو تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ روزے دار مجاہدین اس وجہ سے اللہ کے ہاں محبوب ہیں کہ ایک جانب نفس اور شیطان سے کشمکش میں مبتلاء ہیں، تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے دشمن کے خلاف جہادی محاذ میں مورچہ زن ہیں، اگر غالب ہوئے تو دونوں دشمنوں کو شکست سے دو چار کیا اور اگر شہید ہوئے تو اللہ تعالی کے حضور میں ایسی حالت میں پیش ہوں گے کہ روزہ، جہاد اور شہادت کے امتیاز کی نشانیاں ان کے سینے پر ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مصداق ہوں گے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ...﴾ (۱)

ترجمہ: اللہ نے مؤمنوں سے ان کی جانیں اوران کے مال خرید لیے ہیں اوراس کے عوض ان کے لیے بہشت تیار کی ہے۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں''۔

جہادی دور میں ماہِ رمضان میں فتوحات کی فہرست طویل ہے ان میں سے چند کا تذکرہ مندرجہ ذیل ہے:

(۱) ہجرت کے بعد پہلا غزوہ: یہ ۱۷/رمضان ۲ ھ میں پیش آیا(۲) غزوہ بدرکبریٰ ہوا، بدر عظمیٰ، بدرالثانیہ، بدرالقتال اور یوم الفرقان بھی اسے کہا جاتا ہے اسلامی تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عزت اور حفاظت عطا فرمائی، کفر اور کفار کا سارا غرور خاک میں ملا دیا، مقام بدر جہاں یہ جنگ ہوئی حرمین شریفین کے راستے میں مدینہ طیبہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے، اس غزوہ سے آپ ﷺ کی منشاء یہ تھی کہ کفار کی اقتصادی کمر توڑنے کے لیے ان کے تجارتی قافلے پر حملہ کیا جائے تاکہ کفار جنگی رسد وہ سامان میں ترقی نہ کرسکیں، ان کے پاس مسلمانوں سے لڑنے کی قوت اور طاقت باقی نہ رہے، قافلہ تو مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ گیا مگر اس کی مدد کے لیے پہنچنے والے کفار کے لشکر سے مقابلہ ہوگیا مسلمانوں کی تعداد مشہور یہی ہے کہ تین سو تیرہ تھی لیکن عین لڑائی کے وقت ۳۰۳/ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے ۷/صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینے میں آپ ﷺ چھوڑ آئے، ایک زخمی حالت میں راستے سے واپس ہوگئے، دو جاسوسی کے لیے گئے تھے، جب واپس آئے تو مسلمانوں کو فتح ہو چکی تھی، تاہم آپ ﷺ نے ان سب کو اصحاب بدر کے فضائل، مال غنیمت میں باقاعدہ شریک کیا، آپ ﷺ نے فرمایا اصحاب بدر کے اگلے پچھلے گناہوں کو اللہ نے معاف فرمادیا ہے۔

---

(۱) التوبۃ ۱۱۱ :

(۲) غزوات النبی ﷺ : ۶۴ ۔

غزوہ میں شریک ہونے والے بعض ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے جو صغرِ سنی کی وجہ سے جنگ کے قابل نہ تھے، اور سامانِ جہاد میں صرف دو گھوڑے، ستر اونٹ، ایک ایک اونٹ پر تین تین، چار چار صحابہ رضی اللہ عنہم باری باری سوار ہوتے کسی کے پاس تلوار ہے تو نیزہ و کمان نہیں، کسی کے پاس صرف نیزہ ہے تلوار نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات بھر مصروفِ دعا رہے، اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: "اللّٰهُمَّ أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي، اللّٰهُمَّ آتِنِي مَا وَعَدْتَنِي، اللّٰهُمَّ إِنَّكَ إِنْ تُهْلِكْ هَذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ فَلَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ أَبَدًا"(۱) دو رکعت نماز پڑھ کر رب سے دعاء مانگی تھوڑی دیر بعد غنودگی طاری ہوگئی اس کے بعد مسکرا کر فرمایا: "سیهزم الجمع ویولون الدبر" اللہ نے مسلمانوں کی مدد کے لیے آسمان سے فرشتے نازل فرمائے، اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں بدری صحابہ کا بڑا مقام تھا۔

اسی غزوۂ بدر کے موقع پر یہ معجزہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی اٹھائی "شاهت الوجوه" کفار کے چہرے بگڑ جائیں، تین بار فرمایا، پھر اسے کافروں کی طرف پھینکا، جس سے ان کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی، حق تعالیٰ کی طرف سے فتح اور نصرت نازل ہوئی۔

اسی جنگِ بدر میں حضرت سیدنا عکاشہ بن محجن رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں ایک لکڑی عطاء فرمائی جب حضرتِ سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ نے وہ لکڑی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک سے لے کر لہرائی تو وہ ایک سفید رنگ کی مضبوط تلوار بن گئی، جس سے وہ جنگ کرتے رہے، اس تلوار کا نام عون تھا اور حضرتِ سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ اس تلوار سے جہاد کرتے تھے، یہاں تک کہ حضرتِ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایامِ ردت میں شہید ہو گئے۔(۲)

---

(۱) مسند احمد: ۳۳۴/۱، حدیث: ۲۰۸

(۲) البدایہ والنہایہ ۲۹۱/۳، کتاب المغازی۔

اسی غزوے میں ایک صحابی کی تین پیڑیاں شریک تھیں، حضرت یزید بن اخنس سلمی رضی اللہ عنہ ان کے صاجزادے معن بن یزید رضی اللہ عنہ اور ان کے والد اخنس بن حبیب رضی اللہ عنہ، ان کے علاوہ کوئی صحابی ایسے نہ تھے جن کی تین پیڑیاں شریک ہوں۔(۱)

(۲) غزوۂ خندق: ذوالقعدہ ۵ رہجری کو، قریش تو جنگ کے لیے شوال میں پہنچے، لیکن مسلمان خندق رمضان کے مہینے میں کھودتے رہے، جو ۳ رسے ۴ رہفتوں میں مکمل ہوئی۔

عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ مدینہ کا دفاع کرنے کیلئے خندق کھودی گئی تھی، اس غزوہ کو غزوۂ احزاب اسلئے کہا جاتا ہے کہ کفار، یہود، اور اُن کے حلیف یعنی بنوغطفان، بنوقریظہ، بنو نظیر اور تمام قبائل قریش سردار ابوسفیان کی قیادت میں مسلمانوں کے خلاف گروہ بنا کر مقابلہ کرنے کے لئے آئے تھے، کیونکہ دشمنوں کو اکیلے اکیلے مقابلہ کی جرأت نہ رہی تھی، مشرکین مکہ اور دوسرے قبائل نے مل کر ابوسفیان کی کمانڈ میں چوبیس ہزار کا ایک لشکر ترتیب دیا اور مکہ سے مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے نکلا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا فیصلہ تھا کہ مدینہ کے اندر رہ کر ہی دفاع کیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر خندق کھودنے کی ابتدا کی اور اپنے دست مبارک سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کھدائی کے کام کو تقسیم کر دیا، تقریبا دس صحابہ رضی اللہ عنہم پر دس دس گز زمین کھدائی کے لیے تقسیم کی گئی، چھ دن یا بیس دنوں میں کام مکمل ہوا، خندق سے نکلنے والی مٹی اور پتھر مدینہ کی طرف جمع کرنے سے ایک دیوارسی بن گئی جو تیر اندازوں کے لیے آڑ کا کام دینے لگی، عورتیں اور بچے شہر کے محفوظ مقامات پر بھیج دیئے گئے، خندق کو دیکھ کر دشمن کے حوصلے پست ہو گئے، کچھ سمجھ میں نہ آیا تو مدینہ کا تقریبا ایک ماہ تک محاصرہ کئے رہا، جب مسلمان ہار نہ مانے تو تنگ آکر خندق عبور کرنے کی کوشش کی گئی، عرب کا مانا ہوا پہلوان عمرو بن عبدود عامری خندق پھلانگ کر آگیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: کیا تو تین باتوں میں سے ایک منظور کر لیتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! فرمایا اللہ پر ایمان لا، اس نے انکار کیا فرمایا لڑائی سے منہ پھیر لے، کہا: نا

---

(۱) البدایہ والنہایہ ۳: ۳۲۵، باب الکنٰی، حرف الیاء۔

ممکن! قریش کی عورتوں کا طعنہ نہیں سن سکتا فرمایا کہ: پھر مقابلے پر آ! یہ سن کر خوب ہنسا اور گھوڑے سے اتر کر پوچھا کہ کون ہو؟ فرمایا: علی ابن ابی طالب ہوں! کہا کہ: آپ کے والد میرے دوست تھے میں لڑنا نہیں چاہتا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم سے لڑنا چاہتا ہوں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وار کر کے اس کا شانہ کاٹ دیا اور اسکا کام تمام کر دیا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دن رات بارگاہ ایزدی میں دعائیں مانگ رہے تھے، اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعائیں سن لی، جاڑے کی سخت سردی کی رات، طوفان برق و باراں نمودار ہوا طوفانی ہوائیں چلنے لگیں ریت اڑنے لگی، دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے، طنابیں ٹوٹ گئیں اونٹ اور گھوڑے بھاگ گئے، ہر طرف مٹی اور ریت اور یوم حشر نظر آنے لگا، ان حالات میں مزید محاصرہ کرنا مشکل تھا دشمن کے پاس نہ کھانے کا سامان تھا اور نہ چھپنے کے لیے کوئی محفوظ مقام تھا، آپسی اتحاد بھی ختم ہو چکا تھا، ابوسفیان نے لشکر کو واپسی کا حکم دیا، اس غزوہ میں مسلمانوں کا جانی نقصان بہت کم ہوا البتہ انصار کے سردار حضرت سعد بن وحاد رضی اللہ عنہ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے زخمی ہو گئے اور بعد میں شہید ہو گئے، حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، اب قریش تم پر کبھی حملہ نہ کرسکیں گے بلکہ اب تم ان پر چڑھائی کروگے، اس غزوہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ ملت اسلامیہ ایک ایسی قوت بن چکی ہے جن کو مختلف قبائل مل کر بھی شکست نہیں دے سکتے۔

(۳) فتح مکہ: ۱۱/رمضان المبارک ۸/ہجری کو دس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینے سے نکل کر ۲۰/رمضان کو مکے میں داخل ہوئے اور اللہ تعالی نے مکے کو شرک سے خالی کرنے کا فیصلہ فرمایا، چناں چہ بڑا بت ''ہُبل'' جو وسطِ کعبہ میں تھا ۲۰/رمضان کو گرا کر خالی کیا گیا ''مناۃ'' کو ۲۴/رمضان کو خالی کیا گیا ''عزّیٰ'' کو ۲۵/رمضان کو خالی کیا گیا ''لات'' کو بھی رمضان کے مہینے میں خالی کیا گیا، الغرض مکہ مکرمہ کو رمضان میں دارالاسلام بنایا گیا۔

(۴) غزوۂ تبوک: ۹/ہجری رجب کے مہینے میں ۳۰/ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کا قافلہ ہرقل کا غرور خاک میں ملانے چلا، اللہ نے بغیر لڑائی کے اسلام و مسلمانوں کو کامیابی سے ہم کنار کیا

اور یہ قافلہ رمضان میں واپس ہوا۔

(۵) جنگِ بویب: حضرت عمرؓ کے عہد میں یہ پُرخطر معرکہ پیش آیا ”لجس“ میں ایک لاکھ ایرانی دشمن مارے گئے اور مسلمانوں میں ۱۰۰/لوگ شہادت کا درجہ پائے، یہ معرکہ رمضان المبارک ۱۳/ہجری میں پیش آیا۔

(۶) جنگِ دمشق: ماہِ رجب ۱۳/ہجری سے ۱۶/محرم ۱۴/ہجری یعنی مکمل ۶/ماہ تک دمشق سے نبرد آزما ہونے میں صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام مصروف رہے۔

(۷) جزیرہ رودس کی فتح: صحابہؓ کا بحری سفر روک کر حملہ کرنے والے دشمنوں پر فتح ۳۵/ہجری رمضان المبارک میں ہوئی۔

(۸) فتح اندلس ۹۳/ ہجری کے رمضان المبارک میں مشہور اسلامی جرنیل موسیٰ بن نصیر ۱۸/ہزار کا لشکر لے کر اندلس میں فاتحانہ داخل ہوئے اور اسپین (Spain) کے ان شہروں کو فتح کیا جنہیں طارق بن زیاد فتح نہ کر سکے تھے، ان میں شذونہ، قرمونہ، اشبیلیہ اور مار دہ شامل تھے، ماہ رمضان میں ہونے والی اس بابرکت فتح کے آثار اس طرح سامنے آئے کہ مسلمانوں کے اقتدار کا سورج مسلسل ۸ سو برس تک ہسپانیہ کے آسمان پر پوری آب وتاب سے چمکتا رہا۔

(۹) فتح بذ: خلیفہ معتصم نے اپنی دور اندیشی سے ”بابک“ ظالم (جس نے بیس سال کے عرصے میں دو لاکھ پچپن ہزار پانچ سو مسلمانوں کو شہید کیا تھا، درندہ صفت انسان تھا) کو جمعہ کے دن رمضان میں ۲۲۲/ہجری میں جہنم رسید کیا۔(۱)

(۱۰) فتحِ انطاکیہ: صیہونی جنگوں میں جو عیسائیوں سے پیش آئی دو جنگیں مشہور جنگوں میں شمار ہوتی ہیں، ان میں سے ایک ”فتحِ انطاکیہ“ ہے جو ۶۶۶/ہجری رمضان المبارک میں پیش آئی، جس میں مسلمانوں کو کافی اسبابِ دنیا ہاتھ آیا۔(۲)

---

(۱) البدایہ والنہایہ: ۱۰/ ۲۹۵

(۲) من معارک المسلمین فی رمضان: ۷۲

(۱۱) فتحِ اَرمینیا صغریٰ: یہ جنگ بھی عیسائیوں سے ۶۷۳ رہجری رمضان المبارک میں پیش آئی، اللہ نے کھلی آنکھوں مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

(۱۲) عباسی خلیفہ معتصم کی قیادت میں عموریہ کی فتح ۶ ررمضان المبارک ۲۲۳ رہجری کو ہوئی، یہ غزوہ کی ایک مظلوم مسلمان عورت کی پکار (وامعتصماہ) میں لڑی گئی۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک پردہ دار مسلمان خاتون عموریہ کے بازار میں (آج کا یورپ اس زمانے میں روم کہلاتا تھا) خریداری کے لیے گئی، ایک عیسائی دوکاندار نے اسے بے پردہ کرنے کی کوشش کی اور خاتون کو ایک تھپڑ رسید کیا، لونڈی نے بے بسی کے عالم میں پکارا "وامعتصما!" ہائے خلیفہ معتصم! میری مدد کرو، اس عیسائی نے اس عورت کے چہرے پر کھینچ کر ایک دوسرا تھپڑ رسید کیا جس سے وہ تلملا اٹھی، سب دوکاندار ہنسنے لگے، اسکا مذاق اڑانے لگے کہ سینکڑوں میل دور سے معتصم تمہاری آواز کیسے سنے گا؟ مگر یہ اس وقت کی بات ہے جب مسلمانوں میں ایک جسم ہونے کا احساس باقی تھا، یہ ممکن نہ تھا کسی ایک کو مشکل، آفت یا دشمن نے گھیر رکھا ہو اور دوسرا اپنے روز مرہ کے معمول کی زندگی میں بدستور مصروف رہے، اسے اپنے بھائی کی مشکل دور ہونے تک چین نہ آتا تھا، بغداد کی مسند خلافت پر معتصم باللہ موجود تھا اور یہ مظلوم عورت اس سے سینکڑوں میل دور رومیوں کے علاقے میں واقع "عموریہ" نامی قلعہ میں قید تھی، معتصم باللہ اپنے آباء واجداد جیسا کوئی بہت ہی صاحب جلال اور باکمال حکمران نہ تھا مگر اس کی رگوں میں غیرت مند خون دوڑ رہا تھا اور اس زمانے کے عام حکمران بھی غیرت وحمیت میں اپنی مثال آپ ہوا کرتے تھے۔

ایک مسلمان یہ منظر دیکھ رہا تھا، اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا: میں اس کی آواز کو معتصم تک پہنچاؤں گا، وہ بغیر رکے دن رات سفر کرتا ہوا معتصم تک پہنچ گیا، اور اسے یہ ماجرا سنایا، یہ سننا تھا کہ خلیفہ معتصم باللہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا، خلیفہ معتصم نے اس آدمی سے دریافت کیا: عموریہ کس سمت میں ہے؟ اس آدمی نے عموریہ کی سمت اشارہ کرکے بتلایا کہ

عموریہ اس طرف ہے، خلیفہ معتصم باللہ نے اپنا رخ عموریہ کی سمت موڑا اور کہا: میں تیری آواز پر حاضر ہوں اے لونڈی، معتصم تیری پکار کا جواب دینے آرہا ہے، میری بہن میں حاضر ہوں۔" لبیک، ایتها الجاریة! البیک، هذا المعتصم بالله اجابک، لبیک یا اختاه"

خلیفہ نے عموریہ کے لیے بارہ ہزار گھوڑے تیار کرائے اور ایک لشکر جرار لے کر عموریہ پہنچا، مسلمانوں کی آمد سے خوفزدہ ہو کر رومی قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے، تو آپ نے اس کا محاصرہ کرلیا، جب اس محاصرے ہے کی مدت طول پکڑ گئی تو اس نے مشیروں سے مشورہ طلب کیا- انہوں نے کہا: ہمارے خیال کے مطابق آپ عموریہ کو انگور اور انجیر کے پکنے کے زمانے ہی میں فتح کرسکتے ہیں، چونکہ اس فصل کے پکنے کے لیے ایک لمبا وقت درکار تھا، اس لیے خلیفہ پر یہ مشورہ بڑا گراں گزرا، خلیفہ اسی رات اپنے خاص سپاہیوں کے ہمراہ چپکے چپکے لشکر کے معائنے کے لیے نکلا تاکہ مجاہدین کی باتیں سن سکے کہ اس بارے میں ان کی چہ مگوئیاں کس نتیجے پر پہنچنے والی ہیں، خلیفہ کا گزر ایک خیمے کے پاس سے ہوا جس میں ایک لوہار گھوڑوں کی نعلیں تیار کر رہا تھا، بھٹی گرم تھی، وہ گرم گرم سرخ لوہے کی نعل نکالتا تو اس کے سامنے ایک گنجا اور بدصورت غلام بڑی تیزی سے ہتھوڑا اچلاتا جاتا، لوہار بڑی مہارت سے نعل کو الٹتا پلٹتا اور اسے پانی سے بھرے برتن میں ڈالتا جاتا، اچانک غلام نے بڑے زور سے ہتھوڑا مارا اور کہنے لگا: یہ معتصم کے سر پر۔"فی راس المعتصم"

لوہار نے غلام سے کہا: تم نے بڑا برا کلمہ کہا ہے، اپنی اوقات میں رہو تمہیں اس بات کا کوئی حق نہیں کہ خلیفہ کے بارے میں ایسا کلمہ کہو، غلام کہنے لگا : تمہاری بات بلکل درست ہے مگر ہمارے خلیفہ بالکل عقل کا کورا ہوگیا ہے، اس کے پاس اتنی فوج ہے، تمام تر قوت اور طاقت ہونے کی باوجود حملہ میں تاخیر کرنا کسی صورت مناسب نہیں، اللہ کی قسم! اگر خلیفہ مجھے یہ ذمہ داری سونپ دیتا تو میں کل کا دن عموریہ شہر میں گزارتا"لوہار اور اس کے غلام کا یہ کلام سن کر

خلیفہ معتصم باللہ کو بڑا تعجب ہوا، پھر اس نے چند سپاہیوں کو اس خیمے پر نظر رکھنے کا حکم دیا اور اپنے خیمے کی طرف واپس ہوگیا، صبح ہوئی تو ان سپاہیوں نے اس ہتھوڑے مارنے والے غلام کو خلیفہ معتصم باللہ کی خدمت میں حاضر کیا۔

خلیفہ نے پوچھا: رات جو باتیں مین نے سنی ہیں، ان باتوں کی کرنے کی تمہیں جرات کیسے ہوئی؟ غلام نے جواب دیا: آپ نے جو کچھ سنا ہے، وہ سچ ہے، اگر آپ جنگ میں مجھے کمانڈر بنا دیں تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالی عموریہ کو میرے ہاتھوں فتح کروا دے گا، خلیفہ نے کہا: جاؤ میں نے فوج کی کمان تمہیں سونپ دی، چنانچہ اللہ تعالی نے عموریہ کو اس غلام کے ہاتھوں فتح کرا دیا، پھر معتصم باللہ شہر کے اندر داخل ہوا، اس نے فوراً اس آدمی کو تلاش کیا جو اس عورت کے متعلق اس کے دربار تک شکایت اور پیغام لے گیا تھا اور اس سے فرمایا: جہاں تو نے اس عورت کو دیکھا تھا وہاں مجھے لے چلو- وہ آدمی خلیفہ کو وہاں لے گیا اور عورت کو اس کے گھر سے بلا کر خلیفہ کی خدمت میں حاضر کیا، اس وقت خلیفہ نے اس عورت سے کہا: لڑکی! بتا معتصم تیری مدد کو پہنچا یا نہیں؟" یا جاریہ! ھل اجابک المعتصم؟ " اس لڑکی نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا، اور اب تلاش اس عیسائی کی ہوئی جس نے اس لڑکی کو تھپڑ رسید کیا تھا، اس کو پکڑ کر لایا گیا اور اس لڑکی سے کہا گیا کہ آج وقت ہے تم اس سے اپنا بدلہ لے لو۔ اللہ اکبر (۱)

کاش!! کاش کہ آج کا مسلمان بھی اپنے بڑوں کے نقش قدم پر چلتا ہوا آگے بڑھتا تو یہ دن امت مسلمہ کو دیکھنا نہ پڑھتا جس کا مشاہدہ آج پوری دنیا میں کیا جا رہا ہے، کاش کہ مسلمان اپنے رب پر توکل کرتے اور دنیا کو اپنا مقصد نہ گردانتے لیکن ہمیں پھر بھی یہ امید ہے کہ ایک نہ ایک دن امت مسلمہ بیدار ہوگی اور اپنے بزرگوں کی طرح غیرت دکھائے گی۔

(۱۳) سیف الدین محمود قطز کی قیادت میں عین جالوت کی جنگ ۲۴/ رمضان

---

(۱) محاضرات الابرار: ۲/ ۶۳، قصص العرب۔

المبارک ۶۵۸ر ہجری میں لڑی گئی، جس میں پہلی مرتبہ مغل لشکر کو شکست ہوئی اور ''ہلاکو'' کا نائب ''کتبغا'' بھی مارا گیا۔

(۱۴) اس کے علاوہ مختار ثقفی کی سلطنت کا زوال ۶۷ر ہجری رمضان میں ''جنگ شقحب یا جنگ صفر'' ۷۰۲ر ہجری ۲ر رمضان میں ''جزیرۂ قبرص'' کی فتح ۸۲۹ر ہجری رمضان المبارک میں ''فتح بوسینا'' ۷۹۱ر ہجری رمضان میں ''فتح بلغار'' ۸۲۷ر ہجری ۲۵ر رمضان میں، عیسائیوں سے مصر میں فتح ۱۳۹۳ر ہجری ۱۰ر رمضان میں پیش آئی، یہ رمضان ہی کا مہینہ تھا جب عظیم اسلامی فاتح طارق بن زیادؒ نے قرطبہ اور غرناطہ کو فتح کیا اور ہسپانوی لشکروں کو شکست دی، رمضان المبارک ہی میں فرانس (France) کے میدانوں میں عبد الرحمن الغفیقی اور چارلس مارٹل کی فوجوں کے درمیان جنگ ہوئی جس میں کئی مسلمان فوجی شہید ہوئے، جنگِ عینِ جالوت بھی رمضان المبارک میں لڑی گئی جب سید قطز کی مصری فوج نے منگول فوج کو شکست دی، یہ پہلی جنگ تھی جس میں منگولوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور حتمی طور پر ان کی پیش قدمی کا خاتمہ ہو گیا۔(۱)

(۱۵) ۵۳۸ھ ہجری کے رمضان المبارک میں معرکہ حطین برپا ہوا اور مسلمانوں نے صلاح الدین ایوبی کی زیر قیادت بیت المقدس کو عیسائیوں کے قبضے سے چھڑا کر اس پر اسلام کا علم لہرایا۔

(۱۶) ۵۵۹ھ ہجری کے رمضان المبارک کی ۹ر تاریخ کو معرکہ حارم برپا ہوا جس میں نور الدین زنگی کی قیادت میں اسلامی افواج نے عیسائیوں پر فتح حاصل کی اور حارم شہر کو دوبارہ ملک شام کا حصہ بنا دیا۔

(۱۷) ۵۷۰ھ ہجری کے رمضان المبارک میں بعلبک کا شہر فتح ہوا، اس ماہ مبارک کی ۱۴ر تاریخ کو صلاح الدین ایوبی نے شام کے متعدد شہروں کو صلیبیوں سے آزادی دلائی جن

---

(۱) مستفاد از: البدایہ والنہایہ، تفصیل کے لیے دیکھیں ''البدایہ والنہایہ جلد: ۱۰، من معارک المسلمین فی رمضان، تاریخ اسلام۔

میں بعلبک کا شہر بھی تھا۔

(۱۸) ۶۵۸ھ ہجری میں رمضان المبارک کی ۲۴ رتاریخ کو معرکہ عین جالوت برپا ہوا۔ یہ بڑی اہم اور ناقابل فراموش جنگ تھی جس میں سلطان سیف الدین قطز نے تارتاریوں کے اس لشکر کو شکست فاش سے دو چار کیا جو پے در پے فتوحات حاصل کرتا ہوا سیلاب کی مانند بڑھتا چلا آرہا تھا، تاتاریوں کی قیادت ہلاکو خان کررہا تھا، خاندان غلاماں کے دور حکومت میں ۱۲۵۹ء عیسوی میں ناصرہ کے قریب سلطان سیف الدین قطز اور ظاہر بیبرس نے اسلامی لشکر کے ساتھ تارتاریوں کے اس تباہ کن طوفان کو بریک (Break) لگا دی جس نے مملکت اسلامیہ کے ایک بڑے حصے کو تاراج کرنے کے بعد اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔

(۱۹) ہندوستان کی آزادی ۱۵ ر اگست ۱۹۴۷ء، ۲۷ ر رمضان جمعہ کے دن ہوئی۔

ظاہر ہے جنگ کوئی کھیل نہیں ہے کہ لالی پپ (Lollipop) کھا کر جیت لی جائے، بلکہ جان ہتھیلی میں لے کر کفن سر پہ باندھ کر چلنا پڑتا ہے، ان جنگوں میں شریک تمام اہلِ ایمان رمضان کے مبارک مہینے میں بڑی سخت آزمائش کی وادیوں کو پار کرتے ہوئے تبلیغ دین کی خاطر جام شہادت نوش کرتے رہے، لیکن آج مسلمان جب اپنی ذمے داری سے اور ذمے داری کے احساس سے غافل ہو گئے تو کہیں مسلمانوں کو سجدے کی حالت میں رمضان کے مہینے میں ذبح کیا گیا کہیں مسجدوں پر بم برسائے گئے، پیاس کی سخت شدت میں انھیں خون سے سیراب کیا گیا، کہاں وہ مسلمان جن پہ نازاں تھی دنیا! اور کہاں آج کے مسلمان جن سے اسلام خود شرمندہ ہے! فیا للمفارقة العجيبة!!

وكنا عظاما فصرنا عظاما　　وكنا نقوت فها نحن قوت

جب ہم بلند عزم وعظمت کے مالک تھے تو نتیجے میں عظمت والے ہوئے، اور جب ہم قوتِ لاینفع (کمزور) تھے تو دیکھ لو! ہم نتیجے میں کمزور ہی ہیں۔

<u>جب رمضان میں اسلاف سے دینِ اسلام کی خاطر خون بہانا ہو سکتا ہے تو کیا ہم سے روزہ ونماز نہیں ہو سکتی؟ تلاوتِ قرآنِ مجید نہیں ہو سکتی؟ رمضان میں تبلیغ نہیں ہو سکتی؟ کسی</u>

غریب کی مدد نہیں ہوسکتی ؟ فریضۂ زکات کی ادائیگی نہیں ہوسکتی ؟ بازاروں کی آوارگی کم نہیں ہوسکتی ؟ اپنی بداخلاقی و بداعمالی سے سچی توبہ نہیں ہوسکتی ؟ اپنی ''انا'' پر تواضع کی تلوار نہیں چل سکتی ؟ مسلکی، علاقائی، فکری تعصب پر ضرب نہیں لگائی جاسکتی ؟ اگر یہ نہیں ہوسکتا تو پھر آخر ہم کسی مرض کی دواء بھی ہیں یا قوم کے لیے ایک مہلک مرض ہیں ؟ حقیقت یہ کہ یہ مبارک مہینہ صرف روزے رکھنے کا مہینہ نہیں بلکہ اس کے ساتھ امت کی مجاہدانہ سرگرمیاں بھی کثرت سے وابستہ ہیں ۔

رمضان میں پیش آمدہ چند تاریخی واقعات

ا۔حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے (آسمانی کتابچے ورسائل) رمضان کی پہلی تاریخ میں اور تورات رمضان کی چھٹی تاریخ میں، اور انجیل تیرھویں تاریخ میں، اور زبور اٹھارھویں تاریخ میں، اور قرآنِ مجید چوبیس تاریخ گزرنے کے بعد نازل ہوا ۔''أنزلت صحف إبراهيم أول ليلة من شهر رمضان، وأنزلت التوراة لست مضين من رمضان وأنزل الإنجيل لثلاث عشرةمضت من رمضان، وأنزل الزبور لثمان عشرة خلت من رمضان، وأنزل القرآن لأربع وعشرين خلت من رمضان۔''(ا)

تمام آسمانی کتابیں، یہاں تک کہ سب سے اعلیٰ آسمانی کتاب'' قرآنِ مجید'' کے نازل ہونے کے لیے رمضان کے مہینے کا انتخاب فرمانا اس مہینے کی فضیلت واہمیت کی واضح دلیل ہے،گویا کہ جومقام وشرف آسمانی کتابوں کو دوسری کتابوں پر اور قرآن مجید کو دوسری آسمانی کتابوں پر حاصل ہے وہی شرف رمضان المبارک کے مہینے میں نازل ہونے کی وجہ سے رمضان کے مہینے میں تلاوت کو حاصل ہے ۔

(ا) المعجم الکبیر، حدیث :۱۸۵، مسند احمد، حدیث: ۱۶۹۸۴، شعب الایمان للبیہقی، حدیث: ۱۲۵ : ۲۰۵۳

۲۔ہجرت سے پہلے نبوت کے پہلے سال رمضان کے مہینے میں آپ ﷺ پر پہلی وحی یعنی سورۂ علق کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔(۱)

رمضان کے مہینے میں وفات پانے والے

۞ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال نبوت کے دسویں سال ہجرت سے پہلے رمضان کے مہینے میں ہوا،آپ ﷺ کی پہلی زوجۂ مطہرہ، آپ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے پندرہ سال بعد جب حضور ﷺ کو نبوت عطا ہوئی ، پیغام نبوت جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سنایا ، نہ صرف یہ کہ قبول کیا بلکہ خوف اور مصائب میں ،مشرکین کی طرف سے طرح طرح کی اذیتیں پہنچنے پر تسلی اور تشفی بھی دیتی رہی ،خوف اور مشکل وقت میں حضور ﷺ کا ساتھ دیا،حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد پچیس سال تک حیات رہیں،گیارہ رمضان المبارک دس نبوی ہجرت سے تین سال پہلے وفات پائی ،اس وقت ان کی عمر چونسٹھ سال چھ ماہ کی تھی،آپ رضی اللہ عنہا سے دو صاجزادے اور چار صاجزادیاں ہوئیں۔(۲)

۞ رمضان المبارک دو ہجری میں حضور ﷺ کی صاجزادی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا،آپ رضی اللہ عنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں، جب آپ ﷺ غزوۂ بدر کے لیے تشریف لے جانے لگے تو آپ رضی اللہ عنہا اس وقت بیمار تھیں،آپ ﷺ نے ان کی تیمارداری کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں ٹھہرایا،بیوی کے حقوق کی اس سے بڑی تعلیم کیا ہوگی کہ اسلام کا عظیم غزوہ ’’غزوۂ بدر‘‘ سے رکوا کر بیوی کی خدمت میں مصروف رکھا،اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مالِ غنیمت میں حصہ دیکر زبانِ حال سے فرمادیا کہ حقوقِ زوجہ ادا کرنا بدر کی شرکت کا ثواب رکھتا ہے،لوگوں کو حضرت حنظلہ کا صحبت کے بعد دلہن کو چھوڑ کر بنا غسل کے جہاد کی شرکت کرنا یاد رہتا ہے، بیوی کی

---

(۱)البدایہ والنهایه :۶/۳،باب کیفیة بدء الوحی إلی رسول اللہ ﷺ
(۲)البدایہ والنهایه :۳۳۰/۷

خاطر ''بدر'' کی شرکت چھوڑ نایاد نہیں رہتا ہے، خیر! جس دن قاصد غزوہ بدر کی فتح کی خوشخبری لے کر آیا اسی دن آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔(۱)

۞ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات: ۵۸ ؍ہجری ماہِ رمضان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں اور انھوں نے وصیت کی کہ انھیں امہات المومنین رضی اللہ عنہن اور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن کیا جائے، ماہِ رمضان کی ۱۷ ؍تاریخ، منگل کی رات ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی، وفات کے وقت ان کی عمر ۶۶ ؍برس تھی، ۱۸ ؍سال کی عمر میں بیوہ ہوئی تھیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، ایک قول آپ رضی اللہ عنہا کی وفات کا شوال کے مہینہ میں ہونے کا بھی ہے۔(۲)

۞ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں اور چند روز بیمار رہیں، پھر تین رمضان المبارک ۱۱ ؍ہجری میں منگل کی شب ان کا انتقال ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشن گوئی کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آکر ملوگی پوری ہوئی، علماء نے اُس وقت ان کی عمرِ مبارک اٹھائیس یا انتیس ۲۸ ؍یا ۲۹ ؍برس ذکر کی ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سنِ وفات اور ان کی عمر کی تعیین میں سیرت نگاروں نے متعدد اقوال لکھے ہیں، ہم نے یہاں مشہور قول کے مطابق تاریخِ انتقال اور مدتِ عمر درج کی ہے۔(۳)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے کم عمر تھیں، آپ رضی اللہ عنہا کی ولادت میں اختلاف ہے کہ بعثت سے ایک سال قبل پیدا ہوئیں، یا پانچ سال قبل، ذوالحجہ دو ہجری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا، آپ کی پانچ اولادیں ہوئیں، حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، محسن رضی اللہ عنہ، ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور زینب رضی اللہ عنہا، محسن تو بچپن میں ہی فوت ہو گئے، ام کلثوم بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے

---

(۱) البدایہ والنہایہ: ۳۳۰/۷

(۲) المنتظم لابن جوزی: ۵۹/۴ ؍بحوالہ: ماہِ رمضان کے فضائل واحکام: ۵۸۰

(۳) سیر الصحابہ: ۲۰/۶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی، دوسری بیٹی حضرت زینب کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوا، ان سے اولاد ہوئی اور باقی دو صاجزادے حضرات حسنین کے حالات تو روز روشن کی طرح عام و خاص سب جانتے ہیں، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا حلیہ مبارک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتا جلتا تھا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گفتگو لب ولہجہ، نشست و برخاست کا طریقہ بالکل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جیسا تھا، رفتار بھی بالکل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفتار جیسی تھی۔

۞ ماہِ رمضان ۳۲ھ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ۸۶ / ۸۸ سال کی عمر میں انتقال ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا بڑے جلیل القدر صحابی، اسلام تو پہلے ہی قبول کر لئے تھے، لیکن فتح مکہ سے کچھ عرصے قبل اس کا اعلان کیا، مدینہ منورہ ہجرت کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوۂ طائف اور غزوۂ حنین میں شرکت کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب مسجد نبوی میں توسیع ہو رہی تھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر مسجد نبوی میں توسیع کے لیے حوالے کر دیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وفات پائی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جنازے کی نماز پڑھائی، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے لحد مبارک میں اتارا۔(۱)

۞ ماہِ رمضان ۴۰ھ کو خلیفۂ چہارم دامادِ رسول حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کے منافق ٹولے نے مسلمانوں اور اسلام کو پے در پے نقصان پہنچائے، اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ تھی کہ ایک طرف تو اس ٹولے نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں غلو کرنے والے تیار کیے حتیٰ کہ ان میں سے بعض حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ خدا کہنے لگے، دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں لوگ تیار کیے، حتی کہ ان میں سے بعض حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معاذ اللہ کافر کہنے لگے جنہیں خارجی کہا جاتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل عبدالرحمن بن ملجم اسی مکروہ سیاست سے بنے ہوئے جال کا حصہ

---

(۱) البدایہ والنہایہ: ۷/ ۳۳۰

تھا۔(۱)

۞ حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم جن کے فضل وکمال اور تفقہ کے معترف تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں"یا اهل مكة تجتمعون علی و عندكم عطاء" اے اہل مکہ! جب تمہارے پاس حضرت عطاء موجود ہیں تو میرے پاس آنے کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے"تجتمعون لی المسائل و فيكم عطاء" جب تمہارے اندر حضرت عطاء موجود ہیں تو مجھ سے مسائل پوچھنے کیوں آتے ہو؟(۲)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ، دوسو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جن کی ملاقات ہے، سوسال کی عمر میں رمضان کے مہینہ ۱۱۴ھ میں انتقال ہوا، امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے تھے: جس وقت حضرت عطاء نے انتقال کیا اس وقت لوگوں میں روئے زمین کے سب سے زیادہ پسندیدہ آدمی تھے۔(۳)

۞ عابد وزاہد، محدث وفقیہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی وفات رمضان کے مہینے میں ہوئی، اسماعیل ابن عیاش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: روئے زمین پر ان جیسا کوئی نہیں، ہر نیکی کو میں نے ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ میں پایا جو اللہ تعالیٰ نے ان میں ودیعت کر رکھی تھی، وہ اپنے ساتھیوں کی ضیافت فرماتے؛ حالاں کہ وہ خود روزے سے ہوتے، ابن مبارکؒ کی طرزِ زندگی دیکھ کر سفیان ابن عیینہ کہتے تھے کہ میری زندگی کا کم از کم ایک سال ابن مبارک کی طرح گزر جائے؛ حالانکہ تین دن بھی ایسے نہیں گزر سکتے، مال و دولت کے ڈھیر لگے ہوئے ہونے اور علم جیسی عظیم ترین نعمت ہاتھ آنے کے باوجود وہ میدان جنگ سے اپنے آپ کو مستغنی نہیں سمجھتے، ایک جنگ کا واقعہ لکھا ہے کہ دشمنوں کی صفیں تیار ہوگئیں، ادھر مسلمان بھی تیار ہوگئے،

---

(۱) البدایہ والنہایہ :۷/۳۳۰

(۲) تذکرۃ الحفاظ:۱/۸۵۔

(۳) تذکرۃ الحفاظ:۱/۸۵۔

ایک کافر جوان آگے بڑھا، اس نے آواز دی آؤ مقابلہ کے لیے، مسلمانوں کی صف سے ایک جوان اپنے منھ پر کپڑا باندھ کر نکل پڑا، اور اس کا کام تمام کر دیا، ایسے ہی پھر دو کافر نکلے، جن کا مؤمن شخص نے کام تمام کر دیا، اس کے بعد وہ مؤمن شخص مسلمانوں کے لشکر میں آ کر منھ کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

جیسے حاتم طائی کی سخاوت مشہور ہوگئی تھی، اسی طرح طبقۂ علماء میں ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی سخاوت لوگوں کے مابین نہایت مشہور ہے، ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اپنے سلسلہ میں فرماتے ہیں: میری تجارت کی غرض ہی علماء وصوفیاء اور مشائخین کی امداد کرنا ہے، ایک دفعہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو خود مشہور بزرگ ہیں، ان سے کہنے لگے اگر تم اور تمہارے ساتھی نہ ہوتے تو میں کبھی تجارت نہ کرتا، فقراء پر ہر سال ایک لاکھ درہم خرچ کرتے، نیز عابدین وزاہدین پر رأس المال کا نفع خرچ کرتے۔(۲)

بادشاہوں کے مقابلے بزرگوں کی جو حکومت ہوتی ہے، وہ اس طرح کہ عوام کے دلوں پر وہ راج کرتے ہیں؛ چنانچہ ایک دفعہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ رقہ آئے، لوگ جوتے چپل چھوڑ کر ان کے پیچھے جانے لگے اور غبار بہت زیادہ اڑنے لگا، خلیفہ ہارون رشید کی باندی محل کی کھڑکی سے یہ سب نظارہ کر رہی تھی، اس باندی نے پوچھا: یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا: یہ خراسان کے عالم دین ہیں، جو رقہ آئے ہوئے ہیں، لوگ انھیں دیکھنے اور سننے کے لیے جمع ہو رہے ہیں، اس باندی نے یہ سن کر کہا کہ ہارون رشید حقیقت میں بادشاہ نہیں ہیں؛ بلکہ حقیقتاً بادشاہ تو یہ ہیں؛ کیوں کہ ان کے جمع کرنے کے لیے کوئی پولیس ومددگار کی ضرورت نہیں۔(۳)

۞ امام ابن ماجہؒ فن حدیث کے جلیل القدر اور عظیم ترین امام ہیں، جمع حدیث کے

---

(۱) صفۃ الصفوۃ: ۲/ ۳۲۹۔

(۲) صفۃ الصفوۃ ۲/ ۳۲۶۔

(۳) البدایہ والنہایہ ۱۰/ ۱۱۵۔

لیے مختلف مما لک کی طرف رخت سفر باندھا، حافظ شمس الدین ذہبی، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہما اور دیگر ناقدین فن نے علم حدیث میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی امامت، رفعت شان، وسعت نظر، حفظ حدیث اور ثقاہت کا اعتراف کیا ہے، الباقیات الصالحات کے طور پر تین بڑی کتابیں چھوڑیں :[۱] ''السنن''، جس کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے اور درجے کے لحاظ سے یہ چھٹی کتاب ہے [۲] ''التفسیر'' ایک بہت بڑی تفسیر تھی جس میں آپ نے احادیث، آثار صحابہ و تابعین کو بالاسناد جمع کیا تھا، امام سیوطیؒ نے تفسیر طبری کے بعد تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن ماجہ کو بڑی تفاسیر میں شمار کیا ہے، البدایہ میں امام ابن کثیرؒ نے بھی اسے بہت بڑی تفسیر قرار دیا ہے۔ [۳] ''التاریخ''، یہ بھی مؤلف کی جلالت علمی کی مظہر ہے اور ان کے علم وفضل کے مطابق ایک اہم تاریخ ہے، امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے تاریخ کامل کہا اور مشہور مؤرخ ابن خلکان نے اسے تاریخ ملیح کہا ہے لیکن افسوس کہ مؤخر الذکر دونوں کتابیں اب ناپید ہیں، آپؒ ۲۲/ رمضان المبارک ۲۷۳ھ بمطابق ۸۸۷ء کو ۶۴ سال کی عمر میں پیر کے دن داعی اجل کو لبیک کہا۔

۞ نام عبدالرحمن اور کنیت ابن خلدون، تیونس ہی میں ۷۳۲ھ میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں قرآن حفظ کرلیا اور مجوزہ تعلیمی نصاب پر دسترس حاصل کرلی، ۱۷/سال کی عمر میں تونس شہر میں طاعون کی بیماری پھیلنے کی وجہ سے ان کے والدین اور اکثر اساتذہ انتقال کر گئے، والیٔ تونس کے دربار میں کاتب کی حیثیت سے اپنی معاشی اور دیگر مجبوریوں کے تحت ملازمت حاصل کی، چونکہ بلند خیالات کے مالک تھے، نوکری چھوڑ کر تیونس سے مراکش جو تیونس کے مقابلے میں زیادہ طاقتور اور ترقی یافتہ مملکت تھی جانا چاہا، مگر حالات ایسے ناسازگار رہے کہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کو گاؤں گاؤں چھپ چھپ کے زندگی گزارنی پڑی، بالآخر مراکش کے درباری علماء کے گروہ میں شامل ہونا پڑا، کسی سازش کرنے کے جرم میں ابوعنان نے ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کو جیل میں ۲۲/ مہینے محبوس رکھا، حالات ایسے ناروا رہے کہ دل برداشتہ ہو کر بھاگ کر اندلس جانا پڑا، ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ جب بھی کسی حاکم کے پاس چلے جاتے تو غیر

معمولی قدر دانی حاصل کرتے چونکہ غیر معمولی ذہانت و فطانت، سیاسی تدبر وتفکر، وسیع علم و دانائی کے مالک تھے، وہ کنگ میکر (King maker) تھے، محققین لکھتے ہیں" افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ اپنی اس خوبی اور صلاحیت کو وہ کسی بلند سیاسی نصب العین کے حصول کے لیے استعمال نہ کرسکا، ورنہ ہوسکتا تھا کہ عمرانیات اور تاریخ نگاری کا یہ امام کسی عظیم سلطنت کا بانی اور مؤسس بھی ہوتا"

دوسری بات یہ کہ ابن خلدون اپنی غیر معمولی ذہانت وفطانت اور علم و دانائی کے سبب ہر جگہ رقیبوں کی ایک جماعت پیدا کرتا جو اس کی مقبولیت ومعروفیت کو کم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے، دسمبر ۱۳۸۲ء میں حج کرنے کے بعد قاہرہ میں جامعہ ازہر میں بحیثیت معلم پڑھانا شروع کیا، فقہ مالکی کی قضا کے منصب پر رہے، اسی دوران بیوی و بچوں کی موت کی خبر موصول ہوئی جو سمندر کے طوفان کا شکار ہوئے تھے، ابن خلدون کی علمی وخدمات تین مختلف پہلوؤں پر منقسم ہے، [۱] مؤرخ [۲] دوم فلسفی [۳] عمرانیات کے امام، آپ رحمۃ اللہ علیہ کا "مقدمہ ابن خلدون" اپنی مثال آپ ہے، اپنی تاریخ کے "مقدمے" میں ایک نئی سائنس کی بنیاد رکھی، اسلامی تاریخ میں ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے متعلقہ علمی شعبہ جات میں کوئی مثل نہیں، مقدمہ ابن خلدون کو جس قدر و قیمت کی نگاہ سے مغرب میں دیکھا گیا مسلم دنیا میں اس کی افادیت کے بارے میں مقابلۃً بہت کم توجہ دی گئی، مقدمہ ابن خلدون کے متعلق معروف مؤرخ ٹوین بی (TWIN B) نے کہا ہے "ایک فلسفۂ تاریخ جو بغیر کسی شک وشبہ کے ایک ایسا عظیم کام ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے کسی وقت اور جگہ پہ کسی انسانی دماغ نے پیدا کیا ہو... ابن خلدون ایک ایسی مسلم عبقری شخصیت ہے جسے مغرب نے علمی دنیا میں آسانی کے ساتھ قبول کیا اور اس کے کام کو سراہا، ابن خلدون کو ہسٹریوگرافی (Histeography)، فلسفہ تاریخ اور سوشیالوجی (Sociology) کا بابائے آدم تسلیم کیا جاتا ہے، یہ اعزازات مغرب نے ابن خلدون کے معرکۃ الآرا کام کے عوض عنایت کئے ہیں" سنہ ۱۴۰۶ء میں ۷۶ / سال کی عمر میں رمضان المبارک میں انتقال کر گئے۔

۞ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ تابعی اور عبداللہ بن مبارک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ کا ماہِ رمضان ۱۸۱ھ میں انتقال ہوا۔

ان کے علاوہ ایک طویل فہرست اسلاف کے رمضان المبارک کے مہینے میں وفات پانے والوں کی ہے جیسے علامہ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ محلی (صاحب جلالین نصف اول)،علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ نوالایضاح،حال میں رحمۃ اللہ الواسعہ،بخاری وترمذی کے شارح مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال رمضان المبارک میں ہوا۔

رمضان میں عمرہ کی فضیلت

عمرہ پورے سال میں کبھی بھی کرسکتے ہیں،البتہ رمضان المبارک میں اعمال کا ثواب کئی گنا زائد ہوجاتا ہے،اس لیے رمضان میں عمرے کا ثواب بھی بڑھا دیا جاتا ہے،حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے شوہر ابوسلیم رض اوران کے بیٹے مجھے چھوڑ کر حج پر چلے گئے،آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ام سلیم رضی اللہ عنہا رمضان میں عمرہ حج کے برابر ثواب رکھتا ہے"یاام سلیم !عمرة فی رمضان تعدل حجة"(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رمضان میں عمرہ کرنا، میرے ساتھ حج کے برابر ثواب رکھتا ہے۔"عمرة فی رمضان کحجة معی"(۲)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انصاری عورت سے پوچھا: تمہارے لیے ہمارے ساتھ حج کرنے پر کیا رکاوٹ ہے؟ اس نے جواب دیا: ہمارے پاس صرف دو اونٹ ہیں ایک پر میرا بیٹا اوراس کے والد حج کرنے چلے گئے اور دوسرا ہمارے لئے چھوڑ دیا تاکہ ہم اس سے کھیتی کو سیراب کرنے کا کام لیں،

(۱)صحیح ابن حبان:۴/ ۲۰۳،حدیث:۳۷۱۰

(۲)المعجم الکبیر للطبرانی ۲۵۱ :حدیث:۷۲۲

آپ ﷺ نے فرمایا: جب ماہِ رمضان آئے تو اس میں عمرہ کر لینا؛ کیونکہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔(۱)

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔(۲)

مذکورہ فضیلت کس کے لیے ہے؟ اس میں اہلِ علم کے تین اقوال ہیں:

اول: یہ حدیث اسی عورت کے ساتھ خاص ہے، جس سے نبی کریم ﷺ مخاطب تھے، یہ موقف سعید بن جبیر تابعیؒ کا ہے۔(۳) اس موقف کے لیے ام معقل رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی دلیل لی جاسکتی ہے، وہ کہتی ہیں: حج حج ہے اور عمرہ عمرہ ہے، یہ بات رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمائی تھی، اب مجھے معلوم نہیں یہ میرے لیے خاص تھا یا کہ تمام لوگوں کے لیے عام ہے یہ حدیث ابو داود سجستانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے، لیکن یہ اضافی الفاظ ضعیف ہیں۔(۴)

دوم: یہ فضیلت اسے حاصل ہوگی جس نے حج کی نیت کی؛ لیکن حج ادا کرنے سے عاجز ہوگیا، پھر اس کے عوض رمضان میں عمرہ کیا، چنانچہ حج کی نیت اور عمرے کی ادائیگی دونوں کاموں کے ملنے سے اسے نبی کریم ﷺ کے ساتھ حج تام کرنے کا اجر حاصل ہوگیا۔

ابن رجب ''لطائف المعارف'' میں کہتے ہیں:

واضح رہے کہ جو شخص نیکی کا کام نہ کر سکے، اس پر اسے حسرت بھی ہو اور اسے کرنے کی تمنا بھی کرے تو وہ نیکی کا کام کرنے والے کے ساتھ اجر میں شریک ہوگا.. پھر انہوں نے اس کی بہت سی مثالیں ذکر کیں، ان میں ایک یہ ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے ساتھ حج نہ کر سکی، جب آپ ﷺ واپس آئے تو اس عورت نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا عمل اس حج کا متبادل بن سکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: رمضان میں عمرہ کرلو؛ کیوں کہ

(۱) بخاری شریف ۲/۶۳۱: باب عمرۃ فی رمضان، حدیث: ۱۶۹۰

(۲) مسلم شریف، حدیث: ۱۲۵۶

(۳) فتح الباری: ۳/۶۰۵

(۴) ابو داود، حدیث: ۱۹۸۹

رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے، دوسری روایت میں ہے" میرے ساتھ حج کے برابر ہے"۔(۱)

یہی بات ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں کہی ہے۔(۲)

اس قول کو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ مجموع الفتاوی: ۲۶/ ۲۹۳" میں ایک احتمال کے طور پر ذکر کیا ہے۔

سوم: یہ قول مذاہبِ اربعہ کے بعض علماء اور دیگر اہلِ علم کا ہے کہ اس حدیث میں مذکورہ فضیلت عام ہے اور ہر اس شخص کو یہ حاصل ہوسکتی ہے جو رمضان کے مہینے میں عمرہ کرے، چنانچہ رمضان میں عمرہ تمام لوگوں کے لیے حج کے برابر ہے، چند اشخاص یا مخصوص احوال کے ساتھ خاص نہیں ہے۔(۳)

ان اقوال میں سے آخری قول راجح ہے کہ یہ فضیلت ہر اس شخص کے لیے ہے جو رمضان میں عمرہ کرتا ہے:

(الف) یہ حدیث بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "یہ حدیث حضرت ابن عباس، حضرت جابر، حضرت ابو ہریرہ، اور حضرت انس رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی مروی ہے، اور ان میں سے اکثر روایات میں سوال کرنے والی عورت کا قصہ موجود نہیں ہے"۔

اور ہر زمانے میں صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمۃ اللہ علیہم، علماء اور صالحین کا اس پر عمل رہا ہے؛ چنانچہ وہ اس اجر کو حاصل کرنے کے لیے رمضان میں عمرہ کرنے کا خصوصی اہتمام کرتے تھے

(ب) اور یہ کہنا کہ یہ فضیلت اس شخص کے ساتھ خاص ہے جو کسی رکاوٹ کی وجہ سے حج کرنے سے عاجز آجائے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس کی نیت سچی ہو اور وہ کام کرنے کے

---

(۱) لطائف المعارف: ۲۴۹

(۲) تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵۳۱

(۳) دیکھیں: ردالمحتار: ۲/ ۴۷۳، مواھب الجلیل: ۲/ ۲۹، المجموع: ۷/ ۱۳۸، المغنی: ۹۱، الموسوعۃ الفقھیہ: ۲/ ۱۴۴

لیے پر عزم ہو اور اس نے اسباب بھی اختیار کر رکھے ہوں، پھر بھی وہ کسی سبب کے آڑے آنے سے عمل نہ کر سکے، تو اللہ تعالیٰ اس کی نیت کی وجہ سے ہی اسے اجر سے نواز دیتے ہیں، تو اجر کے حصول کے لیے اس فضیلت کو کسی زائد عمل یعنی رمضان میں عمرہ کی ادائیگی کے ساتھ منسلک کرنے کی ضرورت ہیں؟ اجر کے حصول کے لیے سچی نیت ہی کافی تھی!

(ج) جہاں تک رمضان میں عمرے کا حج کے برابر ہونے کا سوال ہے؟ اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:-

اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ رمضان میں عمرہ کرنا، فریضۂ حج کا متبادل نہیں بن سکتا، یعنی جو رمضان میں عمرہ کر لیتا ہے اس سے فرض حج ساقط نہیں ہوگا، جو کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور حدیث میں رمضان کے اندر کیے گئے عمرے کو حج کے ساتھ اجر وثواب میں مشابہت دی گئی ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ رمضان میں عمرہ، فرض کا متبادل ہے؛ بلکہ رمضان میں عمرہ اور حج کے ثواب میں برابری اور مساوات کا مطلب اجر کی مقدار ہے، نہ کہ اجر کی جنس اور قسم، اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حج جنس عمل کے اعتبار سے عمرے سے افضل ہے؛ لہذا جو رمضان میں عمرہ کرتا ہے، اسے حج کے اجر کی مقدار کے برابر اجر تو حاصل ہو جائے گا؛ لیکن عمل حج کی کچھ ایسی خوبیاں، فضائل اور امتیازی چیزیں ہیں، جو عمرے میں نہیں ہیں، جیسا کہ حج میں عرفہ کی دعا، جمرات کو کنکریاں مارنا، اور جانور قربان کرنا وغیرہ اعمال ہیں، پس حج اور رمضان میں ادا کیا ہوا عمرہ دونوں ثواب کی مقدار میں تو برابر ہیں؛ لیکن نوع اور کیفیت میں برابر نہیں ہیں۔

یہی توجیہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کی بیان کی ہے، جس میں ہے کہ ایک مرتبہ سورۂ اخلاص کی تلاوت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: رمضان میں عمرہ کے حج کے برابر والی حدیث ایسے ہی ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" پڑھا تو اس نے

ایک تہائی قرآن پڑھ لیا۔(۱)

"مسائل الامام أحمد بن حنبل روایة أبی یعقوب الکوسج "میں ہے کہ میں نے امام احمدؒ سے پوچھا: جو کہتا ہے کہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے، کیا یہ ثابت ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! بالکل ثابت ہے۔(۲)

اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ بالکل ثابت ہے جیسا کہ امام احمدؒ نے کہا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے حج کا اجر لکھا جاتا ہے؛ لیکن وہ حاجی کے مقام و مرتبے کو کبھی نہیں پہنچ سکتا۔

ابنِ تیمیہؒ کہتے ہیں: یہ تو معلوم ہے کہ آپ کے اس فرمان کا مطلب کہ تمہارا رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے مساوی ہے، اس وجہ سے ہے کہ وہ آپ کے ساتھ حج کا ارادہ کر چکی تھیں؛ لیکن حج کی ادائیگی میں رکاوٹ پیدا ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیہ رضی اللہ عنہا کو اس چیز کی خبر دی جو حج کے قائم مقام ہو، اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جس کی یہ حالت تھی وہ بھی اس میں شامل ہوگا، کوئی بھی عقل مند ایسا نہیں کہتا، جیسا کہ بعض جاہلوں کا گمان ہے کہ میقات یا مکہ سے ہم میں سے کسی کا عمرہ کر لینا حج کے برابر ہے؛ کیوں کہ یہ بات تو لازماً معلوم ہے کہ حج تام رمضان میں عمرے سے افضل ہے اور ہم میں سے اگر کوئی فرض حج کرے تو وہ آپ کے ساتھ حج کے برابر نہیں ہو سکتا، تو عمرہ اس کے برابر کیسے ہو سکتا ہے!! حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ہم میں سے کسی کا رمضان میں میقات سے کیا ہوا عمرہ، حج کے برابر ہے۔(۳)

اخلاص کا ایک پہلو جو نگاہ سے اوجھل رہتا ہے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "احیاء علوم الدین" میں ایک باب باندھا، جس میں

(۱) ترمذی: ۲/ ۲۶۸

(۲) مسائل الإمام أحمد بن حنبل روایة أبی یعقوب الکوسج: ۱/ ۵۵۳

(۳) مجموع الفتاوی: ۲۶/ ۲۹۴

دین پسند مالدار لوگوں کا ذکر ہے، جو دھوکے کا شکار ہیں، ان لوگوں میں انہوں نے ایسے لوگوں کو بھی شامل کیا ہے جو بار بار حج کرنے جاتے ہیں، اور ان کے پڑوسی بھوکے رہتے ہیں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے زاہدِ زمانہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکالمہ نقل کیا جس کی غیر معمولی تربیتی اہمیت ہے، ابونصر تمارؒ کہتے ہیں، کہ ایک آدمی بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آ کر کہنے لگا میں نے حج پر جانے کا ارادہ کیوں ہے، آپ کو وہاں سے کچھ چاہئے ہو تو حکم فرمائیں؟ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تم نے سفر کے اخراجات کے لئے کتنی رقم اکٹھا کی ہے؟ کہا: دو ہزار درہم (چاندی کے سکے) حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: حج کرنے کا ارادہ ہوا؟ آیا دنیا سے بے رغبتی ہے، یا خانہ کعبہ کا اشتیاق، یا اللہ کی رضا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: اللہ کی رضا مطلوب ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا: اچھا اگر ایسا ہو جائے کہ تم اپنے گھر میں رہتے ہوئے اللہ کی رضا حاصل کرلو، اور دو ہزار درہم اس یقین کے ساتھ خرچ کردو کہ تمہیں اللہ کی رضا مل جائے گی، تو کیا تم ایسا کرو گے؟ اس نے کہا: ہاں! آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تو جاؤ! یہ سارے درہم دس غریبوں میں تقسیم کردو، ان سے کسی قرض دار کا قرضہ اتر جائے، کسی تنگ دست کی حالت سدھر جائے، کسی صاحب عیال غریب کی مدد ہو جائے، کسی یتیم کے چہرے پر خوشی دوڑ جائے، اور اگر تمہارے دل میں اتنی قوت ہو کہ یہ سارے درہم کسی ایک کو دے سکو تو دے دو، جان لو کہ اگر تم مسلمان کے دل میں خوشی داخل کر دیتے ہو، مصیبت زدہ کو بچا لیتے ہو، تکلیف کو دور کر دیتے ہو، کمزور کی مدد کر دیتے ہو، تو یہ فرض حج ادا کر لینے کے بعد سو بار نفل حج کرنے سے بہتر ہے، جاؤ! ہم نے جیسے کہا ویسے خرچ کرو، ورنہ بتاؤ تمہارے دل میں کیا ہے، اس نے کہا: یہ سفر میرے دل میں بڑی شدت سے ہے، اس پر حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے مسکرا کر فرمایا: جب مال میں گندگی شامل ہو جاتی ہے، تو نفس تقاضا کرتا ہے کہ اس سے کوئی خواہش پوری کی جائے، اس کے لئے نفس اچھے کام بھی دکھاتا ہے، جب کہ اللہ نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ وہ صرف پرہیزگاروں کا عمل قبول کرے گا۔

معلوم ہوا کہ خواہش نفس کبھی اچھے کاموں کی صورت بھی اختیار کرلیتی ہے، اس لئے

نیک کام کرتے ہوئے یہ ضرور دیکھنا چاہئے کہ اس وقت میری صلاحیت، میری دولت اور میری توانائی اچھے کاموں میں لگانے کے بارے میں میرا دل کیا چاہتا ہے، اور اللہ کی رضا کس میں ہے، خلاص صرف یہ نہیں ہے کہ اچھا عمل اللہ کے لئے کیا جائے، اخلاص یہ بھی ہے کہ عمل سے پہلے جانا جائے کہ اللہ کو اس وقت آپ سے کون سا عمل مطلوب ہے، اور پھر جس عمل کے بارے میں آپ کا دل گواہی دے کہ وہ اللہ کو مطلوب ہے بس وہی عمل کرنے کا فیصلہ کریں، چاہے آپ کی اپنی خواہش اس کام کی جگہ کوئی دوسرا اچھے کام کرنے پر اصرار کررہی ہو۔(۱)

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

سیدنا عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ حج کے لیے نکلے تو راستہ میں ایک پرندہ مرگیا، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کوڑے دان میں ڈال دینے کا حکم دیا، اس کے بعد ساتھی آگے نکلے، ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ وہیں ٹھہرے ہوئے رہے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ کوڑے دان پر ایک لڑکی آئی، اور اس مردہ پرندہ کو اٹھا کر اپنے گھر لے گئی، عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اس کے پیچھے گئے، اس کے احوال دریافت کیے، تو لڑکی نے اپنی بدحالی کا تذکرہ کیا اور کہا کہ چند دنوں سے تو ایسی حالت ہوگئی کہ ہمارے لیے مردار حلال بھی ہوگیا ہے، ہمارے والد کے پاس جو کچھ مال تھا، لوگوں نے ظلم کرکے ان سے مال چھین لیا، اور انھیں قتل بھی کردیا، ان حالات کے سننے کے بعد ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے خازن کو بلوایا اور اس سے پوچھا کہ نفقہ وخرچ کتنا ہے؟ خازن نے جواب دیا کہ ایک ہزار دینار، ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمارے مرو تک پہونچنے کے لیے بیس (۲۰) دینار کافی ہیں، یہ رکھ لو، اور بقیہ رقم اس عورت کو دے دو، خازن نے اسی طرح کیا، اس کے بعد ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس سال ہمارے لیے

---

(۱) از قلم: ڈاکٹر محی الدین غازی۔

حج کرنے سے زیادہ افضل یہ تعاون کرنا ہے۔(۱)

غور کیجیے! ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے محدث وفقیہ نے حج جیسی عظیم عبادت کے بجائے غریب کی امداد کو اہمیت دی، اور محتاج ومضطر کا تعاون فرمادیا، اور حج کا ارادہ ملتوی فرمادیا، نیز یہ بھی فرمایا کہ ایسے موقع پر جب کہ ہمارے ارد گرد ہمارے پڑوس میں محتاجوں کے گروہ رہتے ہوں، تو ہمیں نفلی حج کے لیے کوشش کرنے کے بجائے ان محتاجوں کی امداد پر توجہ دینا، ان فقراء کی خبر گیری کرنا، ان کی ضروریات پورا کرنا زیادہ افضل ہے، اس واقعہ میں ان مالداروں کے لیے انتہائی عبرت ہے کہ جو لاکھوں روپے نفلی حج وعمروں میں لگانے میں مصروف ہیں، اور اپنے محتاج پڑوسیوں کی خبر گیری نہیں کرتے، اپنے غریب رشتہ داروں پر کچھ خرچ نہیں کرتے، پڑوس میں کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو سودی قرضوں میں مبتلا ہیں، کتنے ہی رشتہ دار اور محتاج ایسے ہیں جو ہسپتالوں کے چکر کاٹ رہے ہیں، کئی مریض تو ایسے ہیں جنہیں دوائی کے لیے رقم دستیاب نہیں ہے، کئی بے بس مریض تو اس حال تک پہنچ گئے ہیں کہ غربت کی وجہ سے امراض کا علاج کرانے سے عاجز ہیں اور موت ہی کے انتظار میں بسترِ مرگ پر پڑے ہوئے ہیں، ویسے میں زائد نفلی حج وعمرہ میں ایک کثیر تعداد میں مال صرف کرنا مزاجِ شریعت کے خلاف اور خواہش نفس کی تکمیل ہے، اس صورت میں عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا طرزِ عمل قابل اتباع ہے۔

حضرت ربیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت ربیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اور میرے ساتھی حج کے لئے جارہے تھے، جب ہم کوفہ پہنچے میں ضرورت کا کچھ سامان لینے کے لئے بازار گیا. بازار سے تھوڑا آگے ایک ویران سی جگہ پر میں نے ایک خچر مرا ہوا پڑا دیکھا اور ایک عورت اس کے پاس بیٹھی ہے اور وہ عورت چاقو سے اس خچر کا گوشت کاٹ کاٹ کر اپنی زنبیل میں ڈال رہی تھی، میں

---

(۱) البدایہ والنہایہ: ۱۰/۱۹۱۔

نے جب یہ سب دیکھا تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے سوچا اس عورت کو دیکھنا ہوگا کہیں یہ عورت یہ گوشت لوگوں کو پکا کر کھلاتی نہ ہو، اصل بات جاننے کے لئے وہ اس عورت کے پیچھے خاموشی سے چلنے لگے آخر وہ چلتے چلتے ایک مکان کے پاس رکی اور اس نے دروازے پر دستک دی دروازہ ایک خستہ حال لڑکی نے کھولا عورت نے زنبیل اس کو دے کر کہا اس کو پکا لو اور خدا کا شکر ادا کرو، انہوں نے دروازے کی سوراخ سے جھانکا تو معلوم ہوا کہ وہاں رہنے والے ایک خستہ حال اور غریب لوگ ہیں، لڑکی نے وہ گوشت لیا اور اسے کاٹ کر آگ پر بھوننے لگی یہ دیکھ کر حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ کو بہت تکلیف ہوئی، انہوں نے باہر سے آواز لگائی، اے اللہ کی بندی! اللہ کے واسطے اس کو نہ کھانا، اس نے پوچھا تو کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں ایک پردیسی ہوں۔ اس نے پوچھا تو ہم سے کیا چاہتے ہو؟ تین سال سے ہمارا کوئی مددگار نہ کوئی والی ہے۔

آپ نے فرمایا: مجوسیوں کے ایک فرقے کے سوا مردار کا کھانا کسی مذہب میں جائز نہیں ہے، وہ کہنے لگی، ہم خاندان نبوت سے ہیں، میری چار بیٹیاں ہیں ان کے باپ کی خواہش تھی کہ وہ ان کا نکاح اپنے جیسے ہی لوگوں میں کردے گا مگر اس کا انتقال ہوگیا، ہم جانتے ہیں کہ مردار کھانا جائز نہیں ہے لیکن اضطرار میں جائز ہوتا ہے، ہم چار دن کے فاقہ سے ہیں، حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر بہت بے چین ہو گئے وہ واپس گئے اور انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نے اپنے حج کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے اور تمام سامان حج کی چادریں اور احرام وغیرہ سب لیا اور نقد چھ سو درم تھے وہ لئے اور ان میں سے سو درم کا آٹا خریدا اور باقی درم آٹے میں چھپا کر اس عورت کے گھر پہنچے اور یہ سب سامان اور آٹا وغیرہ اس کو دے دیا ،اس عورت نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا اے ابن سلیمان! اللہ تمھارے پچھلے گناہ معاف کرے اور تجھے حج کا ثواب عطا کرے اور تجھے جنت میں جگہ عطا کرے اور ایسا بدلہ دے کہ تمہیں بھی ظاہر ہو جائے، حضرت ابن ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حج کی قافلہ روانہ ہوگیا میں ان سے دعا کرانے وہیں رکا رہا حج پر نہ جانے کے دکھ اور صدمہ سے میری آنکھوں میں سے آنسو نکل

آئے، جب میں قافلہ سے ملا تو میں نے انہیں دعا دی کہ اللہ تمہارا حج قبول کرے اور تمہارے اخراجات کا بدلہ عطا فرمائے، وہ سب یہ سن کر بہت حیران ہوں۔

حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ اس آدمی کی دعا ہے جو حاضری کے لئے دروازے سے واپس آگیا، وہ کہنے لگے کہ کیا تم انکار کرتے ہو کہ تم عرفات کے میدان میں ہمارے ساتھ نہیں تھے، تم نے ہمارے ساتھ طواف نہیں کیا؟ حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ یہ سب سن کر بہت حیران ہوگئے کہ میں تو حج کے لئے گیا ہی نہیں مگر ان سب کے کہنے کے مطابق میں وہیں تھا کہ اتنے میں ان کے قافلہ کا ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا جب ہم باب جبریل سے باہر آرہے تھے لوگوں کی بکثرت موجودگی کی وجہ سے آپ نے یہ تھیلی میرے پاس امانت رکھوائی تھی، جس کی مہر پر لکھا ہوا ہے، جو ہم سے معاملہ کرتا ہے نفع کماتا ہے، یہ کہہ کر اس نے وہ تھیلی ان کو دے دی، آپ نے وہ تھیلی اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی اس کے بعد آپ گھر آئے اور عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد اپنی تسبیحات مکمل کی اور اسی سوچ بچار میں لیٹ گئے کہ ماجرا کیا ہے کہ آپ کی آنکھ لگ گئی اور آپ کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے ربیع! آخر ہم کتنے گواہ اس پر قائم کریں کہ تو نے حج کیا ہے؟ تو مانتا ہی نہیں، بات یہ ہے کہ، جب تو نے اس عورت پر، جو میری اولاد تھی، خرچ کیا اور اپنا حج کا ارادہ ملتوی کیا، تو اللہ نے اس کا نعم البدل تجھے عطا فرمایا، اللہ نے ایک فرشتہ تیری صورت بنا کر، اس کو حکم دیا کہ وہ قیامت تک ہر سال تیری طرف سے حج کیا کرے اور دنیا میں تجھے یہ عوض دیا گیا کہ چھ سو درم کے بدلے چھ سو دینار اشرفیاں عطا کیں، ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب میں سو کر اٹھا تو میں نے اس تھیلی کو کھول کر دیکھا تو اس میں چھ سو اشرفیاں تھیں۔(۱)

عبادت کو تجارت نہ بنائیں

برادرانِ وطن اپنے تہوار کے موقع پر ''سنکرانتی آفر''(Sankranti offer)

---

(۱) مسنون حج وعمرہ۔

''کرسمس آفر''(Chritsmas offer)''دیوالی آفر(Diwali Offer) کے نام سے اشیاء کو سستا کر کے اپنی عید کی خوشی میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں یا اپنے مال کو اس بہانے زیادہ فروخت کر دیتے ہیں، ان آفرز کا فائدہ بعض مرتبہ مسلمان بھی بلاتحقیق حاصل کر لیتا ہے؛ لیکن افسوس مسلمانوں کی عید کے موقع پر خود مسلمان بھی اپنا اپنا مال مہنگے سے مہنگا فروخت کرتے ہیں، دیگر ممالک میں خاص مواقع اور تہواروں پر خصوصی رعایت اور رعایتی پیکیج (package) دیا جاتا ہے تا کہ غریب عوام آسانی سے اپنی ضرورت کی اشیاء خرید سکیں اور خوشیوں میں برابر کے شریک رہیں، لیکن ہمارے ہاں بالکل الٹا ہی نظام ہے، خاص مواقع اور تہوار آتے ہی قیمتیں بڑھا کر عوام کا خون نچوڑا جاتا ہے، رمضان میں جہاں آخرت کا سامان سستا ہوتا ہے، وہاں دنیا کا سامان مہنگا ہو جاتا ہے اور اشیائے خورد ونوش کے نرخ آسمان کو چھونے لگتے ہیں اور رعایت کا لیبل لگا کر ناقص مال فروخت کر کے دھوکا دیا جاتا ہے، امیر کو کیا پریشانی، درحقیقت اس ظلم کی چکی میں مفلس ونادار روزے دار پیسا جاتا ہے، اسلام انسان کو اعلیٰ اخلاق سکھاتا ہے، نہ کہ ایسا کنجوس، بخیل اور حریص بنے کہ مخلوق اس سے نفرت کرنے لگے اور نہ اتنا مبذّر ومسرِف بنے کی خالق ناراض ہو جائے، منافع کم سے کم رکھ کر عوام کو راحت پہنچائیں اور کم منافع پر اجر وجزا کی امید اللہ سے رکھیں، پیکیج لگائیں تو دھوکے وفریب سے پاک ہو، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: رمضان المبارک میں عام طور پر فروٹ (fruits) کا استعمال بڑھ جاتا ہے اور فروٹ کے تاجروں میں بڑی تعداد مسلمانوں کی ہے، ان کا روزے داروں کے ہاتھ فروٹ بیچنا اور اس پر مناسب منافع لینا جائز ہے؛ لیکن عملی صورتِ حال یہ ہے کہ اس میں روزے داروں کا استحصال کیا جاتا ہے، مثلاً ''ایک تربوز اگر ۲۵ رشعبان کو ۳۰ روپئے کا ہو تو پہلی رمضان سے اس کی قیمت سو روپیے کر دی جاتی ہے اور عید ختم ہوتے ہی پچھلی قیمت بحال ہو جاتی ہے، یہی حال بقرعید کا ہے، جانوروں کے مسلمان تاجر عید الاضحیٰ سے کچھ پہل قیمتوں میں غیر معمولی اضافہ کر دیتے ہیں، قصاب حضرات قربانی کے دنوں میں دوگنا اور تین گنا پیسہ وصول

کرتے ہیں، ۱۲؍ ذی الحجہ کے بعد پھر قیمت اور اجرت معمول پر آجاتی ہے، بعض حضرات نے تو اجر اور ثواب کے اس موسم کو تجارت اور انویسٹمنٹ (Investment) کا سنہرا موقع بنالیا ہے، دو ہفتے کے لیے سرمایہ لگاتے ہیں اور کئی گنا نفع حاصل کرتے ہیں.... اس سوچ کو بدلنے کی ضرورت ہے، ضرورت تو یہ تھی کہ ہم اپنی تجارت کو عبادت بنالیتے، یعنی اس میں اللہ کی رضا کا جذبہ شامل رکھتے، کم نفع لیتے، لوگوں کو سہولت بہم پہنچاتے، کچھ اجرت حاصل کرتے اور کچھ اجر کے امیدوار رہتے، نہ یہ کہ ہم عبادت کو تجارت کا رنگ دیدیں اور حصول اجر وثواب کے مواقع کو کسب معاد کے بجائے خالص کسب معاش کا ذریعہ بنالیں۔ و باللہ التوفیق۔(۱)

رمضان اور احتکار

رمضان کی آمد پر جہاں بہت سی تبدیلیاں ہوتی ہیں وہاں دکان داروں اور سیلز مین (Salesman) کا لہجہ اور اندازِ گفتگو بھی کافی بدل جاتا ہے، بازار میں (اپنے مفاد کی خاطر) رمضان کا احترام واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے کہ لوگوں سے گفتگو میں بار بار رمضان اور روزے کا واسطہ دیا جاتا ہے، لوٹ مار کا بازار گرم ہوجاتا ہے، ہر چیز کی قیمت اس کی اصل سے دگنی، تگنی اور کبھی چوگنی کردی جاتی ہے، سب کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس ایک ماہ میں پورے سال کا کوٹہ (Quota) پورا کرلیا جائے، بہ قول تاجر برادری: ''یہی تو کمائی کا سیزن (Season) اور مہینہ ہے''، رمضان المبارک سے قبل ہی ہمارے تاجر حضرات خوب ذخیرہ اندوزی کرلیتے ہیں اور اشیائے ضرورت نہ ملنے کی بنا پر عوام بہت تکلیف کا شکار ہوتے ہیں، جیسے ہی رمضان شروع ہوتا ہے ذخیرہ شدہ اشیاء کو نکال کر دگنی اور تگنی قیمت پر فروخت کرکے خوب مال کمایا جاتا ہے، رمضان کی خصوصی اشیاء کے نرخ بہت بڑھ جاتے ہیں، بچوں کی گارمنٹس (Garments)، کپڑوں کی سلائی اور کپڑوں کے نرخ بھی متوسط اور غریب طبقے کے ہوش اڑا دیتے ہیں۔

---

(۱) ماخذ ملفوظاتِ فقیہ العصر۔

یاد رکھیں! ہر ایسی چیز جو انسان یا حیوان کی غذائی ضرورت ہو، گراں بازاری کے زمانے میں جب کہ مخلوقِ خدا کو غلّے کی زیادہ ضرورت ہو، ایسے وقت میں غلہ خرید کر اس نیت سے رکھے کہ جب زیادہ گرانی ہو تو بیچوں گا، یہ احتکار کہلاتا ہے، شریعت میں ذخیرہ اندوزی حرام ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تاجر کو رزق دیا جاتا ہے اور احتکار کرنے والا ملعون ہے''۔ ''الجالب مرزوق والمحتکر ملعون''(۱)

ایک حدیث میں فرمایا: ''جو مسلمانوں کے کھانے کی چیزیں روکے رکھے گا تو اللہ بطورِ سزا اس پر جذام اور فقیری مسلط کر دیتے ہیں''۔ ''من احتکر علی المسلمین طعاماً ضربه الله بالجذام والإفلاس''(۲)

رمضان المبارک تو غم خواری، ہم دردی، بھائی چارے، سخاوت، ضرورت مندوں کے ساتھ احسان کرنے، مالک حقیقی کے لیے سب کچھ قربان کرنے، ایک دوسرے کا درد سمجھنے اور بانٹنے کا مہینہ ہے؛ اس مہینے میں آپ ﷺ کی سخاوت دوگنا ہو جاتی تھی۔

ماہِ رمضان ماہِ پکوان!

موجودہ مسلم معاشرے نے اپنی بے دینی یا دین بیزاری کے ذریعے ماہِ رمضان کو عملاً ماہِ پکوان بنا دیا، شہر میں بعض جگہ رمضان المبارک کے دو مہینے پہلے ہی سے مسلسل رمضان کی یاد دہانی کے لیے بورڈ (Board) آویزاں کیے ہوئے ہوتے ہیں، یہ دراصل ماہِ رمضان کی یاد دہانی نہیں ہے؛ بلکہ اپنے پکوان کی تشہیر ہے، حلیم کی بھٹی، اڈلی دوسے کی ہنڈی اور کپڑوں کی مارکٹ رمضان المبارک کی عبادتوں پر اپنا غلبہ جمائے ہوئے ہیں۔ ''سارے جہاں میں دھوم ہمارے حلیم کی ہے'' ''فلاں شوروم اور رمضان کی دھوم'' ''رمضان مبارک میں ڈسکاؤنٹ (Discount) کے ساتھ فلاں شوروم آپ کا استقبال کرتا ہے''

(۱) ابن ماجہ، کتاب التجارات، حدیث: ۲۱۵۳

(۲) ابن ماجہ، کتاب التجارات، حدیث: ۲۱۵۵

جیسے اشتہارات رمضان کی روح بگاڑ کر رکھ دیے، جگہ جگہ حلیم کی بھٹیوں سے پیغام دیا جاتا ہے کہ رمضان کا مطلب ''حلیم'' اور ''دہی بڑے'' ہے، اس وقت ڈوب مرنا چاہیے جب ایک غیر مسلم یہ سوال کرلیتا ہے کہ ''انّا تمھارا حلیم پنڈوگا کب آئے گا''؟ یعنی بھائی! تمھاری حلیم کی عید کب آئے گی؟

روزے تو اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں؛ مگر حلیم و پکوڑے کس نے فرض کیے؟ بیشتر لوگ چٹ پٹے کھانے کھا کر نہ صرف اپنی صحت خراب کرتے ہیں، بلکہ ہماری خواتین غیر رمضان میں اتنا وقت پکوان میں نہیں لگاتی ہیں جتنا رمضان میں وقت دینا پڑتا ہے، نئی نئی ڈش پکانے کی فکر، انٹرنٹ کے ذریعے نئے نئے پکوان تلاش کرنے کا چکر، گھر کے مردوں کا لذیذ غذاؤں کا مطالبہ، ہماری ان حرکتوں نے روزے کے فوائد، تراویح کی لذت اور خدا کے حضور سربسجود ہونے، نیم شب میں سرد آہیں بھرنے سے کلی طور پر محروم کردیا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ شیطان کو دیکھا وہ بہت سے پھندے اُٹھائے ہوئے تھا آپ علیہ السلام نے پوچھا: یہ کیا ہیں؟ شیطان نے جواب دیا: یہ وہ پھندے ہیں جن سے میں انسان کو پھانستا ہوں۔

آپ علیہ السلام نے پوچھا: کبھی مجھ پر بھی تو نے پھندہ ڈالا ہے؟

شیطان نے کہا: آپ جب بھی سیر ہو کر کھالیتے ہیں میں آپ کو ذکر و نماز سے سُست کردیتا ہوں، آپ علیہ السلام نے پوچھا: اور کچھ؟ کہا: بس! تب آپ علیہ السلام نے قسم کھائی کہ میں آئندہ کبھی سیر ہو کر نہیں کھاؤں گا۔

شیطان نے بھی جواباً قسم کھائی، میں بھی آئندہ کسی مسلمان کو نصیحت نہیں کروں گا۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم کا رمضان اور ہمارا رمضان

وہ صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جنھوں نے ریگستان کی جھلسا دینے والی گرمی میں روزے رکھے، اور ہم ہیں کہ ہمیں اپنے ''ایئر کنڈیشنز'' (Air Conditioner) میں روزے رکھنا مشکل لگتا ہے۔

ان کے لیے رمضان کا مہینہ عبادت کا مہینہ ہوا کرتا تھا، ہم میں سے بہت سوں کے لیے رمضان تجارت کا مہینہ بن چکا ہے۔

وہ رمضان کی تیاری کرتے تھے کیوں کہ روزے رکھنے والوں اور راتوں کو نمازیں پڑھنے والوں کے لیے اجر کی خوشخبریاں ہیں، ہماری تیاریاں گھروں کے رنگ و روغن، نئے کپڑوں اور مزیدار کھانوں کی شکل میں ہوتی ہیں۔

وہ اپنے روزوں وتراویح سے لطف اندوز ہوتے تھے، ہم اپنی دعوتوں و افطار پارٹیوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

ان کے روزوں کی پہچان بھوک اور پیاس ہوا کرتی تھی، ہمارے روزوں کی پہچان ''فاسٹ فوڈ'' (Fast Food) ''حلیم، سموسے اور فروٹس'' سے ہوتی ہے۔

وہ ان کھجوروں کو گن سکتے تھے جو ان کے پاس افطار و سحری کے لیے ہوا کرتی تھیں، ہم ان ڈِشز (Dishes) کو گن نہیں سکتے جو ہمارے یہاں افطار اور سحری کے لیے ہوا کرتی ہیں۔

وہ آخری دس دنوں میں لیلۃ القدر کی تلاش کیا کرتے تھے، ہم آخری دس دنوں میں دوکانوں اور ''بھاری discounts'' کی تلاش کرتے ہیں۔

وہ اپنے مالک کی محبت میں، نمازوں میں مشغول دیر رات تک کھڑے رہتے تھے۔

ہم اپنے ''شاپنگ مالس'' میں ''مارکٹس'' اور کھانے کے مراکز میں؛ اپنے برانڈز کی چاہت اور تلاش میں دیر رات تک کھڑے رہتے ہیں۔

ان کی اپنی پوری توجہ تلاوتِ قرآن پر ہوتی تھی، ہماری توجہ ختمِ قرآن پر ہوتی ہے۔

اُس زمانے میں بہترین قراءت کرنے والے خوش الحان قاریوں کو پسند کیا جاتا تھا، آج تیز رفتار اچھی اسپیڈ speed والے قاریوں کو پسند کیا جاتا ہے۔

وہ شب قدر کے فضائل انفرادی گفتگو میں یاد دلایا کرتے تھے، آج ہمیں رمضان کی شاپنگ، سیل اور ٪ 50 آفرس، یاد دلائے جاتے ہیں۔

وہ رمضان کے پہلے دن سے ہی ''لیلۃ القدر کا انتظار شروع کرتے تھے اور ہم رمضان

کے پہلے دن سے ہی عید کے چاند کا انتظار شروع کر دیتے ہیں۔

وہ یکسوئی میں عبادت کرنا پسند کرتے تھے، جب کہ آج ہم ہنگامہ خیز افطار پارٹیوں میں جانا پسند کرتے ہیں۔

ایک وہ رمضان جو اسلاف کا تھا اور ایک یہ رمضان جو ہمارا ہے، کیا آپ فکری وعملی آلودگی سے بچا سکیں گے اپنے رمضان کو؟ اپنے روزوں کو؟ اپنے ذکر واذکار کو، تلاوتِ قرآن مجید کو؟ صدقہ وزکاۃ اور دیگر نیکیوں کو؟ اور کب ہم اپنے رمضان کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے طرز پر ڈھالنے کا عزم وارادہ کرینگے؟ اللہ ہماری مدد فرمائے کہ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح روزوں کا اہتمام کرسکیں۔(۱)

استقبالِ رمضان کا طریقہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب ماہِ شعبان کا چاند دیکھتے تو قرآنِ شریف کو سینے سے لگائے رہتے اور تلاوت میں مصروف رہتے، مسلمان اپنے اموال کی زکاۃ نکالتے تاکہ کمزور اور مسکین اس کو حاصل کرکے ماہِ رمضان کے روزے رکھنے کی قوت حاصل کرے، حکام و ذمے داران، قیدیوں کو طلب کرتے اور ان میں جو حدِ شرعی کے مستحق تھے، ان پر حد جاری کرتے، ورنہ ان کو رہا کر دیتے، تاجر حضرات اپنے ذمے جو حقوق ہیں انھیں ادا کر دیتے اور جو چیزیں وصول طلب تھیں انھیں حاصل کر لیتے، یہاں تک کہ جب رمضان کا چاند دیکھ لیتے تو غسل کر کے یکسوئی کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو جاتے۔" كَانَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ إِذَا نَظَرُوْا إِلَى هِلَالِ شَعْبَانَ اَكَبُّوْا عَلَى المَصَاحِفِ يَقْرَءُوْنَهَا وَاَخْرَجَ المسْلِمُوْنَ زَكَاةَ اَمْوَالِهِمْ لِيَتَقَوّٰى بِهَا الضَّعِيفُ وَالمسْكِيْنُ عَلَى صِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ ،وَدَعَا الْوُلَاةُ اَهْلَ السِّجْنِ، فَمَنْ كَانَ عَلَيْهِ حَدٌّ اَقَامُوْهُ

---

(۱) منقول۔

عَلَيۡهِ وَإِلَّا خَلُّوۡا سَبِيۡلَهٗ ،وَانْطَلَقَ التُّجَّارُ فَقَضَوۡا مَا عَلَيۡهِمۡ وَقَبَضُوۡا مَالَهُمۡ حَتّٰى إِذَا نَظَرُوۡا إِلَى هِلَالِ رَمَضَانَ اِغْتَسَلُوۡا وَاعۡتَكَفُوۡا"(۱)

اور مسلم معاشرے کا حال اس کے برعکس ہے کہ رمضان کا چاند دیکھ کر مساجد کا رخ کرنے والے لوگ پہلے ہی عشرے میں مساجد سے غائب ہوجاتے ہیں اور ایک بڑے طبقے نے اخیر دوعشروں کو تو خریداری کے لیے وقف کرلیا ہے، بازاروں میں خریدی کرنے والوں کو نہ روزے کا خیال رہتا ہے اور نہ ہی روزے داروں کا، کپڑے کے تاجرین بھی خواتین کی نیم عریاں تصاویر کے ساتھ اپنے اشتہارات شائع کروانے میں جھجک محسوس نہیں کرتے۔

نئے کپڑوں کی عید ہر سال کرلی اس سال خدا کے دید کی عید ہوجائے، گیارہ مہینے کھانے کے ہیں ایک ماہ عبادت میں گذر جاے، دوسروں کے لباس بنانے میں میں نے اپنی تراویح وروزہ برباد کرلیا تو مجھ سے زیادہ خسارے میں کون ہے؟ دوسروں کی حلیم کی خاطر میں نے رمضان کی تلاوت گنوالی، تف ہے ایسی کمائی پر درزی رمضان کا چاند دیکھ کر اپنی دکان اور کام کی مقدار کم کردے، ہوٹل چلانے والے روزے وتراویح کے حساب سے اپنا وقت متعین کرلیں کہ روزہ وتراویح میں خلل نہ ہو، کھانے وکپڑوں کے تاجر اور درزی بہت کم ہیں جنھیں تراویح اور روزے کی لذت حاصل ہوتی ہے، اگر کمائی کی کمی کا اندیشہ ہو تو کمائی کا ایسا راستہ کیوں اختیار کرتے ہو جس سے آخرت برباد ہوجائے؟

مولانا مفتی سلمان زاہدؔ لکھتے ہیں کہ رمضان کی تیاری دو اعتبار سے ہونی چاہیے :
(۱) دنیاوی اعتبار سے۔(۲) دینی اعتبار سے۔

دنیاوی اعتبار سے: اِس طرح کہ دنیاوی مشاغل ومصروفیات سے اپنے آپ کو جس قدر بھی فارغ کرسکتے ہوں کرلیں، تاکہ رمضان المبارک کا مہینہ مکمل یک سوئی کے ساتھ عبادت اور رجوع الی اللہ میں گزارا جاسکے۔ مثلاً :

☆.. عید کی تمام شاپنگ شعبان المعظم میں ہی کرکے فارغ ہوجائیں، کیوں کہ رمضان

---

(۱) الغنیۃ لطالبی طریق الحق: ۱/۱۸۸

المبارک کی بابرکت ساعتوں کو شاپنگ مال اور مارکیٹس کے نذر کرنا، بالخصوص جب کہ اُس کی وجہ سے روزہ، نمازیں اور تراویح متاثر ہوتی ہوں یہ رمضان جیسے عظیم اور بابرکت مہینے کی بڑی ناقدری ہے۔

☆.. راشن اور گھر کا دیگر سامان جو روز مرّہ کے معمولات میں خریدا جاتا ہے، اس کو رمضان المبارک سے پہلے ہی جہاں تک ممکن ہو ایک ساتھ ہی خرید کر فارغ ہو جائیں۔

☆.. جو کام رمضان المبارک میں موقوف کیے جا سکتے ہوں اُنھیں موقوف کر دیجیے، ہم اگر اپنے کاموں کا جائزہ لیں تو بہت سے ایسے کام نظر آئیں گے، جنھیں اگر ایک مہینے تک ہم نہ کریں تو کوئی حرج لازم نہیں آئے گا، مثلاً اخبار بینی، دوستوں کے ساتھ گپ شپ، ٹی وی دیکھنے اور انٹرنیٹ استعمال کرنے کی مصروفیت، سیل فونز پر بہت سی فضول اور لایعنی مشغولیت، آؤٹنگ (Outing) کے نام پر کی جانے والی پکنک اور تفریحات، ویک اینڈ (Weekend) منانے کے لیے فوڈز پوائنٹ (Foods point) پر جانا، یہ اور اِن جیسے اور بھی بہت سے ایسے کام ہیں، جن میں بہت سے وہ ہیں جو فضول اور لغو ہیں اور بہت سے وہ ہیں جو گناہ کے زمرے میں آتے ہیں، ان سب سے بچنا ضروری ہے۔

☆.. سال بھر میں دفتر اور ملازمت سے ملنے والی ایسی چھٹیاں جن کو آپ کسی بھی طرح استعمال کر سکتے ہوں اُن کو اِستعمال کرنے کے لیے رمضان المبارک کے مہینے سے بہتر کوئی وقت نہیں، ایسی چھٹیوں کو رمضان میں استعمال کیجیے؛ تاکہ خوب یک سوئی اور دل جمعی کے ساتھ صرف ایک کام یعنی عبادت اور رجوع الی اللہ کیا جا سکے۔

دینی اعتبار سے رمضان کی تیاری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شعبان المعظم کے مہینے میں ہی اپنے دن اور رات کے معمولات کو کچھ اِس طرح ترتیب دیجیے کہ فرائض وواجبات کے ساتھ ساتھ نفلی عبادات کا بھی خوب اہتمام ہونا شروع ہو جائے، پانچوں فرض نمازوں کو جماعت کے ساتھ مسجد میں اداء کیجیے، قرآن کریم کی روزانہ تلاوت کریں، نفلی نمازیں: اِشراق، چاشت، اوّابین اور تہجد وغیرہ کا اہتمام شروع کر دیں اور خوب دعائیں مانگنے کی

کوشش کریں، اور اِس کے لیے قرآن وحدیث کی دعاؤں کا ایک بہترین مجموعہ ’’مناجاتِ مقبول‘‘، جس کو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سات منزلوں پر تقسیم کر کے جمع کیا ہے تاکہ ہفتہ وار اُنھیں بآسانی مانگا جاسکے، اُس کو روزانہ پڑھنے کا معمول بنائیں، ان کے علاوہ نفلی صدقات وخیرات کا بھی خوب اہتمام کیجیے۔(۱)

رمضان المبارک اور برادرانِ وطن

رمضان المبارک مواسات وغم گساری کا مہینہ ہے، اس مواسات وغم خواری کے دائرہ کو مسلمانوں تک محدود نہیں کیا گیا، بلکہ پوری انسانیت اس مہینہ کی نسبت سے حسن سلوک کی مستحق ہے، ماہِ مبارک میں برادرانِ وطن کے ساتھ ہمارا سلوک بہتر سے بہتر ہونا چاہئے، کیونکہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، انسانی اخوت کا رشتہ ہم سب کو ایک دوسرے سے جوڑتا ہے؛ پوری انسانیت کے ماں باپ حضرت آدم وحوا علیہما السلام ہی ہیں، ہم سب ایک کنبہ کے افراد اور ایک خاندان کے ارکان ہیں، یہ رشتہ ہمیں برادرانِ وطن کے ساتھ حسن سلوک اور بہتر رویہ کی راہ دکھاتا ہے، اس ماہ میں چند کام ہم وطنی بھائیوں کی خاطر کریں۔

ماہِ قرآن میں برادرانِ وطن تک قرآن مجید پہنچائیں

[۱] انسانی ہمدردی کا سب سے بڑا تقاضہ یہی ہے کہ ہم اپنے وطنی بھائیوں تک حق کی روشنی پہنچانے کی کوشش کریں، رمضان المبارک ہمارے لئے اس کا بہت بہتر موقع فراہم کرتا ہے، اس ماہ میں انگریزی اور مقامی زبانوں میں قرآن مجید اور احادیث کا ترجمہ برادرانِ وطن تک پہنچانے کی کوشش کریں، اکثر مقامی زبانوں میں قرآن کا ترجمہ ہو چکا ہے، پورے ہندوستان میں بیس کروڑ مسلمان کی تعداد مانی جائے اور ہر مسلمان رمضان میں اپنے ایک غیر مسلم بھائی کو کتاب الٰہی کا نسخہ دعوتی نقطۂ نظر سے پہنچا

---

(۱) ماہِ شعبان کے فضائل واعمال

دے تو پانچ سال میں ملک کا کوئی غیر مسلم شہری ایسا باقی نہیں رہے گا، جس کے پاس قرآن نہیں پہنچا ہو، اور اس کے اثرات گہرے، دُوررس اور غیر معمولی ہوں گے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں جو کشش اور دلوں کو مسخر کرنے کی جو طاقت ہے وہ ہزار مخالفتوں اور معاندانہ رویوں کے باوجود آج بھی قائم ہے۔

اس سلسلہ کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے کہ کچھ سال پہلے وی، ایچ، پی کی طرف سے قرآنِ مجید مع ہندی ترجمہ ان مقامات کی نشاندہی کے ساتھ فراہم کیا گیا، جن میں وی، ایچ، پی (VHP) قیادت کے بقول بدامنی پھیلانے کی اور غیر مسلموں کے ساتھ بدسلوکی کی تعلیم دی گئی ہے، اس مسئلہ میں شریک ایک مذہبی پیشوا کے لئے یہی ترجمۂ قرآن ہدایت کا ذریعہ بن گیا، انھوں نے پورے قرآن مجید کا مطالعہ کیا اور بالآخر اسلام لے آئے نیز انھوں نے ہی بتایا کہ قرآن مجید کی تقسیم کے بعد خود اکثر ہندو پیشواؤں کا احساس تھا کہ ان آیتوں کے حوالہ سے اسلام پر جو اعتراضات کئے جارہے ہیں وہ درست نہیں ہیں، اور آیت کے سیاق وسباق سے ان کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر ہم صرف قرآن مجید کا ترجمہ اپنے ان بھائیوں تک پہنچائیں تو انشاء اللہ یہ معمولی سی کوشش بھی بہت سے لوگوں کے لئے ہدایت سے سرفرازی کا باعث بنے گی۔(۱)

غیر مسلم کو افطار میں شریک کریں

افطار میں جہاں ایک پہلو غذا کا اور کھانے کھلانے کا ہے، وہیں اس میں عبادت اور بندگی کا جو رنگ ہے، وہ بھی بہت ہی پُرکشش اور جاذبِ قلب ونظر ہے، سارے لوگ ایک ساتھ افطار کے لئے دسترخوان پر بیٹھ گئے، نہ کوئی بڑا نہ چھوٹا، نہ اونچا نہ نیچا، نہ مالدار نہ غریب، کسی کے ساتھ کوئی امتیاز نہیں، ایک ہی دسترخوان پر ایک ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں، پھر اس وقت بھی خدا سے دُعاء والتجاء، دن بھر کے بھوکے ہیں، پھر بھی اللہ تعالیٰ کی بندگی

(۱) شمع فروزاں ۲۰: ۷۴، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم

یں مشغول ہوجاتے ہیں، خدا کے سامنے بچھاؤ اور جھکاؤ کی یہ کیفیت اتنی دل آویز اور پُر کشش ہے کہ لوگ اسے دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

ہمیں چاہئے کہ اپنے غیر مسلم بھائیوں کو افطار کے لئے مدعو کریں، وہ کھانے میں بھی شریک ہوں اور خدا کی بندگی کے اس غیر معمولی منظر کو بھی اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھیں؛ لیکن یہ ضروری ہے کہ افطار کے نظم کو شور شرابہ اور محض کھانے کے انتظام کے لئے دوڑ دُھوپ سے بچاتے ہوئے وہ ماحول پیدا کیا جائے جو افطار کے وقت مطلوب ہے، اور غذائی دعوت سے زیادہ روحانی دعوت پر توجہ مرکوز رکھی جائے، روحانی دعوت سے مراد یہ ہے کہ اُن تک دین کی کچھ بات پہنچانے کا نظم کیا جائے، مثلاً افطار سے آدھا ایک گھنٹہ پہلے مدعوئین کو بلایا جائے اور رمضان المبارک کی نسبت سے غیر مسلم بھائیوں کے حسب حال مختصر سا بیان رکھا جائے، جس میں توحید، رسالت آخرت کا تصور، روزہ کا مقصد، رمضان المبارک کے افعال وغیرہ پر روشنی ڈالی جائے، قرآن مجید کا تعارف کرایا جائے، اس کے تاریخی طور پر محفوظ ہونے کے پہلو کو واضح کیا جائے گویا صرف کھانے کا دسترخوان نہ ہو؛ بلکہ ہدایت ربانی کا دسترخوان بھی بچھانے کی کوشش کی جائے۔

غیر مسلموں کو نماز کا منظر دکھائیں

نماز کا منظر بہت ہی پر کیف اور متاثر کن ہے، جو انسان پتھروں، درختوں، سیاروں اور سمندروں کے سامنے سر موجھکنے کو تیار نہیں، وہ خدا کے سامنے ایک زرخرید غلام کی طرح؛ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہاتھ باندھے کھڑا ہے، کبھی کمر تک جھکتا ہے، کبھی دوزانو نگاہوں کو پست کئے بیٹھا ہے اور کبھی اپنی پیشانی کو زمین پر بچھا دیتا ہے، پھر جب نماز سے فارغ ہوتا ہے تو خدا کے دربار میں اس طرح ہاتھ پھیلاتا ہے جیسے کوئی ضرورت مند اور مصیبت زدہ بھکاری دستِ سوال دراز کرتا ہے، یہ عجز وفروتنی، جھکاؤ اور بچھاؤ کی ایسی تصویر ہے کہ اس سے زیادہ اپنے آپ کو مٹا دینا اور سر خمیدہ ہوجانا حضرت انسان کے

لئے ممکن ہی نہیں، پھر حاکم اور محکوم، دولت منداور غریب، تعلیم یافتہ اور جاہل اور بڑے اور چھوٹے سبھوں کا ایک ہی صف میں دوش بدوش اور قدم بہ قدم کھڑا ہونا اجتماعیت اورانسانی وحدت کی ایک ایسی مثال ہے کہ اس ملک کی اکثریت اپنے مذہب میں اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔

رمضان المبارک میں نمازوں کا اہتمام بڑھ جاتا ہے، مسجدیں نماز پڑھنے والوں سے معمور ہوجاتی ہیں اور ذوقِ عبادت نسبتاً بڑھ جاتا ہے، اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایسے پروگرام کا بھی اہتمام کرنا چاہئے کہ برادرانِ وطن نماز کے اس ماحول کو دیکھیں؛ تاکہ وہ اسلام کی عملی کیفیت کو ملاحظہ کرسکیں؛ بلکہ اگر کوئی مصلحت مانع نہ ہو تو انھیں مسجد میں دعوت دینی چاہئے؛ تاکہ وہ مسجد کے پرسکون ماحول اور سادہ طریقۂ عبادت کو دیکھ سکیں، رسول اللہ ﷺ نے بنونجران کے عیسائیوں کو مسجد ہی میں ٹھہرایا تھا، غزوۂ بدر کے مشرک قیدیوں کے رہنے سہنے کا انتظام بھی مسجد میں ہی کیا گیا تھا، بنوثقیف کے مشرکین کے وفد کو بھی آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں ہی ٹھہرایا تھا، اور جو غیر مسلم حضرات آپ ﷺ سے ملاقات کے لئے آتے تھے، عموماً مسجد ہی میں ان سے ملاقات ہوتی تھی؛ اس لئے دعوتی نقطۂ نظر سے غیر مسلم بھائیوں کو مسجد میں بلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

غیرمسلموں کو صدقہ وغیرہ دیں

رمضان المبارک اور عید الفطر کی مناسبت سے صدقہ کا مزاج بنا رہتا ہے، جس سے غریبوں کی مدد ہوتی ہے، زکاۃ کی رقم مسلمان ہی سے لی جاتی ہے، یہاں تک کہ اگر مسلم حکومت ہو تو وہاں بھی صرف مسلمانوں ہی سے زکاۃ کی رقم لی جائے گی، غیر مسلموں سے نہیں؛ کیوں کہ غیر مسلموں سے زکاۃ لینا ان کو ایک اسلامی عبادت پر مجبور کرنا ہے اور اسلام اس کو روا نہیں رکھتا کہ ایک مذہب کے ماننے والے لوگ دوسرے مذہب کے ماننے والوں کو اپنے مذہبی افعال انجام دینے پر مجبور کریں کہ یہ مذہبی آزادی کے

مغایر ہے؛ اسی لئے زکاۃ کا مصرف بھی صرف مسلمان کو قرار دیا گیا ہے، غیر مسلموں پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں؛ لیکن دیگر صدقات کے ذریعہ اپنی خوشی میں اپنے غریب وطنی بھائیوں کو شریک کرنا چاہئے۔

صدقات نافلہ کے بارے میں تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ غیر مسلم بھی اس کا مصرف ہیں اور ان کا تعاون کرنا بھی باعثِ اجر وثواب ہے، ہمیں چاہئے کہ خوشی کے اس موقع پر اپنے غیر مسلم پڑوسیوں اور ضرورت مند لوگوں کو بھی اپنی خوشی میں شریک کریں اور صدقۃ الفطر کی مدد سے غیر مستطیع برادرانِ وطن کا بھی تعاون کریں؛ تاکہ اسلام کی فراخ دلی، مسلمانوں کی رواداری اور انسانی رشتہ کے تحت حسن سلوک اور بہترین برتاؤ کو وہ محسوس کریں، یہ ہمارے لئے باعث اجر وثواب ہوگا اور اسلام کا بہتر تعارف اور خاموش دعوت ان کے سامنے آسکے گی۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ شریعت اسلامی کا مزاج یہ ہے کہ جب بھی کوئی خوشی اور مسرت کا موقع آئے تو صرف امیروں کے دولت کدہ ہی میں خوشی کا چراغ نہ جلے؛ بلکہ غریبوں اور ناداروں کے غربت کدہ میں بھی اس کی روشنی پہنچے؛ اسی لئے خوشی کے موقع پر سماج کے غریب افراد کو یاد رکھنے کی تلقین کی گئی ہے، بقرعید کی قربانی میں ایک تہائی غریبوں کا حق قرار دیا گیا، ولیمہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ بدترین ولیمہ وہ ہے، جس میں سماج کے امیر لوگوں کو بلایا جائے اور غرباء کو نظر انداز کر دیا جائے، اسی طرح عید الفطر کی خوشی میں غرباء کو شریک کرنے کے لیے صدقۃ الفطر کا نظام مقرر کیا گیا۔

ملک کے موجودہ حالات میں جب مذہبی منافرت شعلہ سے آتش فشاں بنتی جارہی ہے، مسلمانوں کو الگ تھلگ کیا جارہا ہے اور یہ تصور دیا جارہا ہے کہ مسلمان صرف اپنے لئے سوچتا ہے، دوسروں کے لئے اس کے دل میں کوئی جگہ نہیں ہے، حالاں کہ یہ غلط ہے، تو اس تاثر کو ختم کرنے کے لئے اگر مسلمان غیر مسلم پڑوسیوں کو بھی صدقہ دینے کا

اہتمام کریں تو یہ ایک بہتر قدم ہوگا، اور اس سے یہ پیغام جائے گا کہ مسلمان نہ صرف سماجی جذبہ سے؛ بلکہ اپنے مذہبی حکم کے تحت برادرانِ وطن کی طرف مدد کا ہاتھ بڑھاتا ہے اور بلا امتیاز مذہب تمام لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا رویہ اختیار کرتا ہے۔(۱)

فائدہ: مفتیٰ بہ قول کے مطابق دوسرے صدقاتِ واجبہ صدقۂ فطر، نذر، کفارہ بھی کسی کافر کو دینا جائز نہیں ہے، البتہ نفلی صدقات اور عقیقہ کا گوشت کافر کو دینے کی گنجائش ہے۔

کیا مخصوص کھانے کو حلیم کہنا جائز ہے؟

۱۔اردو کی لغت میں "حلیم" کے یہ معنیٰ بھی لکھے ہیں "ایک قسم کا کھانا جو اناج گوشت اور مسالے ڈال کر پکایا جاتا ہے" اسے کھچڑا بھی کہتے ہیں۔

۲۔مختلف زبانوں کے الفاظ دیگر معانی کے لیے دوسری زبانوں میں استعمال ہوتے ہیں، اسی طرح ایک لفظ کے متعدد معانی پائے جاتے ہیں، پس عربی زبان میں لفظِ "الحلیم" باری تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے، البتہ لفظِ "حلیم" اردو زبان میں گندم سے بنی ایک مخصوص کھانے کی ڈش کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

۳۔ایک لفظ کے متعدد معانی ہوسکتے ہیں، پس "حلیم" کا لفظ جہاں اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے وہیں اس کے درج ذیل معانی بھی ہیں: بردبار، متحمل مزاج، نرم ملائم، ان معانی کے اعتبار سے اس لفظ کا اطلاق کسی انسان پر بھی ہوسکتا ہے جیسے "زید بردبار انسان ہے"۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ صفاتی نام ایسا نہیں ہے کہ غیر اللہ پر اس کا اطلاق نہ ہوسکے۔

۴۔صحیح بخاری کی روایت ہے کہ "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے"(۲) اگر کوئی اس نیت سے اس ڈش کا نام "حلیم" لیتا ہے کہ میں نعوذ باللہ! اللہ کی شان میں گستاخی کر رہا ہوں تو یہ حرام اور کفر کے قریب ہے، مگر عموماً کسی مسلمان کی یہ نیت نہیں ہوتی، سب اسے ایک کھانا

---

(۱) بحوالہ: شمع فروزاں: ۲/۷۵، بتغییر یسیر۔

(۲) انما الاعمال بالنیات۔(صحیح بخاری، حدیث:۱)

سمجھتے ہوئے ہی حلیم کہتے ہیں، چناں چہ اگر کسی شخص کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ گستاخی کی نیت سے لفظِ ''حلیم'' کہتا ہے تو خود حلیم کہنے والا شخص ہی اس سے لڑ پڑے گا کہ تم ایسی گستاخی کرو گے تو منہ توڑ دوں گا، معلوم ہوا کہ یہ لفظ صحیح نیت میں اپنے معنی موضوع لہ پر بولا جارہا ہے۔

۵۔لطیف بھی اللہ کا نام ہے جو مختلف معانی میں مستعمل ہے، مذاق میں بولے جانے والے کلام کو لطیفہ کہتے ہیں جو لطیف سے ہی بنا ہے، جیسے کریم، سمیع، شاہد، شہید وغیرہ نام انسانوں کے لیے بولے جاتے ہیں، جب کہ یہ نام اللہ کے بھی ہیں؛ مگر بولے جانے کے وقت انسان مراد ہوتا ہے، نہ کہ اللہ کی ذات، پس نیت کے فرق سے ان کا استعمال درست ہوا۔

۶۔نیز اللہ رب العزت کے کچھ صفاتی نام ایسے ہیں جو صرف باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، غیر اللہ پر ان کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا، جیسے ''الرحمن'' وغیرہ، جب کہ کچھ ایسے صفاتی نام ہیں جو غیر اللہ کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں، لوگ اپنے مقدمات میں لایر (Lawyer) رکھتے ہیں جسے ''وکیل'' کہا جاتا ہے، وکیل اللہ کا نام ہے، علاج کے لیے حکیم کے پاس جاتے ہیں ''حکیم'' اللہ کا نام بھی ہے، بزرگ کو ولی کہتے ہیں جب کہ ''ولی'' اللہ کا نام بھی ہے، فوٹو گرافی کرنے والے کو ''مصوّر'' کہتے ہیں جب کہ مصوّر اللہ کا نام بھی ہے، کھانا، پانی بچ جاتا ہے تو کہتے ہیں تھوڑا کھانا ''باقی'' رہ گیا، تھوڑا کام ''باقی'' رہ گیا، جب کہ باقی اللہ کا نام بھی ہے، انبیاء علیہم السلام وصحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ''جلیل القدر'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں جب کہ ''جلیل'' اللہ کا نام بھی ہے، راہِ خدا میں مرنے والے کو ''شہید'' کہتے ہیں جب کہ ''شہید'' اللہ کا نام بھی ہے، انقلاب آفریں شخصیات کو ''عظیم'' شخصیت سے پکارا جاتا ہے جب کہ ''عظیم'' اللہ کا نام بھی ہے، مرنے والے کے پیچھے پس ماندگان رہ جاتے ہیں جنھیں ''وارث'' کہا جاتا ہے جب کہ ''وارث'' اللہ کا نام بھی ہے، وعظ میں ''ظاہر و باطن'' پاک رکھنا چاہیے، کہا جاتا ہے جب کہ ''ظاہر'' اور ''باطن'' اللہ کا نام بھی ہے، بڑی مسجد کو ''جامع'' مسجد کہتے ہیں جب کہ ''جامع'' اللہ کا نام بھی ہے، حضرت عثمان کو ''غنی'' کا لقب دیا گیا، جب کہ ''غنی'' اللہ کا نام بھی ہے، ظاہر ہے ان تمام صورتوں میں

لوگوں کی نیت اللہ کی شان میں گستاخی کی نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی ان کا استعمال منع یا گناہ ہے،تو کھانے کی ڈش کے لیے ’’حلیم‘‘ کا لفظ بھی منع نہیں ہے،ان الفاظ میں کہیں بھی توہین کے ڈر سے پہلا حرف نکال کر ’’دال‘‘ کا اضافہ نہیں کرتے ہیں کہ وکیل،حکیم،ولی،وارث ’’دکیل دکیم،دلی،دارث‘‘ وغیرہ نہیں کہتے ہیں۔

پس اس قاعدے کے تحت کھانے کی ڈش کو ’’حلیم‘‘ کہنے میں اللہ رب العزت کی اس صفت کی توہین بھی لازم نہیں آتی؛ اس لیے کہ جب کوئی کہتا ہے کہ میں ’’حلیم‘‘ کھارہا ہوں یا ’’حلیم‘‘ بنائی ہے،تو سننے والوں کا ذہن کھانے کی مخصوص ڈش کی طرف ہی جاتا ہے نہ کہ باریِ تعالیٰ کی صفت ’’الحلیم‘‘ کی طرف،پس اس مخصوص کھانے کے لیے ”حلیم“ کا لفظ بولے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا فتوی ہے کہ ’’ایک لفظ کے متعدد معنی ہوسکتے ہیں،پس ”حلیم“ کا لفظ جہاں اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے وہیں اس کے درج ذیل معنی بھی ہیں، بردبار،متحمل مزاج،نرم ملائم،ان معانی کے اعتبار سے اس لفظ کا اطلاق کسی انسان پر بھی ہوسکتا ہے جیسے ”زید بردبار انسان ہے“ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ صفاتی نام ایسا نہیں ہے کہ غیر اللہ پر اس کا اطلاق نہ ہوسکے اردو کی لغت میں ”حلیم“ کے یہ معنی بھی لکھے ہیں ”ایک قسم کا کھانا جو اناج گوشت اور مسالے ڈال کر پکایا جاتا ہے“ اسے کھچڑا بھی کہتے ہیں،پس اس مخصوص کھانے کے لیے ”حلیم“ کا لفظ بولے جانے میں کوئی حرج نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔(۱)

رمضان اور قوالی

گانے سننے پر اللہ تعالی کی طرف سے بندے پر جس قدر لعنت برستی ہے اسی قدر لعنت قوالی سننے پر برستی ہے،ایک حدیث میں ارشاد ہے : گانا بجانا دل میں ایسے ہی نفاق پیدا کرتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اگاتا ہے،’’الغناء ینبت النفاق کما ینبت الماء الزرع وفی

(۱) دارالافتاء،دارالعلوم دیوبند،جواب نمبر :157586

روایۃ ینبت النفاق فی القلب۔"(۱) دوسری حدیث میں ہے: "قیامت کے دن گانا سننے والے کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا" "صب فی أذنہ الآنک یوم القیامۃ۔"(۲)

قوالی کا گناہ، گانے کے گناہ سے بڑھا ہوا ہے

کیوں کہ [۱] گناہ کو گناہ نہ سمجھنا: چناں چہ گانے کا گناہ ہونا لوگوں کے ذہن میں ہے؛ لیکن قوالی کا گناہ ہونا بعض لوگوں کے ذہن میں نہیں ہے، پس گناہ کو گناہ نہ سمجھنا یہ گناہ سے بڑا گناہ ہے، یہ ایسے ہے جیسے حلال کو حلال نہ جاننا اور حرام کو حرام نہ جاننا۔

[۲] گناہ کو عبادت سمجھنا: چناں چہ گانے سے کم از کم رمضان میں توبہ کرلیا جاتا ہے؛ مگر قوالی سے رمضان میں بھی توبہ نہیں کیا جاتا، چوں کہ اس کو گناہ نہیں بل کہ عبادت سمجھا گیا ہے، اسی لیے صبح صبح سحر کے وقت جب کہ اللہ رب العزت اپنی تمام رحمتوں سمیت اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، عین اسی موقع پر قوالی لگائی جاتی ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نے حرام کو حلال جانا، مثلاً کسی نے پائخانے کو کھانے کی چیز اور شراب کو شربت۔

[۳] شعارِ اسلام کا استہزاء: اللہ اور اس کے رسول کے کلام کے ساتھ مذاق ہے، جیسے کوئی شخص نماز یا غیرِ نماز میں قرآنِ کریم، درس یا غیرِ درس میں بخاری شریف، وغیرہ میوزک سے پڑھے، کوئی ادنی درجے کا ایمان رکھنے والا مسلمان اس جرم کا ارتکاب تو دور، اس کو گوارا تک نہ کرے گا؛ مگر شیطان لعین نے عقل ماؤف کر کے قوالی کا عبادت ہونا سمجھا دیا ہے؛ اس لیے اس جرم کی سنگینی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔

قوالی کے اشعار خواہ کتنے ہی معنی خیز اور حقیقت پر مبنی ہوں، میوزک اور آلاتِ موسیقی کی وجہ سے ان کی حرمت میں خفت نہیں آئے گی، چناں چہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: ہمارے

---

(۱) مشکاۃ شریف: ۲/۴۱۱، شعب الایمان: ۴/۲۷۹ حدیث: ۵۱۰۰

(۲) تفسیر قرطبی: ۷/۵۰، پ: ۲۱

زمانے کے صوفی لوگ (قوالیاں گاتے اور وجد) کرتے ہیں، وہ حرام ہے، ایسی مجلسوں میں جانا اور شریک ہونا حرام وناجائز ہے۔ "وما يفعله متصوفة زماننا حرام، لا يجوز القصد والجلوس إليه." (۱)

جعلی اور بناوٹی کیفیات پیدا کرنے کے لیے پہلے مزاروں پر قوالی لگائی جاتی تھی؛ مگر جب سے الکٹرانک آلات عام ہوگئے، ہر گلی مزار بنی ہوئی ہے، رمضان کے مبارک دن، نورانی راتیں، ذکر وتلاوت سے مسحور ہونے کے بجائے سارا دن اور ساری رات بڑے بڑے شہروں میں مسلمانوں کے محلوں میں، ہوٹلوں اور دکانوں پر اتنی بلند آواز سے قوالی لگائی جاتی ہیں کہ لوگوں کو عبادت کرنا دشوار ہو جاتا ہے، ان قوالی لگانے والوں میں سے کسی ایک سے بھی پوچھ لیں کہ رمضان کی مبارک ساعتوں میں تم نے کتنے قرآنِ مجید مکمل کیے؟ جن اوراد واذکار کی کثرت کی ترغیب آقائے مدنی ﷺ نے فرمائی ہے کتنے ہزار مرتبہ وہ ذکر کر چکے ہو؟ شاید کوئی ایک ملے جس نے کلام پاک مکمل کیا ہو، ظاہر ہے گناہ کی ایک نحوست یہ بھی تو ہے کہ نیکی کی توفیق اس کی وجہ سے چھین لی جاتی ہے، قوالی کی نحوست سے اللہ تعالیٰ نے تلاوت کی نعمت سے محروم کر دیا، اللہ تعالیٰ مسلمان معاشرے کو اس لعنت سے توبہ کی توفیق بخشے۔ (آمین)

نیکی کر فیس (Facebook) بک پر ڈال!

نیکی کا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب ہونا چاہیے، اس کے لیے اخلاص لازم ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ انسان کے دل اور نیت پر ہوتی ہے اس کی زبان پر نہیں ہوتی، اگر ہم محنت کر کے کچھ نیکی کیے ہیں تو اس کو خود لوگوں کے سامنے دکھا کر ضائع مت کریں، ہمیں عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی حفاظت بھی کرنا چاہیے تاکہ نیکی ہمیشہ قائم رہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) فتاوی شامی: قبیل فصل اللباس: ۳۴۹/۶

’’جو شہرت و نام وری کے لیے کوئی نیک اعمال کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو ذلیل و رسوا کرے گا اور جس نے ریا کاری کی تو اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے سامنے ذلیل و رسوا کرکے دکھائے گا۔‘‘(۱)

آج کچھ لوگوں نے فیس بک کو اپنی نیکیوں سے بھرنے کو تمام نیکیوں میں بڑی نیکی سمجھ رکھا ہے، وہ اعمال جو ہمارے اسلاف چھپ کر کرنے کی کوشش کرتے تھے، اس ڈر سے کہ کہیں ریا کاری نہ ہو جائے، آج لوگ نیکی تب تک کرتے نہیں، جب تک اسے کیمرے کی آنکھ سے محفوظ نہ کرلیں۔

پہلے کہا جاتا تھا کہ ”نیکی کر دریا میں ڈال“ اب یہ حال ہوگیا کہ کہا جانے لگا ’’نیکی کر فیس بک پر ڈال‘‘، دکھاوا انسان کی فطرت کا منفی پہلو ہے اس کو سوشل میڈیا(Social media) نے خوب بڑھا دیا، کبھی سحری کے اوقات میں دعا کے لیے اٹھے ہاتھ والی تصویر، کبھی تلاوتِ قرآن کرتے ہوئے لی گئی تصویر، پھر افطاری کے دوران لی گئی تصویر، اس کے بعد نماز تراویح کے لیے کسی معروف مسجد کی تصویر، تراویح پڑھانے والے قاری صاحب کے ساتھ سیلفی (Selfie)۔

ایک صاحب نے فیس بک پر ایک پوسٹ (Post) کی ’’فجر کی نماز با جماعت پڑھی، الحمد اللہ‘‘ اسکو بہت خوشی تھی صبح کی نماز باجماعت پڑھی ہے، کیوں کہ بہت عرصے بعد یہ توفیق ملی ہے؛ لیکن بعد میں حقیقت کا پتہ چلا کہ وہ فجر کی نماز سے پہلے ساری رات فلم دیکھتا رہا اور جب سونے لگا تو فجر کی اذان ہو رہی تھی اور روم کا ساتھی زبردستی نماز پڑھنے ساتھ لے گیا، عرصے بعد کی گئی یہ نیکی شاید پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جاتی؛ لیکن فیس بک کی زینت نے اس سے بھی محروم کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے توفیق دی، لمبا سفر بڑی رقم و مشقت سے طے کرکے حج و عمرے کے لیے بیت اللہ پہنچ کر نیوز چینل (News channel) کی طرح لمحہ بہ لمحہ اپنی عبادت سے لوگوں

---

(۱) طبرانی: ۲۰/۱۹۹۔

کو باخبر کرتے رہا،کبھی ایک ہاتھ سے بیت اللہ کو چھوتے ہوئے تو دوسرے سے اپنی سیلفی لیتے ہوئے،تو کبھی حجر اسود کو چومتے ہوئے،کبھی ہاتھ اٹھائے دعا کرتے ہوئے؛ گویا کراماً کاتبین کادرجہ فیس بک کودے دیا ہے۔

یہ بات بلا مبالغہ درست ہے کہ ایک ہی جگہ رہنے والے لوگوں کو شاید آپس کی باتیں، معاملات،خوشی وغم کے مواقع،ایک دوسرے سے بات چیت کے بجائے فیس بک پر پتہ چلتے ہوں گے،خود نمائی کا یہ وائرس (Virus) عام لوگوں میں ہی نہیں؛ بلکہ بعض اہلِ علم میں بھی شروع ہوگیا کہ اپنے فنڈ (Fund)اورغریبوں میں پیکیج کی تقسیم کی تصاویر وائرل کرنے لگے ہیں۔

وہ خود دار انسان جو غریب ومسکین ہے،گھر میں فاقوں سے یہ حال ہے کہ وہ بھوکا رہ لیتا ہے لیکن کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا ہے،اس کی غربت کا کیا پتہ تھا کہ تو ایک ہزار روپے صدقہ دیتے ہوئے اس غریب اور خود دار انسان کی تصویر لے کر اس کی عزتِ نفس کو ایسے مجروح کردے گا کہ اپنی نیکی تو فیس بک کی زینت بنادی اوراس کو معاشرے کے سامنے بے بس کردیا، جب کہ شریعت کا حکم ہے کہ صدقہ دائیں ہاتھ سے دو تو بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے۔

ضرورتمندوں کی عزتِ نفس کوٹھیس نہ پہنچائیں

زکاۃ دیتے وقت ترغیب کے لیے دکھا کردینا ضروری ہے،مگر اکثر دیکھا جاتا ہے کہ زکاۃ ادا کرنے والاشخص ترغیب کے لیے نہیں دکھاوے کے لیے اعلان کرتا ہے کہ فلاں دن زکاۃ دی جائے گی،اوراب اعلان سن کر فقراء ومساکین صبح سے ہی قطار میں لگے پڑے ہیں،کب دیں گے اس کا پتہ نہیں،مگر دیں گے آج،سارادن انتظار کروا کر دوپہر،سہ پہر یا بعدِ مغرب دے دیتے ہیں،سمجھ میں نہیں آتا کہ زکاۃ کی ادائیگی ہورہی ہے کہ فقراء ومساکین کو گھر کے باہر جمع کر کے زکاۃ اورفقراء کا مذاق اُڑایا جارہا ہے،زکاۃ جس سے رحم دلی پیدا ہوتی ہے،مسکینوں میں ہم دردی بانٹی جاتی ہے،ایسا فریضہ ہے جو غریبوں سے اپنائیت کا احساس

دلاتا ہے، دردمندوں سے غم گساری کا پیغام دیتا ہے، مساکین وغرباء کی دست گیری کا سبق دیتا ہے، وہ آج کچھ لوگوں کے لیے دکھاوے کا سامان اور تکلیف دینے کا ذریعہ بن گیا، بعض لوگ دکھاوے کے لیے خاندان والوں کو بھول جاتے ہیں اور باہر کے افراد کو دیتے ہیں۔

تھوڑی دیر کے لیے تصور کیجیے کہ اگر اس تصویر میں آپ کی بہن، آپ کی بیوی، آپ کی ماں ہوتی اور صرف ایک مہینہ کے پیکیج کے لیے اپنی تصویر کا سودا کر رہی ہے تو آپ کے دل پر کیا گذرے گی؟ تو سوچو! وہ عورت جسے پیکیج دے کر تصویر وائرل کر رہے ہو وہ بھی کسی کی ماں، بہن اور بیوی ہے، اللہ نہ کرے ان غریبوں کی جگہ آپ ہوں اور کوئی مال دار آپ کی تصاویر کھینچتے ہوئے کئی لوگوں کے سامنے آپ کو کچھ پیسہ، اناج، کپڑے دینے کے نام پہ تپتی ہوئی دھوپ، جان لیوا گرمی، بارش اور روزے کی حالت میں لمبی لمبی قطاروں میں کھڑا کروائے تو کیا آپ کھڑے رہ پائیں گے؟ کیا اُس وقت آپ کی عزتِ نفس تار تار نہیں ہوگی؟ جب آپ کی عزتِ نفس کو ٹھیس پہنچ سکتی ہے تو اُن غریبوں کے پاس بھی تو عزتِ نفس ہوتی ہے، انھیں بھی تو برا لگتا ہوگا، انھیں بھی تو تکلیف ہوتی ہوگی، ان کی عزت اور ہماری عزت میں اتنا فرق کیوں؟ امداد کے بدلے کسی کی خودداری کو ٹھیس مت پہنچاؤ، ان کی محتاجی کا تماشہ نہ بناؤ، تنہائی میں بھی دوگے تو خدا دیکھ رہا ہے، جو مال دے رہے ہو وہ کوئی احسان نہیں ہے، بل کہ مستحق ہی کو اس کا حق لوٹا رہے ہو۔

افسوس آج ہمارے تمام اعمال اللہ کو خوش کرنے سے زیادہ دنیاوی تعریف لوٹنے کے لیے ہوتے ہیں، لیکن کیا کسی نے یہ سوچا ہے کہ امداد کا جو طریقہ ہم نے اپنایا ہوا ہے وہ کتنا صحیح ہے؟ ہمارے طریقے سے کہیں ہم اللہ کو راضی کرنے کے بجائے ناراض تو نہیں کر رہے ہیں؟ امداد کے نام پہ غریبوں کے ساتھ اپنی تصاویر کھینچوا کر ان کی خودداری کو ٹھیس تو نہیں پہنچا رہے ہیں؟ اپنی دریادلی دکھانے کی چکر میں کہیں ہم اُنھیں سرِعام رسوا تو نہیں کر رہے ہیں؟

عام طور سے انسان کسی کے سامنے خوشی سے اپنا ہاتھ نہیں پھیلاتا بلکہ وقت، حالات اور

مجبوریاں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے وہ اوروں کے سامنے مدد کے لیے ناچاہتے ہوئے بھی ہاتھ پھیلا دیتے ہیں، تو کیا صاحب استطاعت مومن بندہ ان کی مجبوری، ان کی حیا اور خودداری کو سمجھ نہیں سکتا؟ اجتماعی طریقے سے دینے کے بجائے انفرادی طریقے سے آخر ان کی مدد کیوں نہیں کر سکتے؟ کیا تصاویر کھینچوا کر سوشل میڈیا اور اخباروں میں ڈھنڈھورا پیٹنے سے ہی زیادہ ثواب ملے گا؟ جب ہم روزہ اور تمام عبادات صرف اور صرف اللہ کے لیے کرتے ہیں تو زکاۃ اور صدقہ کیوں صرف اللہ کو دکھانے کی نیت سے نہیں کر پاتے؟ اللہ کی راہ میں اُس ربِ کائنات کی رضا کے لیے جب اپنا مال خرچ کر ہی رہے ہو تو اس کا اجر اسی کے ذمے چھوڑ دو ،اللہ نہ کرے ہماری نیکی ہماری ایک چھوٹی سی غلطی (دکھاوے) کی وجہ سے ہمیں ہی نہ لے ڈوبے! اللہ نہ کرے کسی غریب کی شرمندگی اور اس کی رسوائی اس کے دل کی آہ نہ بن جائے! وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں ہوتا، دولت کبھی کسی کی رشتے دار نہیں ہوتی، جب بھی کسی کی مدد کریں تو ایک بار ضرور اُس انسان کی جگہ خود کو تصور کریں اور اللہ کا شکر ادا کریں کہ آج اللہ تعالی نے ہمیں کسی کی مدد کرنے کے قابل بنایا ہے، وہ چاہتا تو اُس بندے کی جگہ ہم بھی ہوسکتے تھے، شاید اس میں بھی اللہ کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوگی، شاید ہمارا رب ہمیں مال دے کر آزما رہا ہو، اگر ہم صرف اللہ کی رضا کے لیے دینا چاہیں تو ہزار طریقے مل جائیں گے، جس سے کسی کی خودداری کو چوٹ نہیں پہنچے گی، اور انجانے میں کسی کا دل دکھانے سے بھی بچ جائیں گے اور ہمارا فرض بھی ادا ہو جائے گا۔

رمضان اور پیشہ ور فقیروں کا حال

رمضان المبارک کے بابرکت مہینہ میں شباب پر ہوتا ہے، پیشہ ور گدا گر اپنے آبائی قصبوں دیہاتوں سے نکل کر شہروں کی طرف نکل جاتا ہے، شہروں میں خوشحال اور مالدار لوگ رہتے ہیں، رمضان میں زکوٰۃ وصدقات اور خیرات وغیرہ کثرت سے غرباء ومساکین میں تقسیم کرتے ہیں، اسی لیے پیشہ ور گدا گر اور غریب علاقوں کے غریب، نادار، مفلس اور ضرورت

مندلوگ بھی رمضان المبارک میں کمائی کے لیے شہری علاقوں میں ڈیرے ڈال لیتے ہیں رمضان میں یہ گدا گرروزانہ دوسے ڈھائی ہزارروپئے یااس سے بھی زیادہ کمالیتے ہیں۔

مسلم قوم کے لیے نہایت شرم کا پہلو

کسی بھی قوم کے لئے یہ بات نہایت شرمناک ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے جوقوم کے مستقبل ہوتے ہیں، جوان مردوعورت جن میں محنت اورتگ و دو کی صلاحیت ہوتی ہے، جو قوم کا اثاثہ اوراس کے ہاتھ پاؤں ہیں، ان میں بے عملی اور بے ضمیری پیدا ہوجائے، اس سے زیادہ قابل افسوس بات اور کیا ہوسکتی ہے۔

ہر چوتھا بھکاری مسلمان ہے

۲۹؍ جولائی ۲۰۱۶ء کے اخبار ہندوستان ٹائمس میں یہ سروے شائع ہوا ہے کہ ہندوستان میں جولوگ گداگری کا کام کرتے ہیں اور بھیک پر اپنی زندگی گذارتے ہیں، ان میں ۲۵ رفیصد تعداد مسلمانوں کی ہے، یعنی ہر چار بھکاری میں سے ایک مسلمان ہوتا ہے، یہ نہایت افسوس اورشرم کی بات ہے کہ جس اُمت کے پیغمبر نے تعلیم دی ہو کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے، گداگری کے لئے وہ اُمت مشہور ہوجائے، یہ بات بہت کڑوی ہے؛ لیکن سچائی پر مبنی ہے۔

مقدس مقامات اور پیشہ ور فقیروں کا حال

سیاحتی مقامات، ریلوے اسٹیشن، بس اسٹینڈ اور ٹریفک سگنل کی جگہیں جہاں گاڑیوں کے رکنے کی نوبت آتی رہتی ہے، اس گروہ کے پسندیدہ اور مستجاب مقامات ہیں، اس لئے یہاں ان کی وافر تعداد نہ صرف یہ آموجود ہوتی ہے؛ بلکہ کمالِ اخلاص اور کمالِ استقامت کے ساتھ صبح کی پَو پھٹنے سے لے کر رات گئے تک اپنے محاذ پر ڈٹی رہتی ہے، پولیس والوں کا محصول اور گاہے ڈنڈوں کے ذریعہ ان کی تنبیہ اور دینے والوں کی ڈانٹ ڈپٹ ان کو نہ

ملول خاطر کرتی ہے اور نہ ان کے پائے استقامت میں کوئی تزلزل آنے دیتی ہے، اس لحاظ سے ثابت قدمی میں وہ ایک نمونہ کا درجہ رکھتے ہیں۔

آج کل ہماری مسجدوں، مذہبی مقامات اور دینی اجتماعات کی ایک پہچان گدا گروں کا ازدحام اور ایک خاص لَے اور دھن میں ان کی طرف سے سوالیہ کلمات کی تکرار بھی ہے، ان میں بعض کے اندر الحاح کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے اور آپ کے لئے ان کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ جانا دشوار ہوتا ہے، بعض کی جرأت بھی قابل دید ہوتی ہے، اگر آپ نے انھیں بھیک نہیں دی یا بھیک کی مطلوبہ مقدار نہیں دی، تو ان کی خشمگیں نگاہ کو سہے بغیر چارہ نہیں، کچھ ایسے فرزانے بھی ہیں جو آپ کو دو چار کڑوی کسیلی سنانے سے بھی نہیں چوکتے، وہ اس طرح سوال کرتے ہیں کہ ناواقف آپ کو ان کا مقروض سمجھ بیٹھے۔

گداگری کی شکلیں

گداگر بھی انواع واقسام کے ہیں، کچھ صحت مند و توانا، کچھ واقعی مریض اور زیادہ تر مصنوعی مریض، مریض اور معذور عام طور پر بیکار شمار کئے جاتے ہیں؛ لیکن اس میدان میں وہ نہایت کارآمد اور مفید ہیں؛ اسی لئے بہت سے صحت مند بھکاری نابینا اور معذور فقیروں کا تعاون حاصل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی مدد سے پتھر دلوں کو موم بنانے کا کام انجام دیتے ہیں، ان میں بچے بھی ہیں، جوان بھی اور بوڑھے بھی، مرد بھی ہیں اور خواتین بھی، کم سن لڑکیاں بھی جوان لڑکیاں اور سن رسیدہ عورتیں بھی گداگری کے اس پیشہ میں ہر طرح کے لوگ موجود ہیں، ایسے گروہ بھی پکڑے گئے ہیں جو دیہاتوں اور دور دراز علاقوں سے بچوں کو پکڑ کرلاتے ہیں اور انھیں کسی قدر معذور بنا کر ان سے گداگری کراتے ہیں، زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ گداگری کے لئے بھی جدید ذرائع کا استعمال شروع ہوگیا ہے؛ چنانچہ بعض فقراء انٹرنیٹ کی مدد سے عالمی سطح پر اپنی رسائی کو وسیع کرنے کے لئے کوشاں ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گداگروں کا یہ گروہ اس کو ایک آسان اور سہولت بخش ذریعہ معاش تصور کرتا ہے۔

خاص خاص مواقع جیسے رمضان المبارک اور عید وغیرہ میں اس میں خاصا اضافہ ہوجاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ اس پیشہ سے دستبردار ہونے کو کسی طور تیار نہیں ہیں، اگر آپ انھیں کام کرنے کو کہیں یا خود اپنے یہاں کام کرنے کی دعوت دیں تو وہ ایسا منھ بنائیں گے کہ گویا آپ نے ان کی بے عزتی کی ہے، غرض وہ اپنے پیشہ پر قانع بھی ہیں اور مطمئن بھی اور انھیں اس پر نہ کوئی حجاب ہے اور نہ عار، اس بات سے مزید دکھ ہوتا ہے کہ ان میں بہت ہی قابل لحاظ تعداد ہمارے مسلمان بھائیوں کی ہے اور جس اُمت کو سب سے بڑھ کر غنا اور استغناء کی تعلیم دی گئی ہے، وہی اس اخلاقی بیماری میں پیش پیش ہے۔

بلا ضرورت بھیک مانگنے کا وبال

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سوال قیامت کے دن صاحبِ سوال کے چہرے پر خراش کی صورت میں ظاہر ہوگا، اب جو چاہے اسے اپنے چہرہ پر باقی رکھے(۱)

حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ جس نے فقرو محتاجی کے بغیر سوال کیا، گویا وہ چنگاری کو کھاتا ہے۔(۲) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پیسہ رکھنے کے باوجود سوال کرنا قیامت کے دن اس کے چہرے پر عیب کی صورت اختیار کرلے گا۔ "کانت شینا فی وجھہ یوم القیامۃ"(۳) غور کیجئے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی میں اگر چہرے پر بدنما دھبہ آجائے تو انسان اس کو دور کرنے کے لئے کتنا پریشان ہوتا ہے، آخرت کی دائمی زندگی میں جب اہل جنت خوبصورت ترین شباہت میں ہوں گے، انسان کو اپنے عیب دار اور داغ دار چہرے پر کتنی شرمساری ہوگی، خاص کر ایسی صورت میں کہ لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگی کہ رنگ ونور کی اس بستی میں کوئی شخص اتفاقی اور پیدائشی طور

---

(۱) مجمع الزوائد ۳/ ۹۳۔

(۲) مجمع الزوائد ۳/ ۹۳۔

(۳) مجمع الزوائد ۳/ ۹۳۔

پر بدصورت نہیں ہے؛ بلکہ اس کی بدصورتی اس کی بداعمالیوں کا عکس ہے، کتنا عجیب ہے کہ بننے سنورنے والا انسان اس دائمی بدروئی اور بدصورتی کے بارے میں فکرمند نہ ہو!

بھیک مانگنے کی وجہ کیا ہے؟

گداگری، فقر و احتیاج کا نتیجہ نہیں؛ بلکہ اس کا اصل سبب تن آسانی وسہل انگاری اور مفت خوری وبطن پروری کی خو ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ انسان نے حیاء اور غیرت کی چادر کو تارتار کر دیا ہے، اگر انسان میں قوتِ ارادی اور خود داری ہو اور اپنی عزت وآبرو عزیز ہو، تو وہ دوسروں کے سامنے دستِ سوال نہیں پھیلا سکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے آپ کو عفیف وآبرومند رکھنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے عفیف رکھتے ہیں اور جو مستغنی رہنا چاہے اللہ تعالیٰ اسے استغناء عطا فرماتے ہیں۔(۱) خود داری کے اسی مزاج کو باقی رکھنے کے لئے اسلام نے زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم کیا، کہ لوگ بیت المال میں زکوٰۃ جمع کریں اور بیت المال ضرورت مندوں کا حسبِ ضرورت تعاون کرے، کیوں کہ سرکاری ادارہ سے کوئی مدد حاصل کرنے کی صورت میں انسان کا جذبۂ خود داری ختم نہیں ہوتا اور حجاب وحیاء کی کیفیت باقی رہتی ہے، جب انسان ایک دوسرے سے سوال کرنے لگتا ہے تو پہلے زبان کھولے نہیں کھلتی، دل پر پتھر رکھ کر اپنا مطلب پھیلاتا ہے، تو نہ آنکھوں میں خجالت کی کیفیت ہوتی ہے، نہ زبان کو اظہارِ مدعا میں کوئی جھجھک باقی رہتی ہے اور نہ ہاتھ کو لوگوں کے سامنے دراز ہونے میں کوئی عار۔

گداگری کے سدِ باب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل

گداگری کے سدباب کے لئے آپ نے ایک طرف کسبِ معاش کی اہمیت کو واضح فرما کر گداگری کے اصل سبب کو ختم کرنا چاہا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ دو شخص

---

(۱) مجمع الزوائد ۳؍۹۵۔

خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور کچھ طلب کیا، آپ نے مشورہ دیا کہ جنگل جاؤ لکڑی کاٹو اور اسے فروخت کرو، انھوں نے ایسا ہی کیا، پہلے لکڑیاں بیچ کر کھانے کی اشیاء خریدیں، پھر سونا خریدا، پھر سواری کے لئے گدھے خریدے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم میں برکت رکھی ہے۔(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوال کرنے سے صحابہ کو اس درجہ منع فرمایا اور اس کی تعلیم دی کہ وہ معمولی چیزیں مانگنے سے بھی احتراز کرتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ اگر اونٹنی کی لگام نیچے گر جاتی، تو اونٹنی کو بٹھاتے اور خود لگام لیتے، لگام بھی دوسروں سے مانگنے کے روادار نہیں ہوتے۔(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کا نتیجہ تھا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ دونوں کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے عہد لیا کہ کسی سے سوال نہ کریں، یہاں تک کہ اگر کوڑا نیچے گر جائے تو وہ بھی دوسرے سے نہ مانگیں۔(۳)

سدِّ باب کا مثبت اقدام

گداگری کے سدباب کے لئے مثبت اور منفی اقدامات کی ضرورت ہے، مثبت اقدام یہ ہے کہ ایسے بچوں کو تعلیم میں لگایا جائے، بہت سے سرکاری وغیر سرکاری ادارے ہیں جہاں بچوں کی مفت تعلیم کا انتظام ہے، انھیں ایسے اداروں میں پہنچایا جائے، جو خواتین اور مرد کام کرنے کے لائق ہیں انھیں مزدوری پر لگایا جائے، آج کل مزدوروں کی کھپت بہت زیادہ ہے، اصل دشواری تعلیم یافتہ بے روزگاروں کے لئے ہے اور گداگری کے پیشہ میں زیادہ تر ناخواندہ اور ان پڑھ لوگ ہیں، انھیں محنت مزدوری پر آمادہ کیا جاسکتا ہے، جو لوگ واقعی جسمانی اعتبار سے معذور ہوں ان کے لئے اقامت گاہیں قائم کی جائیں، یا گورنمنٹ کی

---

(۱) مجمع الزوائد ۳ : ر ۹۴۔
(۲) مجمع الزوائد ۳ : ر ۹۴۔
(۳) مجمع الزوائد ۳ : ر ۹۳۔

طرف سے بنے ہوئے رفاہی اداروں تک ان کو پہنچایا جائے۔

سدِّ باب کا منفی اقدام

منفی اقدام سے مراد یہ ہے کہ گداگری کی حوصلہ شکنی کی جائے، مسجدوں اور درگاہوں کے ذمہ داران انھیں وہاں بیٹھنے اور بھیک مانگنے سے روکیں، مذہبی اجتماعات، جمعہ وعیدین کے مواقع پر بھی انھیں بھیک مانگنے سے منع کیا جائے اور ان کی حوصلہ شکنی کی جائے، ان کو بھیک نہیں دی جائے، یہ بھیک مانگیں تو کام کرنے کی ترغیب دی جائے، اس طرح ان کی حوصلہ شکنی ہوگی اور یہ باعزت طریقہ پر کمانے کے عادی ہوں گے۔ بہت سے لوگ جمعہ وغیرہ میں کھلے پیسے لے کر آتے ہیں اور روپیہ دو روپیہ ہر فقیر کو دیتے چلے آتے ہیں، بظاہر یہ کارِ خیر ہے؛ لیکن بالواسطہ یہ اپنی قوم کے ایک گروہ کو گداگری کا عادی بنانا ہے، اس لئے اس سے اجتناب ہی قوم کے مفاد میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ ہمارے سامنے موجود ہے، کہ ایک طرف آپ نے بھیک مانگنے والوں کو دینے سے انکار کر دیا اور دوسری طرف انھیں محنت ومزدوری کر کے اپنی ضروریات پوری کرنے کی ترغیب بھی دی اور اس کی تدبیر بھی فرمائی، اگر ہم اپنی قوم کو اس لعنت سے بچانا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی ان میں یہ مزاج پیدا کرنا ہوگا، کہ وہ اپنے گاڑھے پسینے بہا کر کمائیں اور آدھے پیٹ کھائیں؛ لیکن دوسروں کے سامنے سوال کے ہاتھ پھیلا کر بے آبروئی کا راستہ اختیار نہ کریں!۔(۱)

پیشہ ور بھکاریوں کو دینا درست نہیں

جس طرح ہٹے کٹے اور جعلی فقیر ومسکین کا بھیک مانگنا درست نہیں اسی طرح ان پیشہ ور

---

(۱) شمع فروزاں مضامین ومقالات، اگست 11, 2016، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم

بھکاریوں کو بھیک دینا بھی درست نہیں،سب سے زیادہ حقدار اپنے قریبی لوگ ہیں، رشتہ دار، دوست احباب اور وہ لوگ ہیں جن کو آپ جانتے ہیں کہ یہ لوگ واقعی ضرورت مند ہیں اس کے بعد تمام لوگوں کے چاہیے کہ اپنے اپنے علاقے اور محلہ میں تلاش کریں کہ کون ایسے شریف لوگ ہیں جو کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے ہیں اور سوال نہیں کرتے ، شرماتے ہیں، ایسے لوگوں کو ڈھونڈ کر ان کو ان کا حق دیا جائے، اس طرح مستحق افراد کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی ضرورت کو پورا کرنے کرنے کے لیے کوئی ایسی راہ نہ تلاش کریں جو صحیح نہ ہو، مکمل احتیاط کے ساتھ کسی کو حقدار سمجھ کر دے دیا تو جیسی نیت ویسا فیصلہ، اگر بلا سوچے سمجھے اور بغیر تحقیق کے بھکاریوں کو کچھ دیا تو ملک وملت میں ان لوگوں کے اضافے کا سبب بنیں گے جو یقیناً قوم کے لیے ملک کے لیے نقصان کا باعث ہیں۔

روزے کا مذاق اڑانا

رمضان کے مبارک مہینے میں بعض لوگ روزے کا مذاق اڑاتے ہیں اور بالکل خلافِ شریعت میسج (Message) بناتے اور واٹس اپ (Whats app) پر چلاتے ہیں، جب کہ شریعت کے کسی بھی حکم کا مذاق اڑانا بعض مرتبہ مسلمان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے، روزہ تو اسلام کے ارکان میں سے ہے پھر اس کے مذاق سے مسلمان کہاں اسلام پر باقی رہ سکتا ہے؟ روزہ شروع ہوتے ہی عجیب مذاق کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جیسے:

”رات چاند نظر آیا اور دن میں تارے“۔”روزے دارو! حوصلہ رکھو، ابھی بہت ٹائم پڑا ہوا ہے“۔”لوگو! دیکھو سورج ڈوبا کہ نہیں؟ لگتا ہے کہ یہ ہماری جان لے کر ہی ڈوبے گا“۔

اگر روزہ لگے تو یہ دُعا پڑھیں:

”الکباب الکیچپ وسموسہ الچٹنی اِن چپس الپیزا

یاپانی یاپانی یاپانی تیری مہربانی“

ملاحظہ: اس میسج میں جس طرح ہم نے روزے کا اور مسنون دُعاؤں کا مذاق اڑایا ہے

وہ ہمارے لیے نہایت شرم ناک بات ہے۔

''مولوی صاحب نے سحری کے لیے دودھ میں جلیبیاں بھگو کر رکھیں، جب سحری کا وقت ہوا تو مولوی صاحب نے اپنی بیوی سے کہا کہ جا کر جلیبیوں والا پیالا لاؤ، بیوی نے دیکھا کہ وہ دودھ والا پیالا تو بلی کھا پی گئی ہے، اُس نے مولوی صاحب کو بتایا، مولوی صاحب نے چادر اوڑتے ہوئے کہا پھر روزہ وہ بلی ہی رکھے''۔

ملاحظہ: ہم اُن کی اچھی چیزوں کو کبھی بھی نہیں اپناتے بل کہ الٹا میسجز (Messages) کر کے اُن کا مذاق اڑاتے ہیں، ہنسی مذاق میں دوسروں کو ہنسا کر ہم تھوڑی دیر کے لیے جھوٹی ہنسی ہنس لیتے ہیں مگر ہم کتنے گناہ کما جاتے ہیں اس کا ہمیں اندازہ نہیں ہو پاتا۔

''ہیلو جی ایسے ہی پوچھنا تھا کہ روزوں میں اتوار کی چھٹی ہوتی ہے یا نہیں یا سارے کے سارے رکھنے پڑتے ہیں''۔

ملاحظہ: فلمیں دیکھنے میں، بُری بات کہنے میں، چغلی کرنے میں، غیبت کرنے میں، گالی دینے میں، چوری کرنے میں، جھوٹ بولنے میں، مکاری کرنے میں، دھوکہ دینے میں، زنا کرنے میں، بد دیانتی کرنے میں کیا ہم کسی چھٹی کی طلب کرتے ہیں یا کبھی یہ سوچتے ہیں کہ کیوں نہ ایک دن ان تمام چیزوں سے چھٹی کرلیں۔ نیک کام کرنے میں ہی ہم چھٹیوں کی بات کیوں کرتے ہیں اپنے اندر پائی جانے والی بُرائیوں کو دور کرنے میں ایسا کیوں نہیں کہتے یا کرتے؟

''ابھی دو روزے گذریں ہیں، کیسی شکل نکل آئی ہے؟'' اس میسج کے نیچے عجیب سا کارٹون بنایا ہوا ہے جس کا منہ ٹیڑھا دکھایا گیا ہے۔

ملاحظہ: اللہ تعالیٰ کے آگے خالص نیت سے سجدہ ریز ہونے والے کی شکل کارٹون جیسی نہیں بنتی، نہ ہی منہ ٹیڑھا ہوتا ہے؛ بلکہ اس کا چہرہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نور سے بھر جاتا ہے۔

غور کریں جو میسجز لوگ ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں مختلف دوستوں کو سینڈ (Send) کرتے ہیں، کیا ایسے میسجز سے ہم اپنے دین کا خود ہی مذاق نہیں اڑاتے؟ ہم کسی کو اپنے

دین کی خوبیاں کیا بتاتے جب کہ ہم خود بے دردی سے دین کا مذاق اڑاتے ہیں، شرم آنی چاہیے ان لوگوں کو جو روزے کا مذاق اڑاتے ہیں، آپ نے روزہ رکھا ہے کسی پر احسان نہیں کیا، گیارہ مہینے بیل کی طرح رب کی روزی کھاتے وقت اس کا کرم یاد نہیں آیا، آج وہ ایک وقت (دوپہر) کا کھانا ترک کرنے کا حکم کیا تو اس کے حکم کا مذاق اڑانے لگے، روزہ اللہ سبحان وتعالی کی طرف سے ایک تحفہ ہے، جس سے تزکیۂ نفس ہوتا ہے، افسوس! دینِ اسلام جو عین فطرت کے مطابق ہے اس کو غلط رنگ میں پیش کیا جاتا ہے، خدارا! اسلام کی روح کو سمجھیں اور ایسے میسج بنانے یا آگے بڑھانے سے مکمل اجتناب کریں۔

دین کا مذاق اڑانا تو نہایت خطرے کی بات ہے، انسان اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، اور اگر اسی حالت میں اس کا انتقال ہوجائے تو اس کی نمازِ جنازہ ادا نہیں کی جائے گی۔ مذکورہ شخص دین کا کس طرح مذاق اڑاتا ہے؟ اس کی وضاحت بھیج کر جواب حاصل کرنا چاہیے، اگر وہ اس قسم کا مذاق اڑاتا ہے جس سے انسان دین سے خارج ہوجائے تو رشتہ داری کے باوجود اس کی جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی اور نہ ہی اس میں شرکت جائز ہوگی۔(۱)

رمضان میں مسلمان محلوں میں ہوٹلوں کا حال

ایک خالص مسلم آبادی کا محلہ ہے، جہاں لوگوں کی چہل پہل قابلِ دید ہے، بچوں کے کھیل کود کا انداز بھی قومیت پر پوری طرح شاہدِ عدل ہے، ہونا یہ چاہیے تھا کہ یہاں رمضان المبارک کے زمانے میں کھانے پینے کی دکانوں پر دن میں ''ہُو'' کا عالم ہوتا، ہوٹلوں اور چائے خانوں کے دروازوں پر پڑے ہوئے تالے بانگِ دہل مسلم معاشرے کی اسلامیت کا ثبوت فراہم کرتے؛ مگر افسوس! یہاں سے دن میں بھی پلیٹوں اور پیالیوں کی کھنکھناہٹ کا شور سنائی دیتا ہے، بس فرق یہ ہے کہ رمضان سے پہلے کوئی پردہ نہیں تھا اور اب لوگوں کو بے

(۱) دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر: 144004200914

وقوف بنانے یاروزہ خوروں کومکمل پناہ دینے کی غرض سے ہوٹلوں کے دروازوں پر میلا پردہ ڈال دیا گیا ہے، اگر کوئی اللہ کا بندہ ان رمضان کی عظمت سے کھلواڑ کرنے والوں سے اہانتِ دین کی شکایت کرتا ہے تو یہ ’’ہوٹل کے مسلمان مالک‘‘ الٹا اسے ہی خطاوار ٹھہراتے ہیں کہ یہ شخص ہماری روزی پر لات مارنا چاہتا ہے، انھیں اللہ کی ناراضگی کی فکر نہیں رہتی؛ بل کہ صرف اپنی کمائی اور ذاتی مفاد پیشِ نظر رہتا ہے۔

ذرا سوچئے! کیا اس کھلی ہوئی بے حرمتی پر خاموش رہ کر ہم اللہ کے غضب کو دعوت نہیں دے رہے ہیں؟ (۱)

رمضان میں ہوٹل کھولنے کا شرعی حکم

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

رمضان کے احترام کی خاطر دن کے وقت ہوٹل بند رکھنا ضروری ہے، کھانے پینے والے خواہ کسی بھی مذہب کے ہوں ۔(۲)

مفتی شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: شریعت میں بعض لوگوں کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، جیسے مسافر، مریض، دودھ پیتے بچے کی ماں، جب کہ روزہ رکھنے سے نقصان کا اندیشہ ہو، ایسے ہی حاملہ عورت اور بہت ہی بوڑھا آدمی (جس کو فقہاء ’’شیخ فانی‘‘ سے تعبیر کرتے ہیں) ان سب کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

اور شہروں کا حال یہ ہے کہ وہاں دن رات ہزاروں مسافر آمد ورفت کرتے ہیں؛ نیز بہت سے بڑے بڑے ہسپتال شہروں میں ہوتے ہیں، جہاں مریضوں کے ساتھ تیماردار لوگ رہتے ہیں، ان میں بھی بہت سے دوسرے شہروں اور علاقوں سے آئے ہوئے ہوتے ہیں اور مسافر ہوتے ہیں ایسے لوگوں کی سہولت کے لیے جب شریعت نے روزہ نہ رکھنے کی

---

(۱) تحفۂ رمضان: ۱۵۱

(۲) فتاویٰ رحیمیہ: ۵/ ۱۹۷

اجازت دی ہے، تو ان لوگوں کی مدد کی نیت سے ہوٹل چلانے کی اجازت ہے، البتہ ہوٹل والوں کو چاہیے کہ رمضان میں کھانے کی جگہ پر پردوں کا اہتمام وانتظام کریں اور ایک بورڈ پر یہ اعلان لکھ دیں کہ ”یہاں صرف ان کے لیے کھانے کا انتظام ہے، جن کو روزہ رکھنے سے کوئی شرعی عذر ہے؛ لہٰذا بے عذر کوئی صاحب زحمت نہ فرمائیں“۔

اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص بلا عذر آتا اور کھاتا ہے، تو ہوٹل والے پر اس کی کوئی ذمے داری نہیں اور پردوں کی بات اس لیے عرض کی گئی کہ فقہا نے صاحبِ عذر کو بھی چھپ کر کھانے کی ہدایت فرمائی ہے، اگرچہ ایک قول یہ ہے کہ علی الاعلان اور سب کے سامنے بھی کھا سکتا ہے؛ مگر احتیاط اسی میں ہے کہ چھپ کر کھائے؛ لہٰذا اس کے پیشِ نظر پردہ ڈال دینا اچھا ہے۔(۱)

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا فتوی ہے کہ ”افطار سے پہلے یا رات میں ہوٹل چلا سکتے ہیں، دن میں ہوٹل چلانے سے اگر روزہ دار آکر کھاتے ہوں تو یہ تعاون علی الاثم میں داخل ہو کر ممنوع ہوگا۔ ”وَلاَ تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ“ اگر روزہ دار نہ کھاتے ہوں بلکہ مسافرین یا غیر مسلم کھاتے ہوں تو بھی اولیٰ یہی ہے کہ ماہ مبارک کا احترام کرتے ہوئے دن میں بھی بند کر دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(۲)

مسلم ممالک میں رمضان میں دن کے وقت ہوٹل چلانا

دکان یا سپر مارکیٹ (Super market) کی اشیا فروخت کے اعتبار سے دو طرح کی ہو سکتی ہیں: پہلی قسم: ایسے کھانے جن کے متعلق غالب گمان ہو کہ خریدار فوری طور پر اسے کھا لے گا؛ کیونکہ اس کی بناوٹ ہی اس طرح کی ہوتی ہے کہ اسے فوری کھانا پڑتا ہے، مثال کے طور پر: آئس کریم، جوس (Juice)، ٹھنڈا سوڈا واٹر (Soda water) یا گرم مشروبات

---

(۱) رمضان اور جدید مسائل: ۱۷۳

(۲) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر :30185۔

جنہیں خریدتے ہی تناول کرلیا جاتا ہے،اسی طرح ایسی میٹھی مصنوعات جنہیں بنانے کےفوری بعدکھالیا جاتا ہے، یااسی طرح کی دیگرکوئی بھی کھانے پینے کی چیزیں،توانہیں رمضان میں دن کے وقت فروخت کرنا مسلمان کیلیے جائز نہیں ہے؛ کیونکہ غالب گمان یہی ہے کہ اسے خریدنے والامسلمان یا غیرمسلم ماہِ رمضان کی حرمت پامال کرتے ہوئے فوری کھالے گا، [غیرمسلم کاذکراس لیے کیاہے کہ]وہ بھی شرعی احکامات بجالانے کے مخاطب ہیں،لہذا گناہ کے کام میں کسی کی بھی معاونت کرنا جائز نہیں ہے، جیسے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے : ’’وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ‘‘،نیکی اورتقوی کےکاموں پر باہمی تعاون کرو،گناہ اورزیادتی کے کاموں پر باہمی تعاون مت کرو،اللہ سےڈرو بیشک اللہ تعالی سخت عذاب والاہے۔[۱]

امام رملی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ’’رمضان میں ممنوعہ کاموں کےاندریہ بھی شامل ہےکہ کوئی عاقل بالغ مسلمان رمضان میں دن کے وقت کسی عاقل بالغ کافرکوکھانا کھلائے، یاکسی غیرمسلم کوکھانافروخت کرے اوراسے یقین ہویا گمان ہوکہ وہ یہ کھانادن کےوقت ہی کھائے گا؛ کیونکہ ہر دو حالت میں مسلمان معصیت کاباعث بنتا ہے اورمعصیت کیلیے معاونت فراہم کرتا ہے؛اس کی وجہ یہ ہےکہ کافروں کوبھی شرعی فروعی مسائل پرعمل کرنے کاپابند کیا گیا ہے،اوریہی راجح موقف ہے‘‘(۲)

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں: ’’رمضان کے دنوں میں ہوٹل کھولنا، چاہےکفار کیلیے کھولے جائیں جائز نہیں ہے،آپ میں سےکسی کو رمضان میں ہوٹل کھلا ہوانظرآئےتواس پر متعلقہ اداروں کو اطلاع دیناضروری اورواجب ہے تاکہ اسے ہوٹل کھولنے سے روکا جائے، کسی بھی کافرکیلیے مسلم خطے میں رمضان میں دن کے وقت اعلانیہ کھانا پینا جائز نہیں ہے، کافر

---

(۱)المائدۃ:۲

(۲) نہایۃ المحتاج:۴۷۱/۳

پر بھی اس حرکت سے باز رہنا ضروری ہے‘‘(۱)

دوسری قسم: کھانے پینے کی ایسی چیزیں جن کے استعمال کا وقت دکاندار کو فروخت کرتے وقت چاہے دن ہو یا رات، معلوم نہیں ہے کہ خریدار کس وقت کھائے گا، مثلاً: پیک شدہ کھانے کی چیزیں، ٹافیاں (Toffy) روٹی یا بریڈ (Bread) اسی طرح خشک اناج مثلاً: تیل، چاول، دالیں وغیرہ تو ہمارے علم کے مطابق عام طور پر بازار میں یہی چیزیں زیادہ فروخت ہوتی ہیں تو مسلمان ان چیزوں کو رمضان میں دن کے وقت فروخت کر سکتا ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے؛ کیونکہ اس حالت میں دکاندار کے ذہن میں غالب گمان ہے کہ خریدار کافر ہونے یا بے عمل مسلمان ہونے کی وجہ سے روزے دار نہیں ہے، لیکن دکاندار کو یہ نہیں معلوم کہ خریدار نے اسے کس لیے خریدا ہے، ممکن ہے کہ وہ فوری طور پر اسے استعمال کر لے یا کچھ عرصے بعد استعمال کرے، یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ چیز ہی خراب ہو جائے اور استعمال کرنے کا موقع ہی نہ ملے، جس طرح ان چیزوں کے استعمال کیلیے ایک عام حکم ہے یا اکثریت کا طریقہ کار ہے، اور کوئی بھی شخص یہ حکم نہیں لگا سکتا کہ خریدار دن میں یا رات کے فلاں وقت میں استعمال کرے گا، تو پھر ان چیزوں کا حکم بھی مطلق اور عام ہوگا۔

اور اس عام اور مطلق حکم کی وجہ سے ان چیزوں کو فروخت کرنے کا حکم بھی جواز ہی ہوگا جو کہ ان کا اصل کے اعتبار سے حکم ہے، ان چیزوں کی خرید وفروخت گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون شمار نہیں ہوگی؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیزیں گناہ یا زیادتی کے کاموں میں ہی استعمال ہوں گی، اور چیزوں کا حکم اصل کے اعتبار سے جواز کا ہوتا ہے، اور اصل حکم کو تبدیل کرنے کیلیے قابل یقین اور معتمد دلیل ہونا ضروری ہے۔

اب دوسری قسم کے کھانوں میں یہ بات طے ہے کہ دکاندار کو نہ تو اس بات کا علم ہے کہ خریدار یہ کھانا رمضان میں دن کے وقت کھائے گا اور نہ ہی اسے اس بارے میں کوئی گمان

---

(۱) اللقاء الشہر: ۸/ ۴، مکتبہ شاملہ کی ترتیب کے مطابق۔

آتا ہے، چنانچہ حرمت کا سبب ہی موجود نہیں ہے، لہذا اس کا حکم اصل کے اعتبار سے جواز ہی ہوگا، یہی معاملہ ہر اس خرید وفروخت کے معاملے میں کیا جائے گا کہ جس میں خریدار کا چیز کے استعمال کرنے کی صورتوں میں شک ہو، لہذا اکثریت نے ان صورتوں میں جو جواز کا موقف اختیار کیا ہے وہ ان صورتوں کے متعلق ہے جب دکاندار کو شک ہو، اور خریدار کے چیز لے جانے کا مقصد اور سبب معلوم نہ ہو۔(۱)

روزہ ترک کرنے کا گناہ

رمضان المبارک کا روزہ ہر عاقل وبالغ مسلمان پر فرض ہے، اگر کسی نے بلا عذرِ شرعی رمضان کا روزہ چھوڑ دیا یعنی بالکل رکھا ہی نہیں تو اس نے گناہِ کبیرہ کیا، اس سے توبہ واستغفار لازم ہے، البتہ اس پر صرف قضا واجب ہوگی، کفارہ نہیں؛ کیوں کہ روزہ نہ رکھنے سے کفارہ لازم نہیں ہوتا؛ بل کہ رمضان کا روزہ رکھ لینے کے بعد بلا عذرِ شرعی جان بوجھ کر توڑ دینے سے کفارہ واجب ہوجاتا ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ''الکبائر'' میں کہتے ہیں: ''مومنوں کے ہاں یہ بات مقرر شدہ ہے کہ جس نے بھی بغیر شرعی عذر اور مرض کے رمضان المبارک کا ایک بھی روزہ ترک کیا تو وہ زانی اور شرابی سے بھی زیادہ برا اور شریر ہے، بل کہ اس کے اسلام میں بھی شک کیا جاتا ہے اور اسے زندیق اور گمراہ شمار کرتے ہیں''۔

روزہ ترک کرنے والے کی سزا اور وعید کے بارے میں صحیح حدیث میں ہے کہ ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''میں سویا ہوا تھا کہ میرے پاس دو شخص آئے اور میرے بازو پکڑ کر مجھے سخت اور دشوار گزار پہاڑ کے پاس لائے اور کہنے لگے: اس پر چڑھیے، میں نے انھیں کہا کہ مجھ میں اس پر چڑھنے کی طاقت نہیں، وہ دونوں کہنے لگے: ہم آپ کے لیے اسے آسان کر دیں گے،

---

(۱) ماخذ: الاسلام سوال وجواب، بتغییر یسیر۔

تو میں اس پہاڑ پر چڑھ گیا جب اوپر پہنچا تو وہاں شدید قسم کی آوازیں آرہی تھیں، میں نے کہا: یہ آوازیں کیسی ہیں؟

وہ کہنے لگے: یہ جہنمیوں کی آہ وبکا ہے، پھر وہ مجھے آگے لے گئے جہاں پر کچھ لوگ کونچوں کے بل لٹک رہے تھے اوران کی باچھیں کٹی ہوئی تھیں، اوران کی باچھوں سے خون بہہ رہا تھا، میں نے کہا: یہ لوگ کون ہیں؟

وہ کہنے لگے: یہ وہ لوگ ہیں جو افطاری سے قبل ہی اپنے روزے افطار کرلیا کرتے تھے۔ ”بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ إِذْ أَتَانِي رَجُلَانِ، فَأَخَذَا بِضَبْعَيَّ -أي عضدي-، فَأَتَيَا بِي جَبَلًا وَعْرًا، فَقَالَا لِي: اصْعَد، فَقُلْتُ: إِنِي لَا أُطِيقُهُ، فَقَالَا: إِنَّا سَنُسَهِّلُهُ لَكَ، فَصَعِدْتُ حَتَّى إِذَا كُنْتُ فِي سَوَاءِ الْجَبَلِ -وسط الجبل- إِذَا بِأَصْوَاتٍ شَدِيدَةٍ، فَقُلْتُ: مَا هٰذِهِ الْأَصْوَاتُ؟ قَالَ: هٰذَا عُوَاءُ أَهْلِ النَّارِ، ثُمَّ انْطَلَقَا بِي، فَإِذَا بِقَوْمٍ مُعَلَّقِينَ بِعَرَاقِيبِهِمْ -العُرقوب هو العَصَب الذي فوق مؤخرة قدم الإنسان- مُشَقَّقَةٍ أَشْدَاقُهُمْ -الشِّدْق هو جانب الفم مما تحت الخد- تَسِيلُ أَشْدَاقُهُمْ دَمًا، فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ فَقِيلَ: هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يُفْطِرُونَ قَبْلَ تَحِلَّةِ صَوْمِهِمْ -أي يفطرون قبل أن يحل الفطر لهم بغروب الشمس“(۱)

فائدہ: یہ اس شخص کی سزا ہے جو روزہ رکھنے کے بعد افطاری سے قبل ہی عمداً یعنی جان بوجھ کر روزہ افطار کردے، تو اب بتائیں کہ جو بالکل ہی روزہ نہ رکھے اس کی سزا کیا ہوگی؟ ہم اللہ تعالیٰ سے دنیا وآخرت میں سلامتی وعافیت کے طلب گار ہیں۔

رمضان میں مغفرت نہ ہو تو پھر کب ہوگی؟

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ رمضان تمہارے پاس آگیا ہے، اس میں جنّت کے دروازے کھول دیے جا

(۱) سنن النسائی الکبریٰ، حدیث: ۳۲۷۳، صحیح ابن خزیمۃ: ۲/ ۹۵۳، الکبائر للذھبی: ۶۴

تے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے، محروم ہے وہ شخص جس نے رمضان کو پایا اور اس کی مغفرت نہ ہوئی کہ جب اس کی رمضان میں مغفرت نہ ہوئی تو پھر کب ہوگی؟ "عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ - ﷺ - يَقُولُ: هَذَا رَمَضَانُ قَدْ جَاءَ، تُفْتَحُ فِيهِ أَبْوَابُ الجَنَّةِ، وَتُغْلَقُ فِيهِ أَبْوَابُ النَّارِ، وَتُغَلُّ فِيهِ الشَّيَاطِينُ، بُعْدًا لِمَرْءٍ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ، إِذَا لَمْ يُغْفَرْ لَهُ فِيهِ فَمَتَى؟"(۱)

رمضان کی ناقدری کرنے والے کے لئے بددعا

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منبر کے قریب ہونے کا حکم دیا، ہم حاضر ہوگئے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا "آمین"، جب دوسرے درجہ پر قدم رکھا تو فرمایا "آمین"، جب تیسرے درجہ پر قدم رکھا تو فرمایا "آمین"، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج ہم نے آپ سے ایسی بات سنی جو پہلے نہیں سنی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (جب پہلے درجہ پر میں نے قدم رکھا) اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے تھے اور انہوں نے یہ بددعا کی تھی کہ وہ شخص ہلاک ہو جسے رمضان کا مہینہ ملے پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہو، تو میں نے کہا "آمین"، پھر جب دوسرے درجہ پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا وہ شخص برباد ہو جس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کیا جائے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجے، تو میں نے کہا "آمین"، پھر جب تیسرے درجہ پر چڑھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ وہ شخص بھی ہلاک ہو جو اپنی زندگی میں اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کے زمانہ میں پائے اور وہ اسے جنت میں داخل نہ کرائیں تو میں نے کہا: "آمین"۔

---

(۱)المعجم الأوسط للطبراني:۳،۳۲۳،وَفِيهِ الْفَضْلُ بْنُ عِيسَى الرَّقَاشِيُّ، وَهُوَ ضَعِيفٌ، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:۳، ۳۴۵حديث :۴۷۸۸، اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

آج رمضان المبارک کی قدر دانی میں ہونے والی کوتاہیوں کا اظہار کرتے ہوئے بڑی شرم آتی ہے کہ تمام تر آسانیوں کے باوجود معاشرہ میں بلاعذر روزہ خوروں کی ایک بڑی تعداد ہے، رمضان کے مقدس دنوں میں گلیوں اور محلوں میں چائے کے ہوٹلوں پر نظر آتے ہیں، سرعام ماہِ مبارک کی توہین کی جاتی ہے، رمضان کی مبارک راتیں عبادت میں کم، اور سیر وتفریح اور گپ شپ میں زیادہ صرف ہوتی ہیں، جوں جوں عید کا زمانہ قریب آتا ہے، رمضان کا آخری عشرہ اپنی تمام تر برکتوں کے ساتھ سایہ فگن ہوتا ہے تو مسجدوں کے بجائے بازاروں کی رونق بتدریج بڑھتی چلی جاتی ہے، اور کیا مرد کیا عورتیں، کیا جوان اور کیا بوڑھے، سب رمضان کی برکتیں سمیٹنے کے بجائے عید کی تیاری میں مدہوش ہوجاتے ہیں، شہروں اور دیہاتوں میں یہی ماحول نظر آتا ہے۔" فَلَمَّا ارْتَقَى دَرَجَةً قَالَ: آمِين، فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ قَالَ: آمِين، فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ قَالَ: آمِين، فَلَمَّا نَزَلَ قُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لَقَدْ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئاً مَا كُنَّا نَسْمَعُهُ؟ قَالَ: إِنَّ جِبْرِئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَام عَرَضَ لِيْ، فَقَالَ بَعُدَ مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ قُلْتُ : آمِين، فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّانِيَةَ قَالَ: بَعُدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ، فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ، فَقُلْتُ: آمِين، فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّالِثَةَ قَالَ: بَعُدَ مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ الْكِبَرَ عِنْدَهُ أَوْ أَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الجَنَّةَ قُلْتُ: آمِين"۔(۱)

شیاطین قید ہوجاتے ہیں تو گناہ کیوں ہوتے ہیں؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ داخل ہوتا ہے، تو جنت کے سارے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور اس کا کوئی دروازہ اخیر مہینے تک بند نہیں کیا جاتا، اور جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، اور اس مہینے میں سرکش شیاطین کو قید کردیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہر افطار کے وقت بہت

(۱) الترغیب والترہیب ۲/ ۵۶، شعب الایمان ۲/ ۲۱۵، حدیث: ۱۵۷۲، بحوالہ: کتاب المسائل: ۲/ ۱۲۰۔

سے بندوں کو اللہ تعالیٰ جہنم سے آزاد فرماتے ہیں۔ ”إذا دخل رمضان فتحت أبواب الجنان كلها، فلم يغلق منها باب إلى آخر الشهر، وغلقت أبواب النار فلم يفتح منها باب إلى آخر الشهر، وسلسلت مردة الشياطين، ولله عتقاء عند وقت كل فطر يعتقهم من النار“(۱)

یہاں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس مہینے میں شیاطین کو قید اور بند کر دیا جاتا ہے، تو پھر اس مہینے میں بہت سے لوگ گناہوں میں کیوں مبتلا رہتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو شیاطین کے قید ہونے کا اثر خصوصیت سے اس شخص کے حق میں ہوگا جو رمضان کے روزوں اور دیگر احکام کو شرائط اور آداب کی رعایت رکھ کر پورا کرے اور جو خلاف ورزی کرتا ہے وہ اس نعمت اور خصوصیت سے محروم رہتا ہے۔

دوسرے: بعض احادیث میں سرکش شیطانوں کو قید کرنے کا ذکر آیا ہے، اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو زیادہ سرکش شیاطین ہیں، وہ قید کر دیے جاتے ہیں اور جو زیادہ سرکش نہیں ہیں، ان کو قید نہیں کیا جاتا۔

تیسرے: اگر ہر قسم کے شیطانوں کا قید ہونا مراد لیا جائے اور یہ کہا جائے کہ ہر شیطان سرکش ہی ہوتا ہے تو پھر رمضان میں گناہوں کا سبب صرف شیطان اور سرکش جنات ہی نہیں ہوتے، بل کہ اور بھی مختلف اسباب ہوتے ہیں، مثلاً:

(۱) نفس کا بہکاوا (۲) بُرے لوگوں کی صحبت (۳) گندی عادتیں (۴) ذاتی خباثت، لہٰذا شیاطین کے قید و بند کیے جانے سے گناہ اور ان کے اسباب کم ہو جاتے ہیں؛ لیکن ختم نہیں ہوتے۔

چوتھے: گیارہ مہینے شیاطین انسانوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کی صحبت رہتی ہے اس لیے اس مبارک مہینے میں ان کے قید و بند ہونے کے باوجود ان کی صحبت کا اثر باقی رہتا ہے، اگر چہ کچھ کم ضرور ہو جاتا ہے، جیسا کہ گرم لوہا آگ سے نکالنے کے بعد بھی کچھ دیر تک

(۱) المعجم الأوسط، حدیث: ۸۱۳۹

گرم رہتا ہے اگر چہ آہستہ آہستہ اس کی گرمی کم ہو جاتی ہے۔

ان وجوہات کی بناء پر بعض بد قسمت لوگ رمضان میں شیطانوں کے قید و بند ہونے کے باوجود گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ”فإن قلت :قد تقع الشرور والمعاصي في رمضان كثيرا، فلو سلسلت لم يقع شيء من ذلك،قلت:هذا في حق الصائمين الذين حافظوا على شروط الصوم وراعوا آدابه، وقيل : المسلسل بعض الشياطين وهم المردة لا كلهم،كما تقدم في بعض الروايات، والمقصود تقليل الشرور فيه، وهذا أمر محسوس، فإن وقوع ذلك فيه أقل من غيره، وقيل :لا يلزم من تسلسلهم وتصفيدهم كلهم أن لا تقع شرور ولا معصية، لأن لذلك أسبابا غير الشياطين، كالنفوس الخبيثة والعادات القبيحة والشياطين الأنسية“(١)

ماہِ رمضان کا احترام نجات کا ذریعہ

محدثِ دکن حضرت ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ مجدّدی قادری محدث دکن نے اپنی کتاب ”فضائلِ رمضان“ میں ماہ رمضان کی عظمت بجالانے سے متعلق ایک حکایت ذکر فرمائی ہے:

ایک پارسی تھے، انھوں نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ رمضان کے مہینہ میں بازار میں کھاتا جا رہا ہے، جیسے پان وغیرہ تو اپنے بیٹے کو مارے اور کہے کہ نالائق! مسلمانوں کے رمضان کی عزت نہیں کرتا؟ کسی نے پارسی کو اس کے مرنے کے بعد دیکھا کہ جنت میں تخت پر بیٹھا ہے، پوچھا کہ جنت میں کیسے پہنچ گئے؟ وہ کہے کہ جب میرا وقت قریب آیا، حکم ہوا کہ فرشتو! اس کو کفر پر مت رہنے دو، اس سے کہو کہ تو نے رمضان کی عزت کی ہے، اس لیے ہم کہتے ہیں کہ تو ہماری خاطر مسلمان ہو جا! میں مسلمان ہونے کے بعد سکرات

(۱) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: ۱۰/ ۲۷۰

شروع ہوئی۔(۱)

رمضان کو اختلاف کے حوالے نہ کریں

بعض لوگ اس کو روحانیت کی ترقی کا مہینہ بنانے کے بجائے- جو سال میں ایک مرتبہ آتا ہے،عوام الناس کو جزئی اختلافی مسائل میں الجھانے کو رمضان کا اہم فریضہ سمجھتے ہیں، موجودہ دور میں اختلافی مسائل کو مقصود بنالینا احوالِ زمانہ سے جاہل بن کر جینا ہے،ہاں! ہر مسلک والے کو اپنے مسلک پر چلنے کا حق حاصل ہے،اورعلمی اختلاف کے لیے درس گاہیں موجودہیں،اس سے اختلاف کریں جو اس کا اہل ہے،مگر یہ خیال ضرور کریں کہ کیا اس وقت اس اختلاف کی امت کو ضرورت ہے؟اس اختلاف میں امت کا کچھ اجتماعی مفاد ہے؟

فقہی اختلافات تو صدیوں سے ہیں، وقت گذرنے کے ساتھ یہ اختلاف محض اجتہادی نہیں رہا بل کہ اس میں عصبیت اور نفسانیت بھی شامل ہوتی گئی،ایک زمانہ وہ تھا جب اپنے تمام تر اندرونی اختلافات کے باوجود مسلمان باطل کے مقابلے میں ’’بنیانِ مرصوص‘‘بن جایا کرتے تھے؛مگر اب ہم لوگ خود اپنے اختلافات کو نمایاں کر کے غیروں کو اسلام پر حملہ کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں، تین طلاق کا مسئلہ لے لیجیے!ہندوستانی مسلمانوں کا ایک چھوٹا طبقہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک مانتا رہا ہے،موجودہ حکومت نے جب مسلم عورتوں سے نام نہاد ہمدردی کی دہائی دیتے ہوئے تین طلاق پر پابندی کا ارادہ ظاہر کیا تو ہمارے درمیان ہی کے کچھ افراد یہ کہتے ہوئے سامنے آگئے کہ’’بالکل ٹھیک ہے، ہم بھی مسلمان ہیں ہمارے یہاں تین طلاق کی گنجائش نہیں ہے،قران بھی یہی کہتا ہے حدیث میں بھی یہی ہے‘‘ جس کی وجہ سے مسلم پرسنل لاء پر حملہ ہوا اگرچہ اس طبقے کی اکثریت اجتماعیت کے ساتھ رہی؛لیکن حکومت کو یہ حوصلہ ہمارے آپسی اختلاف کی نمائش سے ہی حاصل ہوا۔

آگے جہاں ایسے مسائل کی بحث ہے اس کا مقصد اختلاف کو ہوا دینا نہیں ہے بلکہ یہ

---

(۱) فضائل رمضان: ۲۵،ازسیدعبداللہ شاہ نقشبندیؒ

سمجھانا ہے کہ تمہارا مخاطب بھی اپنے مسلک پر دلائل کی روشنی میں عمل کر رہا ہے جسے گمراہ کہہ کر جمہور کی اجتماعیت میں افتراق کی کوشش کی جانے لگی، اور ایسے مسائل صرف اہلِ علم کی خاطر ہیں، منبر ومحراب کا موضوع بنانے کی خاطر نہیں ہیں، یہاں حدودِ اختلاف یا اختلاف کی قسموں کی بحث کے بجائے احقر اپنے مرشد حضرت مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی دامت برکاتہم کے مضمون کا ایک اقتباس نقل کرنا ہم سب کے لیے مفید سمجھتا ہے، آپ رقم فرماہیں:

''یاد رکھیں! بڑے نصب العین کو سامنے رکھنے والا چھوٹے چھوٹے مسئلوں اور آپسی جھگڑوں میں کبھی نہیں الجھتا، اور جس انسان کی نظر بڑے نصب العین کی طرف نہیں ہوتی ہے وہ اختلافات اور آپسی جھگڑوں میں ضرور الجھتا ہے، حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ اپنی فتوحاتی مہم کے سلسلے میں جب ایک علاقے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ یہاں مقابلے کے لیے کوئی فوج ہی نہیں ہے، وہ آرام سے شہر میں داخل ہو گئے، ورنہ اس زمانے میں شہر فصیل بند ہوتے تھے، لیکن وہاں کوئی روک ٹوک نہیں ہوئی، پوری فوج شہر میں داخل ہوگئی، وہاں بس بچے نظر آئے، گھروں میں عورتیں اور کچھ بوڑھے مرد دکھائی دیئے، تو انھوں نے لوگوں سے پوچھا کہ سب مرد کہاں چلے گئے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ اصل میں ہمارے یہاں اس وقت ایک مناظرہ چل رہا ہے، ہمارے دو الگ الگ مسلکوں کے علماء آئے ہیں، سارے مرد وہاں گئے ہوئے ہیں، انھوں نے پوچھا مناظرے کا موضوع کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ دو موضوعات پر مناظرہ ہو رہا ہے، ایک موضوع یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد بھی کیا حضرت مریم رضی اللہ عنہا کنواری رہیں یا کنوارہ پن ختم ہوگیا؟ اس میں علماء کے دو مسلک ہو گئے جس پر مناظرہ چل رہا ہے، دوسرا موضوع یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیشاب پاک تھا یا ناپاک؟ اس سے پہلے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہنسی آتی سیدنا عبد اللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک دم سب کو خاموش کیا اور کہا کہ میری بات غور سے سنو! میں ڈراتا ہوں تم کو اس دن سے جس دن انصاف کی دشمن اور ظلم کی علم بردار طاقتیں تمہارے شہروں میں اسی طرح داخل ہوں گی اور تمہارے علماء آپس میں اسی طرح کی بحثوں میں الجھے ہوئے ہوں گے!!!

کیا وہ دن نہیں آ گیا؟..... جب میرے پاس کوئی عالم ملنے آتا ہے تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ یقیناً یہ کوئی اختلافی بات چھیڑے گا، وہ یہ تذکرہ نہیں چھیڑے گا کہ اس وقت مشرکین کتنے طاقتور ہوتے جا رہے ہیں! وہ نہیں چھیڑے گا کہ صلیبی اور صہیونی طاقتیں کتنی مضبوط ہوتی جا رہی ہیں! وہ نہیں چھیڑے گا کہ دنیا میں کس طرح لاکھوں لڑکیوں کی عزتیں روز لوٹی جا رہی ہیں! وہ نہیں چھیڑے گا کہ کس قدر بے گناہ لوگ جیلوں میں ہیں! حالاں کہ یہی تو اصل مسائل ہیں گفتگو کے؛ لیکن ان تک ہماری توجہ ہی نہیں جا رہی ہے،... ہم تاریخ کے کس دور اور کس مرحلے میں ہیں؟ اور ہماری ترجیحات و دلچسپیاں کیا ہیں؟ اور کیا ہونی چاہئیں؟"(۱)

اس لیے رمضان کو اختلافات کے حوالے کر کے اپنی روحانیت کو اور گندی نہ کریں کوئی تو رمضان ہماری تبدیلی کا رمضان بنے، ہم بیس اور آٹھ کے جھگڑوں میں پڑنے کے بجائے اس کو مسجد لانے میں متحد ہو سکتے ہیں جو نہ آٹھ کا ہے نہ بیس کا ہے، ہم زیورات اور مال تجارت میں زکاۃ واجب ہونے نہ ہونے کی بحث کے بجائے کسی غریب و بیوہ کی بھوک اور عزت کی حفاظت کا سامان کر سکتے ہیں، نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنے نہ پڑھنے کی بحث کے بجائے تلاوت وفہمِ قرآن کی محنت پر متحد ہو سکتے ہیں، انفرادی و اجتماعی تہجد کے جھگڑے کے بجائے ساری زندگی فرائض وتہجد کے اہتمام کی محنت پر متحد ہو سکتے ہیں، عورتوں کو مسجد لانے نہ لانے کی بحث کے بجائے ہر عورت کو بانمازی بنانے کی محنت پر متحد ہو سکتے ہیں، سوچیے اور سوچیے فاصلے بڑھانا ہے یا فاصلہ گھٹانا ہے؟

مسجد میں بچوں کے ساتھ مصلیوں کا نامناسب رویہ

چھوٹا بچہ گھر میں جب امی اور ابو کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کے دل میں بھی ویسا کرنے کی خواہش جنم لیتی ہے، وہ بغیر کہے مصلے کے ساتھ آ کر کھڑا ہو جاتا ہے رکوع وسجود کی نقل اُتارتا ہے، بالکل سنجیدگی کے ساتھ ویسا ہی کرتا ہے جیسا وہ کرتے ہوئے

(۱) ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، اپریل ۲۰۱۹ء شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ

دیکھتا ہے، پھر وہ اپنے ابو کو مسجد میں جاتے دیکھتا ہے، وہ بھی چاہتا ہے کہ میں بھی ان کے ساتھ وہاں جاؤں اور بغیر کہے وہ پیچھے پیچھے مسجد چلا جاتا ہے، کبھی گھر سے کوئی نہ بھی جائے تو وہ خود مسجد پہنچ جاتا ہے، وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ یہاں آ کر لوگ کیا کرتے ہیں یہاں لوگ جمع کیوں ہوتے ہیں؟

وہ مسجد آتا ہے لیکن اسے مسجد کے آداب کا علم نہیں ہوتا وہ یہاں بھی گھر کی طرح دوڑتا بھاگتا ہے، شرارتیں کرتا ہے، کبھی اس صف میں جاتا ہے کبھی دوسری صف میں، کبھی وضو خانے پر آ کر دوسروں کی طرح منہ ہاتھ دھوتا ہے وہ بھی ٹونٹی کھولتا ہے اور ویسا کرنے کی کوشش کرتا ہے، ضرورت سے زیادہ ٹونٹی کھول بیٹھتا ہے، کافی دیر تک ہاتھ پاؤں دھوتا رہتا ہے کیونکہ اُسے ایسا کرنے میں مزا آتا ہے، اسے اچھا لگتا ہے وہ بھی دوسروں کی طرح ''بڑے بڑے'' کام کرنا چاہتا ہے اور وہ ان تمام کاموں میں بالکل سنجیدہ ہوتا ہے، دل سے کرتا ہے اپنی طرف سے ٹھیک کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دل میں خوشی محسوس کرتا ہے۔

لیکن کوئی باباجی اُسے وضو خانے پر جھڑکتے ہیں ''اوئے ادھر کیا کر رہے ہو'' ''اتنی زیادہ ٹونٹی کیوں کھولی ہے؟'' ''اتنی دیر سے پانی ضائع کر رہے ہو'' ''چلو اُٹھو دفع ہو جاؤ یہاں سے'' بعض اوقات تو ہاتھ سے پکڑ کر گھسیٹ کر اُسے وہاں سے نکال دیتے ہیں، بعض بابے اُسے کھینچ کر مسجد سے نکال دیتے ہیں، بعض مساجد کے بزرگ تو بچوں کو دیکھتے ہی اُن کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور جب تک وہ مسجد سے نکل نہیں جاتے یا اُن کی مرضی کے مطابق ٹک کر نہیں بیٹھتے اُنہیں چین نہیں آتا۔

کچھ نمازی تو ایسے ہیں کہ بچے دیکھ کر ہی غصے میں آجاتے ہیں، صف میں بیٹھے دیکھا تو قمیص سے پکڑ کر پیچھے کر دیا، کسی بچے کو باتیں کرتا دیکھا تو جا کر ایک تھپڑ لگا دیا ''بدتمیز یہ مسجد ہے چپ کرو'' وہ نماز پڑھتے ہوئے ہل رہا تھا تو نماز کے دوران یا بعد میں سرعام تذلیل کر دی جاتی ہے، جہاں دو تین بچے اکٹھے بیٹھے باتیں کرتے یا ہنستے دیکھے فوراً انہیں مسجد سے باہر نکال دیا جاتا ہے کیونکہ مسجد کا ماحول ''خراب'' ہوتا ہے، وہ قرآن پکڑتا ہے تو چھین لیا جاتا ہے

کہ چھوٹا بچہ ہے قرآن پھاڑ دے گا،کوئی بچہ صاف ستھرا نہیں تب بھی دھکے دے کر مسجد کے باہر کر دیا جاتا ہے، دوران تراویح بچے لمبی نماز سے تھک کر بیٹھے یا ساری تراویح پڑھنے کی بجائے کوئی پڑھ لی کوئی چھوڑ دی تو اس پر کوئی صاحب انہیں گھوریں گے، منہ بنائیں گے، باتیں سنائیں گے کوئی بازو سے پکڑ کر یا جھپٹ کر اُسے زبردستی نماز میں کھڑا کریں گے یا کہیں گے نہیں نماز پڑھنی تو مسجد سے دفع ہو جاؤ یا اے سی والے ہال سے نکال کر گرم صحن میں بھیج دیا جاتا ہے، ان سب دُرشت رویوں، گرم لہجوں، سخت غصے والے مزاجوں اور بچوں کے بے عزتی کرنے، ڈانٹنے ڈپٹنے اور مارنے کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ انہیں گھورنے، مارنے کے لیے دوڑنے اور گھسیٹنے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ ہماری مساجد بچوں سے خالی رہتی ہیں حالانکہ انہی بچوں کو کل جوان ہو کر پختہ نمازی بننا ہے ’’لیکن افسوس ان غنچوں پر جو بِن کھلے مُرجھا گئے‘‘(۱)

عہد رسالت اور مساجد میں بچے

بچے تو ہر دور میں شرارتی رہے، بھاگنے دوڑنے، باتیں کرنے، اچھلنے کودنے والے، ابھی انہیں مسجد کے آداب کا پتہ نہیں ہوتا، مساجد میں آتے جاتے رہیں گے نمازیوں کو دیکھتے رہیں گے تو آہستہ آہستہ سب سیکھ جائیں گے کہ مسجد میں کس طرح رہا جاتا ہے، نبی کریم ﷺ کے دور میں بھی بچے کبھی اس صف میں دوڑ کبھی اس صف میں کبھی نبی کریم ﷺ کے اوپر چڑھ گئے، کبھی منبر پر چڑھ گئے کبھی رونے لگے، لیکن آپ ﷺ کا رویہ تھا کہ سر سجدے میں ہے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بطور مقتدی بھی سر بسجود ہیں، سجدہ طویل ہو گیا طویل سے طویل تر، صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں مختلف خیالات آرہے ہیں کہ آج اللہ خیر کرے نبی ﷺ سر سجدے سے کیوں نہیں اُٹھا رہے، بہت دیر بعد سر اُٹھایا، نماز مکمل کی، سلام پھیرا صحابہ رضی اللہ عنہم کو متفکر پایا تو فرمایا: بات دراصل یہ تھی کہ یہ بچہ (غالباً حسنین میں سے کوئی) میری پیٹھ پر چڑھ کر کھیلنے لگا میں نے

---

(۱) محدث فورم، نومبر 17، 2017ء۔

اُسے اُتارنا مناسب نہیں سمجھا جب وہ خود ہی اُترا تو پھر میں نے سر اُٹھایا۔

آپ ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو مسجد میں آتے دیکھ کر خطبہ روک دیا اور منبر سے اتر کر انھیں گود میں لے کر منبر پر چڑھے۔(۱) بچوں کو مسجد میں لانا اگر کوئی ناپسندیدہ عمل ہوتا تو آپ ﷺ ایسا ہر گز نہ کرتے۔

بچے کے رونے کی آواز آتی تو آپ ﷺ نماز مختصر کر دیا کرتے تھے، لیکن یہ کبھی نہیں فرمایا کہ لوگو! اپنے بچوں کو مساجد میں نہ لایا کرو، اس سے ہماری نمازیں خراب ہوتی ہیں، ہماری نمازوں کا خشوع وخضوع نبی کریم ﷺ یا صحابہ کرام ﷺ کی نمازوں سے زیادہ تو نہیں ہے ۔''إنی لأدخل فی الصلاة أرید إطالتها فأسمع بكاء الصبی فأخفف من شدة وجد أمه به۔(۲)

آج کل کے نمازیوں کا مزاج اور ذمہ داری

جوں جوں پہلی دوسری صف کے پختہ نمازی بنتے جاتے ہیں مزاج اتنا ہی سخت ہوتا چلا جاتا ہے، تکبر آجاتا ہے مزاج گرم ہو جاتا ہے، یہ کیسی عبادت ہے؟ اس کا نتیجہ تو دل کی نرمی کی صورت میں، اچھے اخلاق، نرم گفتگو بچوں سے محبت کی شکل میں ظاہر ہونا چاہیے، ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم بچوں کو مساجد میں آنے کی ترغیب دیتے، کوئی بچہ مسجد آئے تو اس کا استقبال کرتے، اُسے گلے لگاتے، اُسے بوسہ دیتے، اُسے اتنی محبت، اتنی عزت، اتنا پیار واحترام دیتے کہ اُسے یوں لگے کہ دنیا میں اس سے بہترین جگہ کوئی نہیں، ان سے بہترین لوگ کہیں نہیں، غلطی پر اپنے بچے کو نرمی اور شفقت سے سمجھاتے، مسلمان کے ہر بچے کو اسی طرح اُس کی عزتِ نفس کا خیال رکھتے ہوئے سمجھاتے، اُنھیں دیکھ کر اپنے بچپن کو یاد کرتے کہ ہم سب بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے، بچے شیطان نہیں ہوتے بلکہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک

---

(۱) سنن ترمذی ۳۷۷۴: سنن أبی داؤد ۱۱۰۹: سنن ابن ماجہ: ۳۶۰۰۔

(۲) صحیح مسلم مع شرح النووی: ۴/۱۸۷، حدیث: ۴۷۰۔

نشانی ہیں، معصوم ہوتے ہیں، گناہوں سے پاک، وہ ہمیں دیکھ کر کچھ سیکھنا چاہتے ہیں وہ آگے بڑھنا چاہتے ہیں وہ ان مساجد سے جڑیں گے تو کل زندگی کے کسی بھی شعبے میں جائیں گے تو مساجد کو اعلیٰ مقام دیں گے، مساجد کے اماموں قاریوں کو عزت دیں گے، علماء کا احترام کریں گے بلکہ خود بھی عالم بنیں گے، وہ دنیا کے دیگر اداروں کی بجائے مساجد کو بنیادی مقام دیں گے۔

اپنے عمل سے مسجد کا احترام سکھائیں

اکثر بچوں کو بڑے ہونے کے بعد علم ہوتا ہے کہ انھوں نے کیا غلطی کی تھی جس کی وجہ سے انھیں مسجد میں بے عزت کیا گیا، جس وقت بچوں کے ساتھ ایسا سلوک ہوتا ہے تو وہ بے خبر ہوتے ہیں کہ انھوں نے کیا غلط کیا، ایک دو بار سمجھانا کافی نہیں، بلکہ دس بار سمجھانا بھی کافی نہیں، بس اپنے عمل اور ماحول سے سمجھائیں کہ انہیں خود بخود اندازہ ہو جائے کہ یہ جگہ بہت اعلی ہے، یہاں مجھے کیسے آنا ہے اور کس طرح کرنا ہے؟

نبی کریم ﷺ نے بچے تو درکنار بڑے انسان کے مسجد میں پیشاب کرنے کو بھی برداشت کیا اور لوگوں کو اُسے مارنے یا ڈانٹنے سے منع کیا، اُسے بلا کر شفقت سے سمجھایا کہ مساجد نماز کی ادائیگی کے لیے ہوتی ہیں نہ کہ ایسے کاموں کے لیے، وہ اس سلوک سے کس قدر متاثر ہوا ہوگا، کیا آج ہم اپنی مساجد میں اتنی برداشت اور حوصلہ رکھتے ہیں؟ کم از کم مسلمان بچوں کے لیے تو پیدا کریں۔

کیا ہم مساجد کے نظام میں مثبت تبدیلی کے لیے تیار ہیں؟

اسکول اپنے کاروبار کے لیے اڑھائی تین سال کے بچے کو برداشت کرتا ہے، اُن کے لیے آیا یا ماسی کا بندوبست کرتا ہے، انھیں ہر صورت صاف ستھرا رکھتا ہے، باوجود تمام تکالیف کے زیادہ سے زیادہ بچے سکول میں لانے کی کوشش کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ

اسکول بچوں سے بھرے ہوئے ہیں کلاسز میں جگہ نہیں لیکن مساجد؟ مساجد کی صفائی ستھرائی کے لیے ہم کیا خرچ کرتے ہیں ایک اور صفائی والے آدمی کا خرچہ برداشت کرلیں تو ہماری نئی نسلیں نمازی بن سکتی ہیں۔

مساجد میں قیمتی قالین بچھانے اور شیشے والی کھڑکی اور دروازوں کا رجحان کیا پیدا ہوا کہ اس وقت سے مساجد کی انتظامیہ بچوں کے حوالے سے اور زیادہ حساس ہوگئی ہے، انھیں ہر وقت یہ خدشہ رہتا ہے کہ بچے قیمتی قالین خراب کردیں گے، شیشے والے دروازے ٹوٹ سکتے ہیں، ہم یہ سوچ لیں کہ بچے زیادہ قیمتی ہیں یا قالین؟ بچوں کی تربیت زیادہ ضروری ہے یا شیشوں والے دروازوں کی حفاظت؟ مساجد اور اپنے دلوں کے دروازے بچوں کے لیے کھول دیجیے، چندہی سالوں میں ایک تربیت یافتہ نسل کم محنت سے بنی ہوئی ملے گی۔(۱)

دین سکھانے اور مسجدوں سے محبت پیدا کرنے کے لئے آج کے پرفتن معاشرے میں ضروری ہے کہ بچوں کو بچپن ہی سے مسجدوں کا عادی بنایا جائے، بچے تو شور مچانے ہی کے لئے ہیں! اگر بچے شور نہ کریں تو کیا بوڑھے شور کریں گے؟ بس ان کے کھیل کود پہ تھوڑی نگرانی زیادہ ہو اگر پھر بھی بچے شرارت کریں تو انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر مسجد سے متنفر کرنے کی بجائے یا تو نماز کے بعد انہیں محبت وشفقت سے سمجھادیں یا پھر اس کی بھی گنجائش ہے کہ اپنے ساتھ صف کے کنارے میں لے کر خود کھڑے ہوجائیں۔(۲)

بچپن کی شوخی پہ انہیں ڈانٹ پلا کر مسجد کے ماحول سے متنفر اور برگشتہ کردینے والے احباب نئی نسل کو برباد کرنے کے اصل ذمہ دار ہونگے، جو بیج آج ہم بوئیں گے وہی کل کاٹیں گے، آج بچوں کی کم عمری میں نماز کی عادت نہیں ڈالی تو بڑے ہو کر بچے مسجد نہیں جاتے، عرب میں بچوں کو کم عمری میں لایا جاتا ہے تو بچے عمر کے ساتھ ساتھ اکیلے مسجد جانا شروع ہوجاتے ہیں، جو لوگ اپنے چھوٹے بچوں کو مسجد ساتھ لاتے ہیں آج ان کے بچے

---

(۱) محدث فورم، نومبر17، 2017۔

(۲) مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۳/ ۳۴۲۔

تھوڑے سے بڑے ہیں تو خود مسجد آتے ہیں اور باجماعت نمازی ہیں۔

رمضان میں بچوں کو مسجد لانے کا رواج

رمضان المبارک کے مہینہ میں بکثرت یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ لوگ اپنی اولاد کو جو ناسمجھ ہوتے ہیں انھیں فجر کی نماز، خصوصاً مغرب کی نماز وافطار کے موقع سے مسجد میں لے آتے ہیں، مسجد شرعی میں انکا دوڑنا، رونا، لڑنا جھگڑنا، کھانے اور افطاری سامان کے لیے ضد کرنا وغیرہ دیکھا جاتا ہے، جس سے مسجد کی صفائی بہت متاثر ہوتی ہے، اور نمازیوں کو کافی خلل ہوتا ہے، مگر کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا بعض اس وجہ سے کہ مسئلہ سے ناواقف ہیں، بعض ہمیں کسی سے کیا لینا دینا کے خیال میں، بعض بولیں گے تو ہمارے منہ لگے گا، وغیرہ وجوہات سے خاموش رہ جاتے ہیں، اس مسئلہ میں سماج میں افراط وتفریط پایا جاتا ہے، اگرچہ منکر کی اصلاح طریقہ منکر نہیں ہونا چاہئے مگر معروف طریقے سے منکر کی اصلاح نہ کرنا بھی منکر میں داخل ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسے چھوٹے بچے جن کے پیشاب پائخانہ کردینے کا اندیشہ ہو ان کو لانا حرام ہے، اور ایسے بچے جو نماز کی اہمیت اور مسجد کے احترام سے ناواقف ہیں یا ایسے ناسمجھ ہیں کہ مسجد میں رونا یا لڑنا شروع کردیں گے، جن کے بارے میں گمان غالب یہ ہو کہ مسجد کو ناپاک کردیں گے، ان کو لانا مکروہ ہے، مسجد کا ادب واحترام باقی نہیں رہے گا اور لانے والے کو بھی اطمینان قلب حاصل نہ ہوگا، بچوں کی طرف دل لگا رہے گا، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ’’جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم ‘‘ بچوں کو پہلے گھر پر نماز کا طریقہ اور مسجد کا احترام سکھلائیں، جب وہ سمجھ دار ہوجائیں تب ان کو مسجد میں لانے کی اجازت ہے۔ ’’ویحرم إدخال صبیان و مجانین حیث غلب تنجیسهم وإلا فیکره‘‘

(۱) البتہ ایسے بچے جو سمجھ دار ہیں، نماز کی اہمیت اور مسجد کے احترام سے واقف ہیں

---

(۱) فتاوی شامی: ۱/۴۸۶۔

اور دوسرے بچوں کو دیکھ کر بھی نماز خراب نہیں کریں گے، پاکی، ناپاکی کا خیال رکھتے ہوں، ان سے تلویث مسجد کا اور نمازیوں کی نماز میں خلل ہونے کا کوئی اندیشہ نہ ہو، توان کو مسجد میں لانے میں مضائقہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنی اولاد کو جب وہ سات سال کے ہوجائیں، نماز کا حکم دو۔ اور جب وہ دس سال کے ہوجائیں، تو نماز (چھوڑنے) پر ان کی سرزنش و تادیب کرو اور خواب گاہوں میں ان کو جدا کرو، جب انہیں نماز کا حکم کرنا ہے تو مسجد لانے کی بھی اجازت ہوگی، بچوں کو کس عمر سے مسجد لانا چاہئے اس متعلق کتاب وسنت میں کوئی خاص تحدید صراحتاً وارد نہیں ہوئی ہے؛ کیونکہ سن تمیز وشعور ہر بچے میں یکساں نہیں ہوتا؛ بلکہ استعداد فطری کے لحاظ سے یہ عمر ہر بچے میں مختلف ہوتی ہے، اس لیے باشعور ہونے کی عمر کی تعین نہیں ہوسکتی، سات سال سے کم عمر بچہ بھی باشعور ہوسکتا ہے، جبکہ اس کی دینی تربیت اور اخلاق وآداب کی تعلیم پر توجہ دی گئی ہو، البتہ شعور کی ابتداء عام طور پر سات سال سے دس سال کی عمر تک ہوتی ہے اور پندرہ سال میں عقل وجسم میں پختگی آتی ہے، اس لیے اس وقت احکامِ شرع کا مکلف قرار دیا جاتا ہے، جبکہ اس سے پہلے بلوغ کو نہ پہنچا ہو، لہٰذا اس حدیث کی روشنی میں سات سال کی عمر سے بچوں کو مسجد میں لانے کی اجازت معلوم ہوتی ہے، چونکہ بالعموم اس عمر کے بچے مسجد کے تقدس واحترام اور نظافت وصفائی کا خیال رکھ سکتے ہیں۔"

مروا اولادکم بالصلوۃ وھم ابناء سبع سنین، واضربوا ھم علیھا وھم ابناء عشر، وفرقوا بینھم فی المضاجع "(۱) حاصل یہ کہ نابالغ بچوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) وہ بچے جو اتنے ناسمجھ اور کم عمر ہوں، کہ انھیں پاکی وناپاکی اور مسجد وغیرہ کا بالکل شعور نہ ہو، اور ان سے مسجد کے ناپاک ہوجانے کا ظن غالب ہو، ایسے بچوں کو مسجد میں لانا جائز نہیں، مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) وہ بچے جو تھوڑی بہت کچھ سمجھ رکھتے ہوں، اور ان سے مسجد کی بے حرمتی اور

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ، ج:۱، ص:۷۱: ونحوہ فی الجامع للترمذی، ابواب الصلوۃ، باب ماجاء متی یؤمر الصبی بالصلاۃ ج:۱، ص:۹۳

ناپاک ہونے کا قوی اندیشہ نہ ہو، انھیں مسجد میں لا سکتے ہیں، مگر بہتر یہ ہے کہ نہ لایا جائے۔

(۳) وہ بچے جو پوری طرح باشعور اور باتمیز ہوں، پاکی وناپاکی کو سمجھتے ہوں اور مسجد کا احترام ملحوظ رکھتے ہوں، انھیں مسجد میں لانا بلا کراہت جائز ہے؛ بلکہ نماز کی عادت ڈالنے کے لیے لانا ہی چاہیے، یعنی پانچ سال سے کم عمر کے بچے، اس سے زیادہ کی عمر کے بچے عموماً پاکی ناپاکی اور صفائی ستھرائی سے تقریباً واقف ہو جاتے ہیں، چھ سال سے اوپر کے بچوں کو مسجدوں میں لانا ممنوع نہیں بلکہ موجودہ زمانے کے حالات کے تناظر میں تربیتی وتادیبی نقطہ نظر سے بچوں کو مسجدوں میں لانا مطلوب ہے۔

بچوں کو بڑوں کی صف میں کھڑا کرنا

نابالغ بچے نماز وغیرہ عبادات واحکامات کے مکلف نہیں ہیں، جن بچوں کو مسجد لانا جائز ہے، ان کو جماعت میں کہاں کھڑا کرنا چاہیے؟ اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ:

[۱] نابالغ بچہ اگر صرف ایک ہی ہو، تو اس کو بالغوں کے ساتھ ان کی صف ہی میں کھڑا کیا جائے، اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ ان کی نانی یا راویٔ حدیث اسحق بن عبداللہ بن ابی طلحہ کی دادی ملیکہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانے پر بلایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں سے تناول فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا چلو اٹھو! میں تمھیں نماز پڑھا دوں، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں ہماری اس چٹائی کی طرف اٹھا، جو کثرتِ استعمال کی وجہ سے سیاہ ہو چکی تھی، میں نے اس کو نرم کرنے کے لیے اس پر پانی چھڑکا یا اس کے میل کو دور کرنے کے لیے اس پر پانی بہایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے، میں نے اور یتیم (ضمیرہ بن ابی ضمیرہ) نے آپ کے پیچھے صف بنائی اور بڑی بی نے ہمارے پیچھے صف بنائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو دو رکعت پڑھائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دولت کدہ پر تشریف لے گئے۔"عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان جدته مليكة دعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لطعام صنعته له، فاكل منه، ثم قال: قوموا فلاصلى

لکم، قال انس رضی اللہ عنہ:فقمت الی حصیر لنا قد اسود من طول مالبس، فنضحتہ بماء فقام رسول اللہ ﷺ وصففت انا والیتیم وراءہ والعجوز من ورائنا، فصلّی لنا رسول اللہ ﷺ رکعتین ثم انصرف"(۱)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ حدیثِ مذکور سے متعلق استنباطِ احکام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اس حدیث میں بچے کا مردوں کے ساتھ ایک صف میں کھڑے ہونے کا ثبوت ہے"۔ "وفیہ قیام الطفل مع الرجال فی صف واحد"(۲)

[۲] اگر نابالغ لڑکے ایک سے زیادہ ہوں، تو ان کی الگ صف مردوں کی صف کے پیچھے ہونا چاہیے اور یہ حکم بطور سنت یا استحباب ہے، بطور وجوب نہیں۔"حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں سے فرمایا کہ کیا میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان نہ کروں؟ سنو! میں تمہارے سامنے آپ ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کرتا ہوں، آپ ﷺ نے نماز قائم فرمائی، تو پہلے آپ ﷺ نے مردوں کی صفیں بنائیں، ان کے پیچھے بچوں کی صفیں بنائیں، پھر آپ ﷺ نے ان کو نماز پڑھائی۔"قال ابومالک الاشعری رضی اللہ عنہ:الا احدّثکم بصلوۃ النبی ﷺ قال:فاقام الصلاۃ، فصف الرجال وصفت الغلمان خلفھم، ثم صلّی بھم، فذکر صلاتہ، ثم قال : ھکذا صلوۃ قال عبدالاعلیٰ :لا احسبہ الا قال :امنی"(۳) علامہ شامی لکھتے ہیں"مردوں کی صف بنائی جائے، پھر بچوں کی صف بنائی جائے۔"صبیان" (بچوں) کا ظاہر بتلا رہا ہے کہ وہ متعدد ہوں (یعنی مردوں کے پیچھے بچوں کی مستقل صف بنانے کا حکم اس وقت ہے، جب بچے متعدد ہوں) لیکن اگر بچہ ایک ہی ہو، تو وہ مردوں کی صف میں کھڑا ہوگا۔

"ویصف الرجال ثم الصبیان، ظاھرہ تعدّدھم،فلو واحدا دخل

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/ ۵۵۔

(۲) عمدۃ القاری، ج ۴: ص ۱۱۲: دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

(۳) سنن ابی داوٗد: ۱/ ۹۸۔

الصف ‘‘(۱)

موجودہ دور میں بچوں کی الگ صف بنانا

جماعت میں ایک سے زائد بچے ہونے کی صورت میں بچوں کی صف کو مردوں کی صف کے پیچھے بنانے کا یہ حکم اس وقت ہے، جبکہ مسجد میں آنے والے بچے باشعور ہونے کے ساتھ ساتھ تربیت یافتہ اور سلیقہ مند ہوں، مسجد میں شرارتیں نہ کریں، شور نہ مچائیں، اور احترامِ مسجد کو ملحوظ رکھتے ہوئے خاموشی سے نماز ادا کریں؛ لیکن اگر صورتِ حال اس کے برعکس ہو، اور ان کی علیحدہ صف بنانے میں نماز کے اندر شرارتیں کرنے اور اپنی نماز کو باطل کرنے یا ان کے کسی طرزِ عمل اور شرارت سے مردوں کی نماز باطل ہوجانے کا قوی اندیشہ ہو، تو پھر ان کی الگ صف نہ بنائی جائے؛ بلکہ ان کو منتشر اور متفرق طور پر مردوں کی صفوں میں کھڑا کرنا چاہیے، نیز بچوں کو مردوں سے علیحدہ کھڑا کرنے میں اجتماعِ عظیم اور مجمع کثیر کی بناء پر بچوں کے گم ہوجانے یا اغوا ہونے یا اور کسی فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو، تو بچوں کو اپنے ساتھ مردوں کی صف میں متفرق طور پر کھڑا کیا جاسکتا ہے۔

آج کل عامۃً دو یا زائد لڑکے جماعت میں یکجا جمع ہونے سے دھکم پیل شروع کردیتے ہیں، خوب اُدھم چوکڑی مچاتے ہیں، اور اس طرح شرارتیں کرکے اپنی نماز خراب و باطل کرتے ہیں؛ بلکہ بسا اوقات بالغین کی نماز میں خلل پیدا کرتے ہیں، اس لیے جن مساجد میں یہ صورتِ حال ہو، وہاں مناسب یہ ہے، کہ بچوں کی علیحدہ صف بنانے کی بجائے ان کو ان کے سرپرستان وغیرہ مردوں کی صف میں اپنے برابر کھڑا کرلیا کریں، تاکہ وہ نماز میں کوئی شرارت کرکے اپنی یا دوسروں کی نماز برباد نہ کریں، ایسی صورت میں مردوں کی صفوں میں ان کے کھڑے ہونے سے مردوں کی نماز میں کوئی کراہت نہ آئے گی، خواہ پہلی ہی صف میں کیوں نہ ہو! البتہ بہتر ہوگا کہ امام کے بالکل پیچھے یا قریب میں کھڑا نہ کیا جائے،

---

(۱) (الدر المختار، مع رد المحتار: ۱/ ۴۲۲، کوئٹہ)

کیونکہ حدث وغیرہ کی صورت میں استخلاف کی ضرورت پیش آسکتی ہے جس میں بالغ ہی کی ضرورت پڑے گی، نیز سہو کی صورت میں اگر امام کو تنبیہ کرنے کی ضرورت پیش آجائے، تو بچے کے مقابلے میں بالغ یہ کام احسن طریقے سے انجام دے سکے۔ اور یہ اس وقت آسانی سے ہوسکتا ہے، جبکہ امام کے قریب میں بالغ لوگ کھڑے ہوں۔ علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "بسا اوقات ہمارے زمانے میں بچوں کو مردوں کی صفوں میں داخل کرنا (کھڑا کرنا) متعین ہوتا ہے، اس لیے کہ بچوں سے معہود ومعتاد یہ ہے کہ جب دو بچے یا اس سے زیادہ اکٹھے ہوں، تو ایک کی (شرارت کی) وجہ سے دوسرے کی نماز (بھی) باطل ہوجاتی ہے اور بسا اوقات ان کا ضرر مردوں کی نماز فاسد کرنے تک متعدی ہوتا ہے۔

" ربما يتعين في زماننا ادخال الصبيان في صفوف الرجال، لان المعهود منهم اذا اجتمع صبيانٍ فاكثر، تبطل صلاة بعضهم ببعض، وربما تعدى ضررهم الى افساد صلاة الرجال "(۱)

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ المعروف بہ "احسن الفتاویٰ" میں ہے: اگر صرف ایک ہی نابالغ لڑکا ہو، تو اس کو بالغوں کے ساتھ ہی کھڑا کیا جائے، اگر نابالغ لڑکے زیادہ ہوں، تو ان کو پیچھے کھڑا کرنا مستحب ہے، واجب نہیں، مگر اس زمانہ میں لڑکوں کو مردوں کی صفوف ہی میں کھڑا کرنا چاہیے، کیونکہ دو یا زیادہ لڑکے ایک جگہ جمع ہونے سے اپنی نماز خراب کرتے ہیں، بلکہ بالغین کی نماز میں بھی خلل پیدا کرتے ہیں، چونکہ یہ قول مطلق ہے، لہٰذا صفِ اوّل، ثانی اور ثالث میں کوئی فرق نہیں، یہ حکم ان بچوں سے متعلق ہے، جو نماز اور وضو وغیرہ کی تمیز رکھتے ہوں، زیادہ چھوٹے بچوں کو مردوں کی صف میں کھڑا کرنا مکروہ ہے؛ بلکہ مسجد میں لانا ہی جائز نہیں۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲)

حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے

---

(۱) (التحریر المختار: ۱/۳۷، کوئٹہ)

(۲) (احسن الفتاویٰ، ج ۳: ص ۲۸۰:)

ہیں: ”جو بچے بالکل کم عمر ہوں، ان کو تو مسجد میں لانا ہی جائز نہیں، نابالغ بچوں کے بارے میں اصل حکم تو یہی ہے، کہ ان کی الگ صف بالغ مردوں کی صف سے پیچھے ہو، لیکن آج کل بچے جمع ہو کر زیادہ ادھم مچاتے ہیں، اس لیے مناسب یہی ہے کہ بچوں کو ان کے اعزہ اپنے برابر کھڑا کرلیا کریں۔“(۱) شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں: اب مفتی بہ قول یہ ہے کہ بچوں کو پیچھے کھڑے نہ کریں، ورنہ وہ بہت شرارت کرتے ہیں، لہٰذا ان کو صفوں میں دائیں بائیں کھڑا کیا جائے، تاکہ وہ شرارت کر کے نماز خراب نہ کریں۔ علامہ رافعی نے یہ فتویٰ دیا ہے۔(۲)

---

(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج ۲: ص ۲۲۲:)

(۲) (انعام الباری دروس بخاری شریف، ج ۳: ص ۵۴۹: بحوالہ: ماہنامہ دارالعلوم شمارہ 9، جلد: 91، شعبان-رمضان 1428 ہجری مطابق ستمبر 2007ء)

دوسرا باب

فضائل رمضان-موضوع اور ضعیف احادیث

رمضان سے متعلق ضعیف اور موضوع حدیثیں اس قدر عام ہو چکی ہیں کہ ان میں اور صحیح احادیث میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ایسی بات منسوب کرنا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ فرمائی ہو بہتان تراشی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو مجھ پر ایسی بات کہے جسے میں نے نہ کہی ہو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔''

بعض لوگوں نے ضعیف کو موضوع کے درجے میں کر دیا، یہ بھی قابلِ اصلاح پہلو ہے، اس باب میں رمضان المبارک کے متعلق موضوع، منکر اور ضعیف روایات درج کی جاتی ہیں، تاکہ ان کے بیان اور اس فضیلت کے عقیدے سے بچا جا سکے۔

ضعیف احادیث کی شرعی حیثیت

ضعیف حدیث کے بارے میں تین قسم کے اقوال ہیں، ایک: مطلقاً غیر معمول بہ ہونے کا، دوسرا: مطلقاً معمول بہ ہونے کا، تیسرا: بعض شرائط کے ساتھ فضائل میں معمول بہ ہونے کا اور یہی قول راجح ہے۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب کسی ضعیف حدیث سے کسی عمل کی ترغیب وفضیلت ثابت ہو اور اس کے خلاف اس سے قوی کوئی دلیل موجود نہ ہو، تو اس سے اس عمل کا مستحب ہونا ثابت ہوجاتا ہے؛ لیکن اس مستحب کا درجہ اُس مستحب سے کمزور ہوتا ہے، جس کا مستحب ہونا اس قوی (صحیح وحسن) حدیث سے ثابت ہو۔

البتہ ضعیف حدیث سے کسی عمل کے مستحب ہونے کے ثبوت کے لیے مجموعی طور پر چار شرائط ہیں۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے خلاف اس سے قوی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ یہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو، بایں طور کہ اس میں کوئی کذاب اور فاحش الغلط وفاحش الغفلت راوی نہ ہو۔ ”أن لا يكون شديد الضعف، فإذا كان شديد الضعف ككون الراوي كذابا، أو فاحش الغلط، فلا يجوز العمل به“ کیوں کہ اس صورت میں یہ معدوم (موضوع ومخترع حدیث) کے درجے میں ہوتی ہے، جس پر کسی حال میں عمل جائز نہیں، تاہم اس میں اختلاف کی گنجائش ہے کہ ایک راوی بعض کے نزدیک شدید ضعیف ہو اور بعض کے نزدیک شدید ضعیف نہ ہو، پس ایسی صورت میں کسی جرح کے مؤثر وغیر مؤثر ہونے میں اجتہادی طور پر اختلاف ممکن ہے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ اس ضعیف حدیث سے ثابت شدہ حکم شریعت کے اصولوں میں سے کسی اصول وقاعدے کے تحت داخل ہو اور دینی قواعد کے خلاف نہ ہو۔ ”أن يندرج تحت أصل عام من أصول الشريعة“

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے والا اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے بلکہ صرف احتیاط کی وجہ سے اس پر عمل کرے۔" أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته، بل يعتقد الاحتياط"

اور تفصیل، اعمال کی فضیلت کے بارے میں ہے، جہاں تک حلال وحرام اور عقائد، نیز اللہ تعالیٰ کی صفات کا معاملہ ہے، تو ان میں ضعیف حدیث معتبر نہیں۔" أن لا يتعلق بصفات الله تعالى ولا بأمر من أمور العقيدة، ولا بحكم من أحكام الشريعة من الحلال والحرام ونحوها"(۱)

رمضان کی اطلاع دینے پر ثواب

رمضان سے قبل ایک موضوع روایت پھیلائی جاتی ہے کہ" جو شخص رمضان المبارک کے مہینے کی مبارک باد سب سے پہلے دے گا تو ایسے شخص کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے، یا دوزخ کی آگ اس پر حرام ہو جاتی ہے"!

فائدہ: یہ روایت مردود ہے!

۱۔ کسی بھی مہینے کی خوش خبری یا مبارک بادی دینے پر کسی بھی قسم کے ثواب یا اجر کا ذکر کسی بھی صحیح یا ضعیف روایت میں تو درکنار کسی موضوع من گھڑت روایت میں بھی موجود نہیں، اور ایسی تمام روایات کو محدثین نے موضوع قرار دیا ہے۔

۲۔ رمضان المبارک کی آمد سے پہلے اس کی تیاری اور اہتمام کرنا اعمال اور عبادات کے ذریعے یہی اصل مقصود و مطلوب ہے اور آپ ﷺ نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اعمال رمضان کی طرف متوجہ کیا اور ان پر جنت کا وعدہ بھی فرمایا! لیکن محض خبر دینے پر یا اس کے پھیلانے پر کسی قسم کے اجر کا کوئی وعدہ مرتب نہیں فرمایا۔(۲)

---

(۱) شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام: ۱۲۸

(۲) تنبیہات نمبر: ۹۷

۳۔ رمضان کی آمد کی اطلاع دینے میں سبقت کرنے کا کوئی صحیح مطلب نہیں بنتا! اگر مراد یہ لیا جائے کہ اس کے آنے سے پہلے اس کی آمد کی خوش خبری دی جائے تو یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ شعبان کے بعد رمضان المبارک آتا ہے، یہ بات کسی کی اطلاع پر کہاں موقوف ہے؟ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کوئی جمعرات کے دن لوگوں کو اطلاع پہنچائے کہ آئندہ کل جمعہ کا دن ہوگا! اور اگر مراد یہ لیا جائے کہ کوئی شخص رمضان کے دخول کی خبر دے تو اس میں بھی سبقت دشوار ہے؛ کیونکہ رؤیتِ ہلال سے پہلے دخول کی اطلاع تو بے کار ہے اور رؤیت پر اگر ہے تو بعض مرتبہ وہ عام ہوتی ہے اور مختلف علاقوں کے لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، اس میں کسی کی اطلاع کو دخل نہیں ہوتا ہے! علاوہ ازیں محض ایک فرد کی رؤیت پر دخولِ رمضان کا فتوی نہیں دیا جائے گا؛ بل کہ وہ مفتیانِ کرام کے فیصلے پر موقوف ہے، اس لیے اس حدیث کا بیان کرنا، عام کرنا سب گناہ ہے۔

کیا رمضان کی پہلی رات نظر رحمت سے عذاب نہ ہوگا؟

جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو اللہ بندوں پر نظر فرماتے ہیں اور جس بندے پر نظر پڑتی ہے اس کو کبھی عذاب نہیں دیا جاتا۔ ”إذا كان أول ليلة من شهر رمضان نظر الله إلى خلقه، وإذا نظر الله إلى عبد لم يعذبه أبداً“ (۱)

حکم: یہ حدیث موضوع ہے، ابن جوزی نے ”موضوعات“ میں، شوکانی نے ”فوائدِ مجموعہ“ میں، البانی نے ”سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ“ میں موضوع کہا ہے۔ (۲)

سارا سال رمضان ہونے کی تمنا کرنا

”اگر بندے جان لیں کہ رمضان میں کتنی فضیلتیں ہیں تو میری امت تمنا کرے گی کہ

---

(۱) الموضوعات لابن الجوزی، حدیث: ۱۱۲۱، العلل المتناہیۃ: ۲/ ۵۳۰

(۲) المجروحین: ۲/ ۲۹۸، میزان الاعتدال: ۶/ ۳۲۹

سال بھر رمضان رہے، یقیناً یہ ہر مومن کے دل کی صدا ہے، مگر اسے حدیث کے نام سے نبی کریم ﷺ کی جانب منسوب کر کے بیان نہ کیا جائے۔ "لو يعلمُ العبادُ ما في رمضانَ لتمنَّت أمَّتي أن يكونَ رمضانُ السَّنةَ كلَّها"

حکم: یہ حدیث موضوع یا ضعیف جدا ہے، ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے "موضوعات" میں، ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "مطالبِ عالیہ" میں ضعیف جدا، شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "فوائدِ مجموعہ" میں موضوع کہا ہے۔ "وهذا الحديث قال عنه الإمام ابن الجوزي رحمه الله في الموضوعات: حديث موضوع، وقال عنه الحافظ ابن حجر العسقلاني خفي المطالب العالية: ضعيف جداً، وقال عنه الإمام الشوكاني رحمه الله في الفوائد المجموعة: حديث موضوع"(۱)

روزہ دار کے لیے جنت کی حوروں کا استقبال

آپ ﷺ نے فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ رمضان شریف کا روزہ رکھے گا مگر یہ بات ہے کہ اس کی شادی ایسی حور سے کر دی جاتی ہے جو ایک ہی موتی سے بنے ہوئے خیمے میں ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں فرمایا ہے کہ "حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِي الْخِيَامِ"، (حوریں خیموں میں رکی رہنے والی)(۲)

ان عورتوں میں سے ہر عورت کے جسم پر ستر قسم کے لباس ہوں گے جن میں سے ہر لباس کا رنگ دوسرے لباس سے مختلف ہوگا اور انہیں ستر قسم کی خوشبو دی جائے گی جن میں سے ہر عطر کا انداز دوسرے سے مختلف ہوگا اور ان میں سے ہر عورت کی (خدمت اور) ضرورت کے لیے ستر ہزار نوکرانیاں اور ستر ہزار خادم ہوں گے، ہر خادم کے ساتھ ایک سونے کا بڑا پیالہ ہوگا جس میں کئی قسم کا کھانا ہوگا اور وہ کھانا اتنا لذیذ ہوگا کہ اس کے آخری لقمے

---

(۱) تحذير الخلان من رواية الاحاديث حول رمضان: ۱۵۱، دار ابن حزم، بیروت
(۲) [سورہ، الرحمن: ۷۲]

کی لذت پہلے لقمے سے کہیں زیادہ ہوگی، اور ان میں سے ہر عورت کے لیے سرخ یاقوت کے تخت ہوں گے، ہر تخت پر ستر بسترے ہوں گے جن کے استر موٹے ریشم کے ہوں گے اور ہر بسترے پر ستر گدے ہوں گے اور اس کے خاوند کو بھی اسی طرح سب کچھ دیا جائے گا اور وہ موتیوں سے جڑے ہوئے سرخ یاقوت کے ایک تخت پر بیٹھا ہوگا، اس کے ہاتھوں میں دو کنگن ہوں گے یہ رمضان المبارک کے ہر روزہ کا بدلہ ہے، جو شخص بھی روزہ رکھے، روزہ دار نے روزہ کے علاوہ جو نیکیاں اور اعمال صالحہ کئے ہیں ان کا اجر وثواب اس کے علاوہ ہے مذکورہ ثواب صرف روزہ رکھنے کا ہے۔ "إنَّ الجنَّةَ تزيَّنُ لرمضانَ من رأسِ الحولِ إلى الحولِ، حتّى إذا كان أوّلُ يومٍ من رمضانَ، هبَّتْ ريحٌ من تحتِ العرشِ فصفَّقتْ ورقُ الجنّةِ، فينظرُ الحورُ العينُ إلى ذلك، فيقلن :يا ربِّ اجعلْ لنا من عبادِك في هذا الشّهرِ أزواجًا تقرُّ أعينُنا بهم، وتقرُّ أعينُهم بنا، قال : فما من عبدٍ يصومُ رمضانَ إلّا زُوّجِ زوجةً من الحور العينِ في خيمةٍ من درٍّ مجوّفةٍ مما نعت اللهُ عزَّ وجلَّ حورٌ مقصوراتٌ في الخيامِ على كلِّ امرأةٍ سبعون حُلّةً ليس فيها حُلّةٌ على لونِ الأخرى،تعطى سبعين لونا من الطيب ليس منه لون على ريح الآخر، لكل امرأة منهن سبعون ألف وصيفة لحاجتها وسبعون ألف وصيف، مع كل وصيف صفحة من ذهب فيها لون طعام تجد لآخر لقمة منها لذة لا تجد لأوله، لكل امرأة منهن سبعون سريرا من ياقوتة حمراء على كل سرير سبعون فراشا بطائنها من إستبرق، فوق كل فراش سبعون أريكة ويعطى زوجها مثل ذلك على سرير من ياقوت أحمر موشح بالدر عليه سواران من ذهب، هذا بكل يوم صامه من رمضان سوى ما عمل من الحسنات"(۱)

---

(۱) صحیح ابن خزیمہ، حدیث:۱۸۸۶، ترغیب وترھیب، حدیث:۱۷۶۵، الموضوعات لابن الجوزی، حدیث:۳۶۳۴

حکم: مذکورہ روایت من گھڑت ہے،روایت میں ایک راوی ''جریر بن أیوب بجلی '' کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''منکر الحدیث ''ابونعیمؒ نے ''کان جریر یضع الحدیث '' یحی بن معینؒ نے ''لیس بشئي ''امام ابوزرعہؒ اور ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ''منکر الحدیث ''امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور دارقطنیؒ نے ''متروک ''ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ''موضوع '' کہا ہے۔ ''قال عنه البخاري رحمه الله ''منكر الحديث''(۱) وقال أبو نعيم رحمه الله ''كان جرير يضع الحديث'' وقال يحيى رحمه الله ''ليس بشيء''، وقال أبو زرعة والرازي رحمه الله ''منكر الحديث'' وقال النسائي رحمه الله والدارقطني رحمه الله ''متروك''(۲) وقال ابن الجوزي بعد ذكر هذا الحديث''هذا حديث موضوع على رسول الله صلى الله عليه وسلم، والمتهم به جرير بن أيوب(۳)

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مطالبِ عالیہ'' میں ضعیف جدا، شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فوائدِ مجموعہ'' میں موضوع کہا ہے۔ '' وقال عنه الحافظ ابن حجر العسقلاني في المطالب العالية: ضعيف جداً، وقال عنه الإمام الشوكاني في الفوائد المجموعة :حديث موضوع''(۴)

رمضان میری امت کا مہینہ ہے

رجب اللہ کا مہینہ ہے، شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے، جس نے رجب کے روزے رکھے اس کے لیے دس گنا اجر ہے اور ایک گنا کا وزن دنیا کے ایک پہاڑ کے برابر ہے ''رَجبُ شهرُ اللهِ، وشعبانُ شهري، ورمضانُ شهرُ أمتي''

---

(۱) الضعفاء للبخاري:۳۸

(۲) الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي ۱:۱۶۸

(۳) الموضوعات لابن الجوزي ۲:۱۸۹

(۴) تحذير الخلان من رواية الاحاديث حول رمضان: ۱۵۱، دار ابن حزم، بيروت

حکم: یہ حدیث موضوع ہے، ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ''موضوعات'' میں، ابن حجر عسقلانیؒ نے ''تبیین العجب'' میں، شوکانیؒ نے ''فوائدِ مجموعہ'' میں موضوع کہا ہے۔(۱)

افطار کرانے کا ثواب

جو شخص روزے دار کو حلال مال سے افطار کرائے تو پورا رمضان رات میں فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں، شبِ قدر میں حضرت جبرئیل مصافحہ کرتے ہیں، جس کی علامت یہ ہے کہ اس کا دل نرم اور آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، راوی کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: جس کے پاس اتنی وسعت نہ ہو تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک مٹھی ہی کھلا دے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ایک گھونٹ دودھ یا پانی ہی پلا دے۔

''من فطر صائما في شهر رمضان من كسب حلال؛ صلت عليه الملائكة ليالي رمضان كلها، وصافحه جبرائيل ليلة القدر، ومن صافحه جبرائيل عليه السلام يرق قلبه، وتكثر دموعه. قال: فقلت: يا رسول الله! أفرأيت من لم يكن عنده؟ قال: فقبضة من طعام. قلت: أفرأيت إن لم يكن عنده لقمة خبز؟ قال: فمذقة من لبن. قال أفرأيت إن لم تكن عنده؟ قال: فشربة من ماء''

حکم: یہ حدیث سنداً شدید ضعیف ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف انتساب سے بیان نہ کیا

(۱) الحديث ليس صحيحا،قال عنه الإمام ابن الجوزي في''الموضوعات''، والحافظ ابن حجر العسقلاني في''تبيين العجب''،والشوكاني في''الفوائد المجموعة''، والحافظ الذهبي في''تاريخ الإسلام''، والإمام ابن القيم الجوزية في ''المنار المنيف''''حديث موضوع'' أخرجه ابن الجوزي في''الموضوعات''، وقال: هذاحديث موضوع على رسول الله ﷺ، وقد اتهموابه'' ابن جهيم'' ونسبوه إلى الكذب،وسمعت شيخنا عبد الوهاب الحافظ يقول:''رجاله مجهولون وقدفتشت عليهم جميع الكتب فما وجدتهم''(الموضوعات لابن الجوزى:۲،۱۲۴/ ۱)

جائے ۔(۱)البتہ معنیً اتنی بات ثابت ہے کہ روزے دارکو افطارکرانے پرروزے کے برابرثواب ملتاہے،حضرت زیدبن خالدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :جو کسی کاروزہ افطارکروائے تواس کوبھی اس روزدار کے برابرثواب ملے گااورروزے دار کے ثواب میں کمی بھی نہیں ہوگی ۔"عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الجهَنِيّ قَالَ:قَالَ رَسُولُ الله ﷺ:مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ، غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا"(۲)

روزے دارکاسوناعبادت ہے۔

روزے دارکاسوناعبادت ہے،اس کی خاموشی تسبیح کا ثواب رکھتی ہے،اس کے عمل کا ثواب دوگنا کردیاجاتاہے،اس کی دعاقبول کی جاتی ہے،اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں "نومُ الصائمِ عبادةٌ، وصَمْتُه تسبيحٌ، وعملُه مُضاعَفٌ، ودعاؤُه مُستَجابٌ، وذَنبُه مغفور"(۳)

حکم :یہ حدیث منکر درجے کی ہے،نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرکے بیان نہ کیاجائے،اتنی بات ثابت ہے کہ روزے دارکی دعاءردنہیں ہوتی ،روزے سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں کہ ایک رمضان دوسرے رمضان کے درمیان کےگناہوں کا کفارہ ہے مگر نیندکامستقل عبادت شمارہوناکہ اسے تسبیح کاثواب ملتارہے،حدیث سے ثابت نہیں ۔(۴)

---

(۱)وهذا الحديث قال عنه الإمام ابن حبان في المجروحين :لا أصل له، وقال عنه الإمام ابن الجوزي في الموضوعات :لا يصح، وقال عنه الإمام الألباني في ضعيف الترغيب :حديث ضعيف جداً۔

(۲)سنن الترمذی،حدیث:۸۰۷،وقال :هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

(۳)الترغیب والترھیب،حدیث:۱۷۶۳

۴اس حدیث کوابن جوزی نے"الموضوعات":۲/ ۵۵۵پرذکرکیاہے،اس روایت کامدارزیدبن جدعان پرہے،جس کوامام احمد نے"متروک الحدیث"،یحی بن معین نے"متروک"ابن ابی حاتم نے"منکر الحدیث"کہاہے،(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

تین آدمیوں کا حساب نہیں

تین آدمیوں سے کھانے پینے کی نعمتوں کا سوال نہیں ہوگا۔

۱: افطار کرنے والا۔

۲: سحری کھانے والا۔

۳: میزبان۔ ”ثلاثة لايسئلون عن نعيم المطعم والمشرب: المفطر والمتسحر وصاحب الضيف وثلاثة لايلامون على سوء الخلق المريض والصائم حتى يفطر والإمام العادل“ (مسند الفردوس: ۲/ ۹۴)

حکم: یہ حدیث موضوع ہے، بیان کرنا درست نہیں ہے۔ (۱)

عصر کے بعد گناہ نہ لکھے جائیں

اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین کو حکم دیتے ہیں کہ میرے روزے دار بندوں کے عصر کے بعد کے گناہ نہ لکھے جائیں۔ ”إن الله يوحى إلى الحفظة أن لايكتبوا على صوام عبيدى بعد العصر ذنبا“ (۲)

حکم: یہ حدیث باطل و من گھڑت ہے، نبی کریم ﷺ کی طرف انتساب سے بیان نہ

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) ومن الجدير بالذكر أنه ثبت أن الأعمال تتضاعف في رمضان وغير رمضان إلى سبع مائة ضعف كما سبق أنه بينا، وكذلك ثبت أن دعوة الصائم لا ترد، وثبت أن الصيام يكفر الذنوب، لكن أن نوم الصائم عبادة وصمته تسبيح فهذا لم يثبت بأي دليل صحيح. (تحذير الخلان من رواية الاحاديث حول رمضان: ۱۳۸، دار ابن حزم، بیروت)

(۱) تحذير الخلان من رواية الاحاديث حول رمضان: ۳۱۸، دار ابن حزم، بیروت

(۲) الموضوعات لابن الجوزی، حدیث: ۱۱۲۶

کیا جائے۔(۱)

کھجور سے افطار کی فضیلت

جس نے رزقِ حلال کی کھجوروں سے روزہ افطار کیا تو اس کی نمازوں میں چارسو نمازوں کا اضافہ کیا جائے گا۔"من أفطر علی تمر زید فی صلاتہ اربع مائة صلاة" (الکامل لابن عدی: ۸/۸۰)

حکم: یہ حدیث موضوع ہے، بیان کرنا درست نہیں ہے، البتہ کھجور سے افطار کرنا سنت ہے۔"عن انس رضی اللہ عنہ قال کان النبی ﷺ یفطر قبل ان یصلی علی رطبات فان لم تکن رطبات فتمیرات فان لم تکن تمیرات حسا حسوات من ماء"(۲)

تراویح کی ہر رات کا ثواب

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے، کسی شخص نے نبی کریم ﷺ سے نماز تراویح کی فضیلت پوچھی، آپ ﷺ نے فرمایا بندہ رمضان شریف کی پہلی رات گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے اس کی ماں نے اسے ابھی جنا ہو، دوسری رات اس کے بشرطیکہ وہ دونوں مومن ہوں گناہ بخشے جاتے ہیں، تیسری رات ایک فرشتہ عرش کے نیچے سے پکارتا ہے اے بندے، تونے اپنے عمل کو خالص کیا اللہ تعالیٰ نے تیرے اگلے گناہوں بخش دیا، چوتھی رات اس کو تورات زبور انجیل اور قرآن مجید کی تلاوت کے بقدر ثواب ملتا ہے پانچویں رات جس نے نماز پڑھی اسے مسجد حرام یعنی مکہ مکرمہ اور مسجد مدینہ منورہ اور مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے، چھٹی رات اس کو اللہ تعالیٰ اس شخص کا ثواب دیتے ہیں جس نے بیت المعمور کا طواف کیا اور اس کے لئے تمام

---

(۱) تحذیر الخلان من روایة الاحادیث حول رمضان: ۲۲۴ دار ابن حزم، بیروت

(۲) تحذیر الخلان من روایة الاحادیث حول رمضان: ۲۲۲، دار ابن حزم، بیروت

پتھر اور ڈھیلے استغفار کرتے ہیں، ساتویں رات کا ثواب اس قدر ملتا ہے گویا اس نے موسیٰ علیہ السلام کو پایا، آٹھویں رات وہ اس قدر ثواب پاتا ہے جس قدر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ثواب دیا، نویں رات گویا اللہ اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کی مثل دسویں رات کو اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت کی بہتری دیتے ہیں، گیارہویں رات اگر دنیا سے چلا گیا تو گناہوں سے ایسا پاک وصاف جائیگا جیسا کہ ماں کے پیٹ سے ابھی پیدا ہوا تھا، بارہویں رات کی فضیلت یہ ہے کہ اس کا چہرہ قیامت کے دن چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا، تیرہویں رات کی فضیلت یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن تمام برائیوں سے محفوظ آئے گا، چودھویں رات کی فضیلت یہ ہے کہ قیامت کے دن رشتے دار آئیں گے اور گواہی دیں گے کہ تحقیق اس نے نماز تراویح پڑھی تھی پس اس سے قیامت کے دن حساب نہیں لیا جائیگا، پندرھویں رات اللہ تعالیٰ اس کے لئے دوزخ سے چھٹکارا اور دخول جنت کی خوشخبری لکھ دیتا ہے، سترھویں رات اللہ تعالیٰ اس کو نبیوں کی عبادت کا ثواب دیتے ہیں، اٹھارہویں رات ایک فرشتہ آواز دیتا ہے، اے اللہ کے بندے! تحقیق اللہ تجھ سے اور تیرے والدین سے راضی ہوا، انیسویں رات اللہ اس کے درجوں کو فردوس میں بلند کرتا ہے، بیسویں رات اس کو اللہ تعالیٰ شہداء اور صالحین کا ثواب دیتا ہے، اکیسویں رات اس کیلئے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک نور کا گھر بناتا ہے، بائیسویں رات وہ قیامت کے دن تمام غم اور پریشانی سے محفوظ آئیگا، تئیسویں رات اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں ایک شہر بناتا ہے، چوبیسویں رات اس کی چوبیس دعائیں قبول ہوتی ہیں، پچیسویں رات اللہ تعالیٰ اس سے عذاب قبر اٹھا دیتا ہے، چھبیسویں رات وہ پل صراط سے مثل بجلی کے گزرے گا، اٹھائیسویں رات اللہ تعالیٰ بہشت میں اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے، انتیسویں رات اس کو اللہ تعالیٰ اس کو ہزار مقبول حج کا ثواب دیتا ہے، تیسویں رات کا ثواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے فرمائیں گے اے بندے میرے جنت کے میوے کھا جو تیرا جی چاہے اور غسل کر سلسبیل کے پانی سے اور پی آب کوثر، میں تیرا رب ہوں اور تو میرا بندہ۔" وفی اللیلۃ الثالثۃ والعشرین

بنی الله له مدینة فی الجنة،وفی اللیلة الرابعة والعشرین کان له اربعة وعشرون دعوة مستجابة،وفی اللیلة الخامسة والعشرین یرفع الله تعالی عنه عذاب القبر،وفی اللیلة السادسة والعشرین یرفع الله له ثوابه أربعین عاما،وفی اللیلة السابعة والعشرین جاز یوم القیامة علی الصراط کالبرق الخاطف،وفی اللیلة الثامنة والعشرین یرفع الله له ألف درجة فی الجنة،وفی اللیلة التاسعة والعشرین اعطاه الله ثواب الف حجة مقبولة،وفی اللیلة الثلاثین یقول الله:یاعبدی!کل من ثمار الجنة واغتسل من میاه السلسبیل واشرب من الکوثر،أناربك وأنت عبدی"

حکم : یہ روایت کسی بھی مستند یا ضعیف سند سے کہیں بھی منقول نہیں،البتہ ایک کتاب "درۃ الناصحین" میں بغیر سند نقل کی گئی ہے اور احادیث سے تھوڑی سی مطابقت رکھنے والا شخص بھی اس کے من گھڑت اور درست نہ ہونے کو سمجھ سکتا ہے کہ یہ روایت بہت سی صحیح اور موضوع روایات کو جوڑ کر بنائی گئی ہے اور ایسی روایت کو ملفق (مرکب) کہتے ہیں،روایات کی تحقیق کرنے والے ایک ادارے سے جب اس روایت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ حدیث کے الفاظ نہیں بلکہ موضوع اور من گھڑت ہیں اور یہ روایت ملفق ہے۔"هذا الحدیث آثار الوضع ظاهرة واضحة لکل إنسان سواء کان عامیا أو طالب علم،هذا الحدیث ملفق من عدة أحادیث"۔(۱)

تراویح کے ایک سجدے پر پندرہ سو نیکیاں

ایک حدیث یہ بیان کی جاتی ہے کہ:جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور آخر رمضان تک کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا اور کوئی بھی بندہ جو رمضان کی رات میں نماز پڑھتا ہے تو اس کو ڈیڑھ ہزار نیکیاں ملتی ہیں اور ہر

(۱) تنبیهات،سلسلہ نمبر:۱۱۸

سجدے کے بدلے جنت میں سرخ یاقوتوں کا گھر بنا دیا جاتا ہے جس کے ساٹھ دروازے ہوں گے اور ہر دروازے پر سونے کا محل ہوگا جو سرخ یاقوت سے آراستہ ہوگا، جب بندہ رمضان کا پہلا روزہ رکھتا ہے تو اس کے گزشتہ رمضان سے اب تک کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور صبح کی نماز سے غروب آفتاب تک اس بندے کے لئے ستر ہزار فرشتے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اور اس کے لئے رمضان کے ہر سجدے کے بدلے چاہے دن میں ہو یا رات میں جنت کا ایک درخت ہے، جس کے سائے میں سوار پانچ سو سال تک چل سکتا ہے۔"إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ فَلَا يُغْلَقُ مِنْهَا بَابٌ حَتَّى يَكُونَ آخِرُ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ وَلَيْسَ مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يُصَلِّي فِي لَيْلَةٍ إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ أَلْفًا وَخَمْسَمِائَةِ حَسَنَةٍ بِكُلِّ سَجْدَةٍ وَبَنَى لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ مِنْ يَاقُوتَةٍ حَمْرَاءَ لَهَا سِتُّونَ أَلْفَ بَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهَا قَصْرٌ مِنْ ذَهَبٍ مُوَشَّحٍ بِيَاقُوتَةٍ حَمْرَاءَ فَإِذَا صَامَ أَوَّلَ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ غَفَرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ إِلَى مِثْلِ ذَلِكَ الْيَوْمِ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ إِلَى أَنْ تَوَارَى بِالْحِجَابِ وَكَانَ لَهُ بِكُلِّ سَجْدَةٍ يَسْجُدُهَا فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِلَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ شَجَرَةٌ يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا خَمْسَ مِائَةَ عَامٍ"(۱)

حکم: یہ روایت امام بیہقیؒ نے اپنی مشہور کتاب "شعب الایمان" میں ذکر کی ہے؛لیکن اسکی سند میں ایک راوی ہیں' محمد بن مروان السدی'، پر ائمہ جرح وتعدیل نے سخت جرح فرمائی ہے؛ ان سے مروی روایت کو قابل عمل یا قابل قبول نہیں مانا جائیگا، اور نہ ہی اسکو بیان کی اجازت ہوگی۔

محمد بن مروان کے متعلق امام نسائی نے فرمایا: محمد بن مروان جو کوفہ کے باشندے ہیں وہ اپنے استاذ کلبی سے روایت حدیث کیا کرتے ہیں درجہ حدیث میں متروک ہیں یعنی

---

(۱) (شعب الایمان، للبیہقی، حدیث نمبر: ۳۶۳۵، طبع: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

ان کی روایت کردہ حدیث کو لیا نہیں جاتا ہے۔"محمد بن مروان الكوفي يروي عن الكلبي "متروك الحديث" (۱) امام ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ: محمد بن مروان السدی جو کوفہ سے تعلق رکھتے ہیں ان پر کذب بیانی کا الزام ہے۔ "محمد بن مروان بن عبد الله بن إسماعيل السُّدِّي، وهو الأصغر، كوفيٌّ، متهم بالكذب، من الثامنة" (۲)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: موضوع احادیث بیان کرتا ہے، اس کے حوالے سے احادیث لکھنا درست نہیں ہے۔ "كان ممن يروي الموضوعات عن الأثبات لا يحل كتابة حديثه" (۳) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا: محمد بن مروان جھوٹا روای ہے۔ "محمد بن مروان السدي عَنْ الْأَعْمَش، وَهُوَ كَذَّابٌ (۴)

امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا: محمد بن مروان کذاب ہے "محمد بن مروان السدي - كذاب" (۵) علاوہ ازیں روایت میں جس سجدہ کے متعلق پندرہ سو نیکیاں منقول ہیں اس میں تراویح کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس لیے واعظین وخطباء سے درخواست ہے کہ مذکورہ روایت بیان کرنے سے احتراز کریں ؛ نماز تراویح بیس رکعات ایک اہم عبادت اور سنتِ موکدہ ہے، جس کا اجر و فضیلت اپنی جگہ مسلم ہے۔

تراویح پر ڈھائی ہزار نیکیاں اور یاقوت کا محل

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان دروازوں میں سے کوئی دروازہ بھی رمضان شریف کی آخری رات

---

(۱) کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی: ۲۱۹، طبع: مؤسسة الكتب الثقافية، بیروت لبنان۔
(۲) تقريب التهذيب، لابن حجر العسقلاني: ۸۹۵، الطبع: دارالعاصمة للنشر والتوزيع۔
(۳) المجروحین لابن حبان: ۲/ ۲۸۶۔
(۴) مجموع الفتاوی: ۲۷/ ۲۴۱
(۵) تلخیص کتاب الموضوعات للذہبی: ۹۰

تک بند نہیں کیا جاتا، اور کوئی مسلمان بندہ ایسا نہیں ہے کہ رمضان شریف کی راتوں میں سے کسی رات میں نماز پڑھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر سجدہ کے بدلے میں ڈھائی ہزار نیکیاں لکھے گا اور اس کے لیے جنت میں سرخ یاقوت کا ایک مکان بنا دے گا جس کے ساٹھ ہزار دروازے ہوں گے اور ہر دروازے کے لیے سونے کا ایک محل ہوگا جو سرخ یاقوت سے آراستہ ہوگا پھر جب روزہ دار رمضان المبارک کے پہلے دن کا روزہ رکھتا ہے تو اس کے گزشتہ سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور اس روزہ دار کے لیے روزانہ صبح کی نماز سے لے کر غروب آفتاب تک ستر ہزار فرشتے اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے رہتے ہیں، اور رمضان شریف کی رات یا دن میں (اللہ کے حضور جب) کوئی سجدہ کرتا ہے تو ہر سجدے کے عوض اس کو (جنت میں) ایک ایسا درخت ملتا ہے جس کے سایہ میں سوار پانچ سو برس تک چل سکتا ہے۔" إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ فَلَا يُغْلَقُ مِنْهَا بَابٌ حَتَّى يَكُونَ آخِرُ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ، وَلَيْسَ مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يُصَلِّي فِي لَيْلَةٍ إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ أَلْفًا وَخَمسَمِائَةِ حَسَنَةٍ بِكُلِّ سَجْدَةٍ، وَبَنَى لَهُ بَيْتًا فِي الجَنَّةِ مِنْ يَاقُوتَةٍ حَمرَاءَ لَهَا سِتُّونَ أَلْفَ بَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهَا قَصرٌ مِنْ ذَهَبٍ مُوَشَّحٍ بِيَاقُوتَةٍ حَمرَاءَ، فَإِذَا صَامَ أَوَّلَ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ غَفَرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ إِلَى مِثْلِ ذَلِكَ الْيَوْمِ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ، وَاسْتَغْفَرَ لَهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ إِلَى أَنْ تَوَارَى بِالحِجَابِ، وَكَانَ لَهُ بِكُلِّ سَجْدَةٍ يَسْجُدُهَا فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِلَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ شَجَرَةٌ يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا خَمسَ مِائَةِ عَامٍ"(۱)

روزہ دار کے لیے عظیم الشان محل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

(۱) شعب الایمان، بیہقی، حدیث: ۳۳۶۲، شدید ضعف پایا جاتا ہے

بلاشبہ جنت ماہ رمضان کے لیے شروع سال سے آخر سال تک سجائی جاتی ہے، جب رمضان شریف کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو جنت (اللہ تعالیٰ سے) عرض کرتی ہے اے اللہ! اس مبارک مہینہ میں اپنے بندوں میں سے کچھ بندے میرے اندر قیام کرنے والے مقرر فرما دیجئے (جو عبادت کر کے میرے اندر داخل ہوسکیں) (اسی طرح) حوریں بھی عرض کرتی ہیں کہ اے خدائے ذوالجلال! اس بابرکت مہینے میں اپنے بندوں میں سے ہمارے واسطے کچھ خاوند مقرر فرما دیجئے، چنانچہ جس شخص نے رمضان شریف کے مہینے میں اپنے نفس کی حفاظت کی اور کوئی نشہ آور چیز نہ پی اور نہ کسی مومن پر کوئی بہتان لگایا اور نہ کوئی گناہ (کبیرہ) کیا تو اللہ جل شانہ (رمضان شریف کی) ہر رات میں اس بندہ کی سو حوروں سے شادی کر دیتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں ایک محل سونے چاندی، یاقوت اور زمرد کا تیار کر دیتے ہیں (اس محل کی لمبائی چوڑائی کا یہ عالم ہے کہ) اگر ساری دنیا اکٹھی اس محل میں رکھ دی جائے تو ایسی معلوم ہو جیسے دنیا میں کوئی بکریوں کا باڑہ ہو (یعنی جس طرح تمام دنیا کے مقابلے میں بکریوں کا باڑہ چھوٹا سا معلوم ہوتا ہے اسی طرح اگر ساری دنیا جنت کے اس محل میں رکھ دی جائے تو بکریوں کے باڑے کی طرح چھوٹی سی معلوم ہوگی)۔ اور جس شخص نے اس مبارک مہینے میں کوئی نشہ والی چیز پی یا کسی مومن پر کوئی بہتان لگایا یا کوئی گناہ (کبیرہ) کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے سال بھر کے نیک اعمال ختم کر دیں گے، لہٰذا رمضان شریف کے مہینے میں بے احتیاطی سے بچو! کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے، اس میں حدود سے آگے نہ بڑھو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے گیارہ مہینے مقرر کئے ہیں جن میں (طرح طرح کی) نعمتیں استعمال کرتے ہو اور لذتیں حاصل کرتے ہو۔ رمضان کا مہینہ اللہ تعالیٰ نے (اپنی عبادت کرنے کے لیے) خاص فرما لیا ہے۔ لہٰذا رمضان کے مہینہ میں بے احتیاطی سے گریز کرو اور جان و دل سے اطاعت کرو۔" إِنَّ الجنَّةَ لَتَزَيَّنُ مِنَ الحوْلِ إِلَى الحوْلِ لِشَهْرِ رَمَضَانَ، وَإِنَّ الحورَ لَيُزَيَّنُ مِنَ الحوْلِ إِلَى الحوْلِ لِصُوَّامِ رَمَضَانَ، فَإِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ قَالَتِ الجنَّةُ :اللهُمَّ اجْعَلْ لِي فِي هَذَا الشَّهْرِ مِنْ عِبَادِكَ وَيَقُلْنَ الحورُ:اللهُمَّ اجْعَلْ

لِي مِنْ عِبَادِكَ فِي هَذَا الشَّهْرِ أَزْوَاجًا، فَمَنْ لَمْ يَقْذِفْ مُسْلِمًا فِيهِ بِبُهْتَانٍ، وَلَمْ يَشْرَبْ مُسْكِرًا كَفَّرَ اللهُ عَنْهُ ذُنُوبَهُ، وَمَنْ قَذَفَ فِيهِ مُسْلِمًا، أَوْ شَرِبَ فِيهِ مُسْكِرًا أَحْبَطَ اللهُ عَمَلَهُ لِسَنَتِهِ، فَاتَّقُوا شَهْرَ رَمَضَانَ، فَإِنَّهُ شَهْرُ اللهِ جَعَلَ اللهُ لَكُمْ أَحَدَ عَشَرَ شَهْرًا تَأْكُلُونَ فِيهَا وَتَشْرَبُونَ وَتَتَلَذَّذُونَ وَجَعَلَ لِنَفْسِهِ شَهْرًا فَاتَّقُوا شَهْرَ رَمَضَانَ فَإِنَّهُ شَهْرُ اللهِ "(۱)

رمضان کی ہر رات جہنم سے آزاد ہونے والوں کی تعداد

رمضان المبارک میں جہنمیوں کو جہنم سے آزاد کیا جاتا ہے مگر اس کی صحیح تعداد پر صحیح احادیث نہیں ہیں، مطلق آزادی پر ترمذی شریف وغیرہ کی احادیث ہیں، جیسے " عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ "إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتْ الشَّيَاطِينُ ، وَمَرَدَةُ الجِنِّ ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ ، فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ ، وَفُتِّحَتْ أَبْوَابُ الجَنَّةِ ، فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ ، وَيُنَادِي مُنَادٍ :يَا بَاغِيَ الخَيْرِ أَقْبِلْ، وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ، وَلِلَّهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ، وَذَلكَ كُلُّ لَيْلَةٍ "(۲)

البتہ مخصوص تعداد کے متعلق ضعیف احادیث زیادہ ہیں، جیسے رمضان کی ہر رات چھ لاکھ جہنمیوں کو آزادی کا پروانہ ملتا ہے اور جب رمضان کی آخری رات ہوتی ہے تو پورے رمضان کے بقدر جہنمیوں کو آزاد کیا جاتا ہے۔ "إنَّ للّٰہ عزَّ وجلَّ في كلِّ ليلةٍ من رمضانَ ستَّمائةِ ألفِ عَتيقٍ من النارِ، فإذا كان آخرُ ليلةٍ أعتقَ اللهُ بعددِ كُلِّ مَنْ مَضى "(۳)

حکم: یہ حدیث ضعیف ہے، ہر دن کتنے جہنمیوں کو جنت کا فیصلہ ہوتا ہے یہ اللہ ہی کے

---

(۱)(کنز العمال، حدیث: ۲۳۷۱۳، شعب الایمان، حدیث: ۳۳۵۹،)

(۲)(سنن ترمذی، حدیث: ۶۸۲، سنن ابن ماجہ: ۱۶۴۲)

(۳) شعب الایمان للبیہقی، حدیث ۳۶۰

علم میں ہے۔(۱)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: ”رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہ رمضان المبارک کی ہر شب میں چھ لاکھ آدمیوں کو دوزخ سے بری فرماتے ہیں، اور جب رمضان المبارک کی آخری شب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ (اتنی تعداد میں آدمیوں کو دوزخ سے) بری فرماتے ہیں جتنی تعداد میں آج رات تک پورے مہینہ میں آزاد فرمائے ہیں۔ ”عن الحسن رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ”إِنَّ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ سِتَّمِائَةَ أَلْفِ عَتِيقٍ مِنَ النَّارِ، فَإِذَا كَانَ آخِرُ لَيْلَةٍ أَعْتَقَ بِعَدَدِ مَنْ مَضَى“(۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے رمضان المبارک کی فضیلت کے متعلق ایک بہت طویل اور جامع روایت منقول ہے اس میں یہ بھی ہے کہ: ”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رمضان شریف میں روزانہ افطار کے وقت ایسے دس لاکھ آدمیوں کو جہنم سے بری فرماتے ہیں جو جہنم کے مستحق ہو چکے تھے اور جب رمضان کا آخری دن ہوتا ہے تو یکم رمضان سے آج تک جس قدر لوگ جہنم سے آزاد کئے گئے ہیں ان کے برابر اس ایک دن میں آزاد

---

(۱)قال عنه الإمام ابن حبان:لا أصل له“ميزان الاعتدال:۳۲۸/۶،ولكن الصحيح أن لله عتقاء في شهر رمضان في كل ليلة بأعداد لا يعلمها إلا الله سبحانه وتعالى، فعن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله قال:" ... ولله عتقاء من النار، وذلك كل ليلة"(رواه الترمذي وابن ماجه)وعنْ جَابِرٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ”إِنَّ لِلّٰهِ عِنْدَ كُلِّ فِطْرٍ عُتَقَاءَ، وَذٰلِكَ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ“(راوه أحمد وابن ماجه وصححه الألباني) وعن جابر رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال :" إن لله عتقاء في كل يوم وليلة لكل عبد منهم دعوة مستجابة“(مسند أحمد)

(۲)الترغیب والترھیب،حدیث:۳۳۳۲”اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة“ میں علامہ سیوطیؒ اسے نقل کیا ہے:۸۶/۲،الناشر :دارالکتب العلمیۃ،ابن حبانؒ نے اسے موضوع اور باطل کہا ہے”ما صح وما لم یصح في رمضان، ماجد بن خنجر البنکانی:۴۷/۱)

فرماتے ہیں۔"إذا كان أول ليلة من شهر رمضان نظر الله إلى خلقه، وإذا نظر الله إلى عبد لم يعذبه أبداً، ولله في كل يوم ألف ألف عتيق من النار، فإذا كانت ليلة تسع وعشرين أعتق الله فيها مثل جميع ما أعتق في الشهر كله"

حکم: یہ حدیث موضوع ہے، ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے "**موضوعات**" میں، شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "**فوائد مجموعہ**" میں، البانی نے "سلسلة الاحاديث الضعيفة" میں موضوع کہا ہے۔(۱)

اعتکاف پر دو حج اور دو عمروں کا ثواب

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مَنِ اعْتَكَفَ عَشْراً فِيْ رَمَضَانَ كَانَ كَحَجَّتَيْنِ وَعُمْرَتَيْنِ" جس نے رمضان المبارک میں دس دن کا اعتکاف کرلیا وہ ایسا ہے جیسے دو حج اور دو عمرے کئے۔(۲)

حکم: مذکورہ روایت من گھڑت ہے، اس میں ایک راوی "**محمد بن زادان**" کے متعلق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین نے "متروک الحديث، لا يكتب حديثه، متهم بالوضع، كان يضع الحديث" وغیرہ کا تبصرہ کیا ہے۔(۳)

اس امت کی افطار کے وقت کی فضیلت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی جس میں اس امت کے فضائل میں یہ بات بھی بیان فرمائی کہ اے موسیٰ! جب میں تم سے بات کرتا ہوں تو میرے اور تمھارے درمیان ستر ہزار پردے ہوتے ہیں، لیکن امت محمدیہ جب افطار کے وقت مجھ سے دعا مانگے گی تو میرے اور ان کے درمیان کوئی پردہ نہ ہوگا۔"ان لی عبادا اخرجهم فی آخر

---

(۱) المجروحین: ۲/ ۲۹۸، میزان الاعتدال: ۶/ ۳۲۹

(۲) (شعب الایمان، حدیث: ۳۹۶۶)

(۳) (تنبیہات، سلسلہ نمبر: ۴۱)

الزمان واکرمهم بشهر رمضان فاکون اقرب لاحدهم منک ،لانک کلمتنی وبینی وبینک سبعون الف حجاب ،فاذاصامت امة محمد ﷺ حتی ابیضت شفاهم،واصفرت الوانهم ارفع الحجب بینی وبینهم وقت افطارهم"۔(۱)

حکم: مذکورہ روایت من گھڑت ہے،موضوعات کے علاوہ مستندکتابوں میں دستیاب نہیں ہے،اگر یہ حدیث ثابت ہوتی تو کتب احادیث صحیحہ میں ضرور مذکور ہوتی،اورشرعاً بھی یہ بات درست نہیں ہے،کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جلیل القدر نبی ہیں،ان سے ہم کلامی پر پردے رہیں،اور امت محمدیہ انبیاء کرام علیہم السلام سے تو افضل ہرگز نہیں ہے،اس امت کے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی بنی اسرائیل کے کسی نبی سے افضل نہیں ہیں،امتی کی ایسی فضیلت جس سے نبی کی تعظیم میں فرق یا بےادبی کا پہلو ہو ایسا کلام آپ ﷺ سے ثابت ہی نہیں ہوسکتا، جب آپ ﷺ نے اپنی ذاتِ عالی کو انبیاء کرام علیہم السلام کی ذوات سے تقابل کرنے اور تفضیل کی بات کرنے سے منع فرمادیا تو اپنی امت کو انبیاء پر کیونکر بڑھاوادیں گے۔

رمضان کی عجیب فضیلت

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان برکت والامہینہ آگیا،اس میں خیر و برکت اور اللہ تعالی کی رحمت نازل ہوتی ہے،گناہ معاف ہوتے ہیں،اس میں دعاؤں کو پسند کیا جاتا ہے،اور اللہ تعالی اعمال میں تمہارے جذبے کو دیکھتے ہیں اور فرشتوں کے سامنے فخر کرتے ہیں،پس اللہ کو اپنے خیر کا جذبہ دکھاؤ کیونکہ وہ شخص بہت بڑا محروم ہے جو اس مہینے میں بھی اللہ تعالی کی رحمت سے محروم رہ جائے۔"أَنَّ رَسُولَ اللهِ قَالَ يَوْمًا، وَحَضَرَ رَمَضَانُ: "أَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرُ بَرَكَةٍ، فِيهِ خَيْرٌ يَغْشَاكُمُ اللهُ فَيُنْزِلُ الرَّحْمَةَ وَيَحُطُّ فِيهَا الْخَطَايَا، وَيُسْتَجَبُ فِيهَا الدَّعْوَةُ، يَنْظُرُ اللهُ إِلَى تَنَافُسِكُمْ وَيُبَاهِيكُمْ

(۱) نزهة المجالس: ۱۸۲، روح البیان: ۸/ ۱۱۲

بِمَلَائِكَةٍ، فَأَرُوا اللهَ مِنْ أَنْفُسِكُمْ خَيْرًا، فَإِنَّ الشَّقِيَّ كُلَّ الشَّقِيِّ مَنْ حُرِمَ فِيهِ رَحمةَ الله"(۱)

حکم: مذکورہ روایت سنداًضعفِ شدید پر مشتمل ہے،اس کی سند میں ایک راوی ''محمد بن سعید المصلوب'' کے متعلق ائمہ محدثین کے اقوال بہت سخت ہیں،علامہ ہیثمی نے روایت نقل کرکے ''محمد بن ابی قیس'' کو مجہول قرار دیا۔''والحديث أورده الهيثمي في "مجمع الزوائد"، حديث۴۷۸۳: وقال :رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ، وَفِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي قَيْسٍ؛ وَلَمْ أَجِدْ مَنْ تَرْجَمَهُ'' محمد بن سعيد الشَّاميُّ المصلوب راوی کے تقریباایک سونام ذکر کیے گئے ہیں، چونکہ یہ جھوٹا راوی تھا اس لئے خود کو سند میں چھپانے کیلئے یہ ساری کوشش ہوتی تھی۔(۲)

امام احمدؒ کے بیٹے کہتے ہیں کہ یہ جھوٹا راوی تھا خلیفہ ابوجعفر منصور نے اس کو عقیدہ زندقہ کے جرم میں قتل کروایا۔''قال عبدالله بن أحمد، عن أبيه :قتله أبو جعفر المنصور في الزّندقة، حديثه حديثٌ موضوع'' امام أبوداود کہتے ہیں کہ امام أحمد کہتے تھے کہ یہ جان بوجھ کر جھوٹی روایات بناتا تھا۔'' وقال أبوداود، عن أحمد:عمداً كان يضع'' امام بخاری کہتے ہیں کہ اس کی روایات چھوڑ دی گئیں۔'' وقال البخاريّ عليه الرحمة تُرِكَ حديثه'' خالد بن یزید کہتے ہیں کہ اس نے مجھ سے کہا کہ جب کوئی بات اچھی ہوتی ہے تو میں اس کیلئے سند بنانے کو برا نہیں سمجھتا۔'' وقال دُحيم :سمعتُ خالد بن يزيد الأزرق يقول :سمعتُ محمد بن سعيد الأُردنيّ يقول :إذا كان الكلام حسناً لم أُبالِ أن أجعل له إسناداً'' ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ روایات گھڑتا تھا،لہذا اس کی روایت نقل کرنا درست نہیں۔'' وقال ابن حِبّان: كان يضع الحديث، لا يحلّ

(۱)مسند الشاميين للطبراني، حدیث :۲۲۳۸،مسند الشاشي ،حدیث :۱۲۲۴،أمالی حسن الخلال :۶۶،القضاءوالقدر للبیہقی:۶۰)

(۲)(ذكره الحافظ ابن حجر في "التهذيب":۳/ ۵۷۳)

ذكره إلاّ على وجه القدح فيه" حاصل یہ کہ مذکورہ مضمونِ حدیث پر تو ضعیف روایات موجود ہیں لیکن فی نفسہ مندرجہ بالاروایت سند کے لحاظ سے انتہائی کمزور، ناقابل بیان ہے، لہذا آپ ﷺ کی طرف اس کی نسبت کر کے اسکو پھیلانا درست نہیں۔(۱)

رمضان میں انتقال کی فضیلت

۱۔شیخ الحدیث حضرت مولانازکریاصاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: یہ مضمون تو حدیث میں ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں امتِ محمدیہ ﷺ کے روزے داروں کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں؛البتہ "ماہِ رمضان میں وفات پانے والاشخص سیدھا جنت میں جاتا ہے اور قیامت کے دن اس کا کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا" یہ مضمون تلاشِ بسیار کے بعد بھی احادیث میں نہیں مل سکا، تاہم رحمتِ خداوندی سے بعید بھی نہیں ہے کہ اِس مبارک مہینے کی برکت سے اس ماہ میں انتقال کرنے والے ایمان والوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے۔ "عن ابن عباس رضي الله عنه أنه سمع رسول الله ﷺ يقول :إن الجنة لتبخر و تزين من الحول إلى الحول لدخول شهر رمضان، فإذا كانت أول ليلة من شهر رمضان، هبت ريح من تحت العرش وفيه: ثم يقول: هذه أول ليلة من شهر رمضان فتحت أبواب الجنة على الصائمين من أمة محمد ﷺ، قال : ويقول الله عز و جل: يا رضوان! افتح أبواب الجنان، و يا مالك ! أغلق أبواب الجحيم على الصائمين من أمة محمد ﷺ"۔(۲)

۲۔فتاوی شامی میں ہے کہ جمعہ و رمضان کے مہینے میں عذاب قبر ہٹادیا جاتا" ويرفع

---

(۱)بحوالہ تنبیہات،سلسلہ نمبر:۲۰۱۔

(۲)فضائلِ رمضان:۵۶ حضرت شیخ الحدیث مولانازکریارحمۃ اللہ علیہ،بحوالہ:الترغیب،وابن حبان والبیہقی :ادارہ اشاعتِ دینیات

عنہ یوم الجمعۃ و شہر رمضان"(۱)

۳۔کتاب "مرنے کے بعد کیا ہوگا" میں بیہقی کے حوالے سے منقول ہے کہ رمضان کے مہینے میں مردوں سے عذاب قبر ہٹادیا جاتا ہے "ان عذاب القبر یرفع عن الموتیٰ فی شہر رمضان" (۲) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ پہلے سے عذاب میں مبتلا تھے انھیں رمضان میں عذاب سے دور رکھا جاتا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ رمضان میں انتقال ہوتے ہیں، ان سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے۔(۳)

۴۔انیس الواعظین میں ہے کہ: جو خوش نصیب مسلمان ماہِ رمضان میں انتقال کرتا ہے اُس کو سوالاتِ قبر کے عذاب سے امان مل جاتی ہے، عذابِ قبر سے نجات پاتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے، اور جو مومن اس مہینے میں مرتا ہے وہ سیدھا جنّت میں جاتا ہے، گویا اُس کے لیے دوزخ کا دروازہ بند ہے۔(۴)

نوٹ: "انیس الواعظین" نامی کتاب ایک شیعہ عالم "ملا عبدالکریم" کی بھی ہے، اہلِ تشیع کی کتب کا کوئی اعتبار نہیں؛ البتہ ربِ ذوالجلال کے فضل سے اگر انتقال ہونے والے کو یہ فضیلت حاصل ہو جائے تو یہ خدا کا فضل ہے اور اگر حاصل نہ ہو تو پھر یہ خدا کا عدل ہے۔

تبصرہ: عوام وخواص میں مشہور ہے کہ جمعہ کے دن یا رمضان کے مہینے میں فوت ہونے والا شخص تا قیامت عذابِ قبر (عذابِ برزخ) سے محفوظ ہو جاتا ہے، خواہ مرنے والا فاسق وفاجر ہو اور کفار کے متعلق خیال ہے کہ اگر وہ یومِ جمعہ اور ماہِ رمضان میں فوت ہوں تو اس دن اور ایک مہینے تک عذاب موقوف رکھا جاتا ہے۔

جہاں تک رمضان کے مہینے میں فوت ہونے والے کے عذابِ قبر سے محفوظ ہونے

---

(۱) فتاوی شامی: ۳/ ۴۴ مطلب ما اختص به الجمعة

(۲) أهوال القبور وأحوال أهلها إلى النشور: ۱۰۵

(۳) التذكرة في احوال الموتى: ۱/ ۱۲۴ باب ما ينجي المؤمن من احوال القبر، دار الكتب العلميه

(۴) انیس الواعظین: ۲۵

کا معاملہ ہے،تو اس کا کسی حدیث میں صراحتاً ذکر نہیں ہے،البتہ ابونعیم اصبہانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد روایت کیا ہے کہ: جس کی موت رمضان مکمل ہونے کے وقت واقع ہوئی،تو وہ جنت میں داخل ہوگا،اور جس کی موت وقوفِ عرفہ مکمل ہونے کے وقت واقع ہوئی،تو وہ جنت میں داخل ہوگا،جس کی موت صدقہ مکمل کرنے کے وقت واقع ہوئی،تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔"من وافق موته عندانقضاء رمضان دخل الجنة، ومن وافق موته عندانقضاءعرفة دخل الجنة ،ومن وافق موته عندانقضاء صدقة دخل الجنة"(۱)

حکم:اولاً تو یہ حدیث غیر معمولی ضعیف ہے،اس کی سند میں ایک روای نصر بن حماد ہے، جس کو محدثین نے "كذاب ،متروک الحديث ،ليس بشيئ،ذاهب الحديث ،يهم في الاسناد" وغیرہ القاب سے نوازا ہے۔

ثانیاً:روایت میں رمضان کے اختتام کی شرط ہے،درمیانِ رمضان یا ابتدائے رمضان میں فوت ہونے والے کو یہ فضیلت حاصل نہ ہوگی۔

ثالثاً:روایت میں جنت میں داخلے کا ذکر ہے،موت کے بعد قبر میں عذاب ہونے،نہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے،تو کیسے عذابِ قبر و برزخ سے محفوظ ہونے پر اس روایت سے استدلال کیا جائے گا؟

دوسری روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہے کہ:"إن عذاب القبر يرفع عن الموتىٰ في شهر رمضان"(۲)

حکم:اس حدیث کی سند بھی نہایت ضعیف ہے،جس سے عذاب قبر کا مسئلہ(جو عقائد میں

---

(۱)حِلْيَةُ الأولياء:۵/۲۶،حدیث:۶۱۸۷،یہ روایت ضعیف ہے اس کی سند میں نصر بن حماد بن عجلان متروک ہے،امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ نے کہا:متروك الحديث "الجرح والتعديل لابن أبي حاتم:۸/۴۷۰"امام ابن معین رحمہ اللہ نے کہا: كذاب "الضعفاء الكبير للعقيلي":۴/۳۰۰۔

(۲)أهوال القبور وأحوال أهلها إلى النشور:۱۰۵

سے ہے) ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے۔

جہاں تک جمعہ کے دن وفات پانے پر عذابِ قبر سے حفاظت کا مسئلہ ہے تو اس سلسلے میں متعدد احادیث پائی جاتی ہیں؛ مگر بعض اہلِ علم حضرات نے ان احادیث کو سند کے اعتبار سے غیر معتبر قرار دیا ہے تو بعض حضرات نے مجموعی طور پر ان روایات کو حسن قرار دیا ہے(۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "ما من مسلم یموت یوم الجمعة او لیلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر"(۲)

اس کے علاوہ ابونعیم اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حلیة الاولیاء : ۳/ ۱۵۵ پر، ابویعلیٰ موصلیؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مسند ابی یعلی : ۷/ ۱۴۶، حدیث : ۴۱۱۳ میں، عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے مرسلاً اپنی کتاب مصنفِ عبدالرزاق، حدیث : ۵۵۹۵ میں، امام حصکفیؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مسندِ ابی حنیفہ، حدیث : ۶۶، کتاب الصلاۃ میں ذکر کیا ہے، مگر ہر روایت پر غیر معمولی کلام ہے، تفصیل کے لیے دیکھیں۔(۳)

---

(۱) جمعہ کے دن وفات پانے سے متعلق عذابِ قبر نہ ہونے کی بات متعدد احادیث سے ثابت ہے، وہ احادیث اگرچہ متکلم فیہ ہیں؛ لیکن تعددِ طرق کی وجہ سے فضائل میں انھیں قبول کیا جاسکتا ہے۔ قال رسول الله ﷺ : ما من مسلم یموت یوم الجمعة أو لیلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر۔ (سنن الترمذی أبواب الجنائز/ باب ما جاء فیمن یموت یوم الجمعة: ۱/ ۲۰۵، وقال : ہذا حدیث غریب ولیس اسناده بمتصل) یہ صورت قیامت تک یوں ہی برقرار رہے گی یا بعد میں کسی وقت عذاب ممکن ہے؟ اس بارے میں علماء کی آراء مختلف ہیں۔

(۲) سنن ترمذی، باب ما جاء فیمن مات یوم الجمعة، حدیث: ۱۰۷۴، اس کی سند کو امام ترمذی نے "غریب" اور "منقطع" قرار دیا ہے، اور بعض محدثین نے "منکر" قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال تحت رقم الترجمہ: ۹۲۲۴)

(۳) ماہِ رمضان کے فضائل واحکام: ۵۵۷ تا ۵۶۵، از: مفتی رضوان راولپنڈی

علاوہ ازیں ان تمام احادیث میں کہیں ذکر نہیں ہے کہ کس طرح کا عذاب موقوف رہے گا سخت عذاب موقوف رہے گا یا ہر طرح کا عذاب یا سوال وجواب موقوف رہیں گے، کب تک موقوف رہے گا کہ اسی جمعہ ورمضان یا ہر جمعہ وہر رمضان یا تاقیامت، کوئی صراحت احادیث میں نہیں ہے۔

چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یہ بات مخفی نہیں کہ عقائد میں اعتبار یقینی دلائل کا ہوتا ہے، اور احادیثِ احاد اگر ثابت ہوں تو وہ صرف ظنی درجے کی ہوتی ہیں، ان سے قطعیت کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور یقین کا عقیدہ ثابت نہیں ہوتا، مگر یہ کہ جب ان کی سندیں اتنی زیادہ ہوں کہ وہ تواترِ معنوی کے درجے میں آجائیں، تو پھر وہ قطعی بن جاتی ہیں، البتہ فی الجملہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں فوت ہو جائے تو اس سے عذاب کو اٹھالیا جاتا ہے مگر یہ بات کہ "قیامت تک اس کی طرف عذاب لوٹایا نہیں جائے گا"، مجھے اس کی اصل معلوم نہیں ہوسکی، اور اسی طرح جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں مطلقاً ہر گناہ گار سے عذاب کا رفع ہونا اور قیامت کے دن تک لوٹ کر نہ آنا، تو یہ بات قطعی طور پر باطل ہے۔ (کیونکہ یہ دعویٰ احادیثِ صحیحہ کثیرہ کی دلالت کے خلاف ہے)" فلا یخفی: أن المعتبر فی العقائد ھو الأدلۃ الیقینیۃ و أحادیث الاحاد لو ثبتت إنما تکون ظنیۃ اللھم إلا إذا تعدد طرقہ بحیث صار متواترا معنویا فحینئذ قد یکون قطعیا...الخ"(۱)

عذابِ قبر سے حفاظت کے چار اسباب ہیں

[۱] ذات کی عظمت کی وجہ سے عذابِ قبر سے محفوظ رکھا جاتا ہے، جیسے انبیاءؑ، شہداء، اور معصوم بچے، وغیرہ۔

[۲] عمل صالح کی وجہ سے مثلاً سورۂ ملک کی تلاوت کو معمول بنانے والے کو "ھی

(۱) شرح الفقہ الاکبر للملا علی قاری: ۱۰۱، قدیمی کتب خانہ کراچی

المنجية تنجيه من عذاب القبر"(۱)

[۳] زمانے کی عظمت کی وجہ سے، جیسے جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات مرنے والے کو "مامن مسلم يموت يوم الجمعة، أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر"(۲)

[۴] مکان کی عظمت کی وجہ سے، جیسے حدودِ حرمِ مکی اور حدودِ حرمِ مدنی کی سرزمین میں مرنے والے کو "من مات في أحد الحرمين بعث آمنا"(۳)

ان چار اسباب میں سے رمضان میں دو اسباب عموماً پائے جاتے ہیں، ایک زمانے کی عظمت، دوسرے عملِ صالح کے مواقع، چونکہ جنت کے دروازے کھل گئے، جہنم کے دروازے بند ہوگئے، برسوں کا پاپی بھی دیکھا دیکھی کارِ خیر میں حصہ لینے کی کوشش کرتا ہے، ظاہر ہے کہ عملِ صالح جنت میں داخلے کا سبب ہے، جنت کا داخلہ ملے مگر عالم برزخ کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد۔ "ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ"

نیز غور کرنے کی بات یہ ہے کہ انسان ان چار اسباب میں سے کس سبب پر قادر ہے؟ ہر عقل مند جانتا ہے کہ انسان عملِ صالح پر قادر ہے، رمضان، جمعہ اور حرمین میں مرنے پر قادر نہیں ہے کہ موت ہندوستان میں آرہی ہو یا ہفتے کے دن آرہی ہو تو اسے حرمین اور رمضان تک مؤخر کردے اور نہ ہی اپنی ذات کو معزز بنا کر نبی و شہید کے درجے تک پہنچا سکتا ہے، پس انسان کو چاہیے کہ جس پر وہ قادر ہے اس میں مشغول رہے، اللہ سے خیر کی امید رکھے، باقی معاملہ ربِ کریم کے کرم پر چھوڑ دے، اس کی رحمت نہ زمانے پر محدود ہے، نہ ہی مکان پر محدود ہے؛ مگر ظاہر ہے اس کا تعلق اللہ کی مشیت سے ہے اور عالم برزخ ہماری نظروں سے پردۂ غیب میں ہے، اور اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن بہت ہی ضروری ہے، مگر حسنِ ظن پر عقائد

---

(۱) فتاوی شامی: ۳/۴۴ مطلب ما اختص به الجمعة

(۲) سننِ ترمذی: کتاب الجنائز: ۱/۲۰۵

(۳) المعجم الاوسط للطبرانی: ۴/۲۵۰، حدیث: ۵۸۸۳

کی بنیاد نہیں رکھی جاتی۔(۱)

روزے کی حالت میں وفات کا ثواب

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا: جس کا روزے کی حالت میں انتقال ہوا، اللہ عزوجل اس کو قیامت تک کے روزوں کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ "عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من مات صائما أوجب الله له الصيام إلى يوم القيامة" (۲)

اسی طرح حدیث میں تین لوگوں کے لیے جنت کی بشارت سنائی گئی۔ (۱) جو شخص اخلاص کے ساتھ لا إِلٰهَ إِلا الله کہتا ہے اس کے لیے جنت واجب ہوجاتی ہے، (۲) جو شخص اللہ کے لیے روزہ رکھتا ہے اس کے لیے جنت واجب ہوجاتی ہے، (۳) جو شخص اللہ

---

(۱) فتاوی محمودیہ میں مفتی صاحب نے لکھا ہے: رمضان شریف میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ جو شخص رمضان شریف میں مرتا ہے، وہ بھی عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔ (فتاوی محمودیہ مبوّب: ۱/۶۳۰) اسی طرح مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاوی میں لکھا ہے: رمضان اور جمعہ کے دن فوت ہونے والے سے ہمیشہ کے لیے عذابِ قبر مرتفع ہوجاتا ہے۔ (احسن الفتاوی: ۴/۲۰۹) ہمارے اکابر کے علاوہ دیگر اہلِ علم حضرات نے بھی اسی طرح کی بات اپنے فتاوی میں لکھی ہے، لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ جب جہنم کے دروازے بند ہوں تو رمضان میں مرنے والے پر ہی سے عذاب کیوں موقوف ہو؛ بلکہ جو رمضان سے پہلے مرے ہیں ان کے لیے بھی جہنم کے دروازے بند ہیں تو انھیں بھی عذابِ قبر نہ ہونا چاہیے، نتیجہ یہ کہ ماہِ رمضان میں کسی کو عذاب نہ ہو، خواہ کبھی بھی انتقال ہوا ہو۔ احمد اللہ

(۲) الفردوس بماثور الخطاب: ۳/۵۰۴، حدیث: ۵۵۵۷، یہ روایت ضعیف ہے اس کی سند میں "عمرو بن حصین" ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "عمرو بن الحصین" کو متروک کہا ہے۔ عمرو بن الحصين العقيلي بضم أوله البصري ثم الجزري متروك "تقريب التهذيب لابن حجر: ۵۰۱۲"

کے لیے صدقہ دے اس کے لیے جنت واجب ہوجاتی ہے" مَنْ قَالَ لا إِلٰهَ إلا الله ابتِغَاءَ وَجْهِ الله خُتِمَ لَهُ بِهَا دَخَلَ الجنَّةَ، وَمَنْ صَامَ يَوْمًا ابتِغَاءَ وَجْهِ الله خُتِمَ لَهُ بِهَا دَخَلَ الجنَّةَ، وَمَنْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ ابتِغَاءَ وَجْهِ الله خُتِمَ لَهُ بِهَا دَخَلَ الجنَّةَ"(۱)

تنبیہ: حدیث ضعیف جب کہ درجۂ موضوع تک نہ پہنچی ہو فضائل میں حجت ہے،مسائل (حلال وحرام) میں حجت نہیں ہے،یحی ابن معینؒ،امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین کا قول ہے: جب ہمارے پاس کوئی حدیث حلال وحرام سے متعلق آتی ہے،تو ہم خوب سختی کرتے ہیں،اچھی طرح جانچ پڑتال کرتے ہیں،اور جب فضائل سے متعلق کوئی حدیث آتی ہے،تو ہم نرمی اختیار کرتے ہیں،خوب تحقیق نہیں کرتے۔"إذا جاءنا في الحلال والحرام تشددنا،وإذا جاءنا في الفضائل تسهلنا"(۲)

رمضان میں انتقال ہونے والا فتاوی کی روشنی میں

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کا فتوی ہے کہ"رمضان المبارک اور جمعہ کے دن انتقال کرنے والوں کے بارے میں روایات میں آتا ہے ان سے قبر کا عذاب ہٹادیا جاتا ہے، اب یہ عذاب صرف رمضان المبارک اور جمعہ کے دن ہٹایا جاتا ہے یا تاقیامت،تو اس کے بارے میں بعض علماء فرماتے ہیں: صرف ماہ رمضان المبارک اور جمعہ کے دن یہ عذاب اٹھادیا جاتا ہے،اور بعض فرماتے ہیں: تاقیامت ان سے قبر کا عذاب ہٹادیا جاتا ہے اور یہ قبر میں راحت وآرام کے ساتھ رہتے ہیں،زیادہ راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے حق میں یہ حکم عمومی ہے کہ اگر کسی مسلمان کا انتقال رمضان المبارک یا جمعہ کے دن ہوجائے تو تاقیامت عذابِ قبر ومنکر نکیر کے سوال سے محفوظ رہے گا،اور اللہ کی

---

(۱)رواه الإمام أحمد ۲۳۱۸۳ من حديث حذيفة رضي الله عنه

(۲)ملفوظاتِ فقیہ الامت:۱/ ۱۲ بحوالہ: تدریب الراوی

رحمت سے یہ بعید بھی نہیں کہ وہ حشر میں بھی اس سے حساب نہ لیں، جیسا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے: " فرمایا: رمضان میں اگر انتقال ہو تو ایک قول یہ ہے کہ قیامت کے دن حساب نہیں ہوتا۔ یہی جی کو لگتا ہے اور أنا عند ظن عبدي بي پر عمل کرے۔(۱) اور اگر کوئی غیر مسلم رمضان المبارک میں مرجائے تو صرف ماہِ مبارک کے احترام میں رمضان المبارک تک عذاب قبر سے محفوظ رہے گا، اور رمضان کے بعد پھر اسے عذاب ہوگا۔" قال أهل السنة والجماعة:عذاب القبر حق وسؤال منكر ونكير وضغطة القبر حق، لكن إن كان كافراً فعذابه يدوم إلى يوم القيامة ويرفع عنه يوم الجمعة وشهر رمضان، فيعذب اللحم متصلاً بالروح والروح متصلاً بالجسم فيتألم الروح مع الجسد، وإن كان خارجاً عنه، والمؤمن المطيع لا يعذب بل له ضغطة يجد هول ذلك وخوفه، والعاصي يعذب ويضغط لكن ينقطع عنه العذاب يوم الجمعة وليلتها، ثم لا يعود وإن مات يومها أو ليلتها يكون العذاب ساعةً واحدةً وضغطة القبر ثم يقطع، كذا في المعتقدات للشيخ أبي المعين النسفي الحنفي من حاشية الحنفي ملخصاً"۔

(۲) آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا فتوی ہے کہ" رمضان میں انتقال کرنے والے کے متعلق جنتی ہونے کی بشارت احقر کی نظر سے نہیں گذری؛ البتہ عذاب قبر نہ ہونے یا اٹھ جانے کی بشارت آئی ہے۔(۳) اور اللہ رب العزت کی رحمت بے کراں سے ماہ رمضان

---

(۱) ملفوظات حکیم الامت:۲۶/ ۴۰۴

(۲) (فتاوی شامی ۲:۱۶۵/، بحواله : دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر143909200282 :)

(۳) (شامی، ۴۴:۳، مطبوعہ : مکتبہ زکریا دیوبند اور احسن الفتاوی، ۲۰۸ :۴، مطبوعہ :ایچ ایم سعید کراچی)

جیسے عظیم الشان و بابرکت مہینہ میں اس طرح کی فضیلت کسی گنہگار کے حق میں کچھ مستبعد نہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی گنہگار کے حق میں اس کے گناہ کی شدت رمضان کی اس فضیلت سے مانع ہو۔واللہ تعالیٰ اعلم۔(۱) دوسرے فتوے میں ہے کہ" اگر کسی فاسق مسلمان کی موت رمضان المبارک یا جمعہ میں ہوجائے تو اس کو ہلکا عذاب ہوگا اس کے بعد قیامت تک مرتفع ہوجاتا ہے اور وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا، اور اگر کسی کافر کی موت ان ایام میں ہوجائے تو اس سے صرف رمضان المبارک اور جمعہ میں عذاب مرتفع ہوگا، رمضان و جمعہ گزرنے کے بعد پھر اس پر عذاب ہوگا اور اگلا رمضان و جمعہ آنے پر پھر اس سے عذاب اٹھالیا جائے گا، اور یہی سلسلہ جاری رہے گا، یہی تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے، چنانچہ رد المحتار میں ہے۔"قال أهل السنة عذاب القبر حق وسؤال نكير ومنكر حق وضغطة القبر حق لكن إن كان كافرا فعذابه يدوم إلى يوم القيامة ويرفع عنه يوم الجمعة وشهر رمضان والعاصي يعذب ويضغط لكن ينقطع عنه العذاب يوم الجمعة وليلتها ثم لا يعود، وإن مات يومها أو ليلتها يكون العذاب ساعة واحدة وضغطه القبر ثم يقطع"(۲)

مفتی سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ" رمضان المبارک میں انتقال کرنے والے شخص سے قبر کا عذاب ہٹائے جانے کا ثبوت بعض ضعیف روایات سے معلوم ہوتا ہے؛ لیکن ان میں تا قیامت کی قید نہیں ہے، انہی کو بنیاد بنا کر مذکورہ کتابوں میں رمضان المبارک میں وفات پانے والوں کے متعلق مذکورہ بات لکھی گئی ہے؛... آگے لکھتے ہیں کہ" متعدد طرق سے یہ حدیث مروی ہے کہ پیغمبر ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ : "جو شخص جمعہ کے دن یا اس کی رات میں انتقال کر جائے وہ قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھا جاتا ہے" اور قبر کے فتنہ میں بظاہر سوال وجواب اور عذاب دونوں شامل ہیں، یعنی ایسا شخص دونوں

---

(۱)(دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر:153699)
(۲)(ردالمحتار: ۳/ ۴۴، مکتبہ زکریا دیوبند، جواب نمبر:54438)

باتوں سے بچا رہتا ہے، اب یہ صورت قیامت تک یونہی برقرار رہے گی یا بعد میں کسی وقت عذاب ممکن ہے؟ اس بارے میں علماء کی آراء مختلف ہیں: حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نوادر الاصول میں لکھا ہے کہ" تکوینی طور پر کسی شخص کی موت کا جمعہ کے دن یا رات کے موافق ہو جانا اس کی سعادت مندی کی دلیل ہے، اور یہ سعادت صرف اسی کو حاصل ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے فتنۂ قبر سے محفوظ رکھا جانا منظور ہوتا ہے، جس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ تاقیامت اس سے محفوظ رہے۔ بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ بعض روایات میں جمعہ کے دن وفات پانے والے کو درجہ شہادت کا مستحق بھی قرار دیا گیا ہے۔ اور شہید کا عذابِ قبر سے محفوظ رہنا طے شدہ امر ہے"۔

اس کے برخلاف ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح فقہ اکبر میں اس موضوع پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ: "اس مسئلہ کا تعلق چونکہ عقائد سے ہے؛ لہٰذا اس کے بارے میں جب تک کوئی مضبوط روایت یا نص قطعی نہ ہو کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی"۔ تاہم علماء کے اس اختلاف کے باوجود اگر کوئی شخص جمعہ کے دن وفات سے متعلق فضیلت کی حدیث کو عمومی معنی میں رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھے تو اس میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا۔

قال الحکیم الترمذي في نوادر الأصول :ومن مات یوم الجمعة فقد انکشف له الغطاء عما له عند اللّٰہ؛ لأن یوم الجمعة لا تسجر فیه جهنم وتغلق أبوابها، ولا یعمل سلطان النار فیه ما یعمل سائر الأیام، فإذا قبض اللّٰہ عبداً من عبیده فوافق قبضه یوم الجمعة کان ذلک دلیلا لسعادته وحسن مآبه، وإنه لا یقبض في هذا الیوم إلا من کتب له السعادة عنده فلذلک یقیه فتنة القبر۔(۱)

(۱) (شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ والقبور للسیوطی ۲۰۹ مکتبة دار التراث المدنیة المنورة، مرقاة المفاتیح للملا علی القاري ۲/۲۴۲)

وقال الملا علي قاري عليه السلام: فلا يخفى أن المعتبر في العقائد هو الأدلة اليقينية وأحاديث الأحاد لو ثبت إنما تكون ظنية، نعم ثبت في الجملة أن من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة يرفع العذاب عنه إلا أن لا يعود إليه إلى يوم القيامة فلا أعرف له أصلا الخ۔(۱)

روزہ رکھو اور صحت پاؤ

روزہ رکھو صحت مند رہو گے۔ ”صوموا تصحوا“(۲)

حکم: معنی کے اعتبار سے صحیح بات ہے کہ روزے سے انسان کو صحت ملتی ہے، مگر سند کے اعتبار سے ضعیف ہے بل کہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے موضوع کہا ہے۔ ”وهو من حيث المعنى صحيح، “إلا أنه حديث ضعيف،ضعفه العراقي ، والمناوي، والعقيلي، والألباني.وقال عنه الصاغاني والفتني و الشوكاني حديث موضوع“(۳)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث کی تحقیق

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعبان کے آخری روز ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”لوگو! تم پر عظیم الشان مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے، یہ بابرکت مہینہ ہے، اس میں ایک ایسی رات ہے جو ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اللہ سبحانہ وتعالی نے اس کے روزے فرض کیے ہیں، اور اس مہینے کی راتوں کا قیام نفلی ہے، جس نے بھی اس مہینے میں کوئی خیر وبھلائی کا کام سر انجام دے کر قرب حاصل کیا تو وہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نے اس مہینے کے علاوہ میں کوئی فرض ادا کیا، اور جس نے اس مہینے میں کوئی فرض سر انجام دیا تو وہ

---

(۱)(شرح الفقه الأكبر للملا علي قاري ۱۷۳:، بحواله: كتاب النوازل ۱:۲۰۲/)

(۲) طبرانی، حدیث: ۸۳۱۲۔

(۳) تحذير الخلان من رواية الاحاديث حول رمضان ۱۷۸:، دار ابن حزم، بيروت

ایسے ہی ہے جیسے کسی نے اس مہینے کے علاوہ میں ستر فرض ادا کیے، یہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا ثواب جنت ہے، یہ خیر خواہی کا مہینہ ہے، اس ماہِ مبارک میں مومن کا رزق زیادہ ہو جاتا ہے، اور جس کسی نے بھی اس مہینے میں روزے دار کا روزہ افطار کرایا اس کے گناہ معاف کر دئیے جاتے ہیں، اور اس کی گردن جہنم سے آزاد کر دی جاتی ہے، اور اسے بھی اتنا ہی اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے جتنا کہ روزے دار کو حاصل ہوتا ہے اور کسی کے ثواب میں کمی نہیں ہوتی۔ صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا: ہم میں سے ہر ایک کے پاس تو روزہ افطار کرانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا، تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ یہ اجر و ثواب ہر اس شخص کو دیتا ہے جس نے بھی کسی کا روزہ کھجور یا پانی کے گھونٹ یا دودھ کے ساتھ افطار کرایا، اس ماہ کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، اور درمیانی حصہ بخشش اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا باعث ہے، جس کسی نے بھی اپنی لونڈی اور غلام سے کام میں تخفیف کی اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے اور اسے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے، اس ماہِ مبارک میں چار کام زیادہ سے زیادہ کیا کرو: دو خصلتوں کے ساتھ تو تم اپنے پروردگار کو راضی کرو گے، اور دو خصلتیں ایسی ہیں جن سے تم مستغنی نہیں ہو سکتے: جن دو خصلتوں سے تم اپنے پروردگار کو راضی کر سکتے ہو وہ یہ ہیں: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں، اور اس سے بخشش طلب کرنا، اور جن دو خصلتوں کے بغیر تمہیں کوئی چھٹکارا نہیں: جنت کا سوال کرنا، اور جہنم سے پناہ مانگنا، جس نے بھی اس ماہِ مبارک میں کسی روزے دار کو پیٹ بھر کر کھلایا اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے میرے حوض کا پانی پلائے گا، وہ جنت میں داخل ہونے تک پیاس محسوس نہیں کرے گا''۔ "أيها الناس قد أظلكم شهر عظيم، شهر مبارك، شهر فيه ليلة خير من ألف شهر، جعل الله صيامه فريضة، وقيام ليله تطوعا، من تقرب فيه بخصلة من الخير، كان كمن أدى فريضة فيما سواه، ومن أدى فيه فريضة كان كمن أدى سبعين فريضة فيما سواه..... الخ"(۱)

---

(۱) صحیح ابن خزیمۃ، حدیث: ۱۸۸۷

حکم: یہ حدیث ضعیف درجے کی ہے ۔(۱)

اس روایت میں ''علی بن زید جدعان'' روای کے متعلق محدثین کے اقوال کافی حد تک مختلف ہیں، اکثر محدثین نے ان پر ضعف کا حکم لگایا ہے جیسے امام احمدؒ، ابن معینؒ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ اور جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ، ابن سعدؒ کا کہنا ہے کہ ''فیه ضعف ولا یحتج به'' یہ ضعیف ہے اسے حجت نہیں بنایا جاسکتا۔(۲) اور بعض محدثین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ میں روایت کرنے کے بعد یہ کہا کہ ''ان صح الخبر'' کہ اگر یہ خبر صحیح ہو، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کو بالجزم بیان نہیں کیا، مگر بعد میں بعض کتابوں میں ''ان صح الخبر'' کی جگہ صرف ''صح الخبر'' ہوگیا۔(۳)

جبکہ ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ''منکر'' کا حکم لگایا ہے، اور علامہ عینیؒ نے ''عمدۃ القاری'' میں بھی یہی حکم لگایا ہے۔(۴)

تقریباً محدثین نے حضرت سعید ابن المسیبؒ بروایت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے، جبکہ سعید المسیبؒ کی سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے، اس لحاظ سے یہ روایت منقطع ہوئی ہے۔

---

(۱) امام نسائی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے، امام احمدؒ نے اسے ''لیس بشیٔ''، امام ابو زرعۃؒ نے اسے ''لیس بقوی'' کہا ہے۔ (العلل لابن ابی حاتم: ۱/۲۵۱، الکامل لابن عدی: ۶/۳۳۳، تقریب التہذیب: ۲/۴۳، الجرح والتعدیل: ۶/۲۴۹) ☆ امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے کہا: ''یہ حدیث منکر ہے۔'' (العلل لابن ابی حاتم: ۱/۲۴۹) ☆ علامہ عینیؒ نے اس پر ''منکر'' کا حکم لگایا ہے (عمدۃ القاری: ۹/۲۰) ☆ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''منکر'' کہا ہے (سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ: ۸۷۱) ☆ شیخ ابو اسحاق الحوینی مصری حفظہ اللہ نے کہا: ''یہ حدیث باطل ہے۔'' (النافلۃ فی الاحادیث الضعیفہ والباطلۃ: ۱/۲۹۱)

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۵/۲۰۷

(۳) (صحیح ابن خزیمہ: ۳/۱۹۱، حدیث نمبر: ۱۸۸۷)

(۴) (عمدۃ القاری: ۹/۲۰)

اس کی سب متابعات بھی ضعیف ہیں جس پر محدثین نے ضعف یا منکر کا حکم لگایا ہے، کیونکہ حدیث کی دوسری سند میں جو بھی راوی ہیں ضعیف یا شدید ضعیف ہیں، اور بعض راوی مجہول ہیں، جیسے ''یوسف بن زیاد'' محدثین کے نزدیک شدید ضعیف ہیں، محدثین کے سخت ترین کلمات میں سے ''منکر'' کا لفظ ہے، جو ابن ابی حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ اور البانی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے متعلق کہے ہیں، ان حضرات کے علاوہ محدثین نے اس روایت کے متعلق ضعف کا قول تو کہا ہے، لیکن اس روایت کو من گھڑت اور موضوع کسی نے بھی قرار نہیں دیا ہے۔

مذکورہ روایت کا تعلق فضائل کے باب سے ہے اور فضائل میں اس قسم کی روایت پر عمل کرنا درست ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''مذکورہ روایت ضعیف ہے، فضائل اعمال میں بالاتفاق عمل درست ہے، مواعظ وغیرہ میں تو بیان کرنے میں حرج نہیں ہے۔''أن الحديث ضعيف، وهو يعمل به في فضائل الأعمال اتفاقا، ففي المواعظ ينبغي أن يكون بالأولى''[۱]

لہٰذا اختلاف اقوال کی وجہ سے محدثین کے اصول کے مطابق بالکل ساقط الاعتبار نہیں کہا جاسکتا، اس پر من گھڑت کا حکم لگانا اور اس کو بالکل باطل روایت قرار دینا درست نہیں ہے، البتہ روایت سند کے لحاظ سے ضعیف ضرور ہے، لیکن حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس حدیث کو جس انداز میں ذکر کیا جاتا ہے، اور حدیث میں مذکور مضامین پر جس پختگی کے ساتھ عقیدہ رکھا جاتا ہے اور جس وثوق کے ساتھ اس سے مستنبط مضامین ومسائل کو بیان کیا جاتا ہے قابل احتراز عمل ہے، ضعیف حدیث کو اسی درجہ پر رکھ کر بیان کیا جائے گا، مگر فی زمانناعوام وخواص کے نزدیک یہ حدیث متواتر درجہ حاصل کر چکی ہے، جو اصول محدثین کے بالکل خلاف ہے۔

البتہ بعض مضامین جیسے روزے دار کو افطار کرانے کی فضیلت، غلام ونوکر سے بوجھ ہلکا کرنے کی فضیلت اور اس مہینے کا صبر وہمدردی کا مہینہ ہونا معنیً بھی صحیح ہے، اور دیگر

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح۔

روایات بھی اس کی مؤید ہیں۔

جنت کو پورا سال سجایا جانا

جنت کو رمضان کے لیے پورا سال مزین کیا جاتا ہے، فرمایا: جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش کے نیچے جنت کے پتوں سے ہوا چلتی ہوئی حورِعین تک پہنچتی ہے تو وہ کہتی ہیں: اے رب! اپنے بندوں میں سے ہمارے شوہر بنا دے، ہم ان سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں اور وہ ہم سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔ "إِنَّ الجنّةَ تُزَخرَفُ لِرَمَضَانَ مِنْ رَأْسِ الحوْلِ إِلَى حَوْلٍ قَابِلٍ قَالَ: فَإِذَا كَانَ أَوَّلُ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ هَبَّتْ رِيحٌ تحتَ الْعَرْشِ مِنْ وَرَقِ الجنَّةِ عَلَى الحورِ الْعِينِ فَيَقُلْنَ: يَا رَبِّ اجْعَلْ لَنَا مِنْ عِبَادِكَ أَزْوَاجًا تَقَرُّ بِهِمْ أَعْيُنُنَا وَتَقَرُّ أَعْيُنُهُمْ بِنَا" (۱)

حکم: یہ روایت ضعیف ہے۔(۲) لیکن دیگر احادیث سے تائید ہوتی ہے، اس لیے رمضان کی فضیلت میں اس حدیث کو بیان کرنا درست ہے، علامہ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس مبارک مہینے میں جس کثرت سے بندوں کو بخشا جاتا اور ان کے درجات کو بلند کیا جاتا ہے وہ نہ رمضان سے پہلے ہوتا ہے اور نہ ہی بعد، اسی وجہ سے رمضان کی آمد کے انتظار میں سارا ہی سال جنّت کو سجایا جاتا ہے، اسے بخُور کی دھونی دی جاتی ہے یا سونے سے سجایا جاتا ہے، حقیقی علم اللہ پاک ہی کو ہے، جنّت خود سجی سجائی ہوتی ہے، مزید پورا سال سجائی جائے اور سجانے والے بھی فرشتے ہوں تو کیسی سجائی جاتی ہوگی! اس کی سجاوٹ ہمارے وہم وگمان

(۱) شعب الایمان للبیہقی، حدیث: ۳۶۳۳

(۲) امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کو روایت کرنے میں عبدالرحمن بن ثابت بن ثوبان، عمرو بن دینار سے متفرد ہیں اور ابن ثوبان سے روایت لینے میں ولید بن ولید متفرد ہے اور وہ منکر الحدیث ہے، حافظ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے حجت لینا جائز نہیں۔ (العلل المتناہیۃ، کتاب الصیام: ۸۸۱، تحذیر الخلان من روایۃ الاحادیث حول رمضان: ۱۲۲، دار ابن حزم، بیروت)

سے بالاتر ہے۔(۱)

نفل فرض کے برابر اور فرض ستر فرض کے برابر

اس مہینے میں جو نفل عبادت کرے اسے فرض کے برابر اور جو فرض ادا کرے اسے ستر فرضوں کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ " ومَن تقرّب فيهِ بخَصلةٍ منَ الخير كانَ كمَن أدّى فريضةً فيما سِواهُ، ومَن أدّى فريضةً كانَ كمَن أدّى سبعينَ فريضةً فيما سِواهُ"

حکم: یہ حدیث سنداً ''ضعیف'' ہے،ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "تلخیصِ حبیر" میں ضعیف کہا ہے۔(۲)

البتہ یہ بات دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ رمضان المبارک کی عظمت کی وجہ سے رمضان المبارک میں عمل کا اجر بڑھا کر دیا جاتا ہے، بالکل اسی طرح ماہ رمضان میں نافرمانی کی سنگینی دیگر ایام کی نافرمانیوں سے زیادہ ہوتی ہے،ہر مسلمان یہ ماہِ مبارک کو غنیمت سمجھے،تاہم برائی رمضان میں کی جائے یا غیر رمضان میں اس کے اندر اضافہ نہیں کیا جاتا گناہ ایک ہی رہتا ہے،جبکہ نیکی کا ثواب دس گنا سے بڑھا کر کئی گنا کر دیا جاتا ہے،حاصل یہ کہ رمضان اور غیر رمضان میں نیکیوں کا اضافہ مقدار اور معیار دونوں سے متعلق ہے،مقدار میں اس طور پر کہ نیکی کی تعداد دس گنا سے بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے،اور معیار میں اس طور پر کہ نیکی کا ثواب بڑھ جاتا ہے، جبکہ نافرمانیوں میں اضافہ صرف معیار کے اعتبار سے بڑھتا ہے،یعنی نافرمانی کی سزا اور اس کی سنگینی بڑھ جاتی ہے۔

یہ بات یقینی ہے کہ حج کا ثواب عمرے کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے؛ حج اسلام کا رکن ہے،مگر

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح،: ۴/۴۵۸، تحت الحدیث: ۱۹۶۷

(۲) "وهذا الحديث قال عنه الإمام ابن حجر العسقلاني في التلخيص الحبير : حديث ضعيف"

رمضان میں عمرہ کرنے کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''رمضان میں ایک عمرہ حج کے برابر ہے یا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے''۔(۱)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حج کے برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس عمرے کا ثواب حج کے برابر ہے''(۲) معلوم ہوا کہ عمرہ جو کہ نفل ہے رمضان میں حج کے برابر ثواب رکھتا ہے، اگر چہ وہ حج نفل ہی ہو۔

سلف صالحین سے رمضان میں ثواب سے متعلق آثار منقول ہیں، انہیں حدیث کے درجہ میں بیان نہ کیا جائے بلکہ انہیں اسلاف کی طرف منسوب کر کے بیان کیا جائے، چنانچہ سیدنا ابو بکر بن ابو مریم رحمۃ اللہ علیہ اپنے اساتذہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں وہ کہا کرتے تھے کہ ''جب ماہ رمضان شروع ہو جائے تو گھر میں کھلا خرچہ کیا کرو؛ کیونکہ اس ماہ میں خرچہ کرنا فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے برابر ہے، اور اس ماہ میں کی ہوئی تسبیح دیگر مہینوں کی ہوئی تسبیحوں سے ہزار گنا بہتر ہیں''

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رمضان کے ایک دن کا روزہ دیگر ایام کے ہزار دنوں سے بھی بہتر ہے، اسی طرح رمضان میں ایک تسبیح یا ایک رکعت ہزار تسبیحوں اور رکعتوں سے بہتر ہے۔''عن إبراهيم النخعي علیہ الرحمۃ قال: صوم يوم من رمضان أفضل من ألف يوم، وتسبيحة في رمضان أفضل من ألف تسبيحة، وركعة في رمضان أفضل من ألف ركعة''(۳)

ابن ابی دنیا ؒ نے ''فضائل رمضان میں نقل کیا ہے کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''رمضان میں ایک بار تسبیح کرنا دیگر ایام میں ہزار بار تسبیح کرنے سے بھی افضل ہے''۔(۴)

---

(۱) صحیح بخاری، حدیث: ۱۸۶۳، صحیح مسلم، حدیث: ۱۲۵۶

(۲) مرقاۃ المفاتیح: ۱۷۴۲/۵

(۳) لطائف المعارف، ابن رجب حنبلیؒ: ۱۵۱

(۴) فضائل رمضان: ۵۱

البتہ احتیاطاً وثوق کے درجہ میں یہ بات کہ [۱] ’’جس نے بھی اس مہینے میں نیکی کی وہ ایسے ہے جس طرح عام دونوں میں فریضہ ادا کیا‘‘ بیان نہ کرے، کیونکہ صحیح روایات سے اس کی کوئی دلیل نہیں، بل کہ نفل تو نفل ہی رہتا ہے اور فرض فرض ہی ہے، چاہے رمضان ہو یا رمضان کے علاوہ کوئی اور مہینہ۔

[۲] ’’جس نے رمضان میں فرض ادا کیا گویا کہ اس نے رمضان کے علاوہ میں ستر فرض ادا کیے‘‘۔ کیونکہ یہ تحدید شرعاً کسی بھی عمل میں مراد ہے ہی نہیں، عربی میں ستر کے عدد سے کثرت مراد ہے، نیز رمضان اور غیر رمضان میں نیکی دس سے لیکر سات سو تک ہے بلکہ اس سے زیادہ بھی بڑھادی جاتی ہے، اور روزے کا اجر تو بہت زیادہ، جس میں مقدار کی تحدید نہیں کی گئی جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے کہ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: روزے کے علاوہ ہر عمل ابن آدم کے لیے ہے، اس لیے کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔ ’’كل عمل بن آدم له إلا الصيام؛ فإنه لي وأنا أجزي به‘‘ (۱)

علامہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس رات کی فضیلت ہزار مہینے سے بھی بہتر ہے، چنانچہ اس رات میں کیا جانے والا عمل اس رات سے خالی ہزار مہینوں سے بھی افضل ہے، یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس کے بارے میں عقل دنگ اور حیران ہو جاتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے اس ضعیف امت کو ایسی طاقت وقوت سے نوازا ہے کہ ایک رات ایسی عنایت فرمادی جو کہ ہزار مہینوں کی عبادت سے بھی افضل ہو اور یہ ہزار ماہ اسی سال سے بھی زیادہ بنتے ہوں‘‘۔ (۲)

چونکہ ایک فرض کو ستر فرض تک ہی محدود کر دینے سے ایک ضعیف روایت کا صحیح

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب هل يقول إني صائم إذا شتم، حدیث: ۱۸۰۵

(۲) تفسیر سعدی: ۹۳۱ مستفاد: الاسلام سوال وجواب

حدیث سے تعارض لازم آتا ہے(۱) محدثین کا اصول ہے کہ ضعیف روایت جب صحیح روایت کے مقابل ہو تو قابل ترک ہو جاتی ہے، اور نفل کو فرض کے برابر قرار دیے جانے کی بات صرف اسی روایت میں ہے جس کا درجہ معلوم ہو چکا، اس کی کوئی مؤید روایت بھی نہیں ہے۔

آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا فتوی ہے کہ ''رمضان میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور ایک فرض کا ۷۰/ فرض کے برابر جو ہو جاتا ہے، یہ محض ثواب اور فضیلت کی چیز ہے، ایسا نہیں ہے کہ نفل سے فرض اور ایک فرض سے ۷۰/ فرض ادا ہوتے ہیں؛ کیوں کہ ثواب اور فضیلت کی مقدار بڑھنے سے عمل کی مقدار نہیں بڑھتی؛ لہٰذا رمضان میں ایک فرض قضا نماز ادا کرنے سے غیر رمضان کی ۷۰/ فرض قضا نمازیں ادا نہیں ہوں گی، صرف ایک فرض قضا نماز ادا ہو گی''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(۲)

تاہم رمضان میں نیکیوں کے اجر وثواب کے اضافے سے متعلق شریعت میں حد بندی اور تفصیل صراحتاً منقول نہیں ہے، اس بحث میں پڑنے یا غیر ثابت کو ثابت کے درجہ میں بیان کرنے کے بجائے ہر مسلمان رمضان المبارک میں نیک اعمال کیلیے خوب محنت کرے اور یہی اپنے بس میں ہے۔

رمضان کے تین حصے

اس مہینے کا اول حصہ رحمت ہے، درمیانی مغفرت ہے اور آخری حصہ جہنم سے خلاصی کا ہے۔ ''أول شهر رمضان رحمة، وأوسطه مغفرة، وآخره عتق من النار''(۳)

---

(۱) فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ'' (الصحيح البخاري، كتاب :الرقاق، باب :من همّ بحسنة أو بسيّئة، حديث:٦١٢٦)

(۲) (دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر :171158)

(۳) فضائلِ رمضان لابن ابی الدنیا: ۶۵، تاریخ کبیر: ۱۱/ ۱۴۷

حکم : مذکورہ حدیث محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک ضعیف ہے،بعض علماء نے منکر کہا ہے،البتہ تیسری ہجری کے بعض محدثین نے فضائل پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس حدیث کو تسلیم کیا اور اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے،یاد رہے کہ اس روایت کو من گھڑت قرار دینا فن حدیث سے بغض کی نشانی ہے،کیونکہ علماء محدثین کے سخت ترین کلمات میں سے "منکر" کا لفظ ہے جو ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ اور البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے متعلق کہا ہے،ان دونوں حضرات کے علاوہ محدثین نے اس روایت اور اس روایت کے راوی علی بن زید بن جدعان کے متعلق ضعف کا قول تو کہا ہے لیکن اس روایت کو من گھڑت کسی نے بھی قرار نہیں دیا اور نہ ہی کسی محدث نے اس راوی کو "متهم بالكذب" قرار دیا ہے،لہذا اس حدیث کو ضعیف کہنا تو بجا ہوگا لیکن "من گھڑت" کہنا بہت بڑی غلطی ہے۔

جہاں تک رمضان کے مبارک مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کے نازل ہونے، بندوں کے گناہوں کی مغفرت اور جہنم سے چھٹکارے کا تعلق ہے،تو یہ تینوں فضیلتیں احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں،جس پر پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے،ماہ رمضان کا ایک ایک لمحہ ان تینوں فضیلتوں کو شامل ہونے کے ساتھ کیا رمضان کے تین عشروں میں سے ہر عشرہ کی خصوصی اہمیت وفضیلت بھی ہے۔

مذکورہ بالا حدیث عصر حاضر کے کسی عالم دین نے اپنی طرف سے تحریر نہیں کردی ہے کہ اس پر سخت الفاظ استعمال کر کے فتوے لگائے جائیں،بلکہ متعدد محدثین وفقہاء وعلماء نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

امام ابن خزیمہ نیسا پوری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ میں،ابوبکر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ابن ابی الدنیا اپنی مشہور کتاب "فضائل رمضان میں،مشہور محدث امام بیہقیؒ نے حدیث کی مشہور کتاب "شعب الایمان" اور "فضائل اوقات" میں، امام اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ قوام السنہ نے اپنی مشہور کتاب "کتاب الترغیب والترہیب" میں،امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ محی السنہ نے اپنی مشہور تفسیر قرآن "معالم التنزیل ۱/ ۲۰۲" میں ذکر کی ہے،ان کے علاوہ بھی بڑے محدثین نے فضائل

پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس حدیث کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث دیگر کتابوں میں بھی مذکور ہے۔

نوٹ: رمضان کے متعلق یہ تینوں فضیلتیں (اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کا نازل ہونا، بندوں کے گناہوں کی مغفرت کا ہونا اور بندوں کا جہنم سے آزاد کیا جانا) متعدد صحیح احادیث میں مذکور ہیں، البتہ ہر عشرہ کی خصوصی فضیلت کے متعلق اختلاف ہے، لہٰذا ہمیں مذکورہ بالا حدیث کو ذکر کرنے سے احتیاط کے ساتھ کام لینا چاہیے، اگر علماء نے ذکر کیا ہے تو بہت زیادہ شدت سے تردید نہ کی جائے، ایسے ایسے محدثین نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ ان کی علمی خدمات سے ہزاروں سال گزرنے کے بعد بھی امت مسلمہ کے تمام مکاتب فکر استفادہ کر رہے ہیں، ہر عشرہ کی خصوصی فضیلت جس کا اس حدیث میں ذکر ہوا ہے، سے کوئی شخص اختلاف تو کرسکتا ہے لیکن اس روایت کے ذکر کرنے والے پر سخت الفاظ استعمال کرنا کہاں جائز ہے؟ اگر کوئی اس روایت کو صحیح نہ سمجھتا ہو تو اپنے بیانات اور کتابوں میں ذکر نہ کرے، لیکن اپنی رائے کو آخری فیصلہ سمجھ کر دوسروں پر تھوپنا صحیح نہیں ہے۔(۱)

ہر عشرے کی مستقل دعا

بعض حضرات نے لوگوں کی سہولت کے لئے ہر عشرہ کی الگ الگ دعائیں بھی تحریر کردی ہیں، لیکن طواف اور سعی کے ہر چکر کی طرح رمضان کے ہر عشرہ کی خصوصی دعا یا رمضان کے ہر روزہ کی خاص دعا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، بلکہ ہر شخص جو چاہے اور جس زبان میں چاہے دعائیں مانگے، یاد رکھیں کہ اصل دعا وہ ہے جو دھیان، توجہ اور انکساری سے مانگی جائے چاہے جس زبان میں ہو۔

حرمین میں رمضان کی فضیلت

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ماہ رمضان کے

(۱) (قندیل، از ڈاکٹر نجیب قاسمی، تنبیہات، مفتی عبد الباقی اخونزادہ، سلسلہ نمبر: ۱۱۸)

روزے مدینے میں رکھنے کا ثواب دیگر شہروں میں رکھنے سے ایک ہزار گنا بہتر ہے، اور نمازِ جمعہ مدینہ منورہ میں ادا کرنا دیگر جگہوں میں ادا کرنے سے ہزار گنا بہتر ہے۔

امام بیہقی اس کو روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں: ''اس کی سند سرے سے ضعیف ہے'' (۱) امام طبرانی نے اسے ''الکبیر''، حدیث: ۱۱۴۴ میں بلال بن حارث سے روایت کیا ہے، اور اس کے بارے میں امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ باطل ہے۔'' (۲)

اور ابنِ جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ''العلل المتناهية'' میں قاسم بن عبد اللہ عن کثیر بن عبد اللہ بن عمرو بن عوف عن نافع عن ابن عمرؓ'' کی سند سے مرفوعاً بیان کیا ہے، جب کہ قاسم بن عبد اللہؒ کو امام احمدؒ اور ابنِ معینؒ نے ''کذاب'' قرار دیا ہے۔ (۳)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں کہتے ہیں: ''جھوٹے سرغنوں میں سے ایک ہے'' (۴)

مدینہ منورہ میں رمضان کے روزے رکھنا دیگر علاقوں میں ستر ماہ رمضان کے روزے رکھنے سے بہتر ہے'' اس حدیث کو شیخ عطیہ سالم رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرح الأربعين للنووي'' میں نقل کرتے ہوئے کہا: ایک ضعیف روایت جو کہ ''اعذب الموارد'' میں موجود ہے، پھر انھوں نے اسے ذکر کیا ہے۔ (۵)

سنن ابنِ ماجہ میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو مکے میں ماہِ رمضان پائے اور وہیں پر روزے رکھے اور جتنا اس سے ہو سکے رات کو قیام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے مکے کے علاوہ دیگر شہروں کے ایک لاکھ رمضانوں کا ثواب

---

(۱) شعب الایمان للبیہقی، حدیث: ۳۸۵۲

(۲) میزان الاعتدال: ۲/ ۳۷۴

(۳) میزان الاعتدال: ۳/ ۳۷۱

(۴) میزان الاعتدال: ۳/ ۴۰۷

(۵) شرح الاربعین النوویہ: ۵/ ۷۹

لکھ دیتا ہے اور اللہ تعالی اس کے لیے ہر دن کے بدلے میں ایک غلام آزاد کرنے کا اور ہر دن کے بدلے اللہ کے راستے میں گھوڑے پر (مجاہد کو) سوار کرنے کا ثواب لکھ دیتا ہے، اور ہر روز ایک نیکی اور ہر رات ایک نیکی لکھ دیتا ہے"۔ "من أدرك شهر رمضان بمكة فصامه وقام منه ما تيسر كتب الله له مائة ألف شهر رمضان فيما سواه وكتب له بكل يوم عتق رقبة وبكل ليلة عتق رقبة وكل يوم حملان فرس في سبيل الله وفي كل يوم حسنة وفي كل ليلة حسنة" (۱)

حکم: یہ حدیث منکر ہے۔ (۲)

کسی جگہ اور وقت کی فضیلت کے باعث وہاں کی گئی نیکی یا بدی میں بھی اضافہ ہوتا ہے، نیز نیکیوں میں ہونے والا اضافہ مقدار اور معیار دونوں انداز سے ہوتا ہے جب کہ بدی میں ہونے والا اضافہ صرف معیار یعنی کیفیت میں ہوتا ہے۔

اس لیے مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ میں روزے رکھنے کا مقام و مرتبہ دیگر جگہوں پر روزے رکھنے سے زیادہ ہے؛ کیونکہ یہ دونوں جگہیں معزز ترین ہیں۔

لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان جگہوں میں روزہ رکھنا دیگر جگہوں میں روزہ رکھنے سے ستر، یا ہزار یا اس سے کم و بیش گنا زیادہ ہے؛ کیونکہ کسی جگہ پر ثواب کے کم یا زیادہ ہونے کی حد بندی کرنے کے لیے صحیح حدیث کا ہونا ضروری ہے۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"ایسے شرعی دلائل موجود ہیں جن میں کسی زمان یا مکان میں کیے ہوئے اعمال کی فضیلت زیادہ ہو جانے کا بیان ہے، زمان کی مثال: رمضان المبارک اور عشرہ ذو الحجہ ہے،

---

(۱) سنن ابن ماجہ، حدیث: ۳۱۱۷

۲) اس روایت کا مدار عبد الرحیم بن زید حواری پر ہے، اس کے متعلق یحی ابن معین، امام بخاری، ابن عدی، امام نسائی، ابن حجر، وغیرہم رحمہم اللہ نے "منکر، متروک، واہ، لیس بثقۃ" کہا ہے، (تحذير الخلان من رواية الاحاديث حول رمضان: ۱۷۳، دار ابن حزم، بیروت)

اسی طرح مکان کی مثال حرمین شریفین ہیں، چناں چہ مکے اور مدینے میں نیکیوں کا اجر بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے، نبی ﷺ سے صحیح حدیث میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد الحرام کے علاوہ دیگر مساجد کی ہزار نمازوں سے بھی بہتر ہے، جب کہ مسجد الحرام میں ایک نماز میری اس مسجد کی ایک سو نمازوں سے بہتر ہے۔

دیگر نیک اعمال کا ثواب بھی بڑھ جاتا ہے لیکن ان کے بارے میں کوئی حد بندی بیان نہیں کی گئی، حد بندی صرف نماز کے اجر سے متعلق ہے، چناں چہ دیگر عبادات مثلاً: روزہ، ذکرو اذکار، تلاوتِ قرآن، صدقہ وغیرہ کے بارے میں مجھے کسی ثابت شدہ نص اور دلیل کا علم نہیں ہے جس میں ان کے ثواب کی حد بندی بھی بیان کی گئی ہو، چناں چہ اجمالی طور پر اجرو ثواب کے زیادہ ہونے کے دلائل ہیں، معین مقدار کا ذکر نہیں ملتا''۔(۱)

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''کسی بھی نیک کام کے اجر و ثواب کا اضافہ ایک توقیفی امر ہے، جس کے لیے دلیل چاہیے، یہاں قیاس کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، چناں چہ اگر کوئی دلیل مل جائے جس میں دیگر عبادات کے اجر و ثواب کی حد بندی ہو تو اس پر عمل ممکن ہے، تاہم یہ بات بھی یقینی ہے کہ کسی فضیلت والی جگہ یا وقت میں نیکی کرنے پر اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے، جیسا کہ علمائے کرام رحمہم اللہ جمیعاً کا کہنا ہے کہ ''فضیلت والے مکان و زمان میں نیکیوں کا اجر بڑھ جاتا ہے؛ لیکن معین مقدار میں اجر زیادہ ہونے کی بات کرنے کے لیے دلیل چاہیے''۔(۲)

رمضان ملنے کی دعا کرنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ماہِ رجب کا چاند ملاحظہ فرماتے تو دونوں ہاتھ مبارک اٹھا کر یہ دعا پڑھتے تھے: ''اللّٰھم بارک لنا فی

(۱) مجموع فتاوی ابن باز: ۳/ ۳۸۸۔
(۲) الشرح الممتع: ٦/ ۵۱۴

رجب و شعبان و بلغنا رمضان". عن أنس رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله ﷺ إذا دخل رجب قال: "اللّٰهم بارك لنا في رجب و شعبان و بلغنا رمضان"۔(۱)

حکم: حضرت مولانا محمد طلحہ بلال احمد منیار صاحب لکھتے ہیں "اس روایت میں چار علل قادحہ ہیں ا۔ضعف زائدہ بن ابی الرقاد۔ ۲۔ضعف زیاد النمیری۔ ۳۔ تفرد بہا بالسند و المتن۔ ۴۔جرح مخصوص کا اس روایت میں پایا جانا، ان امور کی بناء پر اس حدیث کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کرنا درست نہیں ہے، اگر کوئی مذکورہ دعا کو ویسے ہی پڑھنا چاہے تو گنجائش ہے، اس لئے کے دعا کے الفاظ میں کوئی بات خلاف شرع نہیں ہے"۔(۲)

چونکہ معنی صحیح ہے ایک مسلمان اس کی تمنا و دعا کرے تو کوئی حرج نہیں، اسلاف چھ ماہ رمضان کے اعمال قبول ہونے کی دعا کرتے تھے اور چھ ماہ اگلا رمضان ملنے کی دعا کرتے تھے لیکن حضور ﷺ کی طرف منسوب نہ کرے۔(۳)

---

(۱) زیاد نمیری اس حدیث کے روایت کرنے میں منفرد ہیں اور ان کے شاگرد زائدہ بن ابی رقاد اپنے استاذ زیاد نمیری سے حدیث نقل کرتے ہیں، ان کے بارے میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ "منکر الحدیث" ہے۔ "في إسناده زائدة بن أبي الرُّقاد لا يصح حديثه، قال عنه الإمام البخاري: منكر الحديث. و قال النسائي في كتاب الضعفاء: منكر الحديث" (کتاب المعجم: ۱/۲۶۶، حدیث: ۲۳۱)

(۲) بحوالہ: احادیث مشہورہ کی تحقیق

(۳) قال عنه الإمام ابن رجب الحنبلي في لطائف المعارف و قال عنه الإمام النووي في الأذكار: إسناده فيه ضعف، و قال عنه الإمام الألباني في ضعيف الترغيب: حديث ضعيف. و ينبغي الإشارة هنا إلى أن هذا الحديث من حيث المعنى صحيح و طيب أن يدعو به الإنسان المسلم، ولكن لا ينسبه إلى النبي ﷺ وإن دعاء المسلم ربه أن يبلغه رمضان فهو دعاء طيب لا بأس به، قال الحافظ ابن رجب الحنبلي رحمه الله في كتاب لطائف المعارف: " قال معلى بن الفضل: كانوا يدعون الله تعالى ستة أشهر أن يبلغهم رمضان، و يدعونه ستة أشهر أن يتقبل منهم. (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

رمضان کا روزہ چھوٹنے پر زندگی بھر روزے رکھنا کافی نہ ہوگا

جس نے بغیر کسی عذر اور بیماری کے رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دیا، وہ ساری زندگی بھی اس کی قضاء کرتا رہے تو اس کی قضاء نہیں ہوگی۔ "من أفطر يوماً من رمضان في غير رخصة ولا مرض، لم يقض عنه صوم الدهر كله، وإن صامه" (۱)

حکم: یہ حدیث ضعیف ہے۔ (۲)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ رمضان کا روزہ نہ رکھنے پر گناہ نہیں ہوگا، رمضان کا روزہ بلا عذر ترک کرنا تو گناہِ کبیرہ ہے، قیامت کے دن اس کا سخت عذاب ہوگا، مگر ایسا بھی نہیں ہے کہ فرض روزے کی قضا کی جائے تو بھی ادا نہیں ہوگا۔ "وليس معنى ضعف هذا الحديث عدم وقوع الإثم على من أفطر متعمداً بدون عذر، بل إن ترك صيام شهر رمضان بدون عذر كبيرة من الكبائر التي تستوجب العقاب الشديد يوم القيامة". (۳)

روزہ جسم کی زکوۃ ہے

ہر چیز کی زکات ہے اور جسم کی زکات روزہ ہے۔ "لكل شيئى زكاة وزكاة

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) وقال يحيى بن أبي كثير: كان من دعائهم :اللهم سلمني إلى رمضان، وسلم لي رمضان وتسلمه مني، متقبلا-

(۱) سننِ ترمذی، حدیث: ۷۲۳، سننِ نسائی، حدیث: ۳۲۷۸

۲) اس روایت کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیقاً روایت کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت میں تین علتیں ذکر کی ہیں: ایک اضطراب، دوسری ابو المطوس راوی کی جہالت اور تیسری یہ شک کہ ابو المطوس کے باپ کا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے یا نہیں؟ (فتح الباری : باب صوم رمضان)

(۳) تحذير الخلان من رواية الاحاديث حول رمضان: ۸۵، دار ابن حزم، بیروت

الجسد الصیام"(۱)

حکم : یہ حدیث سنداً ضعیف ہے، البتہ معنیً درست ہے،، جسم اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے جس سے انسان ہر وقت فائدہ اٹھاتا رہتا ہے، جسم کا ایک ایک عضو اس قدر قیمتی ہے کہ ساری دنیا کی دولت بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے، اس نعمت کا حق یہ ہے کہ جس طرح مال و دولت کی نعمت کی زکوٰۃ نکالی جاتی ہے، اسی طرح جسم کی بھی زکوٰۃ نکالی جائے، اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے۔(۲)

ایام بیض کے روزوں کی فضیلت

ایام بیض (چاند کی ۱۳/ ۱۴/ ۱۵/ تاریخ کے دن) کے روزے رکھے تو پہلے دن کے روزے کا ثواب تین ہزار سال کے برابر ہے۔ دوسرے دن کا ثواب دس ہزار سال کے برابر ہے اور تیسرے دن کا ثواب بیس ہزار سال کے برابر ہے۔

حکم: یہ حدیث موضوع ہے، البتہ روزے کی فضائل دیگر احادیث سے ثابت ہیں ،عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا : ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھ لیا کرو، کیوں کہ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا ملے گا اور اس طرح یہ ساری عمر کا روزہ ہو جائے گا۔" وإن بحَسْبِك أن تصومَ كلَّ شهرٍ ثلاثةَ أيامٍ، فإن لك بكلِّ حسنةٍ عشرَ أمثالها، فإن ذلك صيامُ الدهرِ كلِّه"۔(۳)

قضائے عمری پر ایک موضوع روایت

جمعۃ الوداع کے بارے میں ایک گروہ نے تو یہ نظریہ بنالیا کہ قضاء شدہ نمازوں کو

(۱) سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۷۴۵، شعب الایمان للبیہقی، حدیث: ۳۵۷۷

(۲) تحذیر الخلان من روایۃ الاحادیث حول رمضان: ۱۷۸، دار ابن حزم، بیروت

(۳) صحیح البخاری، حدیث: ۱۹۷۵

ادا کرنے کی ضرورت نہیں، محض توبہ ہی سے کام چلا لیا جائے، جب کہ دوسری طرف بعض لوگوں نے اس عبادت کا حلیہ بگاڑتے ہوئے یہ حل نکالا کہ ساری زندگی کی نمازیں ادا کرنا بہت دشوار ہے، اس لیے رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو قضائے عمری کے نام سے ایک نئی نماز ایجاد کی کہ ''جس کی اپنی عمر بھر میں نمازیں فوت ہوگئی ہوں اور وہ انھیں شمار نہ کرسکتا ہو تو اسے چاہیے کہ رمضان کے آخری جمعہ میں کھڑا ہو اور چار رکعات نماز ایک تشہد کے ساتھ ادا کرے، جس کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۃ القدر پندرہ مرتبہ پڑھے، اسی طرح سے سورۃ الکوثر بھی اور نیت کے وقت یہ کہے: میں نیت کرتا ہوں چار رکعات ان تمام نمازوں کے کفارے کے طور پر جو مجھ سے فوت ہوئی ہیں' جب نماز سے فارغ ہو تو نبی کریم ﷺ پر سو مرتبہ کسی بھی طرح کا درود بھیجے اور یہ دعاء تین مرتبہ پڑھے: ''اللهم يا من لا تنفعك طاعتي، ولا تضرك معصيتي، تقبل مني ما لا ينفعك، واغفر لي ما لا يضرك، يا من إذا وعد وفى، وإذا تواعد تجاوز وعفا، اغفر لعبد ظلم نفسه، وأسألك اللهم إني أعوذ بك من بطر الغنى وجهد الفقر، إلهي خلقتني ولم أك شيئًا، ورزقتني ولم أك شيئًا، وارتكبت المعاصي فإني مقر لك بذنوبي، إن عفوت عني فلا ينقص من ملكك شيء، وإن عذبتني فلا يزيد في سلطانك شيء، إلهي أنت تجد من تعذبه غيري، وأنا لا أجد من يرحمني غيرك، اغفر لي ما بيني وبينك، واغفر لي ما بيني وبين الناس يا أرحم الراحمين، ويا رجاء السائلين، ويا أمان الخائفين، ارحمني برحمتك الواسعة، أنت أرحم الراحمين يا رب العالمين، اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات، والمسلمين والمسلمات، وتابع بيننا وبينهم بالخيرات، رب اغفر وارحم وأنت خير الراحمين وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين''

مزید برآں اس پر ایک روایت گھڑلی گئی کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے

رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: یہ چارسو سال کا کفارہ ہے، یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ''یہ ہزار سال کا کفارہ ہے، پوچھا گیا کہ جو زائد نمازیں ہیں پھر وہ کس کے کھاتے میں جائیں گی؟ فرمایا: وہ اس کے والدین، بیوی، اولاد، عزیز واقارب اور شہر کے لوگوں کے لیے ہوجائیں گی''۔

☆ ملا علی قاری رحمہ اللہ ''موضوعات کبیر'' میں کہتے ہیں: یہ روایت کہ جو شخص رمضان کے آخری جمعہ میں ایک فرض نماز قضاء پڑھ لے تو ستر سال تک اس کی عمر میں جتنی نمازیں چھوٹی ہوں گی ان سب کی ادائیگی ہوجائے گی، یہ روایت قطعی طور پر باطل ہے، اس لیے کہ یہ حدیث اجماع کے خلاف ہے؛ جب کہ اجماع اس پر ہے کہ کوئی بھی عبادت سالہا سال کی چھوٹی ہوئی نمازوں کے قائم مقام نہیں ہوسکتی اور فرمایا: پھر ''نہایۃ'' سمیت ''ھدایہ'' کے باقی شراح کی نقل کردہ عبارت غیر معتبر ہے، اس لیے کہ وہ محدثین نہیں تھے اور نہ ہی حدیث کے مخرجین میں سے کسی کی طرف سے سند بیان کی ہے''۔حدیث ''من قضی صلاۃ من الفرائض فی اخر جمعة من رمضان کان ذلک جابرا الکلّ صلاۃ فائتةٌ فی عمرہ إلی سبعین سنة باطل قطعا، لأنه مناقض للإجماع علی أن شیئا من العبادات لاتقومُ مقامَ فائتة سنوات، ثم لا عبرةَ بنقل صاحب (النهاية) ولا بقية شراح (الهداية) لأنهم لیسوا من المحدّثین ولاأسندوا الحدیثَ إلی أحد من المخرّجین'' انتھی۔(۱)

☆ اس طرح کا موضوع عمل نہ نبی کریم ﷺ سے، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور نہ ہی ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم سے ثابت ہے کہ انہوں نے یہ نماز پڑھی ہو، یا اس کا حکم دیا ہو، یا ترغیب دی ہو، یا اس میں رغبت رکھی ہو، اگر یہ نماز ثابت ہوتی تو ضرور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے جانتے ہوتے تو نقل کرتے، اور بعد آنے والے ائمہ رہنمائی فرماتے؛ لیکن ان میں سے کسی سے بھی نہ قولاً ثابت ہے نہ فعلاً ثابت ہے۔

---

(۱) الاسرار الموضوعة فی الاخبار الموضوعة حدیث: ۹۵۳

رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا: انسان سے کوئی نماز نیند یا بھول کی وجہ سے فوت ہو جائے، یہاں تک کہ اس کا وقت نکل جائے، تو وہ اس کی قضاء پڑھ لے، اس کا اس کے سوا اور کوئی کفارہ نہیں، اس میں حکم ہے کہ نماز اسی وقت ادا کریں جب جاگ جائیں یا یاد آجائے، نہ کہ رمضان کے آخری جمعہ میں اسے ادا کریں۔ ”مَنْ نَامَ عَنْ صَلَاةٍ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، لَا كَفَّارَةَ لهَا إِلَّا ذَلِكَ“(۱)

☆ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں حضرت ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے، چناں چہ فرماتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غزوۂ خندق والے دن مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو چار نمازیں پڑھنے سے روک دیا تھا، یہاں تک کہ رات کا کچھ حصہ گذر گیا، جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا، پھر آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا، تو انہوں نے اذان دی اور پھر اقامت کہی، پس ظہر کی نماز پڑھی، پھر اقامت کہی تو عصر کی نماز پڑھی، پھر اقامت کہی تو مغرب کی نماز پڑھی، پھر اقامت کہی تو عشاء کی نماز پڑھی

”عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ إِنَّ الْمُشْرِكِينَ شَغَلُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ يَوْمَ الخَنْدَقِ حَتّٰى ذَهَبَ مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللهُ فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى المَغْرِبَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعِشَاءَ“(۲)

☆ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں: جس شخص نے ایک نماز چھوڑ دی پھر اگرچہ بیس سال بھی گذر جائیں تب بھی وہ شخص اپنی اس قضاء شدہ نماز کو ادا کرے۔ ”وقال ابراهيم من ترک صلاة واحدة عشرين سنة لم يعد الا تلک الصلوٰۃ الواحدة“(۳)

(۱) صحیح بخاری، باب المواقیت الصلاۃ، حدیث: ۵۹۷، صحیح مسلم، باب المساجد وموضع الصلاۃ، حدیث: ۶۸۴)

(۲) جامع ترمذی: ۴۳

(۳) صحیح بخاری: ۱/ ۸۴

☆امام ابن نجیم حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اصول یہ ہے کہ ہر وہ نماز جو کسی وقت میں واجب ہونے کے بعد رہ گئی ہو، اس کی قضاء لازم ہے خواہ انسان نے وہ نماز جان بوجھ کر چھوڑی ہو یا بھول کر، یا نیند کی وجہ سے نماز رہ گئی ہو، چھوٹ جانے والی نمازیں زیادہ ہوں یا کم ہوں، بہر حال قضا لازم ہے۔ "فالأصلُ فيه أن كل صلاة فاتت عن الوقت بعد ثبوتِ وجوبها فيه فإنه يلزم قضاؤها، سواء تركها عمدا أو سهوا أو بسبب نوم، وسواء كانت الفوائتُ قليلة أو كثيرة. (۱)

☆ آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا فتوی ہے کہ "مذکورہ پیغام کی اشاعت صحیح نہیں ہے، روایت موضوع ہے، صحیح یہ ہے کہ جتنی نمازیں قضا ہوئی ہیں اگر ان کی حتمی تعداد معلوم نہیں ہے تو اندازہ کرے اور جس تعداد پر دل مطمئن ہو جائے ان سب کی قضا کرے"۔(۲)

☆ جامعہ فاروقیہ کراچی کا ایک فتوی قضائے عمری کی نماز سے متعلق ہے کہ "واضح رہے کہ مذکورہ بالا قضائے عمری کا ثبوت قرآن وحدیث اور کتبِ معتبرہ میں نہیں ہے، قضاء نمازوں کے بارے میں شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ قضاء نماز پہلی فرصت میں ادا کر لی جائے، چاہے نماز کا وقت باقی ہو یا نہ ہو (سوائے اوقاتِ مکروہ کے) اسی طرح نوافل کے بجائے قضاء پڑھ لیا کرے، اور اگر کسی کا اس حالت میں انتقال ہو جائے کہ قضاء نمازیں اس کے ذمے باقی ہوں، تو ہر نماز کے بدلے میں صدقۂ فطر کی رقم کے برابر فدیہ ادا کیا جائے، البتہ سوال میں جو طریقہ مذکور ہے وہ غلط اور بدعت ہے اور لوگوں کو نماز کے ترک کرنے پر جری بنانا ہے۔ اسی طرح شریعتِ مطہرہ پر بہتان اور اس میں دخل اندازی کے مترادف ہے، لہٰذا ایسی مہمل باتوں پر عمل اور یقین نہ کیا جائے"۔

☆ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو اپنی کتاب "الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ: ص ۴۴" میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ روایت موضوع ہے اور اس کے

---

(۱)(البحر الرائق: ۱۴۱/۲)

(۲)(فتوی(م)47 :=47-1/1433)

موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، بلکہ اس روایت کا تو ان کتابوں میں کہیں نام ونشان نہیں جن کے مصنفین نے احادیثِ موضوعہ کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے، لیکن ہمارے زمانے میں شہرِ صنعاء میں فقہاء کی جماعت میں یہ روایت کافی مشہور ہے اور بہت سارے لوگ اس پر عمل پیرا بھی ہیں، لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ اس کا وضع کرنے والا کون ہے، اللہ ان کذابین ووضاعین کا منہ کالا کرے۔ "هذا موضوع بلا شک لم اجد فی شیء من الکتب التی جمع مصنفوها فیها الأحادیث الموضوعة لکن اشتهر عند جماعة من المتفقهة بمدینة صنعاء فی عصرنا هذا وصار کثیر منهم یفعلون ذالک ولا ادری من وضع لهم فقبح الله الکذابین"۔(۱)

☆ علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر اپنے رسالے "رد الاخوان مما احدثوه فی اخر جمعة رمضان" میں سیر حاصل بحث کی ہے، شیخ ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ یہاں حاشیے میں تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع کی تحقیق میں رسالہ مذکورہ کے بیس سے متجاوز صفحات پر بڑا ہی شاندار کلام کیا ہے، اس مقام کے مطابق خلاصہ کلام کے طور پر اس کا کچھ حصہ ذکر کیا جارہا ہے، فرماتے ہیں کہ "زاد اللبیب، انیس الواعظین، ادارۃ العابدین اور مفاتیح الجنان" (معرب) میں مرقوم ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "من فاتته صلوات ولا یدری عددها فلیصل یوم الجمعة اربع رکعات نفلا بسلام واحد ویقرأ فی کل رکعة بعد الفاتحة آیة الکرسی سبع مرات، وانا اعطیناک الکوثر خمس عشرة مرة قال علی بن ابی طالب سمعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم یقول وان فاتته صلوات سبع مائة سنة کانت هذه الصلاة کفارة لها قالت الصحابة :انما غیر الانسان، ای من هذه الامة، لما فاته ومافات من الصلوات من ابیه وامه ولفوائت اولاده" یعنی اگر کسی کی اتنی نمازیں فوت ہوجائیں کہ ان کی تعداد کا علم بھی نہ ہو تو ایسے شخص کو جمعہ کے دن چار رکعت نفل

(۱) الفوائد المجموعة في الأحادیث الموضوعة: ۵۴

ایک ساتھ ادا کرنا چاہیے اور وہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سات مرتبہ" آیت الکرسی" اور پندرہ مرتبہ"سورۃ الکوثر" پڑھے۔

☆ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر کسی کی سات سو سال کی بھی نمازیں فوت ہوگئی ہوں، تو یہ نماز ان تمام چھوٹی ہوئی نمازوں کے لیے کفارہ ہو جائے گی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اس امت کی عمریں تو صرف ۷۰ رسال یا ۸۰ رسال کی ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ نماز خود اس کی، اس کے والد کی، اس کی والدہ کی اور اس کی اولاد وغیرہ کی فوت شدہ نمازوں کے لیے بھی کفارہ ہے۔ نیز "من صلی فی اخر جمعة من رمضان اربع رکعات قبل الظهر الخ" یہ اور ان جیسی غیر ثابت احادیث کتبِ مذکورہ میں پائی جاتی ہیں، جو صریح البطلا ن ہیں، پھر علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے ان احادیث کے ابطال اور ان کے ناقلین پر اعتماد کرنے والوں کی تردید کے ارادے سے فرمایا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی "الموضوعات" میں ایک قاعدۂ کلیہ ذکر فرمایا کہ احادیثِ نبویہ، مسائلِ فقہیہ اور تفاسیرِ قرآنیہ کو کتبِ متداولہ ہی سے اخذ کرنا درست ہے ، اس لیے کہ دیگر کتبِ غیر محفوظہ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ کتابیں زنادقہ کی وضع کی شکار ہو گئی ہوں یا ملحدین کے الحاد سے ملحق ہو گئی ہوں۔

پھر علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان احادیث کے بطلان کی دلیل دیتے ہوئے کئی وجہیں ذکر کی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان مصنفین نے ان روایات کو بے سند ذکر کیا اور نہ ہی کسی مخرج تک متصل السند بیان فرمایا اور بے سند حدیث کو قبول کرنا اہل عقل و دانش کی شان کے خلاف ہے، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان ناقلین کے مابین ایسے ہر خطہ بیابان ہیں، جن میں بسا اوقات سواروں کی سواریاں ہلاک ہو جایا کرتی ہیں اور منزل تک رسائی نہیں ہو پاتی، لہٰذا ان کے بغیر صرف "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا کذا" کہنا اس وقت تک حلال نہیں، جب تک کہ اس کے پاس اس روایت کی اقل درجے میں سہی کوئی وجہ

روایت نہ موجود ہوں ۔(۱)

لیلۃ الجائزۃ کی حدیث

جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو اس کا نام (آسمانوں پر) لیلۃ الجائزہ (انعام کی رات) سے لیا جاتا ہے اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو اللہ رحمن و رحیم اپنے فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیجتا ہے، وہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں، راستوں کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز سے جسے جنات اور انسان کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے پکارتے ہیں: ''اے محمد ﷺ کی امت! اس کریم رب کی (بارگاہ) کی طرف چلو جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے اور بڑے سے بڑے قصور معاف فرمانے والا ہے''۔ پھر جب لوگ عید گاہ کی طرف نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے دریافت فرماتا ہے: کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں: ہمارے معبود اور ہمارے مالک! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے، اس پر اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انھیں رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلے میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کر دی۔ پھر وہ اپنے تمام بندوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتا ہے: اے میرے بندو! مجھ سے مانگو، میری عزت و جلال کی قسم! آج کے دن اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے، عطا کروں گا اور دنیا کے بارے میں جو سوال کرو گے، اس میں تمھاری مصلحت پر نظر کروں گا۔ میری عزت کی قسم! جب تک تم میرا خیال رکھو گے میں تمھاری لغزشوں پر ستاری کا معاملہ کرتا رہوں گا (انھیں چھپاتا رہوں گا) میری عزت و جلال کی قسم! میں تمھیں مجرموں (اور کافروں) کے سامنے رسوا نہیں کروں گا، بس اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ، تم نے مجھے راضی کر دیا اور میں تم سے راضی ہو گیا''۔

---

(۱) عمدۃ الاقاویل: ۳۶۷، مولانا رضوان الدین صاحب معروفی، شیخ الحدیث جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا

فرشتے اس اجر وثواب کو دیکھ کر جو اس امت کو ملتا ہے،خوشیاں مناتے ہیں اور کھل جاتے ہیں۔"فإذا كانت ليلة الفطر وسميت ليلة الجائزة، فإذا كانت غداة بعث الله تبارك وتعالیٰ الملائكة في كل ملاء فيهبطون إلى الأرض فيقومون على أفواه السكك فينادون بصوت يسمعه جميع من خلق الله إلا الجن والإنس، فيقولون :يا أمة محمد اخرجوا إلى رب كريم يغفر العظيم، وإذا برزوا فى مصلاهم يقول الله تعالیٰ :يا ملائكتي ما أجر الأجير إذا عمل عمله ؟فتقول الملائكة الهنا وسيدنا جزاؤه أن يوفى أجره،فيقول الله عز وجل أشهد كم يا ملائكتي أني قد جعلت ثوابهم من صيامهم شهر رمضان وقيامهم رضائي ومغفرتي، الخ "(۱)

حکم: یہ روایت ضعیف ہے۔(۲)ابن جوزی نے اس حدیث کو"الواہیات": ۲/۸۸۰ میں نقل کرکے کہا ہے کہ یہ حدیث"صحیح"،نہیں ہے،لیکن آپ جرح وتعدیل میں متشدد ہیں۔

مگر حدیث کا مضمون تھوڑے بہت فرق کے ساتھ مختلف سندوں سے مروی ہے اور بعض سندوں میں اگرچہ ضعف پایا جاتا ہے لیکن مجموعی طور پر فی نفسہ قابل اعتماد ہے،البتہ فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اس رات کی عبادت کو مستحب لکھا ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

یوم الشک کا حکم

شعبان کی تیسویں شب یعنی انتیس تاریخ کو ابر وغیرہ کی وجہ سے چاند نہیں دیکھا گیا؛ مگر ایک شخص نے چاند دیکھنے کی شہادت دی اور اس کی شہادت قبول نہیں کی گئی اسی طرح دو فاسق لوگوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور ان کی گواہی قبول نہیں کی گئی اس کی صبح کو جو

---

(۱) سنن ابن ماجہ،حدیث: ۱۷۸۲

(۲) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ حدیث غریب اور مضطرب الاسناد ہے"(الفتوحات الربانیة: ۴/ ۲۳۵)امام نووی رحمہ اللہ نے"ضعیف" کہا ہے۔(الخلاصة: ۲/ ۸۴۷،المجموع: ۵/ ۴۲)علامہ عراقیؒ نے فرمایا: "اسنادہ ضعیف" اس کی سند ضعیف ہے۔(تخریج الاحیاء: ۱/ ۴۷۵)

دن ہو گا یعنی تیس تاریخ کا دن یوم الشک کہلائے گا؛ کیوں کہ اس دن کے بارے میں یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ رمضان شروع ہو گیا ہو اور یہ بھی احتمال ہوتا ہے کہ رمضان شروع نہ ہوا ہو؛ لہٰذا اس غیر یقینی صورت کی وجہ سے اسے شک کا دن کہا جاتا ہے، ہاں! اگر انتیس تاریخ کو ابر وغیرہ نہ ہو اور کوئی بھی شخص چاند نہ دیکھے تو تیس تاریخ کو یوم الشک نہ کہیں گے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے یوم الشک کو روزہ رکھا اس نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی۔ عن عمار بن ياسر رضي الله عنه قال: ”من صام اليوم الذي يشك فيه فقد عصى أبا القاسم صلى الله عليه وآله وسلم“۔(۱)

اس حدیث میں اسی دن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یوم الشک کو رمضان یا کسی واجب کی نیت سے روزہ رکھنا مکروہ ہے؛ البتہ اس دن نفل روزہ رکھنے کے بارے میں کچھ تفصیل ہے، چناں چہ اگر کوئی شخص شعبان کی پہلی ہی تاریخ سے نفل روزہ رکھتا چلا آ رہا ہو یا تیس تاریخ اتفاق سے اس دن ہو جائے کہ جس میں کوئی شخص روزہ رکھنے کا عادی ہو (مثلاً پیر) جس کی وضاحت پہلے کی جا چکی ہے تو اس کے لیے اس دن روزہ رکھنا افضل ہو گا۔

اسی طرح یوم الشک کو روزہ رکھنا اس شخص کے لیے بھی افضل ہے جو شعبان کے آخری تین دنوں میں روزے رکھتا ہو اور اگر یہ صورتیں نہ ہوں تو پھر یوم الشک کا مسئلہ یہ ہے کہ خواص تو اس دن نفل کی نیت کے ساتھ روزہ رکھ لیں اور عوام دوپہر تک کچھ کھائے پیے بغیر انتظار کریں اگر چاند کی کوئی قابل قبول شہادت نہ آئے تو دوپہر کے بعد افطار کر لیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ معمول نقل کیا جاتا ہے کہ یہ حضرات شعبان کی انتیس تاریخ کو چاند تلاش کرتے اگر چاند دیکھ لیتے یا معتبر شہادت کے ذریعے رؤیتِ ہلال کا ثبوت ہو جاتا تو اگلے روز روزہ رکھتے ورنہ ابر و غبار وغیرہ سے مطلع صاف ہونے کی صورت میں روزہ نہ رکھتے، ہاں! اگر مطلع صاف نہ ہوتا تو روزہ رکھ لیتے تھے اور علماء فرماتے ہیں کہ اس صورت میں ان کا یہ روزہ نفل ہوتا تھا۔

---

(۱) النسائی ،باب صیام یوم الشک، حدیث: ۲۱۸۸

خواص سے مراد وہ لوگ ہیں جو شک کے دن کے روزے کی نیت کرنا جانتے ہوں اور جو لوگ اس دن کے روزے کی نیت کرنا نہ جانتے ہوں انھیں عوام کہا جاتا ہے، چناں چہ اس دن روزے کی نیت یہ ہے کہ جو شخص اس دن کہ جس میں رمضان کے بارے میں شک واقع ہو رہا ہے روزہ رکھنے کا عادی نہ ہو وہ یہ نیت کرے کہ میں آج کے دن نفل روزے کی نیت کرتا ہوں اور اس کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ اگر آج رمضان کا دن ہو تو یہ روزہ رمضان کا بھی ہے اس طرح نیت کرنی مکروہ ہے کہ اگر کل رمضان کا دن ہو تو یہ روزہ رمضان میں محسوب ہو اور اگر رمضان کا دن نہ ہو تو نفل یا کسی اور واجب میں محسوب ہو۔ تاہم اگر کسی نے اس طرح کر لیا اور اس دن رمضان کا ہونا ثابت ہو گیا تو وہ روزہ رمضان ہی میں محسوب ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص اس نیت کے ساتھ روزہ رکھے کہ اگر آج رمضان کا دن ہوگا تو میرا بھی روزہ ہوگا اور اگر رمضان کا دن نہیں ہوگا تو میرا روزہ بھی نہیں ہوگا۔ تو اس طرح نہ نفل کا روزہ ہوگا اور نہ رمضان کا ہوگا، چاہے اس دن رمضان کا ہونا ہی ثابت کیوں نہ ہو جائے۔

عوام وخواص میں فرق

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس بابت سوال کیا گیا تو حضرت نے تحریر فرمایا کہ اس حدیث سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ بعض عوارض کے سبب بعض افراد تقدم کے مستثنیٰ ہیں، پس اگر کسی دوسری دلیل سے دوسرے بعض افراد مستثنیٰ ہوں تو حدیث ”لا تقدموا رمضان بصوم یوم اویومین“ کے معارض نہیں اور صومِ یوم الشک کے باب میں دوسری دلیل موجود ہے اور وہ دلیل ان حضرات کا عمل ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ عائشہ رضی اللہ عنہا، عمرو رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ، ابو بکر رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ یہ اصحاب ہیں جن کا عمل مالا یدرک بالقیاس میں مرفوعِ حکمی ہے اور مایدرک بالقیاس میں دلیل ہے حدیثِ مرفوع کے مؤول ہونے کی، اور ان تابعین سے بھی یہ عمل منقول ہے: مجاہد، طاؤس، سالم بن عبد اللہ، میمون بن مہران، مطرب

بن الشخیر، بکر بن عبداللہ المزنی، ابوعثمان نہدی، رحمہم اللہ یہ سب نام نیل الاوطار، ج: ۴، ص: ۷۷ میں شمار کیے ہیں۔ پس حدیث ”لا تقدموا غیر صوم یوم الشک“۔ ”غیر صوم یوم معتاد“ پر محمول ہوگی، یہ تو اہلِ علم سے منقول ہے اور احقر (حضرت تھانویؒ) عرض کرتا ہے کہ اگر غور کیا جائے تو حدیث لا تقدموا الخ کو صوم یوم الشک سے کچھ تعلق ہی نہیں، کیوں کہ معنی حدیث کے یہ ہیں کہ رمضان سے پہلے روزہ مت رکھو! تو ظاہر ہے کہ وہ غیر رمضان کا روزہ ہوگا اور یوم الشک پر غیر رمضان ہونے ہی کا حکم نہیں لگا سکتے، جو شخص اُس کا روزہ رکھتا ہے وہ بحیثیت یومِ رمضان ہونے کے رکھتا ہے، نہ کہ غیر رمضان کی تعظیم و استقبالِ رمضان کے لیے، اور احتیاط امورِ دیانت میں خود منصوص و مطلوبِ شرعی ہے، جب تک کہ کوئی مفسدہ لازم نہ آوے اور خواص میں یہ مفسدہ محتمل نہیں اور عوام میں محتمل ہے، لہٰذا قواعدِ شرعیہ نے دونوں میں فرق فرما دیا، رہا یہ کہ اس فعلِ خواص سے عوام کو ابتلا ہوگا، سو یہ اس وقت محتمل ہے کہ عوام کو اس کی اطلاع ہو، سو وہ خواص اس کی اطلاع کیوں کریں، بل کہ پوچھنے پر بھی ٹال سکتے ہیں یا انکار کر سکتے ہیں اور ایسا جحود مذموم نہیں۔(۱)

---

(۱) امداد الفتاویٰ جدید: ۴/ ۱۷۹

تیسرا باب

اہل اللہ کا رمضان

اہل اللہ اور شائقین عبادت کے لیے یہ مقدس مہینہ موسم بہار بن کر آتا تھا، رمضان کا چاند دیکھتے ہی ان کے ذوق وشوق اور نشاط میں بے مثال اضافہ ہو جاتا تھا، رمضان کی مبارک ساعتیں ذکر واذکار، تلاوت وعبادت میں گذرتی تھیں اوران بابرکت مصروفیتوں میں دنیا کی کوئی مصروفیت حائل نہیں ہوتی تھی۔

۞ حضرت اسود بن یزید رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ آجاتا تو ہر چیز سے کنارہ کش ہوجاتے اور کلی طور پر تلاوت کلام پاک میں مصروف ہوجاتے ، ہمہ وقت اس میں مصروف رہتے اور دو دنوں میں قرآن پاک ختم کرنے کا اہتمام کرتے۔

۞ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی معمول تھا کہ رمضان المبارک کا مہینہ آتے ہی تمام دنیوی مصروفیتوں کو ترک کر دیتے اور تلاوت کلام پاک میں ہمہ تن مشغول ہوجاتے۔

۞ امام دار الہجرہ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ رمضان المبارک کا مہینہ آتے ہی ہر چیز سے یکسو ہوجاتے یہاں تک کہ احادیث مبارکہ کی تدوین وتالیف، بحث وتحقیق اور اہل علم کے ساتھ نشست و برخواست سے علیحدگی اختیار کر لیتے اور تلاوت کلام پاک میں مصروف ہوجاتے۔

۞ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ غیر رمضان میں سات دنوں میں قرآن کریم ختم فرماتے تھے لیکن جب رمضان کا مہینہ آجاتا تو ہر تین دن میں ایک قرآن پاک ختم کرنے کا اہتمام کر تے اور جب اخیر عشرہ آجاتا تو روزانہ ایک قرآن کریم ختم کرتے۔

۞ امام المحدثین حضرت محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں تراویح کے بعد تلاوت کلام پاک میں مشغول ہوجاتے اور ہر تین دن میں ایک قرآن کریم ختم کرتے۔

۞ تمام سلف صالحین پر رمضان المبارک میں تہجد کا بہت زیادہ اہتمام کرتے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ جب رات کی تاریکی چھا جاتی اور ہر طرف سکون پھیل جاتا تو آپ رضی اللہ عنہ نہایت اہتمام سے وضو کر کے نماز میں مشغول ہوجاتے اور تہجد پڑھتے رہتے اور شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح ان کے سینے سے رونے کی آواز آتی۔

۞ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ جب بستر پر جاتے تو جہنم کے خوف سے ان کی نیند اڑ جاتی ،گھبراتے ہوئے کھڑے ہوجاتے اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگتے اس حالت میں پوری رات گزار دیتے۔

۞ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ تہجد گزار کے چہرے اس قدر روشن اور پُر رونق کیوں ہوتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ جب ساری دنیا نیند کی آغوش میں ہوتی ہے تو یہ اللہ رب العزت کے برگزیدہ بندے اپنے نرم نرم بستروں کو چھوڑ کر بارگاہ رب العزت کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور نمازوں میں اس سے مناجات کر رہے ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں نور کی ایسی خلعت عطا کرتا ہے جس سے ان کے چہرے پُر رونق ہو جاتے ہیں۔

۞ حضرت عبدالعزیز بن رواد ؒ کے متعلق سیرت کی کتابوں میں موجود ہے کہ جب رات ہو جاتی اور وہ اپنے بستر پر جاتے تو بستر کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے کہ اے بستر! تو بہت زیادہ نرم اور گداز ہے لیکن جنت کا بستر تجھ سے زیادہ نرم اور گداز ہے اسکے بعد بستر چھوڑ دیتے، وضو کر کے نماز پڑھنے لگتے۔

۞ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ رات آتے ہی نماز، تلاوت کلام پاک اور اوراد و اذکار میں ہمہ تن متوجہ ہو جاتے، بعض سلف صالحین کا معمول تھا کہ رمضان المبارک میں تہجد میں سات راتوں میں ایک قرآن ختم کرتے اور بعض دس راتوں میں تہجد کی نماز میں ایک قرآن پاک ختم کرنے کا اہتمام کرتے۔

۞ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں ایک دن و رات میں دو قرآنِ کریم ختم فرماتے تھے۔(۱) یہی معمول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی نقل کیا گیا ہے۔(۲) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ دونوں حضرات رمضان میں اپنی دیگر دینی مصروفیات کو ترک کر کے سارا وقت تلاوتِ کلام پاک میں گذارتے تھے۔(۳) امام ابوبکر بن عیاش ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال سے ہر روز

---

(۱) المستطرف: ۲۳

(۲) الفتاویٰ الحدیثیہ: ۸۲

(۳) المستطرف: ۲۳

ایک قرآنِ کریم پڑھنے کا معمول بنا رکھا ہے۔(۱)

۞ حضرت یونس بن یزیدؒ حضرت شہاب الدین زہری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق رقمطراز ہیں کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ آجاتا تو تلاوت کلام پاک، غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے، کپڑا پہنانے اور ان کی ضرورتیں پوری کرنے کا خاص اہتمام کرتے۔

۞ حضرت حماد بن ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں ہر رات پچاس غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلاتے، انہیں کپڑے عنایت کرتے اور ہر ایک کو سو درہم دیتے تاکہ وہ امیروں کے ساتھ عید کی خوشیوں میں شریک ہوسکیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے دسترخوان پر جب تک فقراء ومساکین حاضر نہیں ہوتے اس وقت تک وہ کھانا تناول نہیں فرماتے۔

۞ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ خاص کر رمضان المبارک میں شب بیداری کا اہتمام فرماتے تھے، مغرب کے بعد دو حافظ قرآنِ مجید اوابین میں سناتے، عشاء کے بعد تراویح میں نصف شب تک تین حافظ قرآنِ کریم سناتے، اس کے بعد نوافل تہجد میں دو حافظ قرآن پاک سناتے تھے، اسی طرح پوری رات گذر جاتی۔(۲)

۞ حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان المبارک میں ۱۲۷۷ھ میں سفرِ حجاز کے دوران روزانہ ایک ایک پارہ یاد کرکے حفظِ قرآن مکمل فرمایا، پھر بکثرت قرآن پاک کا ورد رکھتے تھے اور تراویح میں بڑی مقدار میں قرآن پاک پڑھا کرتے تھے۔

۞ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا رمضان المبارک میں مجاہدہ اس قدر بڑھ جاتا کہ دیکھنے والوں کو رحم آجاتا، ۷۰ سال کی عمر میں بھی عبادت کا یہ عالم تھا کہ دن بھر کے روزے کے بعد اوابین کی بیس رکعتوں میں کم ازکم دو پارے تلاوت فرماتے، تراویح بھی نہایت اہتمام اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا فرماتے، بچے ہوئے وقت میں زبانی تلاوت جاری رہتی، تہجد میں بھی دو ڈھائی گھنٹے صرف ہوتے، نمازِ فجر کے بعد اشراق تک وظائف واوراد

---

(۱) نووی علی مسلم: ۱/۱۰

(۲) اکابر کا رمضان

یں مشغول رہتے، دن کے اکثر اوقات بھی تلاوت واذکار اور مراقبے میں گذرتے تھے، اس میں بھی یومیہ کم از کم ۱۵/ پارے قرآنِ کریم پڑھنے کا معمول تھا۔(۱)

۞ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک شروع ہوتے ہی اپنی تمام مصروفیات (مجالس ومکاتیب وغیرہ) ختم کرکے پورے طور پر خلوت نشین ہوکر مصروفِ عبادت وریاضت ہوجاتے تھے، ۲۴/ گھنٹے میں صرف ایک گھنٹہ آرام فرماتے، تلاوتِ قرآنِ کریم سے نہایت شغف تھا، جب خود تراویح میں قرآنِ کریم سناتے تو دو ڈھائی بجے فراغت ہوتی تھی اور اخیر عمر میں جب سنانا موقوف ہوگیا تو تراویح میں پورے مہینے میں تین چار ختم (قرآن) سن لیا کرتے تھے۔(۲)

۞ بانیٔ جماعتِ تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں عبادت اور ریاضت میں بہت اضافہ فرمادیتے، مغرب کے بعد اوابین اتنی طویل ادا فرماتے کہ اکثر عشاء کی اذان ہوجاتی، تراویح خود ہی پڑھاتے، اس کے بعد کچھ آرام فرماکر تہجد کے لیے اٹھ جاتے اور سحری ختم ہونے تک نوافل میں مشغول رہتے، فجر کے بعد اشراق تک اوراد ووظائف میں مشغول رہتے، رمضان بھر عصر کے بعد سے مغرب تک ذکرِ جہری کا معمول رہتا، غیر رمضان میں اخیر شب میں ذکر فرماتے تھے۔(۳)

۞ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا رمضان اور اس میں عبادات میں انہماک زبان زد خاص وعام اور ضرب المثل ہے، ۴۲/ سال تک رمضان المبارک میں روزانہ ۳۰۔۳۵ پارے پڑھنے کا معمول رہا، رمضان کی راتیں تدبر کے ساتھ تلاوتِ کلام پاک میں گذارتے، ۱۳۴۸ھ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پورے ماہِ مبارک کا اعتکاف فرمانا شروع کیا۔(۴)

---

(۱) ملخص از اکابر کا رمضان: ۱۸ تا ۲۰ (۲) مقتبس از اکابر کا رمضان

(۳) ملخص از اکابر کا رمضان ۶۷۔۶۸

(۴) ذکرِ زکریا: ۴۴۳

۞ فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مفتیٔ اعظم دارالعلوم دیوبند کا رمضان دیکھ کر رشک آتا تھا، جب تک طاقت رہی رمضان میں روزانہ تیس پارے پڑھنے کا معمول رہا، اشراق، چاشت، اوابین اور تہجد کے علاوہ سنن مؤکدہ میں طویل قرأت کا اہتمام فرماتے تھے، چھتہ مسجد دیوبند میں اکثر رمضان قیام فرماتے تھے، کئی سال آخری عشرے میں اعتکاف کرنے کا معمول رہا۔

بزرگوں کے یہ واقعات کوئی خواب نہیں؛ بلکہ حقیقت ہیں اور محض کرامت نہیں؛ بل کہ نفس واقعہ ہیں اور تلاش کرنے سے اس طرح کے سینکڑوں واقعات اکابر واسلاف کے مل جائیں گے، اللہ کرے ان بزرگوں کے فیوض مزید عام ہوں اور ہم سب کو ان سے مستفیض ہونے کی توفیق نصیب ہو۔ آمین (۱)

خواتین کے کثرتِ عبادت کے واقعات

۞ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چہیتی بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عبادت گذار، اللہ سے نہایت ڈرنے والی تھیں، چاشت کی نماز پابندی کے ساتھ ادا کرتی تھیں، رمضان المبارک میں تراویح کا خاص اہتمام کرتیں، ان کا غلام نمازِ تراویح میں امامت کرتا اور وہ مقتدی ہوتیں، اکثر روزے رکھا کرتیں، پورے جذبہ کے ساتھ ہر سال برابر حج ادا کرتیں، غلاموں پر شفقت کرتیں اور ان کو خرید کر آزاد کرتیں۔

۞ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی نہایت زاہدانہ تھی، انھیں عبادت الٰہی سے بہت زیادہ لگاؤ تھا، رمضان شریف کے علاوہ ہر مہینہ میں تین روزے پابندی کے ساتھ رکھا کرتیں، اطاعتِ خداوندی ہر عمل میں صاف نظر آتا تھا، جہاں اوامر کی بے حد پابند تھیں وہیں نواہی سے بھی بچنے کا التزام کرتی تھیں۔

۞ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بڑی دیندار، پرہیزگار، حق گو اور رونے

---

(۱) ملخص از تحفہء رمضان: ۱۳۳

والی تھیں، ان کی عبادت وزہد کا اعتراف خود رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب "الاصابۃ" میں ایک واقعہ تحریر کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ مہاجرین کی ایک جماعت میں مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اس موقع پر موجود تھیں، انھوں نے کوئی ایسی بات کہی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پسند نہیں آئی، انھوں نے ذرا تلخ انداز میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دخل دینے سے منع کیا، رسول کریم ﷺ نے فرمایا، اے عمر! انھیں کچھ نہ کہو یہ 'اوّاہ'' (خدا سے ڈرنے والی) ہیں۔

۞ ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بڑی عبادت گذار اور زاہدانہ زندگی گذارنے والی خاتون تھیں، رسول اللہ ﷺ انھیں اکثر عبادت و بندگی میں مشغول پاتے، آپ ﷺ جب کبھی گھر سے باہر جاتے یا گھر تشریف لاتے تو انھیں اپنے ربّ سے راز و نیاز کرتے ہوئے پاتے، ایک دن حضور ﷺ نے انھیں صبح کے وقت اپنے گھر کی مسجد میں عبادت کرتے ہوئے دیکھا پھر ضروریات سے فارغ ہو کر آئے تو بھی اسی حالت میں ان کو پایا، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم ہمیشہ اسی طرح عبادت کرتی رہتی ہو، انھوں نے کہا : جی ہاں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کلمات پڑھا کرو ان کو تمہاری نفل عبادت پر ترجیح حاصل ہے۔

"سبحان الله، سبحان الله عدد خلقه سبحان الله عدد خلقه سبحان الله رضى نفسه سبحان الله رضى نفسه، سبحان الله زنة عرشه سبحان الله زنة عرشه، سبحان الله مداد كلماته، سبحان الله مداد كلماته" (۱)

۞ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جو شخص بارہ رکعات نفل روزانہ پڑھے گا اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا، آپ ﷺ کا یہ ارشاد حضرت امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بھی سن رہی تھیں، اس کے بعد پوری زندگی یہ بارہ رکعات ان کے معمول میں رہیں کبھی ان کو ترک نہیں کیا۔ (۲)

---

(۱) مسند احمد، حدیث جویریہ بنت الحارث، حدیث نمبر ۳۳۰۸ / ناشر موسسۃ الرسالۃ۔
(۲) مسند احمد حدیث ابی موسی الاشعری حدیث نمبر ۱۹۷۰۹ / ناشر موسسۃ الرسالۃ۔

۞ حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کو عبادتِ الٰہی سے بے انتہا شغف تھا، ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ تہجد گذار اور کثرت سے روزے رکھنے والی تھیں، خوفِ الٰہی سے ہر وقت لرزاں اور ترساں رہتی تھیں، زبان پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہتا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتا تھا کہ کھانا پکاتی تھیں، اور ساتھ ساتھ خدا کا ذکر کرتی جاتی تھیں؛ لیکن گھر کے کام میں کوئی فرق نہیں آنے دیتی تھیں۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ ماجدہ کو صبح سے شام تک محرابِ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے آگے گریہ وزاری کرتے، نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ اس کی حمد وثنا کرتے اور دعائیں مانگتے دیکھا کرتا تھا، اور یہ دعائیں وہ اپنے لیے نہیں؛ بلکہ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے مانگتی تھیں، عبادت کرتے وقت آپ کا نورانی چہرہ زرد ہوجاتا تھا، جسم پر لرزہ طاری ہوجاتا تھا، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی یہاں تک کہ اکثر مصلّی آنسوؤں سے بھیگ جاتا تھا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عبادت کا یہ حال تھا کہ اکثر ساری رات نماز میں گذار دیتی تھیں بیماری اور تکلیف کی حالت میں بھی عبادتِ الٰہی کو ترک نہیں کرتی تھیں، اللہ تعالیٰ کی عبادت، اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی رضاجوئی اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ان کے رگ وریشے میں سما گئی تھیں۔(۱)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے کام کاج میں لگی رہتی تھیں اور قرآن مجید کی تلاوت کرتی رہتی تھیں، وہ چکّی پیستے وقت بھی قرآن پاک کی تلاوت کرتی تھیں۔

۞ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا عبادت وبندگی میں شہرہ رکھتی تھیں، نہایت درجہ کی عابدہ اور زاہدہ تھیں، کثرت عبادت ان کا خصوصی وصف تھا، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسوف

(۱) سیرت فاطمۃ الزہراءؓ۔

کی نماز پڑھا رہے تھے، بہت سے صحابیات بھی شریک نماز تھیں، ان میں حضرت اسماءؓ بھی شامل تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کو کئی گھنٹے طویل کیا، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی طبیعت کچھ کمزور تھی تھک کر چور چور ہوگئیں؛ لیکن بڑے استقلال سے کھڑی رہیں، جب نماز ختم ہوئی تو غش کھا کر گر پڑیں، چہرے اور سر پر پانی چھڑکا گیا تو ہوش میں آئیں۔(۱)

❁ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچی حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نہایت پرہیزگار اور عبادت گزار تھیں، ہر پیر اور جمعرات کو ہمیشہ روزہ رکھا کرتی تھیں۔

❁ حضرت خولاء رضی اللہ عنہا ساری عبادت اور نماز پڑھنے میں گذارتی تھیں، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں حضرت خولاء رضی اللہ عنہا کا ادھر سے گذر ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ خولاء ہیں، جو پوری رات عبادت میں گذارتی ہے اور رات بھر سوتی نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعجب سے فرمایا کہ رات بھر نہیں سوتیں؟ پھر فرمایا کہ انسان کو اتنا ہی کام کرنا چاہیے جسے وہ ہمیشہ نباہ سکے۔(۲)

❁ حضرت صفوان بن معطلؓ کی اہلیہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آکر شکایت کرنے لگی کہ ان کے شوہر انھیں نماز پڑھنے کی بنا پر سختی کرتے ہیں، جب میں روزہ رکھتی ہوں تو میرا روزہ بھی تڑوا دیتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفوان بن معطلؓ سے وجہ دریافت کی تو انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ نماز میں دو لمبی لمبی سورتیں پڑھتی ہیں اور میں انھیں اس سے منع کرتا ہوں، اور روزہ تڑوانے کی حقیقت یہ ہے کہ جب یہ نفلی روزے رکھنے پر آتی ہیں تو رکھتی ہی چلی جاتی ہیں جو میرے لیے تکلیف دہ ہے۔(۳)

---

(۱) بخاری شریف، باب صلاۃ النساء مع الرجال فی الکسوف، حدیث نمبر ۱۰۵۳۔
(۲) مسند احمد، مسند عائشہ حدیث نمبر ۲۵۶۳۲ / ناشر موسسۃ الرسالۃ۔
(۳) مسند احمد، مسند ابی سعید خدریؓ، حدیث نمبر ۱۱۰۸۰۱۔

۞ خوابوں کی تعبیر بتانے والے مشہور امام محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹی حفصہ بنت سیرین رحمۃ اللہ علیہا اپنے زمانے کی معروف تابعیہ ہیں، جن کے بلند مرتبہ کی گواہی اہلِ معرفت حضرات نے دی ہے، حفصہ بنت سیرین رحمۃ اللہ علیہا پاکیزگی، عزت وعفت، اور دین وعبادت کے اعتبار سے عورتوں کی سردار تھیں، ان کی الگ کوٹھری تھی جس میں وہ اکثر عبادت کرتی تھیں؛ اسی لیے عبادت کے معاملے میں بہت ممتاز مقام رکھتی تھیں، اور وہ اس صفت میں حیرت انگیز مقام پر پہنچ گئی تھیں، جہاں پر صرف بڑے زاہدین کی ہی رسائی ہوتی ہے ،مہدی بن میمون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حفصہ بنت سیرین رحمۃ اللہ علیہا تیس سال تک اپنے مصلّی سے سوائے کسی کی بات کا جواب دینے یا قضاءِ حاجت کے نہیں نکلیں۔(۱)

۞ حضرت معاذہ بنت عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہا تابعیہ ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وحضرت علی رضی اللہ عنہ کی شاگردہ ہیں، اپنے وقت کی بڑی عابدہ خاتون تھیں، اپنے نفس کو مخاطب کرتیں اور کہتیں کہ اے نفس! نیند تیرے سامنے ہے، اگر تو چاہے تو تیری قبر میں نیند حسرت یا خوشی میں لمبی ہوسکتی ہے، جب انھیں نیند نہیں آرہی ہوتی تو فوراً اللہ تعالی کی عبادت اور اس کی مناجات میں مستغرق ہوتیں۔(۲) حضرت معاذہ رحمۃ اللہ علیہا کو صبح کی تلاوت بہت محبوب تھی، ان کا دل اللہ تعالی کی حمد وثنا میں مصروف رہتا تھا، عبادت وبندگی کو اپنی عادت بنالی تھی، یہاں تک کہ شبِ زفاف بھی عبادت میں گذرگئی، پوری رات عبادت اور ذکر واذکار کرتی رہی؛ فجر کی اذان تک یہی معمول رہتا، ان کا معمول تھا کہ روزانہ چھ سو رکعات نماز پڑھتیں اور ہر رات وہ قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتیں، جب سردی کا موسم ہوتا تو حضرت معاذہؒ پتلے کپڑے پہنتیں؛ تا کہ سردی کی وجہ سے نیند نہ آئے اور عبادت میں سستی پیدا نہ ہو۔(۳)

---

(۱) سیر اعلام النبلاء، باب عمرۃ بنت عبد الرحمن ۴/ ۵۰۷۔
(۲) سیر اعلام النبلاء باب معاذۃ بنت عبد اللہ ۵۰۹/ ۴
(۳) نساء من عصر التابعین مصنف احمد خلیل جمعہ۔

۞ حضرت عبد اللہ بن مسلم عجلی بیان کرتے ہیں کہ مکہ میں ایک نہایت حسین و جمیل خاتون رہتی تھی اور اسے اپنے حسن و جمال پر بڑا ناز تھا، ایک مرتبہ وہ عبید بن عمیرؒ کے پاس ایک مسئلہ پوچھنے لگی اور دورانِ گفتگو اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا کر انھیں اپنی طرف مائل کرنے لگی تو عبید بن عمیرؒ نے اس عورت کو (موت، قبر، اللہ کے سامنے حاضری کے ذریعہ) نصیحت فرمائی اور اسے اعمال خیر پر اُبھارا، اتنی سے گفتگو پر وہ اس قدر متاثر ہوئی کہ گھر جا کر شوہر سے کہنے لگی کہ ہم دونوں نے آج تک آوارگی اور غفلت میں زندگی گذاری ہے، اس کے بعد سے وہ نماز، روزہ اور عبادت میں مصروف ہوگئی، اس عورت کا شوہر کہا کرتا تھا کہ عبید بن عمیرؒ نے میری بیوی کو کیا کر دیا ہے جو ہر وقت عبادت الٰہی میں مشغول رہتی ہے اور رہبانیت کی زندگی گذارتی ہے۔(۱)

۞ حضرت عفیرہ عابدہ رحمۃ اللہ علیہا کے رونے کی وجہ سے بینائی ختم ہوگئی، ایک مرتبہ میں عفیرہ عابدہ رحمۃ اللہ علیہا سے دریافت کیا گیا کہ آپ راتوں کو سوتی نہیں ہیں، یہ کہنا تھا کہ رونے لگیں اور فرمایا میں خود چاہتی ہوں کہ کچھ سولوں لیکن تم خود ہی بتاؤ میں کیسے سو سکتی ہوں جبکہ انسان کے دونوں محافظوں دن اور رات کسی وقت بھی اس سے جدا نہیں ہوتے ہیں۔

ان کے بارے میں یحیٰ بسطام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے خوف خدا سے رونے لگیں ان کی آنکھیں جارتی ہیں ہم لوگوں نے ان سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ آنکھوں کی بینائی صائع ہونے سے زیادہ غم کی بات قلب کی بینائی ضائع ہوجاتا ہے۔(۲)

۞ یحییٰ بن بسطام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں شعوانہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوتا اور جو کچھ ان کی فریاد وزاری ہوتی اس کو دیکھا کرتا ایک بار میں نے اپنے یار سے کہا کے چلیں جب یہ

---

(۱) ماہنامہ دارالعلوم ،شمارہ 12، جلد 100: ،ربیع الاول 1438 ہجری مطابق دسمبر 2016ء
(۲) صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی ۴۔۲۱۔

تنہا ہوں تو ان سے کہیں گے کہ اپنے نفس پر کچھ نرمی کریں اس نے کہا کہ اختیار ہے چلو۔

ہم ان کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اگر اپنے نفس پر نرمی کریں اور اتنا نہ رویا کریں تو جو تمہاری مراد ہے اس پر یہ بات زیادہ مددگار ہوگی وہ یہ بات سن کر رو پڑیں پھر یہ کہا میں تو یہ چاہتی ہوں کہ اتنا روؤں کہ میرے تن میں آنسو نہ رہے پھر خون رو دیا کروں یہاں تک کہ میرے کسی عضو میں ایک قطرہ خون کا باقی نہ رہے مگر مجھے رونا کہاں آتا ہے میں کب روتی ہوں اسی جملے کو بہت دفعہ کہا کہ میں کہاں روتی ہوں پھر بے ہوش ہوگئیں۔(۱)

۞ بی بی خنساء رحمۃ اللہ علیہا بنت خدام رحمۃ اللہ علیہا کی عبادت کے متعلق حضرت حفص بن الجعفیؒ فرماتے ہیں کہ خنساء بنت خدام رحمۃ اللہ علیہا یمن کی رہنے والی تھیں وہ بڑی پاک باز عبادت گزار اور خدا ترس خاتون تھیں انہوں نے چالیس سال متواتر روزے رکھے جس کی وجہ سے ہڈی اور چمڑا ایک ہوگیا تھا وہ یاد الٰہی میں اس قدر روتی تھی تھیں کہ رفتہ رفتہ ان کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی امام طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کی بہت تعظیم کرتے تھے۔

جب رات آجاتی اور ہر طرف سناٹا چھا جاتا تو انکی درد اندوہ میں ڈوبی ہوئی آواز بلند ہوتی میں خالق ارض وسماء میں کب تک اس دنیا میں قید رہوں گی مجھے جلد نجات دے تا کہ میں تیرا وعدہ پورا ہوتا ہوا دیکھ سکوں پھر ان پر گریہ طاری ہو جاتا اور پھر وہ دیر تک روتی رہتیں ان کے رونے کی آواز پڑوسیوں تک بھی پہنچتی رہتی۔(۲)

یہ واقعات بتاتے ہیں کہ عورت ذات عبادت کے معاملہ میں کبھی مردوں سے پیچھے نہیں رہی؛ بلکہ ان کا ذوق عبادت اور اللہ تعالی سے خصوصی تعلق ومحبت مثالی رہا ہے، آج کل کی خواتین بھی ان کے نقش قدم پر چل کر دنیا وآخرت میں سرخ رو ہو سکتی ہیں، اللہ تعالی ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے! آمین۔

---

(۱) روضۃ الصالحات ۵۹ نزھۃ المجالس۔

(۲) صفۃ الصفواۃ لابن الجوزی ۲۔ ۱۱۳۔

چوتھا باب

رؤیتِ ہلال کے مسائل

اس باب میں چاند دیکھے جانے کا اعتبار کس ملک سے کس ملک تک کا کیا جائے گا؟ اور چاند دیکھنے میں جو کوتاہیاں کی جاتی ہیں اس کا مختصراً ذکر کیا گیا ہے، تفصیل کے لیے کتب فتاوی دیکھی جا سکتی ہیں۔

چاند کے ساتھ حکم شرعی کیوں متعلق ہے؟

اسلام ایک سادہ مذہب ہے اور اس کی تمام تعلیمات اسی سادگی اور معقولیت کا عکاس ہیں، اسی لیے اسلام نے شرعی احکام کو چاند کے کیلنڈر سے متعلق کیا ہے یا عید الفطر یا عید الاضحی سب قمری تاریخوں سے متعلق ،ان سے آگاہ ہونا ہر عام وخاص کے لیے آسان ہے، چونکہ اس میں ایک نفسیاتی پہلو بھی ہے کہ خوشی کی بات اگر اچانک حاصل ہو تو خوشی دو بالا ہو جاتی ہے، اگر پہلے سے ایک وقت مقرر ہو تو مسرت وشادمانی کی وہ غیر معمولی کیفیت پیدا نہیں ہوتی، برسات میں بارش ایک معمولی چیز ہے لیکن گرما میں بارش ہو جائے تو مسرت کا ٹھکانا نہیں ہوتا،لوگ بارش کے استقبال کے لیے گھروں سے باہر نکل آتے ہیں،اسی طرح انتیس تاریخ کو تذبذب اور انتظار کی ایک پر شوق کیفیت ہوتی ہے،اگر انتیس کو چاند نکل آئے تو ایک ایسی مسرت حاصل ہوتی ہے جس کا پہلے سے حاصل ہونا یقینی نہیں تھا،اس سے جو نفسیاتی نشاط پیدا ہوتا ہے اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

احکامِ شریعت کا چاند سے متعلق ہونے کی حکمت

بعض اوقات چاند کے سلسلے میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور یہ اختلاف انتشار کا سبب بنتا ہے،بعض لوگ اسے شریعت کا قصور سمجھتے ہیں ،یہ محض نادانی اور نا سمجھی کی بات ہے، شریعت کے احکام بالکل واضح ہیں،اصل میں ملک کے مختلف صوبوں میں موجود رویت ہلال کمیٹیوں کے درمیان ارتباط کے مفقود ہونے کی وجہ سے اختلاف اور انتشار کی بات آتی ہے، ورنہ فقہی اور فنی اعتبار سے غور کریں ایسے دوعلاقے جن کا مطلع ایک ہو اور مطلع صاف بھی ہو تو کیا یہ ممکن ہے کہ ''چاند'' کے افق پر دیر سے پیدا ہونے اور غروب آفتاب کے بعد کم وقت تک باقی رہنے کی وجہ سے ایسی جگہ جہاں پہلے آفتاب غروب ہوتا ہو چاند نظر آجائے اور جہاں دیر سے سورج ڈوبتا ہو وہاں چاند نظر نہ آئے ؟ نیز ایسی صورت میں کیا ایک جگہ کی رؤیت

دوسری جگہ کے لئے معتبر ہوگی ؟ مثلاً شہر میسور صوبہ کرناٹک میں چاند کی عمومی رؤیت ہو، کرناٹک بہار، گجرات، ہریانہ کے بعض علاقوں سے چاند دیکھے جانے کی خبر آئے ،لیکن مہاراشٹر، آندھرا پردیش، تلنگانہ، اڑیسہ کی اتنی لمبی پٹی میں کہیں سے مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند دیکھنے کی اطلاع نہ ملے، ضرورت ہے کہ ہر صوبے کی رویت ہلال کمیٹیوں کا ملک گیر سطح پر ایک وفاق ہو اور وہ آپس میں معلومات کا تبادلہ کریں اور ایک دوسرے سے مشورہ کر کے فیصلہ کریں، اس نہ صرف یہ کہ مسلمان باہمی انتشار سے بچیں گے بلکہ دوسروں کو اور خاص کر ذرائع ابلاغ کو ہم پر ہنسنے کا موقع ملتا ہے اس کا بھی تدارک ہو سکے گا۔

اختلافِ عیدین باعثِ شرمندگی ہے

اس میں شبہ نہیں کہ اسلام کی تمام عبادتوں میں اجتماعیت کا رنگ ہے، اسی لیے پنجگانہ نمازیں جماعت کے ساتھ فرض کی گئی، جمعہ میں پورے محلے کی ایک جماعت کی صورت پیدا گئی، عیدین میں مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی آبادیاں یکجا ہو جاتی ہیں، حج مسلمانوں کا بین الاقوامی اجتماع ہے، اس لیے عیدین میں ایک حد تک وحدت مطلوب ہے، ایک ہی علاقے میں الگ الگ دن عید ہونا مناسب طریقہ نہیں ہے، اس سے مسلمانوں کی اجتماعیت متاثر ہوتی ہے، عید کی خوشیاں بے لطف ہو جاتی ہیں، سب سے افسوسناک پہلو تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں پیدا ہونے والے انتشار سے جگ ہنسائی کی نوبت آتی ہے، ذرائع ابلاغ ایسے واقعات کی تاک میں رہتے ہیں وہ اسے مزید ہوا دیکر اچھالتے ہیں، ایسے واقعات کو اسلام اور مسلمانوں کی شبیہہ بگاڑنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

فلکیاتی پیشین گوئی کی حیثیت

اختلافِ عید کی صورتحال سے نمٹنے کے لیے بعض لوگ کا خیال ہے کہ فلکیاتی پیشن گوئی کی بنیاد پر چاند کا فیصلہ کیا جائے، یعنی پہلے ہی سے عید و بقر عید اور آغاز رمضان کی تاریخیں مقرر

ہوں، ہمارے فقہاء کرام امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور تمام ہی قابل ذکر فقہاء نے چاند کی رویت کے سلسلے میں فلکیاتی ماہرین کے اقوال کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے، صرف بعض شوافع جیسے علامہ سبکی، قاضی عبدالجبار رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ نے کچھ حدود اور قیود کے ساتھ اسے قابل توجہ سمجھا ہے، مشہور فقیہ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''الغافل والوسنان علی احکام ھلال رمضان'' میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی ہے حاصل یہ کہ [۱] ایسی فنی تحقیقات کو احکام شریعت کے لیے معیار بنانا اس سادگی کے مغایر ہے جو احکام شریعت کی بنیادی امتیازات میں سے ہے [۲] جیسے سادہ طریقے پر رویت میں غلطی کا امکان ہے فنی اندازوں میں بھی اس کا احتمال موجود ہے [۳] چاند کا دیکھنا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مستقل سنت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر رجب شعبان اور رمضان کے چاند دیکھنے کی تاکید فرمائی ہے، چاند دیکھنے کے موقع پر مستقل دعا سکھائی گئی ہے، جس میں برکت وسلامتی اور ایمان اور اسلام کو اللہ سے مانگا جاتا ہے [۴] عبادت کا انتظار بجائے خود عبادت ہے، آنکھوں کی رؤیت کی صورت میں لوگ عید اور روزے کے لیے سراپا انتظار رہتے ہیں، یہ تمام باتیں فنی رؤیت کے ذریعے حاصل نہیں ہوسکتی، اس لیے یہ رائے قابل قبول نہیں ہے، البتہ فلکیاتی تحقیق سے اس قدر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کہ جس تاریخ کو طلوع ہلال کا امکان نہ ہو اس روز کی رویت کی شہادت کافی تحقیق کے بعد ہی قبول کی جائے، جس دن فنی اعتبار سے طلوع ہلال کا امکان زیادہ ہو، اس دن معمولی خبر کا بھی اعتبار کرلیا جائے۔

وحدتِ عید کا ایک غیر معتبر طریقہ

عید میں وحدت پیدا کرنے کے لیے ایک اور رجحان یہ ہے کہ پوری دنیا میں حرمین شریفین کی رؤیت کے مطابق عمل کیا جائے، چنانچہ امریکہ اور یورپ کے بعض ملکوں میں عربوں نے اور کچھ دوسرے مسلمانوں نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے، برطانیہ میں کچھ لوگ

سعودی عرب کے مطابق اور کچھ لوگ وہاں سے قریبی مسلمان ملک مراکش کی رؤیت پر عمل کرتے ہیں، خود ہندوستان میں ''کیرالہ'' کے مسلمانوں کا عمل سعودی عرب کی رؤیت پر ہے، غور کیا جائے تو یہ نقطہ نظر نہ حضور ﷺ کے ارشاد مبارک سے ہم آہنگ ہے اور نہ قانون فطرت سے، آپ ﷺ نے اصول مقرر کر دیا کہ ہر علاقے کے لیے وہاں کی رویت معتبر ہوگی چنانچہ خود آپ ﷺ نے کے سامنے یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک علاقے میں رمضان پہلے شروع ہوگیا اور مدینہ منورہ میں بعد میں لیکن آپ ﷺ نے ان دونوں میں یکسانیت پیدا کرنے کی کوشش نہیں فرمائی۔(۱)

پوری دنیا میں وحدت عید ممکن ہے؟

پوری دنیا میں ایک ہی دن عید ہونے کی یہ بات عقل وفطرت کے مطابق بھی ہے، کیونکہ دنیا گول ہے پوری دنیا میں بیک وقت صبح اور شام اور رات و دن کی یکسانیت پیدا کرنا ممکن ہی نہیں، ہوسکتا ہے کہ جس وقت سعودی عرب میں عید کی نماز ہو رہی ہو کہیں مغرب کی نماز پڑھی جا رہی ہو کہیں تہجد کا وقت ہو، اس لیے فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم تقریبا اس بات پر متفق ہیں کہ مطلع کے مختلف ہونے کا اعتبار ہوگا، اگر دو جگہوں کا مطلع الگ الگ ہو تو ایک جگہ چاند نظر آنے کی وجہ سے رمضان یا عید کا حکم دوسری جگہ نہیں ہوگا، حالانکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصل رائے اس سے مختلف ہے، لیکن فقہاء احناف رحمۃ اللہ علیہم میں بھی بعد کے اہل علم نے یہی موقف اختیار کیا ہے کہ مطلع کے اختلاف کا اعتبار ہوگا، ایک جگہ چاند کا نظر آنا کسی دوسری جگہ کے چاند کے نظر آنے کے لیے معتبر نہ ہوگا۔(۲)

اس لیے یہ کوشش کہ پوری دنیا میں ایک ہی عید ہو یا مختلف ملکوں کی عید ایک ہی دن ہو، نہ شرعا مطلوب ہے نہ عقلا قابل قبول۔

---

(۱) مسلم شریف حدیث نمبر ۲۵۲۸۔ کتاب الصوم باب بیان ان کل بلد رویتھم الخ۔

(۲) مراقی الفلاح وطحطاوی: ۴۳۶، فتاوی تاتارخانیہ: ۳/ ۳۵۵، تبین الحقائق: ۱/ ۳۲۱

اختلافِ مطالع کا مطلب کیا ہے؟

حدیث میں ہے کہ ہر ''بلد'' کے رہنے والوں کے لیے اسی بلد کی رؤیت کا اعتبار ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''بلد'' کا مفہوم متعین نہیں فرمایا کہ اس کا دائرہ کیا ہوگا؟ عربی زبان میں ''بلد'' کا اطلاق چھوٹے اور بڑے علاقے پر ہوتا ہے، ایک شہر پر بھی ہوتا ہے اور ایک ملک پر بھی، سوال یہ ہے کہ حدیث میں ''بلد'' کے لیے معیار کیا ہوگا؟ فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اس کو اپنے فہم سے متعین کرنے کی کوشش کی کہ وہ پورا علاقہ جہاں کا مطلع ایک ہو، اس کو ایک بلد سمجھا جائے گا اس میں کہیں بھی چاند نظر آجائے تو دوسری جگہ اس کا اعتبار کیا جائے گا، گزشتہ ادوار میں یہ بھی متعین کرنا دشوار تھا کہ کہاں سے کہاں تک کا مطلع ایک سمجھا جائے گا؟ اس سلسلے میں فقہائے متاخرین کے یہاں راجح قول یہ ہے کہ ایسے علاقے جن میں مسافت ایک ماہ تک کی ہو، اس کو ایک مطلع کے تحت سمجھا جائے گا اور فقہاء کرام مسافت کا جو اندازہ لگاتے تھے اس اندازے سے اس زمانے میں ایک ماہ کے مسافت تقریباً چھ سو میل تصور کی جاتی تھی۔ (۱) آج کے ترقی یافتہ دور میں فلکیاتی ماہرین کی مدد سے اس بات کا متعین کرنا چنداں دشوار نہیں کہ کہاں سے کہاں تک کا مطلع ایک ہے؟ چنانچہ اس دور کے اہل علم کی رائے میں ایسی دو جگہیں جن میں ایک دن کا فرق ہو جاتا ہو، انکا مطلع الگ الگ سمجھا جائے گا۔

مجلسِ تحقیقات شرعیہ کے فیصلے

۳ / ۴ مئی ۱۹۶۷ء کو مجلسِ تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کا اجلاس خاص اس موضوع پر منعقد ہوا، جس میں مختلف مکاتب فکر کے اربابِ افتاء اور نمائندے شریک ہوئے، اس میں جو فیصلے کیے گئے ان کی دفعات نمبر ۳ تا ۶ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ نفس الامر میں پوری دنیا کا مطلع ایک نہیں ہے، بلکہ اختلاف مطالع مسلم ہے، یہ

---

(۱) مجموعۃ الفتاوی مع خلاصۃ الفتاوی: ۱/ ۲۵۵، مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمہ اللہ۔

ایک واقعاتی چیز ہے جس میں فقہائے کرام کا کوئی اختلاف نہیں اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

۲۔) البتہ فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اس باب میں مختلف ہیں کہ صوم اور افطار صوم کے باب میں یہ اختلاف مطلع معتبر ہے یا نہیں؟ محققین احناف اور علمائے امت رحمۃ اللہ علیہم کی تصریحات اور ان کے دلائل کی روشنی میں مجلس کی متفقہ رائے ہے کہ بلادِ بعیدہ میں اس باب میں بھی اختلاف مطلع معتبر ہے۔

۳۔) بلادِ بعیدہ سے مراد یہ ہے کہ ان میں اس قدر دوری واقع ہو کہ عادتاً ان کی رؤیت میں ایک دن کا فرق ہوتا ہے، ایک شہر میں ایک دن پہلے چاند نظر آتا ہے اور دوسرے میں ایک دن کے بعد، ان بلادِ بعیدہ میں اگر ایک کی رویت دوسرے کے لئے لازم کر دی جائے تو مہینہ کسی جگہ اٹھائیس دن کا رہ جائے گا اور کسی جگہ تیس دن کا قرار پائے گا، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔

۴۔) بلادِ قریبہ وہ شہر ہے جن کی رویت میں عادتاً ایک دن کا فرق نہیں پڑتا، فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم ایک ماہ کی مسافت کی دوری کو جو تقریباً ۵۰۰ یا ۶۰۰ میل ہوتا ہے، بلادِ بعیدہ قرار دیتے ہیں اور اس سے کم کو بلادِ قریبہ مجلس اس سلسلے میں ایک ایسے چارٹ کی ضرورت سمجھتی ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ مطلع کتنی مسافت پر بدلتا ہے اور کن کن ملکوں کا مطلع ایک ہے؟

۵۔) ہندوستان اور پاکستان کے بیشتر حصوں اور بعض قریبی ملکوں مثلاً نیپال وغیرہ کا مطلع ایک ہے، علماء ہندو پاک کا عمل ہمیشہ اسی پر رہا ہے، غالباً تجربہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان ملکوں کے شہروں میں اس قدر بعد مسافت نہیں کہ مہینے میں ایک دن کا فرق پڑتا ہو، اس بنیاد پر دونوں ملکوں میں جہاں بھی چاند دیکھا جائے شرعی ثبوت کے بعد اس کا ماننا دونوں ملکوں کے تمام اہل شہر پر لازم ہوگا۔

۶۔) مصر اور حجاز جیسے دور دراز ملکوں کا مطلع ہندو پاک کے مطلع سے علیحدہ ہے، یہاں کی رؤیت ان ملکوں کے لیے اور ان ملکوں کی رؤیت یہاں کے لیے ہر حالت میں لازم اور

قابل قبول نہیں ہے، اس لیے کہ ان میں اور ہندو پاک میں اتنی دوری ہے کہ عموماً ایک دن کا فرق ان میں واقع ہوجاتا ہے، بعض اوقات اس سے بھی زیادہ۔

فقہی اختلافات یا ذہنی فاصلے؟

چاند کے سلسلے میں اختلاف کی بنیاد فقہی مسائل سے زیادہ باہمی ذہنی فاصلوں پر ہے، یہ ایک تلخ حقیقت اور کڑوی سچائی ہے کہ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کرتے یا نہیں کرنا چاہتے ہیں، اسی طرح تنظیمیں باہمی چپقلش کی وجہ سے بعض اوقات ایک دوسرے کے فیصلے پر مطمئن نہیں ہوتیں، اس کے علاوہ مختلف علاقوں کے رویت ہلال کمیٹیوں کے درمیان معلومات کے تبادلے کا مناسب انتظام نہیں ہے۔

اختلاف سے بچنے کے لیے ہلال کمیٹی کیسی بنائی جائے؟

اس اختلاف کا حل بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ کم سے کم اہل سنت والجماعت کی رویت ہلال کمیٹیوں میں اہل سنت کے تمام مکاتب فکر کے نمائندے شامل ہوں، اہل سنت میں علماء دیوبند، علمائے بریلوی اور علمائے اہل حدیث کے حلقے ملک کے سبھی علاقوں میں پائے جاتے ہیں، بعض علاقوں میں ایسے اہل علم بھی ہیں جو فقہ حنفی ہی کے متبع ہیں، لیکن ان کا نقطۂ نظر بعض مسائل کی توضیح اور تشریح میں علماء دیوبند اور علماء بریلی سے کسی قدر مختلف ہے جیسے آندھراپردیش میں جامعہ نظامیہ، بہار میں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، یوپی میں فرنگی محلی ان حلقوں سے بھی اکابر اہل علم اور اصحاب نظر پیدا ہوتے رہے ہیں، فقہ حنفی کے مقلدین کا ایک بڑا حلقہ ان علمی وفکری مراکز سے مربوط ہے، اسی طرح بعض علاقوں میں فقہ شافعی کے متبعین بھی پائے جاتے ہیں جیسے کیرالہ، بھٹکل اور کوکن وغیرہ، اسی طرح بعض مساجد کو پوری ریاست میں مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی ہے جیسے دہلی میں جامع مسجد، کلکتہ میں ناخدا مسجد، حیدرآباد میں مکہ مسجد اگر ہر علاقے کے پس منظر میں ان تمام مکاتب فکر کی نمائندگی اور ان مساجد کے

ائمہ کو شریک کرتے ہوئے ریاستوں کی رویت ہلال committee بنائی جائے اور اس میں ایک دو فلکیات کے ماہرین بھی شامل ہوں، نیز انہی خطوط پر ایک مرکزی ہلال committee تشکیل پائے یہ سب باہمی ارتباط سے فیصلہ کریں تو امید ہے کہ اختلاف وہ انتشار کی وہ صورت پیدا نہ ہوگی، جس سے اس وقت مسلمانان ہند دو چار ہے، اور انشاءاللہ ذرائع ابلاغ کو استہزاء اور تضحیک کے مواقع بھی ہاتھ نہ آئیں گے، اگر ضرورت محسوس کی جائے تو ان کمیٹیوں کو مزید موثر بنانے کے لیے ہندوستان کی بڑی دینی جامعات جیسے دارالعلوم دیوبند دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ اشرف العلوم مبارک پور، جامعہ سلفیہ بنارس اور ملک مختلف کی تنظیموں جیسے امارت شرعیہ بہار واڑیسہ و جھارکھنڈ، جمعیت علماء ہند، جماعت اسلامی وغیرہ کے نمائندوں کو بھی اس میں شامل کیا جاسکتا ہے، چونکہ عیدین اور رمضان کے سلسلے میں اہلِ سنت و اہل تشیع کے درمیان کوئی جوہری اختلاف نہیں، اس لیے فقہ جعفری کے علماء کو بھی شامل کر کے رمضان اور عیدین کا ایک ایسا اعلان کیا جاسکتا ہے جو تمام اہل قبلہ کے درمیان وحدت کا مظہر ہو۔

یہ بات بھی ضروری ہے کہ ان کمیٹیوں کا نیٹ ورک اضلاع اور تعلق جات تک وسیع ہو اور ان جگہوں میں کمیٹی کی طرف سے دو تین علماء کو مجاز قرار دیا جائے، ان کے پاس چاند دیکھنے کی شہادت دی جائے، یہ حضرات گواہی لیں اور فون وغیرہ کے ذریعے اپنے اوپر کی کمیٹیوں کو خبر دیں، فون پر گواہی دینا تو معتبر نہیں، لیکن جو بات گواہوں کے بیانات سے ثابت ہو چکی ہے، فون پر اس کی اطلاع دی جاسکتی ہے کیونکہ یہ خبر ہے نہ کہ شہادت۔

وحدتِ امت کے لیے کشادہ قلبی ضروری ہے

رؤیت کے مسئلے میں آئے دن، دین اور علمائے دین کی جو بے آبروئی ہوتی ہے پورے ملک میں مسلمانوں کے درمیان جو اختلاف اور انتشار رونما ہوتا ہے واقعہ ہے کہ وہ حساس اور دردمند لوگوں کے لیے تکلیف دہ ہے، معلوم نہیں کہ کتنی کانفرنسیں اور نشستیں کتنے جلسے

اور سیمینار اس موضوع پر ہو چکے ہیں، مگر عملاً روز اول سے اس کا حل اس کے سوا کچھ نظر نہیں آتا کہ مسلمانوں کی تمام جماعتیں مکاتب فکر اور ادارے مسلمانوں میں با اثر شخصیتیں فروعی اختلافات سے پرے اٹھ کر جمع ہوں وہ مرکزی سطح پر ایک committee تشکیل کریں جو رؤیت ہلال کا فیصلہ کرے اور کھلے عام اس کا اعلان ہو جائے، اس طرح امت ایک بڑے اختلاف سے بچ سکے گی اور خدا کی شریعت علماء کے باہمی تنافس سے ہونے والی بے آبروئی اور اس کی بنا پر خدا بیزار اور دین سے بیگانہ لوگوں کے طعن و تشنیع سے محفوظ رہ سکے گی۔

مسلمانوں کی وحدت، انتشار سے حفاظت، دین وشریعت کی حرمت ہر طبقے کے علماء اور ارباب حل وعقد کے وقار واعتبار کے برقراری کے لیے کیا علمائے دین وخادمین شریعت اتنی سی فراخ چشمی اور کشادہ قلبی کے لیے بھی تیار نہیں ہیں؟ (۱)

رؤیت ہلال کمیٹی کی ذمہ داری

چاند کا اعلان اصل میں مسلمانوں کے امیر اور سلطان کی ذمہ داری ہے اور عام مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہیے، اگر ذمہ دار نے اپنے فیصلے میں شرعی اصولوں کا لحاظ نہیں کیا تو وہ عنداللہ جواب دہ ہوں گے، ہندوستان جیسے ملک میں سلطان کے قائم مقام مسلمانوں کی جانب سے مقرر ہونے والا قاضی یا رویت ہلال committee ہے، قاضی اور رؤیت ہلال committee کو چاہیے کہ شرعی اصولوں کی رعایت کرتے ہوئے فیصلہ کرے اور عام مسلمانوں کو چاہیے کہ اختلاف وہ انتشار سے بچتے ہوئے اس فیصلے پر عمل کریں۔

رمضان کا چاند نظر نہ آئے تو کیا حکم ہے؟

(۱) آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے: "صوموا الرؤيتِهِ وَأفطرُوا الرُؤيتِهِ" یعنی چاند دیکھ کر روزہ شروع کرو اور چاند دیکھ کر افطار کرو یعنی عید کرو، اگر ہر شخص کو چاند دیکھنے کا

---

(۱) شمع فروزاں: ۱/۱۷۱

مکلف کردیا جاتا اور ضروری قرار دیا جاتا تو اس سے مشقت لازم آجاتی اور ہر شخص دیکھ نہیں سکتا ہے، اس لیے مطلب ہوگا کہ اگر چاند کی رؤیت کا ثبوت تمھیں مل جائے تو روزہ رکھو، اور چاند کی رؤیت کے ثبوت کے پانچ طریقے ہیں۔

[۱] رؤیت۔

[۲] رؤیت کی شہادت یعنی دو عادل شخص خود قاضی یا ہلال کمیٹی کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دیں۔

[۳] شہادت علی الشہادت، یعنی چاند دیکھنے والے خود تو حاضر نہ ہوں؛ لیکن ان میں سے ہر ایک کی گواہی پر دو عادل شخص گواہی دیں، مثلاً کہیں کہ ہمارے سامنے فلاں شخص نے چاند کی گواہی دی ہے۔

[۴] شہادت علی القضاء یعنی جس شخص کو بھی چاند کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہو مثلاً رؤیتِ ہلال کمیٹی، یا ذمے دار عالم دین و مفتی کے فیصلے پر دو گواہوں کے سامنے مہر بند کرکے دوسرے شہر کی کمیٹی یا قاضی کو بھیج دیں۔

[۵] خبرِ استفاضہ یعنی جس جگہ چاند دیکھا گیا ہے وہاں کے قاضی یا کمیٹی نے اس چاند کے دیکھنے کو قبول کرلیا ہو، اور اس قبولیت کی خبر تواتر کے طور پر کہ جس سے غلبۂ ظن حاصل ہوجائے، دوسری جگہ پہنچے جہاں چاند نہیں دیکھا گیا ہے، تو یہ خبر مستفیض ہے جو اسی طرح علمِ یقین کا فائدہ دیتی ہے، جس طرح شہادت فائدہ دیتی ہے۔ ”لیس المراد تعلق الصوم بالرؤیة فی حق کل احد، بل المراد بذلک رؤیة بعضهم وهو من یثبت به ذلک إما واحد علی رأی الجمهور أو اثنان علی رأی الآخرین“(۱)

(۲) جن ملکوں میں اقتدارِ اعلیٰ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے وہاں چاند کا اعلان وہی معتبر ہوگا جو حکومت کی طرف سے مقرر کردہ افراد یا کمیٹی کی طرف سے کیا جاوے، اپنے طور پر

---

(۱) فتح القدیر: ۳۱۴/۴، شرح النووی للمسلم: ۳۴۷/۱، مرقاۃ المفاتیح: ۲۴/۴، عمدۃ القاری: ۲۸۱/۱۰، کتاب النوازل: ۲۷۸/۶

عوام کو روزہ رکھنے یا عید کرنے کا اختیار نہ ہوگا، ہندوستان میں جہاں اقتدارِ اعلیٰ مسلمانوں کو حاصل نہیں ہے، یہاں چاند کے اعلان کا اختیار معتبر رؤیتِ ہلال کمیٹیوں یا علاقے کے بااثر ائمہ وعلماء کو ہوگا، ان ہی کے فیصلے پر روزہ وعید ہوگی اور جس کا جتنا دائرۂ اثر ہے اسی حد تک اس کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ "والصحيح من هذا كله أنه مفوض إلى رأى الإمام، والعالم الثقة فى بلدة لا حكم قائم مقامه."(۱)

(۳) اگر مطلع ابرآلود ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے اور دو عادل شخص متبعِ شریعت، مسلمان حاکم یا ہلال کمیٹی کے پاس آ کر یہ گواہی دیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے، تو خواہ نہ دیکھنے والے کتنے ہی لاکھ ہوں، سب پر روزہ رکھنا فرض ہو جاتا ہے، اسی طرح دو عادل متبعِ شریعت مسلمان حاکم یا ہلال کمیٹی کے سامنے گواہی دیں کہ فلاں شہر کے ذمے داروں اور ہمارے سامنے دو عادل شخصوں نے رؤیتِ ہلال کی گواہی دی ہے، یا فلاں شہر کے ذمے داروں نے رؤیتِ ہلال کے ثبوت کا فیصلہ کیا ہے، یا کسی علاقے میں رؤیتِ ہلال ہو جانے پر اس کثرت سے خبریں پہنچیں کہ متواتر و مشہور کے درجے کو پہنچ گئیں، ان تمام صورتوں میں روزہ رکھنا فرض ہو جاتا ہے۔(۲)

(۴) اگر مطلع ابرآلود ہو اور سوائے ایک شخص کے کسی کو چاند نہ دکھائی دیا ہو تو اس شخص پر روزہ رکھنا فرض ہے؛ چوں کہ اس نے چاند دیکھا ہے، اور دوسروں کے حق میں وہ دلیل نہیں؛ کیوں کہ نصابِ شہادت (دو گواہ) نہیں پائے گئے، یہ دونوں صورتیں اس وقت ہیں جب کہ شعبان کی ۲۹ر ہو۔

(۵) اگر ایک شہر میں چاند نظر آ گیا جب کہ دوسرے شہر میں نظر نہیں آیا، تو جس شہر میں نظر نہیں آیا ہے وہ تابع ہیں ان کے جن کو نظر آ گیا ہے؛ اس لیے وہ بھی روزہ رکھ لیں گے

---

(۱) شامی: ۳/۳۵۶، عمدۃ الرعایۃ: ۱/۲۴۶، انوارِ رحمت: ۵۱۴، جواہر الفقہ: ۱/۴۰۲، جدید فقہی مسائل: ۲/۲۷

(۲) امداد المفتیین: ۴۸۷، امداد الفتاوی: ۲/۱۰۳

پورے ہندوستان میں کسی بھی شہر میں چاند نظر آجائے اور معتبر ذرائع سے دوسرے شہر والوں تک خبر پہنچ جائے تو ان کے لیے ضروری ہے کہ روزہ رکھ لیں، بل کہ اگر پاکستان میں چاند نظر آجائے اور معتبر شہادت سے ثابت ہو جائے تو ہندوستان والوں کو روزہ رکھنا ضروری ہے۔

(۶) سعودی عربیہ میں چاند نظر آیا تو ہند و پاک والوں پر روزہ رکھنا ضروری نہیں ہے، اس سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ جس ملک کے چاند کو مان لینے سے اس ملک کی تاریخ میں فرق آتا ہو، مثلاً مہینہ ۲۸ / یا ۲۹ / دن کا ہو جاتا ہو، تو اُس ملک کا چاند اِس ملک کے حق میں دلیل نہیں ہوگا، اور اگر تاریخ میں فرق نہ ہوتا ہو تو اس ملک کا چاند اس ملک کے حق میں معتبر ہوگا، چناں چہ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال، سب کی تاریخ ایک ساتھ چلتی ہے، تو ان شہروں میں کہیں بھی چاند دکھائی دے اور بطریقِ موجب (دو عادل شخصوں کی گواہی سے) دوسرے شہر سے یہ خبر موصول ہو تو دوسرے شہر والوں پر بھی روزہ رکھنا فرض ہے، قاضی اور ہلال کمیٹی بھی اسی کی مکلف ہے، جیسا کہ ہندوستان میں عموماً اسی طرح چلتے آرہا ہے، اور اگر بطریق موجب خبر نہ پہنچے محض جس شہر میں نظر آیا وہاں اعلان کر دیا گیا؛ لیکن وثوق سے کوئی خبر نہیں پہنچی تو دوسرے شہر والے اس کے مکلف نہیں ہیں، بل کہ وہاں کی عوام اپنے شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی کے فیصلے پر عمل کرے، سعودی عربیہ اور ہند و پاک کی تاریخ ایک ساتھ نہیں چلتی؛ اس لیے سعودی کا چاند ہند و پاک کے لیے دلیل نہیں ہے۔(۱)

(۷) اگر کسی شہر میں چاند نظر نہ آئے تو دوسرے شہروں سے خبریں معلوم کرنا ضروری نہیں ہے البتہ جائز ہے، آں حضرت ﷺ اپنے زمانے میں اور صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے عہد میں خبر معلوم کرنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے، نیز اگر ۲۹ / کو چاند نظر نہ آوے تو ہم ۳۰/ دن شعبان کے مکمل کرنے کے مکلف ہیں، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاوی میں لکھا ہے کہ ”چوں کہ کوئی حکم بلا دلیل ثابت نہیں ہوتا، اور اس کے (دوسری جگہ سے چاند کی

(۱) ملخص از: فتاوی محمودیہ: ۳/ ۱۲۲، رمضان اور جدید مسائل: ۴۱، رؤیتِ ہلال از مولانا میاں صاحب: ۱۰۴

خبر معلوم کرنے کے لیے) وجوب کی کوئی دلیل نہیں، لہذا یہ امر واجب نہیں ہے''۔(۱)

نوٹ: چاند کے سلسلے میں فاسق کی گواہی معتبر نہیں ہوگی۔(۲)

اگر کسی شہر کی کمیٹی مستقل ہو اور کسی دوسرے شہر کی کمیٹی کے تابع نہ ہو تو چاند کے فیصلے میں اسے اختیار ہے کہ کسی دوسرے شہر کی کمیٹی پر اعتماد کر کے اعلان کرے یا نہ کرے، اور اگر ہلال کمیٹی دوسرے شہر کی کمیٹی کے تابع ہو تو دوسرے کے اعلان پر اعتماد کرنا ضروری ہوگا(۳)

چاند سے متعلق چند قابلِ اصلاح پہلو

آج کل بہت سے مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ چاند دیکھنے کا بالکل اہتمام نہیں کرتے، بل کہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ چاند کا کونسا مہینہ چل رہا اور کونسا آنے والا ہے، بل کہ عیدین اور رمضان وغیرہ کی تعیین اور پہچان کے لیے بھی انگریزی وعیسوی تاریخوں اور مہینوں کا خیال رکھتے ہیں کہ عیدین اور رمضان، فلاں عیسوی مہینے کی فلاں تاریخ سے شروع ہو رہا ہے اور عید عیسوی مہینے کی فلاں تاریخ میں آرہی ہے وغیرہ وغیرہ۔ چاند کی تاریخوں اور مہینوں سے اتنی غفلت قابلِ افسوس بات ہے، جس کی اصلاح ہونی چاہیے۔

بعض لوگ چاند دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ ''چاند بہت بڑا ہے کل کا معلوم ہوتا ہے'' یہ کہنا بُرا ہے؛ حدیث میں ایسا کہنے کو قیامت کی علامات ونشانیوں میں شمار کیا گیا ہے۔

''من أشراط الساعة انتفاخ الأهلة، حتى يرى الهلال لليلته، فيقال: هو لليلتين.''(۴)

چاند دیکھتے وقت اس کی طرف اشارہ کرنا مناسب نہیں۔ ''وتكره الإشارة إلى الهلال

---

(۱) امداد الفتاوی: ۲/ ۹۹

(۲) کتاب النوازل: ۶/ ۲۸۷

(۳) مستفاد از: کتاب النوازل: ۶/ ۳۲۲

(۴) المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث: ۶۸۶۴، اس حدیث کی سند صحیح ہے

عند رؤيته لأنه فعل أهل الجاهلية.‘‘(۱)

نیا چاند دیکھ کر چاند کو سلام کرنا ثابت نہیں ہے، بل کہ نیا چاند دیکھنے پر دعاء منقول ہے، دعاء کا اہتمام کریں۔(۲)

بعض لوگ چاند کا اعلان ہونے پر آتش بازی سے خوشی کا اظہار کرتے ہیں جب کہ یہ طریقہ شرعاً و اخلاقاً کسی بھی اعتبار سے درست نہیں ہے۔

---

(۱) فتح القدير لابن ہمام، کتاب الصوم: ۲/ ۳۱۳،

(۲) فتاوی محمودیہ: ۱۹/ ۸۸

پانچواں باب

سحری کے احکام ومسائل

اس باب میں اوقاتِ صلاۃ کے اذکار کا حکم، سحری کا مستحب وقت، سحری کے لیے اذان دینا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول، رمضان میں فجر کی نماز جلدی ادا کرنا، منکراتِ سحری، اور روزے کی نیت کے مسائل ذکر کیے گئے ہیں۔

صبحِ صادق کے بعد سحری

سحری کا آخری وقت صبحِ صادق پر ختم ہوجاتا ہے، اگر کوئی شخص صبحِ صادق کے ایک منٹ بعد بھی کھائے گا تو اس کا روزہ نہ ہوگا، اور صبحِ صادق کا صحیح علم موجودہ زمانے میں اوقات الصلاۃ کے جو کارڈ لکھے جاتے ہیں اس سے ممکن ہے، اگر چہ سورج کے طلوع وغروب میں کبھی تقدیم وتاخیر نہیں ہوتی، اور کارڈ کے اوقات میں غلطی کا امکان ہے، چونکہ یہ اندازہ انسانوں کا کیا ہوا ہے، ورنہ ہر بندہ سورج پر نظر جمائے نہیں رہ سکتا اور بہت سے بندوں کو صبحِ صادق اور صبحِ کاذب کا فرق معلوم نہیں ہوتا، پس جب ماہر علماء نے سورج کے اوقات کو ضبط کیا ہے اور دیگر نمازوں میں اسی چارٹ پر مدار رکھا جاتا ہے، تو سحری کا وقت ختم ہونے کے سلسلے میں بھی اسی اوقات الصلاۃ کے چارٹ پر اعتماد کرنے میں عافیت ہے؛ البتہ یہاں تین باتیں قابل توجہ ہیں:

اذان شروع ہونے تک سحری کرنا

(۱) بعض لوگ سحری اذان ہونے تک کھاتے رہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ سحری کا وقت اذان تک باقی رہتا ہے، چوں کہ اذان صبحِ صادق ہی کو دی جاتی ہے، یہ بات تو صحیح ہے کہ اذان صبح صادق پر ہونی چاہیے؛ لیکن کیا یہ صحیح ہے کہ ہماری مساجد میں صبحِ صادق پر فوراً اذان دے دی جاتی ہے؟ ممکن ہے بعض مساجد میں دے دی جاتی ہو؛ لیکن عموماً مؤذن آدابِ اذان سے واقف نہیں ہوتے ہیں، غیر رمضان میں تو دس دس منٹ بھی تاخیر ہوجاتی ہے، چوں کہ موذن بھی نیند سے اٹھ کر اذان دیتے ہیں، رمضان میں اگر چہ پہلے سے بیدار رہتے ہیں، پھر بھی اگر ایک منٹ دیر ہوجائے (اور حقیقتاً ایک دو منٹ دیر ہو ہی جاتی ہے) یا اذان تو شروع ہوگئی؛ مگر ہمیں پتہ نہ چلے بجلی نہ ہونے یا شور کی وجہ سے، پھر تو روزہ باقی نہ رہا؛ اس لیے رمضان میں اذان ہونے تک سحری کرنا کسی طرح خطرے سے خالی نہیں، اگر کوئی شخص

اذان شروع ہونے کے بعد کھائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

اذان ختم ہونے تک سحری کرنا

(۲) بعض لوگ اذان ختم ہونے تک کھاتے رہتے ہیں، ان حضرات کی کیا دلیل ہے؟ ہمیں نہیں معلوم، چوں کہ صبحِ صادق سے قبل اذان درست نہیں اور صبحِ صادق کے بعد سحری درست نہیں، پھر اذان ختم ہونے تک سحری کھاتے رہنے سے کسی طرح روزہ نہیں ہوگا الا یہ کہ اذان صبح صادق سے قبل دے دی گئی ہو، اور رمضان میں عموماً ایسا نہیں ہوتا اور نہ اس کی اجازت ہے کہ صبحِ صادق سے قبل اذان دی جائے، اس لیے اذان ختم ہونے تک کھاتے رہنے سے روزہ درست ہی نہیں ہوگا، بل کہ دورانِ سحری اگر اذان (صبح صادق پر) ہوجائے تو منہ کا لقمہ بھی تھوک دینا ضروری ہے، اگر عمداً کھالیا جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

"تقديم الأذان على الوقت في غير الصبح لايجوز اتفاقا وكذا في الصبح عند ابي حنيفة رحمه الله ومحمد رحمه الله وإن قدم يعاد في الوقت"۔(۱)

نوٹ: منتہائے سحری ہی صبحِ صادق ہے سحری کا وقت ختم ہونے اور صبحِ صادق کے درمیان کوئی وقفہ نہیں ہوتا، (۲) یعنی جو وقت ابتدائے فجر کا ہے وہی وقت انتہائے سحر کا ہے۔(۳)

رمضان کے نظام الاوقات والے کارڈ کا حکم

(۳) روزے کے نظام الاوقات کارڈ طبع کرانے سے روزے داروں کو اوقات معلوم کرنے میں سہولت ہوتی ہے اور اس میں چند ضروری مسائل اور دعائیں بھی لکھی جاتی ہیں، جو

---

(۱) فتاوی عالمگیری: ۱/۵۳، فتاوی شامی: ۲/۵۰، مستفاد از: امدادلفتاوی: ۲/۱۰۵، احسن الفتاوی: ۴/۴۳۲

(۲) فتاوی قاسمیہ: ۱۳/۴۵۵

(۳) کتاب الفتاوی: ۳/۴۲۶

باعثِ ثواب ہے، کارڈ لینے والوں کی ذمے داری ہے کہ اس کو گندی جگہوں پر نہ ڈالیں اور ضرورت پوری ہونے پر اسے محفوظ جگہ رکھ دیں یا دفن کر دیں۔

البتہ اکثر مقامات پر سحری کا وقت دو چار منٹ پہلے اور افطاری کا وقت دو چار منٹ تاخیر کر کے احتیاطاً لکھ دیتے ہیں؛ کیوں کہ اکثر لوگوں کی عادت وقت پر کوئی کام کرنے کی نہیں، چہ جائے کہ لوگ سارا دن بھوکا رہنے کا فیصلہ وقت پر کر لیں اب ہر بندہ اس احتیاط سے واقف تو ہوتا ہے؛ لیکن اس احتیاط پر عمل بہت کم ہوتا ہے، ایسے ماحول میں اگر کوئی شخص سحری کا ٹھیک وقت لکھ دیتا ہے تو بھی بعض لوگوں کا گمان ہوتا ہے کہ یہ بھی دو چار منٹ احتیاطاً پہلے لکھے ہوں گے، اس لیے ہم کارڈ بنوانے والوں سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اگر ٹھیک وقت لکھتے ہیں تو ''نوٹ'' بنا کر کارڈ میں ضرور اس کی وضاحت کر دیں، اور روزے داروں سے گذارش ہے کہ یا تو آپ کارڈ پر اعتماد کر کے وقت پر سحری ختم کر دیں، یا اپنے پاس پورے سال کا معتبر عالم یا کمیٹی کا بنایا ہوا نظام الاوقات کا چارٹ رکھیں اور اسی کے مطابق سحری وافطاری کریں؛ لیکن یاد رہے احتیاط بہر صورت بہتر ہے، دو منٹ پہلے کھانے سے رک جانا بہتر ہے، دو منٹ کی تاخیر کر کے روزہ ضائع کرنے سے۔

آن لائن دار الافتا دار العلوم دیوبند میں لکھا ہے:

''سحری کا وقت ختم ہونے سے ۶ منٹ قبل اعلان کیا جاتا ہے کہ سحری کا وقت بالکل ختم ہوگیا ہے کسی کو دوا کھانی ہوتی، کچھ لوگ جو دیر سے اٹھتے ہیں اس کم وقت میں سحری کر سکتے ہیں کم ہمت لوگ سحری نہ کھانے کی وجہ سے روزہ قضا کر دیتے ہیں، اس لیے اس وقت یہ اعلان کیا جائے کہ سحری کا وقت ختم ہونے کے قریب ہے؛ لہٰذا سحری کھانا بند کر دیں۔

نوٹ:۔ آج کل جو آخر وقت تک سحری کھانے کا رواج ہو رہا ہے، یہ خلاف احتیاط ہے؛ کیوں کہ جنتریوں میں سحر وافطار وغیرہ کے جو اوقات درج ہوتے ہیں وہ محض ظنی وتخمینی ہوتے ہیں، قطعی ویقینی نہیں ہوتے؛ اس لیے صحیح ومعتبر جنتری کے مطابق احتیاطاً پانچ دس منٹ پہلے

ہی سحری ختم کر دینی چاہیے"۔(۱)

وقت سے پہلے اذان دینا غلط ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں بعض مقامات میں سحری سے متعلق ایک بدعنوانی یہ دیکھی جاتی ہے کہ فجر کی اذان وقت سے پہلے ہی کہہ دیتے ہیں تاکہ سحری کھانے والے سحری کھانا چھوڑ دیں؛ مگر جن ائمہ کے نزدیک وقت سے پہلے فجر کی اذان کافی نہیں جیسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ان کے نزدیک اس اذان کا اعادہ ضروری ہے (کیوں کہ وقت سے پہلے ہوئی ہے) اور اگر اعادہ نہیں کیا جاتا تو صبح کی نماز بغیر اذان کے ہوئی ہے، دوسرے اگر لوگوں کو (اس کا علم ہوگیا اور) اس کی عادت ہوگئی اور ظاہر ہے کہ مؤذن نہ ایسے دیانت دار، نہ اوقات کے ایسے واقف کار ہیں تو اگر کسی روز غلطی سے خلافِ معمول صبح صادق کے بعد اذان ہوئی، تو تمام لوگوں کے روزے اس اذان کے بھروسے پر برباد ہوں گے، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ اذان ایسے وقت کہی جائے کہ اذان کے اعتماد پر کوئی شخص نہ کھائے پھر خود ہی ہر شخص اپنے طور پر تحقیق کر کے اس پر عمل کرے۔(۲)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سحری کب ختم فرماتے تھے؟

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ اذان اور سحری میں کتنا وقفہ ہوتا تھا؟ کہا: پچاس آیات پڑھنے کے بقدر وقفہ تھا۔

"عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رضي الله عنه، قَالَ:تَسَحَّرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، ثُمَّ قَامَ إِلَى

(۱) آن لائن دارالافتا دارالعلوم دیوبند، فتوی نمبر: ۶۰۶۵۹-۶۰۵۴۵

(۲) احکامِ رمضان: ۱۵۵

الصَّلاۃِ، قُلْتُ: کَمْ کَانَ بَیْنَ الأذَانِ وَالسَّحُورِ؟ قَال :قَدْرُ خَمسِینَ آیَۃ"(۱)

اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت اس وقت تک بھلائی پر رہے گی جب تک سحری میں تاخیر کرے گی "لَا تَزَالُ أُمَّتِي بِخَیْرٍ مَا أَخَّرُوا السَّحُورَ، وَعَجَّلُوا الفِطْرَ"(۲) تاخیر کی مقدار خود آپ ﷺ کے عمل سے واضح ہوگئی کہ تاخیر سے اتنی بھی تاخیر نہیں کہ صبح صادق طلوع ہو جائے، یا مشکوک وقت شروع ہو جاے، اس لیے سحری صبح صادق سے چار پانچ، منٹ پہلے ختم کر دینا بہتر ہے، بعض لوگ تاخیر سحری کی احادیث کو پڑھتے تو ہیں، مگر سمجھتے نہیں ہیں، تاخیر کا مطلب اتنی تاخیر نہیں کہ روزہ ہی غارت ہو جائے، چناں چہ تمام کتب فقہ میں یہی لکھا ہے کہ وقتِ مشکوک تک تاخیرِ سحر مکروہ ہے، "تاخیر السحور إلی مالم یشک الفجر"۔(۳)

سعودیہ سے ہندوستان آیا تو عید کا حکم

۱۔ایک شخص سعودی عرب یا امریکہ میں تھا، جہاں رمضان کا چاند مثلاً ہندوستان کے حساب سے ایک یا دو دن پہلے ہوا، اس کے بعد یہ شخص وہاں سے درمیانِ رمضان میں ہندوستان آگیا، اب یہ شخص اپنے حساب کے مطابق روزے پورے کرلے یا ہندوستان کے حساب کے مطابق روزہ رکھ کر سب کے ساتھ عید کرے؟

فقہاء کے بیان کردہ اس جزیئے سے اس کا حکم مستنبط ہوسکتا ہے کہ اگر کسی نے چاند دیکھا مگر اس کی گواہی اور خبر رد کر دی گئی، تو وہ شخص خود تو روزہ رکھے گا؛ مگر عید سب کے ساتھ کرے گا، اگر چہ ایک دن بڑھ جائے۔

وفی الدر المختار: [رأی] مکلف [ھلال رمضان أو الفطر ورد قولہ] بدلیل

---

(۱) بخاری شریف بَاب قَدْرِ کَمْ بَیْنَ السَّحُورِ وَصَلاۃِ الفَجْرِ: ۱/۶۸۹

(۲) مسند احمد، حدیث: ۲۱۵۰۷

(۳) فتاوی ہندیہ: ۱/۲۰۰

شرعي [صام] مطلقاً وجوباً، وقيل :نُدباً۔(۱)

حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے شوافع کے ایک قول سے اس کا حکم مستنبط کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

”ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص ہمارے ملک کے لوگوں کی اتباع کرے، اس کی نظیر شافعیہ کا یہ قول ہے کہ جو شخص ایک شہر میں ظہر کی نماز پڑھ کر اس کے فوراً بعد ایک ایسے شہر میں آ گیا، جہاں ابھی ظہر کا وقت نہیں آیا تھا، تو وہ شخص ان دوسرے شہر والوں کے ساتھ بھی (ظہر کی) نماز دوبارہ پڑھے گا“۔(۲)

لہٰذا اس شخص کو چاہیے کہ یہاں سب کے ساتھ روزہ رکھے اور سب کے ساتھ عید کرے ،خواہ کچھ روزے زیادہ ہو جائیں۔

ہندوستان سے سعودیہ جائے تو عید کا حکم

ایک شخص مثلاً ہندوستان سے ایسے ملک گیا، جہاں دو ایک دن پہلے سے روزے شروع ہو چکے تھے اور وہاں کے لوگوں کے لحاظ سے اس شخص کے روزے کم ہو جائیں، تو اس کے بارے میں ایک سوال یہ ہے کہ جب یہاں کے لوگ اپنے حساب سے عید کریں، تو یہ شخص کیا ان کے ساتھ عید کرے یا نہ کرے؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ اس کے روزوں میں جو کمی ہے، اس کا کیا کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص کو عید ان ہی لوگوں کے ساتھ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ آدمی جس جگہ ہوتا ہے، وہیں کے لوگوں کے ساتھ اس کا صوم وافطار ہوتا ہے۔ حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”الصوم يوم تصومون والفطر يوم تفطرون والأضحیٰ يوم تضحون“۔(۳)

---

(۱) الدر المختار مع الشامی: ۳/۳۵۱

(۲) معارف السنن: ۵/۳۳۷

(۳) سنن الترمذی، حدیث: ۶۹۷

لہٰذا اس شخص کو وہیں کے مسلمانوں کے ساتھ عید کرنا چاہیے اور جو روزوں میں کمی ہے اس کو قضا کے ذریعے پورا کرنا چاہیے، اگر ایک روزے کی کمی ہے، تو ایک اور دو کی تو دو روزے قضا کرے، مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احسن الفتاویٰ'' میں اس دوسرے مسئلے میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔(۱)

یہی حکم اس صورت میں بھی ہے کہ ایک شخص ایک ملک مثلاً سعودی عرب میں عید کر کے چلا اور دوسرے ملک مثلاً ہندوستان پہنچا، تو یہاں اسی دن عید ہو رہی ہے، تو یہ شخص یہاں کے لوگوں کے ساتھ عید میں شامل ہو جائے۔

اور اگر سعودی عرب سے عید کر کے اسی دن ہندوستان یا پاکستان پہنچا اور ہندوستان یا پاکستان میں ابھی انتیسواں ۲۹/روزہ تھا، تو اس کو اب روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ اس کے روزے اور عید سب ہو چکے ہیں، ہاں! یہاں کے لوگوں کے ساتھ اس کو عید میں شامل ہو جانا چاہیے۔(۲)

سحری سعودی میں-افطار ہندوستان میں

ایک شخص سعودی عرب میں یا کسی اور ملک میں سحری کرتا ہے اور دوسرے ملک میں جا کر افطار کا وقت ہوتا ہے، تو اس شخص کو افطار کس ملک کے حساب سے کرنا چاہیے؟

افطار کے وقت وہ جس ملک میں ہے، اس کا لحاظ کرتے ہوئے افطار کرے گا؛ لہٰذا سعودی میں سحری کر کے ہندوستان آیا، تو افطار ہندوستان کے وقت کے مطابق کرے گا؛ اگرچہ کہ اس کا روزہ اس صورت میں بہت چھوٹا ہوگا؛ کیوں کہ سعودی عرب کا وقت ہندوستان کے لحاظ سے ڈھائی گھنٹے بعد ہوتا ہے؛ لہٰذا وہ وہاں کے حساب سے جب سحری کرے گا، تو ہندوستان کے لحاظ سے ڈھائی گھنٹے بعد کرے گا اور وہاں سے جب ہندوستان پہنچے گا، تو افطار

---

(۱) احسن الفتاوی: ۴/ ۴۳۳

(۲) فتاوی الشیخ العثیمین: ۱۹/ ۷۲

سعودی عرب کے لحاظ سے ڈھائی گھنٹے پہلے ہوگا؛ مگر اس کے باوجود، اس کو ہندوستان ہی کے لحاظ سے افطار کرنا چاہیے اور اس کے برعکس اگر کوئی ہندوستان میں سحری کرے اور سفر کر کے سعودیہ کو چلا جائے، تو روزہ بڑا ہو جائے گا؛ مگر اس کو بھی اسی اصول کے تحت وہاں کے لحاظ سے افطار کرنا ہوگا۔

منکراتِ سحری

(۱) بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جس شخص کی آنکھ دیر سے کھلی کہ فجر کی اذان ہو رہی تھی یا اس کے بھی کچھ دیر بعد آنکھ کھلی تو اس کے لیے جلدی جلدی سحری کھا لینا جائز ہے، یہ غلط فہمی ہے، کیوں کہ سحری کا وقت صبحِ صادق سے پہلے ہے، صبحِ صادق ہو جانے کے بعد سحری کھانا جائز نہیں خواہ اذان ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ (۱)

(۲) بعض لوگ آدھی رات سے سحری کھا کر بیٹھ جاتے ہیں، اتنی جلدی سحری شریعت کی منشاء اور سحری کے مقاصد کے خلاف ہے، اس سے بچنا چاہیے، ہاں کوئی معذوری و مجبوری ہو تو علاحدہ بات ہے۔

(۳) بعض لوگ سحری کھانے کے لیے تو اُٹھتے ہیں، مگر فجر کی نماز پڑھے بغیر سحری کھا کر فوراً سو جاتے ہیں، اس طرح رمضان میں ان کی فجر کی نماز قضا ہو جاتی ہے، یاد رکھئے!! اس طرح سحری کی سنت ادا کر کے فجر کے فرضوں کو قضا کرنا جائز نہیں۔

(۴) بعض لوگ فجر کی نماز قضا تو نہیں کرتے؛ لیکن نیند پوری کرنے کی غرض سے فجر کی جماعت چھوڑ دیتے ہیں اور جلدی سے گھر ہی میں فجر کی نماز پڑھ کر سو رہتے ہیں، یہ بھی درست نہیں، جب تک کوئی واقعی مجبوری نہ ہو، اس طرزِ عمل سے بچنا چاہیے۔

(۵) بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی پر صبح صادق سے پہلے غسل واجب ہو یا صبحِ صادق سے پہلے عورت کو حیض ونفاس آنا بند ہوا ہو، غسل سے پہلے نہیں کھا سکتے، لہذا اگر کسی کی دیر سے

---

(۱) معارف القرآن: ۱/۴۵۵

آنکھ کھلی اور غسل کرنے اور سحری کھانے کا وقت نہیں تو پریشان ہوتے ہیں اور بعض تو روزہ ہی چھوڑ دیتے ہیں یا بغیر سحری کے روزہ رکھ کر تکلیف اٹھاتے ہیں، حالاں کہ سحری اس حالت میں بھی کھانا جائز ہے، اگر وقت تھوڑا ہو تو سحری کھالیں اور اس کے بعد غسل کر کے نماز پڑھیں، اس سے روزے میں کوئی خرابی نہیں آتی، البتہ کھانے سے پہلے کلی یا وضو کرلیں، تو بہتر ہے۔

(۶) سحری میں لوگوں کو جگانے کے لیے گانے، قوالی، ڈھول باجے، جنات وشیاطین کی آوازیں نکالنا درست نہیں ہے، نیک عمل کا جذبہ اچھی بات ہے؛ لیکن اس کو ادا کرنے کا طریقہ بھی نیک ہونا چاہیے، بعض مقامات پر ایسے خلافِ انسانیت یا خلافِ شریعت طریقے اپنائے جاتے ہیں کہ کہیں بچے و بیمار لوگ پریشان، تو کہیں غیر مسلم بدظن کہ کہیں گنیش کا بھجن تو نہیں ہو رہا ہے۔

سحر کے وقت احتلام

۱۔سحری کھا کر لیٹ گیا، آنکھ لگ گئی اور احتلام ہوگیا، تو روزہ صحیح ہو جائے گا، مگر سحر کے بعد سونے کی غلطی نہیں کرنی چاہیے اس سے نماز خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ ”أو أصبح جنباً ولو استمر.“(۱)

۲۔سحری کے لیے آنکھ کھلی تو احتلام ہو چکا تھا، سحر کا وقت بہت کم باقی ہے کہ غسل کر کے سحری نہیں ہو سکتی تو وضو کر کے سحری کھالے، غسل کر کے نمازِ فجر ادا کرلے، احتلام کی حالت میں سحری کرنے سے روزہ فاسد یا مکروہ نہیں ہوگا، روزہ یا سحری کی صحت کے لیے طہارتِ کبری شرط نہیں ہے۔ ”إذا أصبح جنباً لا يفسد صومه.“(۲)

---

(۱) مراقی الفلاح: ۳۶۲

(۲) الفتاوی التاتارخانیہ: ۳/ ۳۸۴

سحری کے لیے اذان دینا

سحری کے لیے اذان دینے کا خیر القرون میں معمول تھا، احناف کے نزدیک یہ اذان مکروہ نہیں ہے اور نہ ہی کسی فقیہ نے اسے مکروہ کہا ہے، ہاں اگر اذانِ سحری سے اذانِ فجر کا شبہ ہو جاتا ہو اور لوگ سحری کرنے کے بجائے سحری ختم کر دیتے ہوں، تو پھر اذانِ سحری کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا؛ جب کہ اذانِ سحری کا مقصد محض اذان نہیں ہے؛ بل کہ اعلامِ وقتِ سحر ہے اور یہ اعلام اذان سے حاصل ہو تو اذان دی جائے اور اگر کسی امر مباح سے حاصل ہو تو اس امرِ مباح سے حاصل کیا جائے؛ مگر چونکہ ایک حدیث میں منع بھی وارد ہے؛ اس لیے یہ عمل متروک ہے۔ "قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِبِلَالٍ: لَا تُؤَذِّنْ حَتّٰى يَسْتَبِينَ لَكَ الْفَجْرُ هٰكَذَا مَدَّ يَدَهُ عَرْضًا." (۱)

سحری میں اٹھانے کا مکروہ طریقہ

سحری میں دو یا ڈھائی بجے سے لاؤڈ اسپیکر پر اعلانات شروع کر دیے جاتے ہیں اور بلند آواز میں کوئی قوالی یا وعظ مستقل طور پر چلتا رہتا ہے جس کی وجہ سے عوام کو پریشانی ہوتی ہے اس میں وہ لوگ بھی ہیں جو روزے کے مکلف نہیں ہیں ان کی نیند خراب ہوتی ہے، اس لیے یاد رہے کہ سحری کے وقت دو، ڈھائی بجے سے اعلانات کا سلسلہ شروع کر دینا اور بآواز بلند کوئی وعظ وغیرہ سنانا امرِ منکر ہے اور یہ لاؤڈ اسپیکر کا ظالمانہ استعمال ہے، اس سے برادرانِ وطن، بچے، بوڑھے اور بیمار و معذور حضرات کے علاوہ اللہ تعالی کے ان نیک بندوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے، جو اس وقت یکسوئی کے ساتھ عبادت کرنا چاہتے ہیں، نیز اس میں دینی باتوں کی بے احترامی بھی پائی جاتی ہے؛ کیوں کہ اکثر لوگ اس وقت اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں اور مستقل فارغ ہو کر وعظ و بیانات نہیں سنتے، اور اگر لاؤڈ اسپیکر پر وعظ اور

---

(۱) أبُوْدَاوُد باب الأذان بعد الوقت: ۸۳ فی المواقیت ملخص از: امداد الفتاوی: ۱/ ۱۷۶، ۵/ ۹۰

بیانات محض بیدار کرنے یا بیدار رکھنے کے مقصد سے سنائے جاتے ہیں تو یہ وعظ اور بیانات کا غیر مقصد (غیر محل) میں استعمال کرنا ہے، جو شرعاً مکروہ اور برا ہے، رمضان المبارک میں سحر کے موقع پر غیر مسلم کو روزہ رکھنا تو نہیں ہے، مگر دو گھنٹے ان بے جا آوازوں کی وجہ سے اس کی نیند بھی خراب ہو جاتی ہے، جس کی وجہ لاؤڈ اسپیکر پر اذاں کی پابندی کے مطالبات شروع ہو جاتے ہیں۔

رمضان میں فجر کی نماز جلدی پڑھنا

احناف کے نزدیک فجر کی نماز اسفار یعنی سفیدی میں پڑھنا افضل ہے اور شوافع، مالکیہ اور حنابلہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک غلس یعنی اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے، پہلا مسلک حضرت ابن مسعود ابراہیم نخعیؒ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، اور دوسرا مسلک حضرات خلفائے راشدین، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ کا ہے، پس احناف غیر رمضان میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسلک پر اور رمضان میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسلک پر عمل کرتے ہیں ،اس کی وجہ یہ ہے کہ:

(الف) لوگ سحری کے بعد آرام کرنے کی اس قدر جلدی کرتے ہیں کہ بعض تو گھر پر ہی نمازِ فجر ادا کر کے لیٹ جاتے ہیں، اب اگر رمضان میں بھی غیر رمضان کی طرح دیر سے جماعت رکھی جائے گی تو اکثر لوگوں کی نماز ہی خطرے میں پڑ جائے گی، یا نہیں تو جماعت ہی نکل جائے گی؛ اس لیے رمضان میں غلس میں فجر احناف کے نزدیک مستحب ہے، ہاں! اگر کہیں سحری کے بعد سونے کی جلدی نہ کی جاتی ہو تو پھر وہاں اسفار ہی میں افضل ہے۔

(ب) احناف منشائے حدیث کی بنیاد پر یہی کہتے ہیں کہ جماعت اول وقت میں افضل ہے؛ مگر یہ کہ تاخیر میں کوئی فضیلت حاصل ہوتی ہو، چناں چہ تکثیر جماعت کی وجہ سے تاخیر سے جماعت کرنا افضل ہے اور غیر رمضان میں تکثیر جماعت اسفار میں ممکن ہے، جب کہ رمضان میں غلس میں ممکن ہے، چوں کہ غیر رمضان میں لوگ نیند سے اٹھ کر آتے ہیں،

تاخیر ہو جاتی ہے؛ اس لئے جہاں تک ہو سکے ان کے جمع ہونے کا انتظار کیا جائے گا اور رمضان میں سحری کے بعد جاگے رہتے ہیں؛ مگر جلد سونے کی فکر میں ہوتے ہیں، غلس میں نمازِ فجر ہو تو فوراً جمع بھی ہو جاتے ہیں، جس سے تکثیر جماعت حاصل ہو جاتی ہے، پس مزید انتظار نہیں کیا جائے گا، اگر مزید انتظار کیا جاوے تو قلتِ جماعت یا ترکِ جماعت کا نہیں؛ بل کہ ترکِ صلاۃ کا بھی قوی امکان ہے؛ اس لیے رمضان میں غلس میں فجر افضل ہے۔

"ان أداء الصلاة فی اول الأوقات أفضل إلا إذا تضمن التاخير فضيلة لا تحصل بدونه كتكثير الجماعة"۔(۱)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سحری تناول کی پھر فجر کی نماز ادا فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے کہا کہ سحری اور نماز کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پچاس، ساٹھ آیات کے برابر۔"أنهم تسحروا مع النبي صلى الله عليه وسلم، ثم قاموا إلى الصلاة، قلت: كم بينهما؟ قال: قدر خمسين أو ستين" يعني آية۔(۲)

حضرت قرہ بن حیان بن حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سحری کھائی، پھر سحری سے فارغ ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مؤذن کو حکم دیا، پھر نماز پڑھی۔(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سحری تناول فرما کر صبحِ صادق ہونے کے بعد جلدی فجر کی نماز ادا فرمائی تھی۔(۴) پس رمضان المبارک میں طلوعِ فجر اور انتہائے سحر کے بعد جلد از جلد ہی فجر کی نماز پڑھ لینا افضل ہے، مگر اتنا وقت ضرور دینا چاہیے کہ سحری کھا کر بآسانی استنجاء، وضو اور فجر کی دو سنتوں سے فراغت حاصل

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۶۷، منحۃ الخالق علی البحر الرائق: ۱/ ۱۵۵

{} صحیح بخاری، حدیث: ۵۷۵

(۳) شرح معانی الآثار: ۱۰۷۲

(۴) عمدۃ القاری، باب وقت الفجر: ۵/ ۷۲،

کریں۔

فجر کی نماز کے بعد روزے کی دعا پڑھانا

نیت دل کے ارادے کا نام ہے، زبان سے نیت کے الفاظ کہنا نیت نہیں ہے؛ بل کہ نیت کی نقل ہے، عمل کے صواب (درستگی) کے لیے نیت کرنا شرط ہے، نیت کہنا شرط نہیں، بعض مساجد میں فجر کی نماز کے بعد امام صاحب مقتدیوں کو روزے کی نیت پڑھاتے ہیں "نویت أن اصوم غدا لله تعالی من شهر رمضان"، پہلی بات یہ ہے کہ یہ دعا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے، دوسری بات یہ کہ علماء نے نیت کے تلفظ کے التزام کو خلاف سنت لکھا ہے۔(۱)

تیسری بات یہ کہ اس طرح نیت پڑھانے کو دین کا عمل سمجھ لینا امر مستحدث ہے، جب سحری کرنا خود نیت میں داخل ہے تو دوبارہ غیر ثابت شدہ عمل کی ضرورت باقی نہیں رہتی، علاوہ ازیں اپنی طرف سے گھڑی ہوئی عبارتوں پر امت اختلاف وجھگڑوں میں پڑ جاتی ہے، کوئی کہتا ہے سحری کی یہ دعا نہیں ہے بلکہ دوسری ہے، تیسرا اس پر تنقید کرتا ہے جب کہ کوئی دعا ثابت نہیں ہوتی ہے، اس لیے دعا پڑھانے کے عمل سے ائمہ حضرات کو احتراز کرنا چاہیے۔

روزے کی نیت کے مسائل

ہر عبادت کی صحت کے لیے نیت شرط ہے "إنما الأعمال بالنيات"(۲) نیت کے بغیر کوئی روزہ روزہ نہیں ہوتا؛ بل کہ بھوکا رہنا بلا ثواب کے ہوگا، نیت کے الفاظ زبان سے کہنا ضروری نہیں، سحر میں اٹھ کر کھانا تناول کرنا شرعاً نیت شمار ہوتا ہے؛ البتہ کسی کو زبان سے تلفظ کے بغیر اطمینان قلبی حاصل نہ ہوتا ہو تو زبان سے تلفظ کر لینا بہتر ہے، ذیل میں نیت سے متعلق چند ضروری مسائل لکھے جاتے ہیں:

---

(۱) فتح القدیر شرح الهدایہ: ۱/ ۲۶۶، رد المحتار: ۱/ ۲۷۹، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح: ۱/ ۴۱

(۲) بخاری شریف: باب كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الوَحْيِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۱) رمضان المبارک کے ہر روزے کے لیے الگ الگ نیت ضروری ہے، "ثم عندنا لابد من النية لكل يوم في رمضان" (۱)

(۲) اگر صبحِ صادق سے قبل نیت کرنا بھول جائے تو نصفِ نہارِ شرعی (جو جنتریوں میں عام طور پر ضحوۂ کبری کے نام سے لکھا رہتا ہے، یعنی صبح صادق اور غروبِ آفتاب کا بالکل درمیانی وقت) سے پہلے تک روزے کی نیت کرلی جائے تو روزہ درست ہے، اس کے بعد نیت معتبر نہیں۔ (۲)

(۳) زبان سے نیت کا تلفظ ضروری نہیں، بل کہ محض دل سے ارادہ کرلینا کافی ہے حتی کہ روزے کے لیے سحری کھانا بھی نیت کے قائم مقام ہوتا ہے۔ "والنية معرفته بقلبه أن يصوم والتسحر في رمضان نية" (۳)

(۴) روزے کی نیت عربی میں کہنے کو ضروری سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ (۴)

(۵) جس شخص کو اپنی نیت کے بارے میں اطمینان نہ ہو تو ایسے شخص کو چاہئے کہ نیت کے الفاظ زبان سے کہہ لے۔ "من عجز إحضار القلب في النية يكفيه اللسان" (۵)

(۶) رمضان کے مہینے میں مطلق نیت سے بھی رمضان ہی کا روزہ ادا ہوگا۔ (۶)

(۷) مریض اگر نفل کی یا کسی اور روزے کی نیت کرے گا تو بھی رمضان ہی کا ادا ہوگا؛ البتہ مسافر جو نیت کرے گا وہی روزہ ادا ہوگا مگر ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ (۷)

---

(۱) هندية: ۱/ ۱۹۵، شامی: ۳/ ۳۴۴

(۲) شامی: ۳/ ۳۴۴، کتاب المسائل: ۲/ ۱۴۷

(۳) فتاوی هندية: ۱/ ۱۹۵، درمختار: ۳/ ۳۴۵

(۴) جواہر الفقہ: ۱/ ۳۷۸

(۵) ہندیہ: ۱/ ۴۵

(۶) بہشتی زیور حصہ سوم

(۷) فتاوی شامی، کتاب الصوم: ۲/ ۸۶

چھٹا باب

افطار کے احکام و مسائل

اس باب میں جلد افطار کرنے کی حیثیت، نمازِ مغرب میں تاخیر، غیر مسلم اور حکومت کے مال سے افطار، مالِ حرام سے افطار، مساجد میں افطار، افطار پارٹیاں، منکراتِ افطار، افطار کی دعا اور دعا کا وقت وغیرہ سے متعلق تفصیلی بحث کی گئی ہے۔

غروبِ آفتاب کے فوراً بعد اذان پر افطار کرنا

اس مسئلے کی تین صورتیں ہیں (۱) اہلِ حدیث حضرات افطار کا وقت (یعنی غروبِ آفتاب) ہوتے ہی فوراً افطاری کر لیتے ہوں، ایک دومنٹ احتیاطاً نہ رکھتے ہوں، تو اس صورت میں روزہ بلا کراہت درست ہو جائے گا لیکن احتیاط کے خلاف ہوگا ممکن ہو ایک منٹ ہم سے جلدی ہو جائے، جب کہ ابھی وقت شروع ہونے میں ایک منٹ باقی ہو تو اس صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا۔(۲) افطار میں جلدی اہلِ سنت والجماعت سے ضد کی وجہ سے کرتے ہوں کہ یہ حضرات دو تین منٹ تاخیر سے افطار کرتے ہیں اس لیے دو تین منٹ جلدی افطار کر لیتے ہوں، تو ظاہر ہے اس صورت میں نہ اپنے افطار میں مخلص ہیں اور نہ ان کا روزہ خود ان کے مسلک کے اعتبار سے درست ہوگا؛ لیکن کسی حنفی کو ان کی اذان یا سائرن پر افطار نہیں کرنا چاہیے؛ چوں کہ بعض مرتبہ اگر کوئی غیر سنجیدہ حرکت کا مرتکب ہو کر ایک منٹ ہی کیوں نہ ہو قبل از وقت اذان دے دے اور اس اذان پر افطار ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا ''جو باڑ کے ارد گرد چرے گا قریب ہے کہ کھیت میں منہ مار دے''۔''فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى، يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ.''(۱) یہی بات تاخیر سے سحر کرنے میں بھی ہے، ایک دو منٹ کی تاخیر کو کوئی عقل مند تاخیر نہیں کہتا؛ اس لیے افطار میں احتیاط نہ کرنا اور فرضِ الٰہی کو خطرے میں ڈالنا مناسب نہیں۔

تعجیلِ افطار مستحب ہے؛ مگر اتنی بھی تعجیل نہیں کہ افطار سے تکمیل صوم کے بجائے افسادِ صوم لازم آئے، نیز تعجیلِ افطار کی حکمت یہود کی مشابہت سے بچنے کے لیے ہے اور یہود کی عادت مغرب کی نماز کے بعد افطار کی تھی اور اہل سنت والجماعت کی افطاری مغرب سے پہلے ہوتی ہے، علاوہ ازیں اب جب کہ یہود میں روزہ رکھنے کا کوئی اہتمام ہی نہیں تو مشابہت

---

(۱) بخاری شریف باب فَضْلِ مَنِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ: ۲۰/۱ حدیث: ۲

سے پچنے کا کوئی مسئلہ بھی نہیں ہوگا، چناں چہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل نقل کیا ہے کہ یہ حضرات مغرب کا وقت ہوتے ہی مغرب کی نماز سے فارغ ہوجاتے، مغرب کے بعد افطار کرتے، امام محمدؒ فرماتے ہیں اس مسئلے میں گنجائش ہے، خواہ نماز کے بعد افطار کرے یا نماز سے پہلے افطار کرے۔"ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ کانا یصلیان المغرب حین ینظر ان اللیل الأسود قبل أن یفطرا، ثم یفطر ان بعد الصلاۃ فی رمضان، قال محمد علیہ الرحمۃ: وھذا کلہ واسع، فمن شاء افطر قبل الصلاۃ ومن شاء أفطر بعدھا، وکل ذلک لاباس بہ"(۱)

اس تحریر سے مقصود یہ نہیں ہے کہ نماز کے بعد افطار کو افضل قرار دیا جائے؛ بل کہ جہاں یہ حدیث ہے کہ "لایزال الناس بخیر ماعجلوا الفطر"(۲) وہیں پر صحابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے شریعت کی وسعت بھی بتادی کہ تعجیل کا حکم وجوبی نہیں ہے، بل کہ استحبابی ہے؛ اسی لیے یہ حضرات مغرب کے بعد افطار کر رہے ہیں، اگرچہ کہ یہ تاخیر عذر کی وجہ سے ہے کہ افطار کا سامان نہیں تھا، یا غلام نے افطاری کا نظم کرنے میں تاخیر کردی وغیرہ، حاصل یہ کہ افطار میں تعجیل کا مطلب نمازِ مغرب سے قبل غروب آفتاب کا اطمینان ہونے پر افطار کرنا مراد ہے نہ کہ وقت سے پہلے افطار کرنا۔

تیسری صورت یہ کہ بعض بھولے بھالے مسلمان افطار کا وقت ہوجانے کے بعد بھی دو چار منٹ دعا میں ہی مشغول رہتے ہیں، پانچ منٹ سات منٹ کے بعد افطار کرتے ہیں، وقت پر افطار کرنے والوں کو عیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنے کو محتاط سمجھتے ہیں، جبکہ یہ عمل بھی شرعاً ناپسندیدہ ہے، بلکہ ایک درجہ بے ادبی ہے، جب حکم الٰہی کھانے کا ہو تو فوراً کھالینا ہی ادب ہے۔

---

(۱) مؤطا مالک، باب تعجیل الافطار: ۱/۱۲۸ حدیث: ۳۶۵، مسند الشافعی، باب وقت الفطر: ۲/۱۰۲ حدیث: ۶۱۳

(۲) مسند الشافعی، باب وقت الفطر: ۲/۱۰۲ حدیث: ۶۱۴

رمضان میں افطار کے بعد جماعت میں تاخیر

جس طرح روزہ افطار کرنے کا وقت سورج غروب ہونے پر ہوجاتا ہے، اسی طرح مغرب کی نماز کا وقت بھی سورج کے غروب ہونے پر شروع ہوجاتا ہے۔

اور احادیث میں عام حالات میں مغرب کی نماز کو جلد از جلد ادا کرنے کی ترغیب آئی ہے، اور نبی کریم ﷺ نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مغرب کی نماز غروب ہونے کے بعد بلا تاخیر ادا کرنا اور اس کی ترغیب وفضیلت ثابت ہے اور تاروں کے خوب چمکنے سے پہلے بھی مغرب کی نماز پڑھ لینے والوں پر تاخیر کا حکم لگایا گیا، جس کے پیشِ نظر عام حالات میں مغرب کی نماز جلد از جلد پڑھنا مستحب وافضل ہے۔

لیکن رمضان المبارک میں چوں کہ مغرب کی نماز اور روزہ افطار کرنے کا وقت ایک ساتھ شروع ہوتا ہے، اور افطار کے وقت کھانے کی طرف رغبت وطلب ہوتی ہے، اور افطار کئے بغیر نماز پڑھنے کی صورت میں نماز کا خشوع کمزور یا فوت ہوجاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے بھی افطار کے بعد نماز کا ثبوت ملتا ہے، اس لیے زیادہ مناسب طریقہ یہی ہے کہ بقدرِ ضرورت وقفہ دیا جائے۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کھڑی کردی جائے، اور تم میں سے کوئی روزے سے ہو، تو اُسے چاہیے کہ مغرب کی نماز سے پہلے کھانا کھالے، اور تم نماز کو اپنے کھانے سے پہلے نہ پڑھو۔ ”إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَ أَحَدُكُمْ صَائِمٌ، فَلْيَبْدَأْ بِالْعَشَاءِ قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ، وَلَا تَعْجَلُوا عَنْ عَشَائِكُمْ“(۱)

حضرت نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہم سے بعض اوقات روزے کی حالت

---

(۱) صحیح ابن حبان، حدیث ۲۰۶۸: کتاب الصلاۃ، باب فرض الجماعۃ و لاعذار التی تبیح ترکھا، المعجم الاوسط، حدیث: ۵۰۷۵، شرح مشکل الاثار حدیث: ۱۹۹۲

میں ملاقات کرتے تھے، پھر آپ رضی اللہ عنہ کے لیے (افطار کے وقت) شام کا کھانا پیش کیا جاتا تھا اور مغرب کی نماز کی اذان ہو چکتی ہوتی تھی، پھر وہ کھڑی بھی ہو جاتی تھی، اور آپ نماز کی آواز سن رہے ہوتے تھے، مگر آپ رضی اللہ عنہ اپنا کھانا نہیں چھوڑتے تھے اور نماز کے لیے جلدی نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ کھانا نہ کھالیں، پھر تشریف لے جا کر نماز پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے سامنے جب شام کا کھانا پیش کر دیا جائے تو تم (نماز کے لیے) جلدی نہ کرو۔ ”كَانَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ أَحْيَانًا نَلْقَاهُ، وَهُوَ صَائِمٌ، فَيُقَدَّمُ لَهُ الْعَشَاءُ، وَقَدْ نُودِيَ بِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ، ثُمَّ تُقَامُ، وَهُوَ يَسْمَعُ، - يَعْنِي الصَّلَاةَ - فَلَا يَتْرُكُ عَشَاءَهُ، وَلَا يَعْجَلُ حَتَّى يَقْضِيَ عَشَاءَهُ، ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّي، وَيَقُولُ: إِنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ: لَا تَعْجَلُوا عَنْ عَشَائِكُمْ إِذَا قُدِّمَ إِلَيْكُمْ“(۱)

ان احادیث کا مضمون اُن احادیث کے مطابق ہے، جن میں بھوک لگنے کی حالت میں کھانا تیار ہونے کی صورت میں پہلے کھانے کا حکم دیا گیا، کیوں کہ روزہ افطار کرنے کے وقت بھی عموماً بھوک لگی ہوئی ہوتی ہے اور کھانے کی طلب ہوتی ہے۔

(۱) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اگر رمضان کے مہینے میں اذان کے بعد کچھ تاخیر سے نماز پڑھی جائے اور کچھ تاخیر سے جماعت کھڑی کی جائے تاکہ اعتدال کے ساتھ افطار کرکے لوگ نماز و جماعت میں شریک ہوسکیں اور خشوع کے ساتھ نماز ادا کرسکیں، تو اس میں نہ صرف یہ کہ کوئی حرج نہیں، بل کہ اس کی فضیلت زیادہ ہے، لہٰذا رمضان میں مغرب کی اذان کے بعد جماعت میں اتنی تاخیر مستحب ہے کہ پابندِ جماعت روزے دار افطار سے فارغ ہو کر کلی وغیرہ کرکے جماعت میں شروع سے شریک ہو سکے، لہٰذا اذان کے بعد دس پندرہ منٹ کی تاخیر مناسب ہے؛ جب کہ غیرِ رمضان میں یہ تاخیر مکروہ ہے(۲)

---

(۱) مصنف عبد الرزاق، حدیث: ۲۱۸۹

(۲) فتاوی دار العلوم دیوبند: ۲/ ۴۵، اکابر کا رمضان ۴۲ بحوالہ ایضاح المسائل: ۸۳

اور روزے داروں کو بھی چاہیے کہ افطار میں زیادہ وقت خرچ نہ کریں ،اپنی وجہ سے مسجد کی جماعت میں خلل پیدا ہونے نہ دیں۔

(۲) جیسے ہی افطار کا وقت ہو جائے موذن مختصر چیز سے اپنا افطار کر کے فوراً اذان دے دے، یہی مسنون طریقہ ہے،اس سے افطار کے وقت کا اور نماز کے وقت کا دونوں کا اعلان ہو جائے گا اور اگر افطار کے لیے اعلان یا سائرن بجایا جاتا ہو اور تھوڑی دیر سے اذان دی جاتی ہو تو بھی درست ہے؛البتہ آں حضرت ﷺ کے زمانے میں افطار کے لیے اذان ہی کا معمول تھا۔(۱)

بے روزے دار کا روزے دار کے ساتھ افطار کرنا

بعض لوگ رمضان میں روزہ نہیں رکھتے ہیں اور روزے دار کے ساتھ افطار کر لینے کو سمجھتے ہیں کہ ہمیں روزے کے برابر ثواب مل جائے گا،یہ نامعقول خیال ہے ،جو شخص بلا عذرِ شرعی رمضان کا روزہ ترک کردے روزے دار کے ساتھ بیٹھ کر وہ کھا تو سکتا ہے؛مگر افطار صرف روزے دار کا ہوگا،اس شخص کا تو دن بھر افطار ہی تھا،ایسا شخص شریعت کی نظر میں فاسق کہلاتا ہے،اگر اپنی اس حرکت پر جری ہو تو اس کی نہ دعوت قبول کرنا چاہیے اور نہ ایسے شخص کو دعوت دینا چاہیے تاکہ پتہ چلے کہ میری اس حرکت سے اللہ کے بندے ناراض ہیں۔"عن عمران بن حصين رضي الله عنه قال :نهى رسول الله ﷺ عن إجابة طعام الفاسقين"(۲)"لايجب دعوة الفاسق المعلن ليعلم أنه غير راض بفسقه"(۳)

بڑے روزے اور چھوٹے روزے!

بعض بھولے مسلمان پندرھویں تاریخ کے روزے کو اور بعض ۲۶؍۲۷؍کے روزے

(۱)مستفاد از فتاوی قاسمیہ: ۱۳؍۴۷۰

(۲)المعجم الكبير للطبرانی:۱۸؍۱۶۸حدیث:۳۷۶

(۳)الفتاوی الهندية: ۵؍۳۴۳،فتاوی شامی:۶؍۳۴۸،البحر الرائق:۸؍۱۸۸

کو بڑا روزہ سمجھتے ہیں اور یہ دو روزے رکھ لیں تو سمجھتے ہیں کہ پورے مہینے کے روزوں کا ثواب حاصل ہو جائے گا، جس طرح جمعہ جمعہ نماز پڑھنے والا اپنے کو نمازی سمجھنے لگتا ہے، اسی طرح یہ لوگ بھی اپنے کو پورے مہینے کا روزہ دار سمجھتے ہیں، اور جس طرح حاجی حضرات نے جمعہ کے دن عرفہ آجائے تو حج اکبر کا نام دیتے ہیں (بڑا حج) اور اس کے متعلق شاید کوئی خاص فضیلت فرض کرتے ہوں، اسی طرح رمضان میں بڑے روزے اور چھوٹے روزے کا تصور ہے، اور بعض لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اگر خود روزہ نہ ہو: بل کہ کسی روزے دار کے ساتھ بیٹھ کر افطار کر لیں تو ہمیں اس روزے دار کے برابر ثواب مل جائے گا، روزہ دار کو افطار کرانے پر روزے کا ثواب ملنا الگ بات ہے اور اپنے ذمے سے روزہ ساقط ہونا الگ بات ہے، روزے دار کو افطار کرانے کا ثواب مل جائے گا؛ لیکن خود روزہ ترک کرنے کا گناہ ہوگا، علاوہ ازیں روزہ چھوڑ کر محض روزے دار کو افطار کرا دینے یا اس کے ساتھ افطار کر لینے کو روزے کا قائم مقام سمجھنے کا علاحدہ گناہ ہوگا، پس معلوم رہے کہ شریعت میں اس طرح کے "اضغاث احلام" کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اللہ اکبر رب اکبر کا ہر حکم اکبر ہے، رمضان کا اول تا اخیر اور تمام روزے ثواب اور حکم میں برابر ہیں کوئی روزہ چھوٹا بڑا نہیں ہے۔

انجان آدمی کی دعوتِ افطار قبول کرنا

رمضان المبارک میں چند احباب روزے داروں کو افطار کرانے کی خاطر کوئی چیز پکوا کر تقسیم کرواتے ہیں، اور کھانے والے احباب ان حضرات سے بالکل واقف نہیں کہ وہ کون ہیں؟ اور ان کے روپیوں کی کیا حیثیت ہے؟ تو واضح رہے کہ حرام مال کھانا یا استعمال کرنا حرام ہے، خواہ رمضان میں ہو یا غیرِ رمضان میں، افطار میں ہو یا سحری میں، رمضان میں افطار یا سحری کی دعوت دینے والے ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں؛ اس لیے دعوت قبول کرنے میں دیکھا جائے گا کہ دعوت کرنے والا مالِ حرام سے دعوت کر رہا ہے یا مالِ حلال سے، جائز دعوت قبول کرنا جائز ہے اور حرام دعوت کھانا حرام ہے، اور یہ بات تب ہے

جب کہ دعوت قبول کرنے والے کو تحقیق ہو کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے اور اگر تحقیق نہ ہو تو محض بدگمانی سے کسی کے مال کو حرام کہہ کر اسے بدنام کرنا یا جھگڑا کرنا بجائے خود حرام ہے۔ ”ظنوا بالمؤمنين خيرا،عن ابی هريرةؓقال:قال رسول الله ﷺ إذادخل أحدكم على أخيه المسلم فاطعمه طعاما فلياكل من طعامه ولايسال عنه،فإن سقاه شرابا من شرابه فليشرب من شرابه ولا يسال عنه“(۱)

اور اگر یقین سے معلوم ہو کہ فلاں کا مال حرام ہے،تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس کا اکثر مال حلال ہے یا اکثر حرام ہے،اگر اکثر حرام ہونے کا یقین ہو تو دعوت قبول کرنا حرام ہے اور اگر اکثر مال حلال ہو یا برابر ہو تو دعوت قبول کرنا جائز ہے۔”عن ابن مسعودؓ قال: جاء إليه رجل فقال:إن لی جارا یاكل الربا وإنه لايزال يدعونی،فقال: مهنأه لک وإثمه عليه،قال سفيان:فإن عرفته بعينه فلاتصبه“(۲)

”وإن كان الغالب ماله حلالا لاباس بقبول هديته والآكل منها“(۳)

سود اور رشوت خور کی دعوت کا حکم

اگر کسی مسلمان کی آمدنی مشکوک ہو کہ وہ سود،رشوت لیتا ہے،تو اگر اس کی غالب آمدنی حلال ہے تو دعوتِ افطار قبول کرنا جائز ہے،اور اگر غالب آمدنی حرام ہے تو اس کی دعوتِ افطار قبول کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔”واكل الرباأو كاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لا يقبل ولايأكل،وإن كان غالب ماله حلالا لابأس بقبول هديته والأكل منها“(۴)

(۱) مسند احمد:۲/۳۹۹حدیث:۹۱۷۳

(۲) المصنف لابن عبدالرزاق:۸/۱۵۰حدیث:۱۴۶۷۵

(۳) الفتاوی الھندیۃ:۵/۳۴۳

(۴) الفتاوى الهندية،كتاب الكراهية:۵/۳۴۳

بہلول دانا کی نصیحت

شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ بہلول دانا ؒ نے پوچھا: شیخ صاحب! کھانے کے آداب جانتے ہیں؟ کہنے لگے، بسم اللہ کہنا، اپنے سامنے سے کھانا، لقمے چھوٹا لینا، سیدھے ہاتھ سے کھانا، خوب چبا کر کھانا، دوسرے کے لقمہ پر نظر نہ کرنا، اللہ کا ذکر کرنا، الحمد للہ کہنا، اول و آخر ہاتھ دھونا، بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لوگوں کے مرشد ہو اور کھانے کے آداب نہیں جانتے، یہ کہہ کر بہلول رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کر جانا ہی چاہتے تھے کہ شیخ صاحب نے دامن پکڑ لیا اور کہا جب میں نہیں جانتا تو بتانا آپ پر واجب ہے، بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جو آداب آپ بتا رہے ہیں وہ فرع ہیں اور اصل کچھ اور ہے، اصل یہ ہے کہ جو کھا رہے ہیں وہ حلال ہے یا حرام، لقمہ حرام کو جتنے بھی آداب سے کھاؤ گے وہ دل میں تاریکی ہی لائے گا نورِ ہدایت نہیں، شیخ صاحب نے کہا جزاک اللہ۔

بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا : اچھا بولنے کے آداب تو جانتے ہوں گے؟ جی الحمد للہ، متکلم مخاطب کے مطابق بولے، بے موقع، بے محل اور بے حساب نہ بولے، ظاہر و باطن کا خیال رکھے، بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کھانا تو کھانا، آپ بولنے کے آداب بھی نہیں جانتے۔

بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے اچھا سونے کے آداب ہی بتا دیں؟ کہا: نماز عشاء کے بعد، ذکر و تسبیح، سورہ اور وہ سارے آداب بتا دیے جو روایات میں ذکر ہوئے ہیں، بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: آپ یہ بھی نہیں جانتے!!

اس کے بعد بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کلام میں اصل یہ ہے کہ جو بولو اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے بولو اگر کسی دنیاوی غرض کے لیے بولو گے یا بیہودہ بول بولو گے تو وہ وبال جان بن جائے گا۔ سونے میں اصل یہ ہے کہ دیکھو دل میں کسی مؤمن یا مسلمان کا بغض لے کر یا حسد و کینہ لے کر تو نہیں سو رہے ہیں، دنیا کی محبت، مال کی فکر میں تو نہیں سو رہے ہیں، کسی کا حق گردن پر لے کر تو نہیں سو رہے ہیں۔

بے روزے دار کی دعوتِ افطار قبول کرنا

جو شخص بلا عذرِ شرعی رمضان المبارک کا روزہ چھوڑ دیتا ہو تو ایسے شخص کی دعوتِ افطار میں شرکت نہیں کرنی چاہیے، تاکہ اسے اپنی حرکت پر شرمندگی ہو، ورنہ ایسے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم روزہ داروں کو کھانا کھلا دیں گے تو ہمیں بھی ان کے روزے کے برابر ثواب مل ہی جاتا ہے تو روزہ کیوں رکھا جائے، جب کہ روزہ رکھنا فرض ہے، روزے داروں کو کھلانا نفل ہے ،اور نفل کبھی فرض کا بدل نہیں بن سکتا، اس کی مثال ستر کھول کر عمامہ باندھنے کی سی ہے۔

غیر مسلم کی افطار پارٹی قبول کرنا؟

غیر مسلم کی دعوت میں اگر ان کا کوئی ایسا مفاد مضمر ہو جو اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے مضر ہو، مثلاً ان کے مذہبی معاملات میں شرکت کرنی پڑتی ہو یا ان کے مذہبی امور میں اعانت کرنی پڑتی ہو، تو نہایت اخلاق سے انکار کر دیں، یا انھیں کی برادری کے محتاج لوگوں میں خرچ کرنے کی ترغیب دے کر خود بھی اس کارِ خیر میں حصہ لیں تا کہ برادرانِ وطن سے ہمدردی حدودِ شرع میں رہ کر کر سکیں۔

غیر مسلم کے یہاں ان کے عقیدے اور دھرم کے اعتبار سے شراب، رشوت، سود وغیرہ کا پیسہ حلال ہے، چوں کہ وہ اسلامی احکامات کے تفصیلاً مکلف اور حلال وحرام کے مخاطب نہیں ہوتے، اس لیے ان کے مال کے سلسلے میں ذریعہ معاش کی تحقیق ضروری نہیں ہے، لہٰذا غیر مسلم کی ملکیت میں موجود مال مسلمان کو تحفہ دے، اگر پیسے کی شکل میں دے یا کھانے کی شکل میں دے تو حلال ہے؛ البتہ کوئی ایسی چیز نہ ہو جو بذاتِ خود حرام ہو، جیسے مردار یا غیر مسلم کا ذبیحہ وغیرہ، تو یہ قبول کرنا حرام ہے، پس اگر غیر مسلم اپنے پیسے سے مسلمان کو افطار کرائے تو جائز ہے ؛ البتہ بہتر یہی ہے کہ افطار کرنے کے لیے غیر مسلم کے گھر نہ جایا جائے؛ بل کہ افطار کے سامان کا انتظام کر کے غیر مسلم مسلمان کے گھر بھیج دے، رہی یہ

بات کہ غیر مسلم اکثر وبیشتر اپنی سیاست کی کرسی چمکانے اور الیکشن کے موقع پر مسلمانوں سے ووٹ وصول کرنے کے لیے دعوت کرتے ہیں، ان کی دعوت خلوص کی وجہ سے نہیں ہوتی بھلا اس دعوت کو کیوں کر قبول کرنا درست ہوگا؟ یہ بات تو ہر دعوت کرنے والے کے متعلق ہے کہ وہ صرف رضائے الٰہی کے لیے کھلائے، یا کم از کم کسی دنیوی غرض سے دعوت نہ کرے، لیکن اس کی نیت کا علم کس کو ہے؟ اگر تحقیق سے ثابت ہے کہ فلاں شخص غرضِ فاسد سے دعوت کر رہا ہے تو بھی اخلاق سے اس کو منع کر دیں؛ لیکن خدا کے واسطے! محض اپنے سیاسی آقاؤں کو راضی کرنے کے لیے مسلمانوں میں سیاسی فرقہ بندی کو ہوا نہ دیں، اس کے لیے علمائے کرام وائمۂ مساجد کو استعمال نہ کریں، کون نہیں جانتا کہ سیاسی قائد یا غالب پارٹی اس قسم کی افطار پارٹیوں سے اپنا ووٹ بینک مضبوط کرنا چاہتے ہیں، بہت کم وہ ہیں جو خدا کو خوش کرنے یا قومی یک جہتی اور مسلمانوں سے اظہارِ یگانت کرنے کے لیے کرتے ہیں، اس لیے بصد احترام آپ کی سیاست آپ کو سلامت ہماری عبادت ہم کو سلامت، اپنی سیاست کی خاطر ہماری عبادت غارت نہ کیجیے!

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ ہندو اگر افطار میں مٹھائی بھیجے تو اس کا کھانا کیسا ہے؟ فرمایا: فتوے کی رو سے جائز ہے؛ مگر مجھ کو غیرت آتی ہے کہ کل کو یوں کہنے لگیں کہ اگر ہم مدد نہ کرتے تو کیسے بہار ہوتی (۱) لیکن یہ بالکل درست نہیں کہ رمضان کے مبارک مہینے میں غیر مسلم کی دعوت کی وجہ سے مسلمانوں میں دو گروہ ہو جائیں اور آپس میں لڑتے رہیں اور غیبتوں میں لگے رہیں، حاصل یہ کہ دعوت قبول کرنے کے لیے مالِ حلال شرط ہے، طیب نفس (خوش دلی) شرط ہے، ریا کاری یا کوئی غرضِ فاسد نہ ہونا شرط ہے، تاہم مسلمانوں کو ایسی دعوتوں میں شرکت نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ ”ولا باس بطعام الیہود والنصاری من اھل الحرب أو من غیر أھل الحرب ....ولا باس

---

(۱) احکام رمضان المبارک: ۱۵۷ بحوالہ اغلاط العوام: ۷۲

بطعام المجوس كلها إلا الذبيحة فإن ذبيحتهم حرام۔(۱)

سیاسی وسماجی افطار پارٹیاں بھی بعض اوقات نمود ونمائش کا ذریعہ اور دنیاوی معاملات نپٹانے کا آلہء کار بنی ہوتی ہیں، لاکھوں روپے خرچ کر کے صرف ان لوگوں کو مستفید کیا جاتا ہے جو پہلے ہی صاحب حیثیت ہوتے ہیں، کسی غریب، بےکس یا نادار کو ایسی پارٹیوں کے قریب سے گذرنے ہی نہیں دیا جاتا، مقصد اگر کارثواب ہے تو اس کے تقاضے کچھ اور ہیں افطار کرانے کا ثواب حاصل کرنے کے لیے آپ کو ان لوگوں تک پہنچنا چاہیے جو ان نعمتوں سے محروم ہیں، جو کسی کے آگے ہاتھ پھیلاتے نہیں ہیں، کاروباری شراکت داروں، اپنے افسروں اور علاقے کے بارسوخ افراد کے لیے دسترخوان سجانا شاید ثواب سے زیادہ بزنس ہے جس سے دنیاوی فائدہ تو مل سکتا ہے؛ لیکن تقویٰ وثواب حاصل نہیں ہوتا۔

حاصل یہ کہ اگر کوئی غیر مسلم بہ خوشی روزے داروں یا غیر روزے داروں کو کھانا کھلانا چاہے تو اس کی پیش کش کو قبول کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، تاہم آج کل زیادہ تر ایسے پروگرام سیاسی مقاصد کے لیے کیے جاتے ہیں اس لیے ان میں شرکت سے احتیاط کرنی چاہیے۔(۲)

افطار میں غیر مسلم کا شریک ہونا

غیر مسلم بھائی کو افطار کی دعوت دینا یا وہ ازخود آجائے تو اپنے دسترخوان پر جگہ دینا بلا کراہت درست ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم کو دعوت بھی دی ہے اور اس کی دعوت قبول بھی فرمائی ہے(۳) کوئی غیر مسلم افطار میں شریک ہونا چاہے تو اسے روکنا اسلامی

---

(۱)الفتاوی التاتار خانیة: ۱/۱۶۶، مستفاد از فتاوی محمودیہ: ۶/۴۹۴، کفایۃ المفتی: ۴/۲۴۹، ایضاح المسائل: ۸۳، فتاوی قاسمیہ: ۹/۵۷۰، کتاب الفتاوی: ۳/۴۳۳

(۲) کتاب النوازل: ۶/۳۵۰

(۳) صحیح مسلم، حدیث: ۵۳۶۴، جمع الفوائد: ۱/۲۹۴

تعلیمات کے خلاف ہے،جس سے ان کے دل میں اسلام اور مسلمانوں سے نفرت پیدا ہوسکتی ہے،ان کے مسجد میں آنے سے مسجد ناپاک نہیں ہوتی اور نہ نماز فاسد ہوتی ہے، آنحضرت ﷺ نے غیر مسلم قافلے کو مسجد میں جگہ دی ہے اور منافقوں کو اپنی صف میں جگہ دی ہے،اس معاملے میں مسلمانوں کو جذبات سے کام لیے بغیر جذبے کو شریعت کے تابع کرنا چاہیے،البتہ اگر غیر مسلم عہدے داروں کو محض خوشنودی اور چاپلوسی میں مدعو کیا جائے اور ذاتی مفاد پیش نظر ہو تو اس پر کوئی اجروثواب نہیں ملے گا،ہاں اگر انھیں مسلمانوں سے مانوس کرنے،دین حق کی طرف متوجہ کرانے،مسلمانوں کے تئیں غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے مدعو کیا جارہا ہو تو باعثِ اجروثواب ہے،البتہ مسجد میں ایسے موقع پر ان کے شریک کرنے سے دو خرابیوں کا احتمال ہے،ایک تو امتنان (یعنی کافر کا احسان لینا)

دوسرے: مسلمانوں میں کرم (وسخاوت کا مزاج) غالب ہے اور سوچتے سمجھتے ہیں نہیں،پھر ان کے تہواروں میں مدد دینے لگتے ہیں،اور ہندوؤں کا طریقہ یہ ہے کہ اول تو احسان کرتے ہیں پھر اپنا کام بناتے ہیں (خلاصہ یہ کہ) دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے،ایک تو یہ کہ وہ مدد دینے والے ایسے نہ ہوں کہ دے کر احسان جتلا دیں،دوسرے یہ کہ اس سے مسلمان متاثر ہو کر ان کے مذہبی چندے میں شریک نہ ہونے لگیں،ورنہ پھر جائز نہیں۔(۱)

رمضان میں حکومت سے ملنے والی رقم

پہلی بات: مسجد کی خاطر یا روزے داروں کے افطار کے لیے حکومت سے ابتداءً چندے کی درخواست کرنا مکروہ ہے اور ایمانی حمیت واسلامی غیرت کے سخت خلاف ہے، البتہ اگر حکومت دیگر اہل مذاہب کی عبادت گاہوں کے تعاون کی طرح جمہوری ملک میں تعاون کر رہی ہو،اس کے تعاون سے نیک نیتی کا پتہ چل رہا ہو تو حکومت سے لے کر مسجد

(۱) الاضافات الیومیہ: ۹۸ بحوالہ احکامِ رمضان المبارک: ۱۵۷،کتاب الفتاوی: ۳/ ۴۳۹

اور افطار کے لیے خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ کسی مفسدہ وخرابی کا اندیشہ نہ ہو، جیسے ووٹ بینک وغیرہ، اگر خرابیوں کا اندیشہ ہو تو لینا جائز نہیں اگر زبردستی دے دے اور واپس کرنے میں فتنے کا اندیشہ ہو تو لے کر چپکے سے غرباء فقراء اور محتاجوں کو دے دیا جائے۔

دوسری بات: یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ حسنِ ظن رکھنے کے لیے کسی دلیل کی حاجت نہیں، البتہ سوءظن کے لیے دلیل کی حاجت ہے، بغیر کسی وجہ شرعی اور بلا دلیل شرعی کسی کے ساتھ برا گمان قائم کر لینا برا ہے، البتہ اپنی ذات کی حد تک کوئی تقویٰ اختیار کرے اور حکمت وحسن انداز سے بچتا رہے، تو یہ بھی مستحسن قدم ہے لیکن محض بھروسہ نہ ہونے یا اپنا دل مطمئن نہ ہونے کی وجہ سے مسلم یا غیر مسلم کے مال کو قطعاً حرام قرار دینا درست نہیں ہے۔

تیسری بات: یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے افطار پارٹی وغیرہ کے لیے جو رقم دی جاتی ہے، وہ حکومتی نمائندہ اپنی جیب سے نہیں دیتا ہے، بل کہ یہ اقلیتی فلاحی منصوبوں کا قیمتی پیسہ ہوتا ہے، جسے اقلیت کی غربت ختم کرنے کے لیے منصوبہ بند طریقے سے خرچ کرنا ہوتا ہے، افطار پارٹی کے انعقاد پر پیسہ کو پانی کی طرح بہایا جانا قابل اصلاح عمل ہے، ۲۰۱۷ء میں حکومت کی طرف سے ۸۰۰ رمساجد میں افطار کی دعوت اور ۴ لاکھ غریبوں میں کپڑوں کی تقسیم عمل میں آئی، جس کے لیے ۶۶ رکروڑ روپیے خرچ کیے گئے، اس قدر رقم اگر مسلمانوں کے لیے اسکول، کالج اور غربت ختم کرنے پر صرف کی جاتی تو رقم اپنی صحیح مصرف میں خرچ ہوتی، مسلمانوں کے لیے شرم کی بات یہ ہے کہ اگر تمام مسلمان اپنی زکاۃ مکمل بحساب نکالتے تو برادرانِ وطن کو یا حکومت کو تعاون کرنے کی ضرورت نہ پڑتی، علاوہ ازیں اس رقم کی خاطر کتنی مسجدوں میں جھگڑے ہوتے ہیں، گروپ بندیاں ہو جاتی ہیں، افطار پارٹی ایک سیاسی پارٹی بن جاتی ہے، بعض مرتبہ سیاسی جماعتیں ایک خاص ووٹ بینک کو ٹارگیٹ کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور مسلمان بے وقت کے تعاون سے خوش ہو کر اپنے ووٹ کا غلط استعمال کر بیٹھتا ہے، افطار کے لیے کھجور یا پانی کافی ہے، افطار کے لیے مساجد میں عموما مسلمانوں کی طرف سے بھی نظم ہوتا ہے، کیا اس ایک کھجور اور دو گھونٹ پانی بھی حکومت سے

لیں گے؟

حاصل یہ کہ افطار کے لیے حکومت کا پیسہ لینا فتنے کا اندیشہ نہ ہونے کی صورت میں جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔

حرام آمدنی والا حلال کا انتظام کہاں سے کرے؟

ایک مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ حرام آمدنی پر گذر بسر کرے، ساری زندگی حرام کے ایک دانے سے بھی پرہیز ضروری ہے، چوں کہ حرام کا ایک لقمہ بھی پیٹ میں چلا جائے تو عبادت و دعاء قبول نہیں ہوتی، اور جہنم کی آگ ہی اس جسم کو پاک کرسکتی ہے جو جسم حرام سے پلا ہو؛ لیکن اگر کسی کے پاس حرام ہی حرام ہو، حلال کا ایک روپیہ نہ ہو تو اس کے لیے کم از کم رمضان میں حرام سے بچنے کے لیے فقہاء نے ایک طریقہ بتایا ہے تا کہ اس مبارک مہینے میں حلال کا اہتمام کرلے گا اور دعاء کرتا رہے گا کہ بقیہ گیارہ مہینے میں بھی اللہ اس کے لیے حلال کا انتظام کردے، تو امید ہے کہ رمضان کا اثر گیارہ مہینے تک رہے گا تو حلال کا انتظام بقیہ مہینوں میں بھی ہوجائے گا، چناں چہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ صاحب سے سب چیزوں کا تقوی تو آسان ہے لیکن حرام آمدنی سے کیسے بچیں اس لیے کہ ہمارا تو سب مال حرام ہے، غلہ ہے وہ حرام آمدنی کا ہے، لباس ہے وہ ناجائز ہے اب اس کو کیسے چھوڑیں؟ یہ سخت مشکل ہے، میں اس کا بھی علاج بتلاتا ہوں اگر چہ اس کے ظاہر کرنے کی جرأت تو نہ ہوتی تھی؛ مگر میں دیکھتا ہوں کہ مسلمان بہت تباہ حالت میں ہیں، دین سے بہت دور جاگرے ہیں، اس لیے ضرورت کی وجہ سے ظاہر کرتا ہوں فقہاءؒ کو اللہ تعالی جزائے خیر دے، ہمارے لیے انھوں نے ایسی سہولتیں نکال دی ہیں کہ اگر ان سہولتوں کے ہوتے ہوئے بھی کوئی حرام میں مبتلاء ہو تو وہ بڑا ہی بدبخت ہے، وہ یہ کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شئ قرض کے روپیے سے خریدی جائے اور وہ قرض حرام آمدنی سے ادا کردیا جائے تو اس شئ میں خبث کا اثر نہیں آتا گو حرام آمدنی کا گناہ ہوگا تو آپ یہ کیجیے کہ رمضان بھر کے لئے تمام

اشیاءِ کھانے پینے کی نقد نہ خریدیے، بل کہ کسی مہاجن سے یا کسی دوسرے مسلمان سے جس کی آمدنی حلال ہو قرض لے کر تمام سامان خرید لیجیے اور پھر وہ قرض جہاں سے چاہے ادا کردیجیے اس طریقے سے آپ حرام مال کے اثر سے رمضان بھر کے لیے بچ سکتے ہیں، لیجیے سب سے زیادہ سخت سوال کا بھی علاج ہوگیا، اس صورت میں گو حرام روپیے سے قرض ادا کرنے کا گناہ ہوگا؛ مگر حرام کھانے سے تو بچ گیا۔(۱)

مساجد میں افطار و سحری کا انتظام اور کچھ ضروری گذارشات

روزے دار کو افطار کرانے کی فضیلت کی وجہ سے اکثر مساجد میں سحری اور افطاری کا مستقل پورے مہینے نظم بل کہ کافی اہتمام کیا جاتا ہے، مختلف قسم کے ماکولات ومشروبات لائے جاتے ہیں، روزے دار کو افطار کرانا یا سحری کرانا بلا شبہ فضیلت وثواب کا باعث ہے؛ مگر مندرجہ ذیل امور کا لحاظ بھی ضروری ہے:

(الف) حلال مال سے سحری وافطاری کا نظم کیا جائے؛ کیوں کہ حرام کا ایک لقمہ بھی روزے کی روح کو غارت کر دیتا ہے، اگرچہ کھانے والے کو علم نہ ہونے کی وجہ سے روزے کا ذمہ ساقط ہو جاتا ہے۔

(ب) واجب صدقات سے یہ نظم نہ کیا جائے، مثلاً زکات اور کفارے کی رقم سے نظم نہ کیا جائے، چوں کہ کھانے والوں میں غیر مستحق بھی ہوتے ہیں، راقم الحروف سے بعض حضرات نے سحری کے لیے کفارۂ صوم کی رقم خرچ کرنے کا سوال اس انداز سے کیا کہ گویا سحری اور افطاری میں یہ رقم خرچ کرنا ایک عام سی بات ہے۔

(ج) جبراً انتظام کا مطالبہ نہ کیا جائے، بعض مساجد میں اس انتظام کو بمشقت پورے مہینے چلانے کے لیے تشکیل کرتے ہیں ”آپ کی طرف سے دعوت ہو جائے، آپ کی طرف سے دعوت ہو جائے“، شرعاً طیب نفس (خوش دلی) کے بغیر کوئی دعوت جائز نہیں ہوتی۔

---

(۱) احکام رمضان المبارک: ۴۲

(د) انتظام کرنے والے کا نام لیکر اعلان نہ کیا جائے کہ" آج فلان کی طرف سے سحری کا انتظام ہے"اس میں ریاء کا غالب احتمال پایا جاتا ہے، اور نہ اجتماعی چندہ کیا جائے چوں کہ اس میں جبر کا احتمال رہتا ہے۔

(ھ) نماز کے وقت (خواہ تراویح ہو یا مغرب) کاٹنے اور کوٹنے میں نہ لگے، دیکھا گیا کہ تراویح ہو رہی ہے اور شوروغل ہو رہا ہے، پتہ چلا کہ نوجوان سحری کے لیے چولہا جلا رہے ہیں، پیاز کاٹ رہے ہیں، برتن دھو رہے ہیں، اس سے تو سو درجے بہتر ہے کہ خود بھی تراویح میں شریک ہو جائیں اور سحری کا نظم ہی بند کر دیں۔

(و) مسجد کے بجائے کسی ایسی جگہ مسجد سے متصل انتظام کیا جائے جس سے مسجد کھانے سالن وغیرہ سے آلودہ نہ ہو،فقہاء نے مساجد میں کھانے کی اجازت صرف معتکف اور مسافر کو دی ہے، مسافر کے لیے کوئی جگہ نہیں ملتی ہے کہ وہ کھانے کی ضرورت پوری کر سکے، اور معتکف مسجد سے نکل نہیں سکتا (۱) اس لیے انھیں اجازت ہے، نیز مساجد عبادت کے لیے تعمیر کیے گئے ہیں، اور کھانا پینا ایسی عبادت نہیں جو مساجد میں ہی پوری ہوتی ہو، ہاں اگر کھانے پینے کی ضرورت پیش آئے تو پہلے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں آئے (چوں کہ امام محمدؒ کے نزدیک تھوڑی دیر کا اعتکاف بھی درست ہے) اور اپنی نیت کے مطابق دو چار منٹ ذکر بھی کرے اس کے بعد کھانے کی ضرورت پوری کر لے۔"وکرہ أکل ونوم إلا المعتکف الخ وتحته فی الشامیه قوله اکل ونوم الخ إذا أراد ذلک ینبغی أن ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر الله تعالی بقدر مانوی أو یصلی ثم یفعل ماشاء"(۲)

(ز) افطار میں تعجیل کا حکم دیا گیا ہے اور مغرب کی نماز میں بھی تعجیل کا حکم ہے، اگر گھر سے افطار کر کے آئیں گے تو جماعت یا تکبیر اولی فوت ہو جانے کا قوی امکان ہو، تو یہ بھی عذر میں داخل ہے، نیز ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد میں کھانے پینے کی کراہت سے افطار کی

(۱) شامی: ۱/ ۶۶۱

(۲) فتاوی شامی: ۲/ ۴۴۸

صورت کو مستثنی شمار کیا ہے(۱) لہذا اگر گھر قریب ہو تو گھر سے افطار کر آئے اور اگر گھر دور ہو تو جماعت پانے کی غرض سے مسجد میں افطار کرنے کی اجازت ہے۔

لیکن موجودہ دور میں مساجد کو عبادت گاہ کی طرح افطار گاہ بنا دیا گیا ہے کہ کبھی کبھار ہوٹل کی شکل معلوم ہوتی ہے، افطار کے موقع پر شور وغل، افطاری کے سامان کی چھینا جھپٹی، بچوں کی کود و مستی، کبھی لڑائی جھگڑا، مسجد کے فرش کو گندہ کرنا، کھانے کے بعد بچا ہوا یوں ہی چھوڑ کر چلے جانا، بعض مرتبہ دیکھا گیا کہ اس قدر کھانا مسجد سے پھینکا جاتا ہے جس سے پچاس ساٹھ آدمیوں کا بآسانی پیٹ بھر سکتا ہے، مسجد سے اعلان پر اعلان ہوتا ہے کہ ''کھانا بچا ہوا ہے جس کو چاہیے آکر لے جائیں''، لیکن سب پیٹ بھرے ہوئے ہیں، آئے تو کون آئے؟ رمضان کے مبارک مہینے میں اس اسراف کے ارتکاب سے پرہیز کیا جائے، اور سحری وافطاری کے بہانے مساجد کو گندہ کرنے کے گناہ کا ارتکاب نہ کیا جائے، مساجد کی کمیٹی اور اہلِ محلہ کو چاہیے کہ سنجیدگی سے مسئلے کو حل کریں اور مسجد سے متصل اس کا نظم کریں، اگر مسجد سے متصل جگہ نہ ہو تو مسجد کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے یعنی اعتکاف کی نیت ہو، مسجد کے فرش کے علاوہ کوئی دوسرا فرش بچھایا جائے، مغرب کی نماز کے فوری بعد مسجد کی صفائی کر دی جائے، اس کام کے لیے علاحدہ خادم رکھنا پڑے تو رکھا جائے۔

افطار کے وقت نیم اور زیتون کی مسواک

روزے کی حالت میں نیم یا زیتون کی مسواک کرنا درست ہے اگر چہ لکڑی کا مزہ محسوس ہو، پھر بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا اس قدر مزہ تو کلی کرتے وقت کھارے پانی اور میٹھے پانی کا بھی محسوس ہوتا ہے جس طرح اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے اسی طرح مختلف قسم کی لکڑیوں کی مسواک سے فاسد نہیں ہوگا۔ ''أما الرطب الأخضر فلا باس به عند الکل'' (۲)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح: ۲/ ۵۱۳

(۲) الفتاوی الہندیہ: ۱/ ۱۹۹

اجتماعی افطار کا فائدہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لیے کافی ہے۔ دو آدمیوں کا کھانا چار کے لیے کافی ہوتا ہے اور چار کا کھانا آٹھ کے لیے کافی ہے۔ ”طَعَامُ الرَّجُلِ يَكْفِى رَجُلَيْنِ. وَطَعَامُ رَجُلَيْنِ يَكْفِى أَرْبَعَةً. وَطَعَامُ أَرْبَعَةٍ يَكْفِى ثَمَانِيَةً“(۱)

اجتماعی افطاری سے شخصی وطبقاتی امتیاز ختم ہو جاتا ہے آپس میں پیار، محبت اور ایثار و قربانی کی فضا پیدا ہوتی ہے اور روزے دار کو افطاری کروانے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا و خوشنودی حاصل ہوتی ہے، روزے دار کو جو افطار کروائے اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، اس کو بھی روزے دار جتنا ثواب ملتا ہے اور اس سے روزے دار کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی، گھر میں یا مسجد میں مسلمانوں کا ایک ساتھ افطار کرنے میں ایثار کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

افطار پارٹیاں

افطار کا وقت قبولیتِ دعا کا وقت ہوتا ہے؛ مگر مسلمان معاشرہ افطار کس مشغولیت میں گذارتا ہے اندازہ لگائیں:

”شامیانے، سجاوٹ، اور چکا چوند روشنی دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی بڑی ’خلاف شرع شادی‘ ہونے والی ہے، پوچھنے پر پتہ چلتا ہے کہ یہ شادی نہیں ہے؛ بل کہ ’افطار پارٹی‘ کا اہتمام ہے، یہ پارٹیاں نئے زمانے کے رمضان کا فیشن (Fashion) سیاست اور ڈپلومیسی (Diplomacy) کا پلیٹ فارم بن گئی ہیں، نام ونمود اور سستی شہرت کے لیے بھی اس عنوان کا سہارا لیا جانے لگا ہے، ان پارٹیوں میں غریبوں اور دین داروں کے

(۱) صحیح مسلم، کتاب لأشربۃ، باب: فضیلۃ المواسۃ فی الطعام القلیل، حدیث:۲۰۵۹

بجائے عموماً ایسے لوگ مدعو ہوتے ہیں جو ماہِ مبارک کے مقصد اور روح سے نا آشنا ہیں، ان تقریبات کی نحوست سے بہت سی جگہ شرکاء مغرب کی نماز تک سے محروم ہو جاتے ہیں اور تراویح بھی خطرے میں پڑ جاتی ہے، یہی نہیں بل کہ ان تقریبات کی تصویر کشی اور ویڈیو گرافی (Video graphy) کرکے روزے کا ثواب برسرِ عام غارت کیا جاتا ہے، اور کہیں کہیں تو پارٹیوں میں مردوں اور عورتوں کا بے محابا اختلاط شرم وحیاء کی چادر کو تار تار کر دیتا ہے۔

درحقیقت اس طرح کی اجتماعی افطار پارٹیاں ماہِ مبارک کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ بنتی جا رہی ہیں اور ہمیں رمضان کی اس بے ادبی کا قطعاً احساس نہیں ہے، ذرا غور کریں کہ کیا ان منکرات ومعاصی کے باوجود افطار کی یہ رسم ہمارے لیے باعثِ اجر وثواب بن سکتی ہے؟ آج ضرورت ہے ان مسرفانہ تقریبات پر بند لگانے اور بڑھتی ہوئی نام ونمود کی وبا پر روک لگانے کی، تاکہ صحیح معنی میں ہم رمضان کی برکتوں سے مالا مال ہو سکیں۔‘‘(۱)

افطار پارٹی کا نقصان

جہاں کہیں افطار پارٹی ہوتی ہے اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ کھاتے کھاتے جماعت چھوٹ جاتی ہے، اور افطار کی وجہ سے جماعت کا چھوٹ جانا ترکِ جماعت کے اعذار میں سے نہیں ہے، غیرِ رمضان میں جماعت سے پیچھے رہ جانے کا جو گناہ ہے رمضان میں بھی وہی گناہ ہے؛ بل کہ ایک غیر ضروری عمل کو ضروری سمجھ کر واجب میں کوتاہی کی جاتی ہے، افطار سنت ہے مگر افطار پارٹی کی مسرفانہ شکلیں سنت نہیں ہے، حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں: اول تو اس قدر اہتمام کیا ضروری ہے؟ دوسرے یہ بھی تو ممکن ہے کہ نماز کے بعد یہ شغل ہو اور افطار کسی مختصر چیز پر ہو کہ نماز میں حاضر ہو جائیں، اس کے لیے آسان طریقہ یہ ہے کہ افطار خواہ لمبا ہو یا مختصر مسجد ہی میں ہونا چاہیے، مکان پر روزہ کھولنے سے اکثر جماعت برباد ہوتی ہے، پھر جب جماعت ملنے کی امید ختم ہو جاتی ہے تو اکثر لوگ گھر ہی پر نماز پڑھ لیتے ہیں اور

---

(۱) تحفۂ رمضان: ۱۵۲

روز روز مسجد کی برکات سے محروم رہتے ہیں، اگر دو چار کی دعوت ہو تو وہ سب بھی مسجد میں جاسکتے ہیں، کیا بندے کے گھر پر جانا فخر اور خدا کے در پر حاضر ہونا عار ہے؟ اگر یہی خیال ہے تو یہ تمام افطار بے کار ہی بے کار ہے۔(۱)

علاوہ ازیں ایک نقصان یہ بھی ہے کہ افطار پارٹیوں میں عموماً مال دار اور ذی حیثیت لوگوں کو ہی بلایا جاتا ہے، جس سے غریب مسلمانوں کی دل شکنی ہوتی ہے نام تو ہے ''روزے داروں کے لیے افطار کا انتظام''، مگر دیکھا جائے تو مال داروں کے لیے افطار کا انتظام ہے نہ کہ روزہ داروں کے لیے، آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: بدترین ولیمہ وہ ہے جس میں مال داروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو نظر انداز کر دیا جائے، ولیمہ جس طرح عبادت ہے، اسی طرح افطار کھلانا بھی عبادت ہے، ولیمہ میں جو چیز قابلِ مذمت ہوگی وہی افطار میں قابلِ مذمت ہوگی، مسنون دعوتوں میں غرباء کی دل شکنی کی اجازت نہیں تو مباح دعوتوں کے ذریعہ غرباء کی دل شکنی بدرجۂ اولیٰ منع ہے۔ ''شر الطعام طعام الوليمة يدعى لها الأغنياء ويترك الفقراء.''(۲)

عظیم الشان افطار پارٹی کا ارادہ کرنے سے پہلے اپنے دل سے پوچھیں کہ افطار کرانا تو نیکی کا کام ہے، لیکن معزز ین شہر کی افطار پارٹی کرنے اور غریبوں کو تلاش کر کے ان کے لئے افطار کا انتظام کرنے میں کون سا کام ہے جو اللہ کی رضا تک پہونچانے والا ہے۔ کیا آپ افطار پارٹی اپنے کسی شوق کو پورا کرنے کے لئے کر رہے ہیں یا اللہ کو خوش کرنے کے لئے؟ اور اگر اللہ کو خوش کرنا مقصد ہے تب یہ ضرور جاننا چاہئے کہ اللہ کس کام سے خوش ہوگا؟ اخلاص صرف یہ نہیں ہے کہ اچھا عمل اللہ کے لئے کیا جائے، اخلاص یہ بھی ہے کہ عمل سے پہلے جانا جائے کہ اللہ کو اس وقت آپ سے کون سا عمل مطلوب ہے، اور پھر جس عمل کے بارے میں آپ کا دل گواہی دے کہ وہ اللہ کو مطلوب ہے بس وہی عمل کرنے کا فیصلہ کریں، چاہے آپ کی

(۱) اصلاحِ انقلاب: ۱۳۱/ بحوالہ احکامِ رمضان: ۱۵۲

(۲) بخاری شریف: باب من ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله، حدیث: ۵۱۷۷

اپنی خواہش اس کام کی جگہ کوئی دوسرا اچھے کام کرنے پر اصرار کر رہی ہو، عام طور سے لوگ کسی ایک محتاج کو بڑی رقم نہیں دے پاتے ہیں، اس کے بجائے چھوٹی چھوٹی رقمیں بہت سے محتاجوں کو آسانی سے دے دیتے ہیں۔ایسا دل کی تنگی کی وجہ سے بھی ہوتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ دولت مند کے لئے کسی غریب کو غربت سے نکلتے دیکھ پانا آسان نہیں ہوتا ہے، ایک محتاج کو بڑی رقم دینے کے لئے دل کی غیر معمولی کشادگی اور قوت درکار ہوتی ہے، مومن کو صحت مند جسم، توانا دماغ اور طاقتور دل والا ہونا چاہئے۔

افطار پارٹیاں اور چند گذارشات

افطار ہی سے روزے کی تکمیل ہوتی ہے، افطار بھی ایک عبادت اور روزے کی تکمیل کا بہترین ذریعہ ہے جیسے سلام سے نماز کے اور بال منڈوانے سے حج وعمرے کے افعال مکمل ہوتے ہیں، اس لیے سلام اور بال کا منڈوانا یا کٹانا بھی عبادت ہے، اسی طرح افطار بھی روزے کی عبادت کا اہم حصہ ہے، غیر مسلموں کو افطار کی دعوت میں مدعو کرنا ان کی مہمان نوازی کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب اور اجر وثواب کا بہترین ذریعہ ہے، خاص کر اگر انہیں دعوتی مقصد کے تحت بلوایا جائے اس موقع پر ان کے سامنے اسلام کا تعارف کرایا جائے، اسلامی تعلیمات پیش کی جائیں، روزے کی حقیقت ان پر واضح کی جائے، اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں دور کی جائیں، امید ہے ان شاء اللہ اس سے دوہرا ثواب ملے گا، خرچ کرنے کا بھی دعوت دین کا بھی نبی کریم ﷺ کو ابتدائی مرحلے میں جب اپنے خاندان کے سامنے دعوت اسلام پیش کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ ﷺ نے دو بار بنی ہاشم کے لیے کھانے کا اہتمام فرمایا۔ کھانا کھلانے کے بعد ان کے سامنے دین کی دعوت رکھی، معلوم ہوا دعوتی مقصد کے لیے کھانا پر مدعو کرنا عین سنت رسول ہے، مگر افسوس کہ آج کل اکثر افطار پارٹیاں عبادت کی روح سے خالی ہوتی جارہی ہیں خاص کر مسلمان اور غیر مسلم وزراء اور قائد کی طرف سے دعوتوں کا جو اہتمام ہوتا ہے ان کی نوعیت بھی سیاسی ہوتی جارہی ہے، ہر شخص کی توجہ تقریب

کے مہمان اور مہمانان خصوصی کی طرف ہوتی ہے،بڑی تعداد ان کے حواشی کی ہوتی ہے جن کی حرکتوں سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی خوشنودی کے بجائے کچھ شخصیتوں کی خوشنودی حاصل کرنے یہاں پہنچے ہیں، نہ ذکر، نہ استغفار، نہ دعا نہ اللہ کی طرف انابت نہ اخلاص نہ خشیت سب سے مضحکہ خیز کیفیت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو کیمرے کی قید میں آنے اور اخبار کی سرخی بننے کو بے قرار ہوتے ہیں کاش وہ دنیا کے اخبار میں چھپنے کے بجائے اللہ کے رجسٹر میں اپنا نام لکھا لیتے ،لوگوں کو خوش کرنے کے بجائے اللہ کی خوشنودی کے لیے،افطار کا اہتمام کرتے،کم سے کم روزہ جیسی عبادت کو دنیا طلبی اور غیر اللہ کی رضا جوئی کے ناپاک جذبے سے آلودہ نہ کرتے ،افطار پارٹی میں اس وقت ایک رجحان صرف اہل ثروت اور سماج کے مشاہیر کو بلانے کا پیدا ہو رہا ہے ایسے حضرات کو بلانا یقینا ناجائز یا مکروہ نہیں ہے،صرف انہی پر اکتفا کر لینا سماج کے محتاج ونادار حضرات کو نظرانداز کردینا یقینا اسلام کی بنیادی فکر کے بالکل مغایر ہے ایسی تقریبات دین کی روح کے خلاف ہیں بلکہ قربانی کے گوشت کے سلسلے میں رسول کریم ﷺ کی ہدایت سے استفادہ کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے ایسی تقریبات کے کم سے کم ایک تہائی مدعووین فقراء میں سے ہونے چاہیے دعوت افطار میں بہرحال عبادت کا رنگ باقی رہنا چاہیے افطار سے کچھ پہلے انفرادی طور پر لوگ ذکر وتسبیح میں مشغول رہیں، درود شریف پڑھنے کا اہتمام کریں،قرآن مجید کی تلاوت کریں، دینی باتوں کا مذاکرہ ہو،دعاؤں کی مقبولیت کے اوقات میں سے افطار کا وقت ہے، دعا کے ساتھ افطار کیا جائے،توجہ اللہ کی طرف ہو، نہ کہ مخلوق کی طرف، اللہ کی توجہ کو اللہ کی طرف سے پھیرنے والا ماحول نہ بننے دیا جائے ۔(۱)

منکراتِ افطار

(۱) بعض لوگ عین افطار کے وقت کئی قسم کے گناہوں اور خرابیوں میں مبتلا ہوجاتے

---

(۱)شمعِ فروزاں: ۳/ ۲۵۲

ہیں، چناں چہ بعض جگہ ٹی وی وغیرہ کے پروگرام چلا کر دیکھے اور سنے جاتے ہیں اور ان میں کئی باتیں شریعت کے خلاف ہوتی ہیں، مثلاً :

بدنظری (جو کہ آنکھ کا گناہ ہے) موسیقی (جو کہ کان کا گناہ ہے) فحش اور بے حیائی پر مشتمل حرکات وسکنات وغیرہ۔

کچھ لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ اس وقت دینی باتیں نشر ہو رہی ہوتی ہیں، کوئی غلط پروگرام نہیں چل رہا ہوتا، یا روزہ افطار کرنے کا وقت معلوم کرنے کے لیے ٹی وی چلایا جاتا ہے، لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ اول تو افطار کا وقت اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور دعا وزاری میں لگنے کا وقت ہے، اس موقع پر ٹی وی کے پروگراموں میں مشغول اور منہمک ہو کر اس قیمتی دولت اور قبولیت کی گھڑی کو ضائع کر دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔

دوسرے: آج کل ٹی وی پر نشر ہونے والے پروگرام عموماً گناہوں سے خالی نہیں ہوتے، دین کے نام پر نشر ہونے والے پروگراموں کے شروع یا آخر میں بھی موسیقی وغیرہ نشر کی جاتی ہے اور بے پردگی کی بھی نوبت آتی ہے، عین افطاری کے وقت سے کچھ پہلے مختلف قسم کے اشتہارات دکھائے جاتے ہیں جو کئی فواحش ومنکرات پر مشتمل ہوتے ہیں۔

تیسرے: آج کل دین کے نام پر نشر ہونے والے پرگراموں میں بہت سی باتیں خلاف شریعت اور غلط پیش کی جاتی ہیں اور ان پر دینی باتوں کا عنوان لگا دیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں عقائد ونظریات کے بگڑنے تک کا بھی خطرہ ہوتا ہے، رہا افطار کا وقت معلوم کرنے کا عذر تو افطار کا وقت معلوم کرنے کے لیے ٹی وی کے علاوہ بے شمار جائز اور آسان طریقے موجود ہیں، چناں چہ افطاری کے مختلف قسم کے اعلانات، مغرب کی اذان اور گھڑیوں اور صحیح جنتریوں ونقشوں کے ذریعے سے آج کے دور میں بآسانی افطار کا وقت معلوم کیا جا سکتا ہے اور جب ٹی وی جیسی چیزوں کی ایجاد نہیں ہوئی تھی اس وقت بھی روزہ اور افطار کا سلسلہ کیسے جاری تھا؟

(۲) اپنے گھروں وغیرہ میں روزہ افطار کرنے والوں میں بعض لوگ ایسے ہیں جو

افطار میں مشغول ہو کر صرف سستی کی وجہ سے جماعت کی نماز چھوڑ دیتے ہیں، اور اپنے گھروں وغیرہ ہی میں بغیر جماعت کے نماز پڑھ لیتے ہیں، بلا عذر ایسا کرنا مناسب نہیں۔

بہت سے حضرات افطار مسجد میں کرتے ہیں اور نماز بھی جماعت سے پڑھ لیتے ہیں، مگر یہ لوگ کھجور وغیرہ کھا کر اُن کی گٹھلیاں مسجد ہی میں ڈال دیتے ہیں، بعض دفعہ گٹھلیاں وغیرہ مسجد کی دریوں اور صفوں پر پڑی رہتی ہیں جس سے مسجد گندی ہوتی ہے اور نمازیوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔

(۳) بعض جگہ مسجد میں آنے والی عمدہ عمدہ افطاری الگ چھپا کر رکھ لی جاتی ہے اور عام افطاری ضرورت مند حاضرین میں تقسیم کر دی جاتی ہے، پھر اس کو خاص حضرات مل کر کھاتے ہیں جب کہ افطاری بھیجنے والوں کی طرف سے یہ کھانا ان خاص خاص لوگوں کے لیے مخصوص کر کے نہیں بھیجا جاتا، بل کہ عام وخاص امیر وغریب سب کے لیے بلاتخصیص بھیجا جاتا ہے، اس لیے یہ طرزِ عمل افطاری بھیجنے والوں کی منشاء کے خلاف ہونے کی وجہ سے مناسب نہیں، ہاں اگر افطاری بھیجنے والے نے مخصوص کر کے بھیجا ہو، یا ان کی طرف سے اس قسم کی اجازت ہو تو الگ بات ہے۔

(۴) نمک سے افطار کرنے کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں ہے، یہ عمل نہ سنت ہے اور نہ ہی مستحب۔(۱)

مؤذن کی اذان ختم ہونے تک افطار نہ کرنا

بعض روزے دار احتیاط کی حجت قائم کرتے ہوئے موذن کی اذان ختم ہونے تک افطار سے رکے رہتے ہیں، یہ بھی غلطی ہے۔ جیسے ہی موذن کی آواز سنائی دے، روزے دار کو چاہیے کہ وہ فوری افطار کر لے اور جو شخص اذان کے ختم ہونے تک انتظار کرے تو اس نے ایسی چیز کا اپنے آپ کو بہ تکلف مکلف بنا لیا جس کا شریعت نے اس سے مطالبہ ہی نہ کیا، لہٰذا

---

(۱) فتاوی دینیہ: ۶۲/۳۔

سنت یہی ہے کہ وقت پر افطار میں عجلت اور سحری میں تاخیر کی جائے۔

کھانے پینے میں اسراف کرنا

بہت سے لوگ کھانے پینے میں بے پناہ اسراف اور فضول خرچی سے کام لیتے ہیں، تمام امور میں میانہ روی اور اعتدال کی راہ اختیار کی جائے، بھوک اور پیاس کے ذریعے فقراء ومساکین کے فقروفاقے کا تصور کرتے ہوئے اپنے اندر خشوع وعاجزی پیدا کی جائے اور کھانے، پینے میں حد درجے بے احتیاطی کرنا روزے کی روح ختم کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے رزق کی سب سے زیادہ ناقدری ریسٹورنٹس (Resturants) کے بوفے سسٹم (Buf system) میں دیکھنے کو ملتی ہے، بڑی مقدار میں کھانا ضائع کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں، افطار جیسے بابرکت موقع پر جتنا کھانا کھایا جاتا ہے لوگ تقریباً اتنا ہی اپنی پلیٹوں میں بچا کر چلے جاتے ہیں، بہت سی مساجد میں سحری وافطاری کا نظم کیا جاتا ہے اور بچا ہوا کھانا غریبوں تک پہنچانے کا اہتمام نہیں کیا جاتا بلکہ بڑی بے رحمی سے ضائع کر دیا جاتا ہے، یہ سب امور قابلِ اصلاح ہیں۔

افطار کے وقت کونسی دعاء پڑھنا ثابت ہے؟

افطار کے وقت دعاء کا قبول ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے، البتہ افطار کے وقت کونسی دعاء پڑھنا چاہیے اس سلسلے میں مختلف روایات ہیں، جس شخص کو جو دعاء یاد ہو وہ دعاء پڑھ لے لیکن یہ بالکل نامناسب بات ہے کہ اس وقت دعاء تو نہ پڑھی جارہی ہو؛ مگر دعاء کے متعلق جھگڑے ہو رہے ہوں اور کسی ایک دعاء ہی کو ثابت مان کر باقی تمام دعاؤں کا انکار کیا جائے اور اس دعاء کے پڑھنے والوں کو قابلِ ملامت قرار دیا جائے، کیا افطار درست ہونے اور روزہ قبول ہونے کے لیے دعاء پڑھنا واجب ہے؟ کیا اگر کوئی افطار کی دعاء پڑھے بغیر افطار کرے تو اسکا روزہ مکمل نہیں ہوگا؟ ظاہر ہے کہ افطار کے وقت دعاء کے وجوب کا کوئی بھی

طبقہ قائل نہیں ہے، پھر ایک مستحب عمل پر اختلاف کو واجب کیوں سمجھا جا رہا ہے، اور انہی مسائل (جو فرض ہیں نہ واجب) کو موضوعِ بحث بنا کر مناظرہ بازی میں لگے رہنے کو دین سمجھا جاتا ہے، یہاں افطار کے وقت پڑھی جانے والی دعائیں ذکر کی جاتی ہیں، جس کو جو دعا پسند ہو وہ دعاء پڑھے اور جس کو تمام دعائیں پڑھنا ہو تو بھی اختیار ہے:

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ افطار کے وقت یہ دعاء پڑھی جاتی تھی "بسم الله و الحمدلله، اللهم لک صمت، وعلی رزقک افطرت، وعلیک توکلت سبحانک وبحمدک، تقبل منی انک انت السمیع العلیم" (۱)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب افطار فرماتے تو یہ دعا پڑھتے تھے "بسم الله، أللّٰهم لک صمت، وعلی رزقک أفطرت" (۲)

(۳) حضرت معاذ بن زہرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افطار کے وقت یہ دعاء پڑھتے تھے "أللّٰهم لک صمت، وعلی رزقک أفطرت" (۳)

(۴) حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب افطار فرماتے تو یہ دعاء پڑھتے "ذهب الظمأ، وابتلّت العروق، وثبت الأجر إن شاء الله." (۴)

---

(۱) کنز العمال، باب الافطار: ۸/۵۰۹، حدیث: ۲۳۸۷۲، ترتیب الامالی: فصل فی فضل الصوم: ۱/۳۴۴ حدیث: ۱۲۱۳

(۲) المعجم الوسیط: باب من اسمه محمد: ۷/۲۹۸ حدیث: ۷۵۴۹

(۳) شعب الایمان: باب من یری بسرد الصیام باسا: ۵/۴۰۶، البدر المنیر: الحدیث الثانی بعد الاربعین: ۵/۷۱۰، اس حدیث کو حافظ ابن حجر اور ابن حبان نے معاذ بن زہرہ کو ثقہ شمار کیا ہے، ان کا حدیث کو ارسالا بیان کرنا حدیث کے درجے کو گھٹاتا نہیں ہے،، اگرچہ معاذ بن زہرہ نے اس حدیث کو مرسلا بیان کیا ہے لیکن دارقطنی اور طبرانی نے اس کو سند متصل سے بیان کیا ہے، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح: باب من مسائل المتفرقه من باب الصوم: ۴/۱۳۸۷ حدیث: ۱۹۹۴

(۴) ابو داود: کتاب الصوم حدیث: ۲۳۵۷

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم افطار کے وقت یہ دعاء پڑھا کرتے تھے: "اللّٰہم لک صمت،وعلی رزقک أفطرت،فتقبل منی، إنک أنت السمیع العلیم "(۱) اس حدیث کی سند ضعیف ہے (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی دعاء اس طرح بھی منقول ہے: "أللّٰہم لک صمنا، وعلی رزقک أفطرنا، فتقبل منا، إنک أنت السمیع العلیم. "(۳)

(۶) حضرت معاذ بن زہرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم افطار کے وقت یہ دعاء پڑھتے تھے "ألحمدللّٰہ الذی أعاننی فصمت، ورزقنی فأفطرت. "(۴)

(۷) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ افطار کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے "أللّٰہم إنی أسئلک برحمتک التی وسعت کل شئی أن تغفر لی ذنوبی. "(۵)

(۸) "تطریز ریاض الصالحین" میں یہ دعا بلا سند منقول ہے "أللّٰہم إنی صمت لوجھک، وأفطرتُ علی رزقک، اسئلک یاواسع المغفرۃ أن تغفر لی ذنوبی، وأن تعتق رقبتی من النار "(۶)

نوٹ: (الف) افطار کی دعاؤں میں چند جملے لوگوں کی طرف سے اضافہ کیے ہوئے ہیں، جو کسی حدیث میں منقول نہیں ہیں، جیسے " اللھم لک صمت " کے بعد "وبک آمنت" کا جملہ اور "وعلیک توکلت" کا جملہ یہ دعاء میں اضافہ شدہ ہیں، چوں کہ ان

---

(۱) کنز العمال: الفصل الرابع فی الصوم: ۷/۸۱ حدیث: ۱۸۰۵۵

(۲) فیض القدیر: ۵/۱۰۷ حدیث: ۶۵۹۰

(۳) شرح منتھی الارادات: ۱/۴۸۹

(۴) فضائل الاوقات للبیھقی: باب استجابۃ الدعاعند الفطر: ۱/۳۱ حدیث: ۱۴۳، اس حدیث کی سند ضعیف ہے، فیض القدیر: ۵/۱۰۷ حدیث: ۶۵۹۰

(۵) نیل الاوطار: باب آداب الافطار والسحور: ۴/۲۶۲

(۶) تطریز ریاض الصالحین باب امر الصیام بحفظ لسانہ وجوارحہ: ۱/۶۹۶ حدیث: ۱۲۳۹

جملوں کا معنیٰ صحیح ہے، اس لیے یہ اضافہ درست ہے۔(۱) اسی لیے کتب فقہ میں ان الفاظ کے اضافے کے ساتھ دعاء منقول ہے۔(۲)

(ب) یہ تمام دعائیں صرف رمضان کے روزوں کے لیے خاص نہیں ہیں؛ بل کہ شوال، ایامِ بیض، قضائے عمری، اور دیگر نفل روزوں کے لیے بھی یہی دعائیں پڑھنا درست ہے۔

(ج) ان تمام دعاؤں میں جو دعاء سندِ ضعیف سے ثابت ہے یا ان دعاؤں کے علاوہ کوئی اور غیر منصوص دعاء اگر کوئی شخص اس کی سنیت کا اعتقاد رکھے بغیر اور افطار کے وقت اِن ہی دعاؤں کے پڑھنے کو سنت سمجھے بغیر اللہ تعالی سے قبولیت کی امید رکھتے ہوئے پڑھ لے تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اس طرح پڑھ لینا بے شک جائز ہے۔ (۳)

افطار کی دعاء کی حیثیت

افطار کی دعاء: ”أَللّٰهم لک صمت وعلی رزقک أفطرت“ کو ضعیف اور غیر ثابت کہنا درست نہیں ہے،“ امام ابو عبد الرحمن محمد بن فضیل بن غزوان بن جریر الضبي الکوفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ابو زہرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افطار کرتے تو فرماتے: ”أَللّٰهم لک صمت وعلی رزقک أفطرت۔“(۴)

یہ روایت مرسل ہے اور مرسل روایت جمہور محدثین کے نزدیک حجت ہے، امام ابو داودؒ نے بھی اس روایت کو اپنی سنن میں نقل کیا ہے، اور اس کو نقل کرنے کے بعد

(۱) مرقاۃ المفاتیح: باب من المسائل المتفرقہ من کتاب الصوم: ۴/۱۳۸۷

(۲) مجمع الانہر: ۱/۲۴۸، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: فصل فیما یکرہ للصائم: ۱/۶۸۳، الفتاوی الہندیہ: الفصل الثالث فیما یکرہ للصائم: ۱/۲۰۰، الفقه علی المذاهب الاربعة: باب قضاء رمضان: ۱/۵۲۴، اور دیگر کتب فقہ دیکھے جاسکتے ہیں۔

(۳) شرح سنن ابی داود للعباد: باب شرح حدیث اللهم لک صمت الخ: ۲۱/۲۷۲

(۴) (الدعاء للضبی، قدیم ۶۶)

امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے سکوت اختیار کیا ہے۔(۱)

غیر مقلدین کے مجتہد قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''امام ابوداودؒ اور امام منذری رحمۃ اللہ علیہ نے اس (روایت) پر سکوت اختیار کیا، اور اس کی سند کے رجال امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثقہ ہیں۔''(۲)

مولانا شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد کہتے ہیں کہ: اس حدیث پر امام ابوداودؒ اور امام منذری رحمۃ اللہ علیہ نے (مختصر میں) سکوت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔(۳)

دعاء افطار کرنے سے پہلے پڑھی جائے یا افطار کے بعد؟

حدیث میں لفظ ''عند'' استعمال ہوا ہے، جس کے معنی قبلیت کے آتے ہیں، یعنی افطار سے قبل دعا کرو؛ لیکن اکثر فقہاء نے ''عند'' کو ''عقب'' کے معنی میں لیا ہے، چناں چہ چند عبارات ملاحظہ ہوں:

(۱) ''فقہ العبادات علی مذھب المالکی'' میں افطار کی دعاء کے وقت سے متعلق یہ عبارت منقول ہے: ''الدعاء عقب الفطر بالدعاء الماثور'' ''اللھم لک صمت، و علی رزقک أفطرت، وعلیک توکلت، وبک آمنت، ذھب الظمأ، و ابتلت العروق، وثبت الأجر إن شاء اللہ، یاواسع المغفرۃ اغفرلی الحمد للہ الذی اعاننی فصمت، ورزقنی فأفطرت'' اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دعاء افطار کے بعد کہنی چاہیے(۴)

(۲) ابو یحیی السنیکی نے اپنی کتاب ''اسنی المطالب فی شرح روض الطالب'' میں دونوں طرح کی عبارت لکھی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے بھی پڑھی

---

(۱) السنن ابی داود، حدیث :۲۳۵۸

(۲) نیل الاوطار: ۱/۱۶۱

(۳) عون المعبود: ۴/۹۱

(۴) فقہ العبادات علی مذھب المالکی: باب تعریف الصوم: ۱/۳۱۹

جائے، بعد میں بھی پڑھی جائے، چناں چہ عبارت ہے: ”وينبغی له أن يقول بعد، وفی رواية عند الإفطار“(۱) لیکن آپ ہی نے اپنی دوسری کتاب ”فتح الوهاب بشرح منهاج الطلاب“ میں یہ جملہ کہا ہے: ”وأن يقول عقب فطره هو أولی من قوله عندفطره“ جس سے افطار کے بعد کہنا پتہ چلتا ہے۔(۲)

(۳) ابن حجر ہیثمیؒ اپنی کتاب ”المنهاج القويم شرح المقدمة الحضرمية“ میں لکھتے ہیں:
”ويستحب أن يقول عنده أی بعدالفطر اللهم لک صمت، وعلی رزقک افطرت، ذهب الظمأ، وابتلت العروق، وثبت الأجر إن شاءالله“(۳)

(۴) علامہ شربینیؒ ”المغنی المحتاج الی معرفة معانی الفاظ المنهاج“ میں لکھتے ہیں:
”ويستحب أن عندفطره أی عقبه كمايوخذ من قوله (اللهم لک صمت وعلی رزقک أفطرت“(۴) اس سے واضح ہوتا ہے کہ دعاء افطار کے بعد پڑھے۔

(۵) علامہ شہاب الدین رملیؒ نے اپنی کتاب ”نهاية المحتاج الی شرح المنهاج جلد ۳/ ۱۸۳“ پر ”عقب فطره“ کا جملہ لکھا ہے۔

(۶) علامہ منصور عجیلیؒ حاشية الجمل میں لکھتے ہیں ”(عقب فطره) هو أولی من قوله (عند) لأن العندية تصدق بالقبيلة فتامل“(۵)

(۷) علامہ عبدالرحمن الجزیریؒ ”الفقه علی المذاهب الاربعة“ میں لکھتے ہیں:
”ومنها الدعاء عقب فطره بالماثور“(۶)

---

(۱) اسنی المطالب فی شرح روض الطالب: ۱/ ۴۲۲
(۲) فتح الوهاب بشرح منهاج الطلاب: فصل فی ارکان الصوم: ۱/ ۱۴۲
(۳) المنهاج القويم شرح المقدمة الحضرمية، فصل فی سنن الصوم: ۱/ ۲۵۲
(۴) المغنی المحتاج الی معرفة معانی الفاظ المنهاج: فصل شروط وجوب صوم رمضان: ۲/ ۱۶۸
(۵) حاشية الجمل علی شرح المنهج: ۲/ ۳۳۰
(۶) الفقه علی المذاهب الاربعة: باب قضاء رمضان: ۱/ ۵۲۴

ان تمام فقہاء کی عبارات سے (ان کے علاوہ کئی فقہاء کی عبارات سے جو طولِ کلام کے اندیشے سے ترک کر دی گئی ہیں) واضح ہوتا ہے کہ دعاءِ افطار کے بعد پڑھنی چاہیے۔

اور اپنے اکابر میں حضرت مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ معارف الحدیث میں اور حضرت الاستاذ مفتی سعید صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ تحفۃ الالمعی میں لکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا دونوں دعاؤں (ذھب الظمأ الخ ،اللھم لک صمت الخ) کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افطار کے بعد یہ کلمات کہتے تھے(۱) اسی طرح مفتی سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم ’’تحفۂ رمضان میں ’’مستحبات روزہ‘‘ کے تحت لکھتے ہیں :افطار کے بعد دعاء ماثورہ کا پڑھنا منقول ہے مثلاً:اَللّٰھم لک صمت وبک آمنت،وعلیک توکلت،و علی رزقک أفطرت.‘‘(۲)

مگر مفتی سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم کتاب النوازل میں لکھتے ہیں: بہتر یہی ہے کہ افطار کرنے سے پہلے دعا پڑھی جائے؛ کیوں کہ یہ دعا ہی افطار کے کھانے کے لیے بسم اللہ کے حکم میں ہے اور ہر کھانے کی ابتدا بسم اللہ سے کرنا مسنون ہے، بریں بنا دعا پڑھ کر افطار کرنے کو خلافِ سنت نہیں کہہ سکتے ،باقی اگر کوئی شخص افطار کر کے مذکورہ دعا پڑھے تب بھی دعائے افطار کی سنت ادا ہو جائے گی‘‘۔(۳)

حدیث میں ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب افطار فرماتے تو دعا فرماتے :ذَھَبَ الظَّمأُ وَابتَلَّت العُرُوْقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إنْ شَاءَ الله کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا أفطر قال ذھب الظمأ وابتلت العروق وثبت الأجر إن شاء الله‘‘۔(۴)

مذکورہ بالا حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے افطار کے بعد دعاء

---

(۱) معارف السنن: ۱۳۸/۴ بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۱۴۴/۴،معارف الحدیث: ۱۳۸/۴

(۲) تحفہء رمضان: ۷۵

(۳) کتاب النوازل، جلد:۶،کتاب الصوم۔

(۴) سننِ ابوداود کتاب الصیام، باب القول عند الافطار، حدیث نمبر: ۲۰۱۰

پڑھنے کاذکرکیاہے: إذا أفطر أی بعد الإفطار قال ذهب الظمأ۔ کان إذا أفطر قال أی دعا۔ و قال إبن الملک أی قرأ بعد الإفطار و منه أللّٰهم لک صمت"(۱)

مذکورہ دعاء "ذهب الظمأ، و ابتلت العروق، و ثبت الأجر إن شاء الله" کے بارے میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے کہ یہ افطار کے بعد کی دعا ہے۔(۲)

فائدہ: حضرت مولانا عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم نے "اللهم لک صمت و علی رزقک أفطرت" کو افطار سے قبل اور "ذهب الظمأ و ابتلت العروق و ثبت الأجر إن شاء الله" افطار کے بعد پڑھنے کی دعاؤں میں لکھا ہے۔(۳)

شیخ عثیمین کا فتوی ہے کہ دعاء افطار سے قبل پڑھی جائے؛ چوں کہ انسان روزے کی حالت میں متوجہ الی اللہ ہوتا ہے، نفس بھی بھوک سے مغلوب ہوتا ہے اور روزہ افطار کرنے کے بعد سستی آجاتی ہے اور دلچسپی ختم ہوجاتی ہے، البتہ یہ دعاء "ذهب الظمأ، و ابتلت العروق و ثبت الأجر إن شاء الله" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کھانے کے بعد ہی پڑھنا ثابت ہے۔(۴)

بعد میں دعا پڑھنے کے قائل حضرات کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہر کام سے پہلے جتنی دعائیں ہیں وہ سب "اللهم" سے شروع ہوتی ہیں اور کام ختم ہونے کے بعد پڑھی جانی والی دعائیں "الحمدلله" سے شروع ہوتی ہیں، اس لحاظ سے "اللهم لک صمت" افطار سے قبل پڑھی جائے۔

بنوری ٹاؤن کا فتوی ہے"اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ، وَعَلٰی رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ"۔

---

(۱) مرقات شرح مشکاۃ: ۲/ ۵۱۴

(۲) بذل المجهود: ۱۱/ ۱۶۰، باب القول عند الافطار، ط: دارالکتب العلمیۃ، بیروت

(۳) (مقالاتِ اصلاحی: ۲/ ۱۵۱)

(۴) اللقاء الشهری: باب وقت إجابة دعوة الصائم: ۸/ ۲۵

"ذَهَبَ الظَّمَاءُ، وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ"

ان میں سے دوسری دعا تو بلا تفاق افطار کے بعد پڑھنے کی ہے، اور پہلی دعا کے بارے میں احادیث میں کسی قسم کی صراحت نہیں ہے کہ یہ دعا افطاری سے پہلے پڑھنی ہے یا بعد میں، مختلف احادیث میں مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں، جس سے تینوں باتوں کے اشارے ملتے ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا پہلے پڑھی جاتی ہے اور بعض سے درمیان اور بعض سے آخر میں پڑھنے کا اشارہ ملتا ہے، لہٰذا کسی ایک قول پر اصرار کرنا اور اس دعا کے افطار کے بعد پڑھنے کو ہی سنت کہنا درست نہیں ہے، جو بعد میں پڑھے اس پر بھی نکیر نہیں کرنی چاہیے اور جو پہلے پڑھے اسے بھی منع نہیں کرنا چاہیے۔

درحقیقت اس دعا کے الفاظ سے بعض لوگوں کو یہ اشتباہ ہوا ہے کہ اس میں ماضی کے صیغے استعمال ہوئے ہیں: ۔۔۔'میں نے آپ کے رزق سے روزہ افطار کیا، اس سے یہ سمجھا گیا کہ یہ الفاظ افطار کے بعد ہی پڑھے جاسکتے ہیں، جب کہ عربی زبان کے قواعد کے اعتبار سے یہ ضروری نہیں ہے، بلکہ عربی زبان کا اسلوب ہے کہ جو کام قریب الوقوع یا یقینی ہو اُسے ماضی کے صیغے سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، چناں چہ اقامت کے کلمات میں "قد قامت الصلاۃ" کہا جاتا ہے، جس کا مطلب ہے: "تحقیق نماز قائم ہوگئی" حال آں کہ ابھی تو نماز شروع بھی نہیں ہوئی ہوتی، بلکہ چند لمحات کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کی جاتی ہے، لیکن صفوں کی درستی اور نماز کی مکمل تیاری کے بعد نماز کا قائم ہونا قریب الوقوع ہوجاتا ہے؛ اس لیے کہا جاتا ہے کہ تحقیق نماز قائم ہوگئی، اسی طرح جب روزہ افطار کرنا یقینی ہوجاتا ہے اور افطار کا وقت مکمل ہونے پر روزہ دار افطار شروع کرنے لگتا ہے تو عین اس وقت اس دعا کو پڑھنا عربی زبان کے قواعد وضوابط کے لحاظ سے درست ہے۔

بہرحال امت کا عمومی تعامل یہی ہے کہ یہ دعا افطار کرنے سے پہلے افطار شروع کرتے وقت پڑھی جاتی ہے، اس لیے زیادہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دعاؤں میں سے پہلی دعا افطار سے قبل پڑھی جائے جب کہ لوگ افطار سے قبل دیگر دعاؤں میں بھی مصروف

ہوتے ہیں اور دوسری دعا افطار کے بعد پڑھی جائے، جیسا کہ اس کے الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔فقط واللہ اعلم۔(۱)

آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا فتوی ہے کہ "اللھم لک صمت، وعلی رزقک أفطرت" اس دعا کے بارے میں احادیث میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ یہ دعاء افطار کے بعد کی ہے یا پہلے کہ؛ البتہ معمول یہ ہے کہ یہ دعا افطار کرنے سے پہلے افطار شروع کرتے وقت پڑھی جاتی ہے اور بظاہر یہی صحیح ہے، دعا کے الفاظ اگرچہ فعل ماضی کے ہیں، لیکن اس طرح کے موقعوں پر فعل ماضی کا استعمال معروف ہے، نیز افطار کے بعد کی دعا دوسری ہے، یعنی: ذهب الظماء وابتلت العروق وثبت الأجر ان شاء الله ۔اس دعا کے بارے میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے کہ یہ افطار کے بعد کی دعا ہے۔(۲)

أبو معاذ المکی مولانا محمد طلحۃ بلال احمد منیار صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ "میری رائے یہ ہے کہ ان تمام اقوال پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، سب کے یہاں دلائل ہیں، کسی ایک قول پر اصرار کرنا، اسی کو ارجح قرار دینا، اور دوسرے اقوال رد کرنا یا خلافِ سنت قرار دینا مناسب نہیں ہے، اس لئے روزہ دار کو اختیار ہے جس طرح بھی کرنا چاہے کرسکتا ہے:

۱۔افطار شروع کرنے سے پہلے مذکورہ دعا پڑھ لے جیسا کہ تعامل ہے۔

۲۔ یا افطار کے دوران پڑھے جیسا کہ شوافع وحنابلہ کی کتابوں سے مستنبط ہے۔

۳۔ یا افطار کے بعد، فارغ ہوجانے پر پڑھ لے، جیسا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس وقت دعا کرنے کا معمول منقول ہے، مذکورہ تمام صورتوں کا احتمال ہے، البتہ اس مسئلہ میں جھگڑنا اور دوسروں کی طرف خصوصا بعد میں پڑھنے کے قائلین کی طرف کم علمی یا جہالت منسوب کرنا، خود

---

(۱) دارالافتاء : جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر :143908200990

(۲) بذل المجهود ۱۱ : / ۱۶۰، باب القول عند الافطار، ط : دارالکتب العلمیۃ ،بیروت، بحوالہ: دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر :68390

نسبت کرنے والے کی جہالت کی دلیل ہے،بقیہ دونوں دعائیں (ذھب الظماء) اور (افطر عندکم الصائمون) افطاری کے بعد کی ہیں، بلا اختلاف فيه ان شاء الله (۱) علمائے کرام کی تفصیلات درج کی جاچکی ہیں،جس کا جیسارجحان ہے اس پر پرعمل کرلے۔

افطار کے وقت دعاؤں سے غفلت برتنا

افطار کے وقت روزے داروں کا دعاؤں سے غفلت اور لاپرواہی برتنا، رمضانِ کریم کے فوائد وثمرات کی بہت بڑی ناقدری ہے،کونسی دعاءکب پڑھی جاے اس پرتو بحث ہو مگر دعا نہ کی جاے توکس قدر محرومی کی بات ہے؟؟ جب کہ سنت یہ ہے کہ افطار کے وقت دعاؤں کا اہتمام کیا جائے، جیسا کہ اس موقع کے تئیں عظیم فضل وشرف کی خوشخبریاں وارد ہوئی ہیں کہ روزے دار، ان خوش نصیبوں میں سے ہے جن کی دعاء رد نہیں کی جاتی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین دعائیں مقبول ہی ہوتی ہیں: والد کی دعاء، روزے دار کی دعاء اور مسافر کی دعاء۔ ”ثَلاثُ دَعَوَاتٍ لاتُرَدُّ: دَعْوَةُ الْوَالِدِ، وَدَعْوَةُ الصَّائِمِ، وَدَعْوَةُ المسَافِرِ“ (۲)

افطار کے وقت اجتماعی دعاء

دعاء دراصل انفرادی عمل ہے ،یہ خدااور بندے کے درمیان راز ونیاز اورسرگوشی کا درجہ رکھتی ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر چیز خدا سے مانگنے کا حکم دیا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر ایک کی ضرورتیں الگ ہوتی ہیں،بعض ایسی بھی ضرورتیں ہوتی ہیں جن کا بندہ اپنے مالک کے سامنے ذکر کرتا ہے،کسی اور کے سامنے ان کا ذکر نہیں کرسکتا، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عام معمول انفرادی دعا کا تھا، خاص خاص مواقع پر اجتماعی دعاء کی جاتی تھی

---

(۱) بحوالہ :احادیث مشہورہ کی تحقیق

(۲) البيهقي: ۳/ ۳۴۵، اس حدیث کی سند صحیح ہے

جیسے قنوتِ نازلہ، بارش کے لیے دعائے استسقاء یا مسلمان کسی خاص آزمائش سے گذر رہے ہوں تو ان کے لیے دعاء، اس لیے اگر افطار سے پہلے اس کا معمول نہ بنائے اور لازم سمجھے بغیر کبھی کبھی اجتماعی دعاء کرلی جائے تو اس کی گنجائش ہے؛ لیکن اس کو روزانہ معمول نہ بنایا جائے، اور اس پر اصرار نہ کیا جائے، اور اسے ضروری نہ سمجھا جائے، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ایسے مسائل پر باہم نزاع پیدا نہ ہونے دیا جائے، دعاء اجتماعی ہو یا انفرادی، زیادہ سے زیادہ مستحب ہے اور اختلاف وانتشار سے بچنا واجب ہے۔(۱)

عورتوں کی افطار کے وقت کوتاہیاں

اکثر گھروں میں عصر کے بعد یا عصر سے تھوڑی دیر قبل چولہا جلایا جاتا ہے اور یہ سلسلہ مغرب کی اذان تک جاری رہتا ہے، جس کی وجہ سے بہت سی عورتیں افطار کے وقت دعاء مانگنے سے محروم رہتی ہیں، دعاء کی قبولیت کے اوقات مثلاً تہجد کے وقت بھی پکانے میں مشغول اور افطار کے وقت بھی پکانے میں مصروف، بعض مرتبہ چولہے کے پاس کھڑی کھڑی افطار کرلیتی ہیں، دو لقموں کی خاطر پورا مہینہ عورتوں کا دعاء سے محروم رہنا کس قدر محرومی ہے! رمضان اور روزے کی صحیح قدر یہ ہے کہ عصر سے پہلے چولہا بند کرکے عبادت میں مصروف ہوجائیں، اپنی اولاد کی خاطر اور اپنی آخرت کی خاطر اللہ سے کچھ لینے کا؛ بل کہ سب کچھ لینے کا وقت افطار کا وقت ہے، اگر یہ وقت بھی گنوا لیے تو پھر کب مانگیں گے؟ گھر کی خواتین مشورہ کرلیں اور سب ظہر کے بعد ایک ایک کام تقسیم کرکے عصر سے قبل نمٹا کر فارغ ہوجائیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل خواتین کے لیے نمونہ ہے، آپ رضی اللہ عنہا افطار تک تلاوت ودعاء میں مصروف رہتی تھیں، افطار میں کھانے کے لیے کیا ہے؟ اس کا بھی خیال نہ ہوتا تھا، روزہ تو وہ مقبول ہے جس کی ابتداء اور انتہاء رب سے لو لگانے میں گذرے، وہ روزہ بہتر نہیں ہے جس کی ابتداء وانتہاء کھانا بنانے میں گذر جائے۔

---

(۱) کتاب الفتاوی: ۳/ ۴۲۸

ساتواں باب

روزہ اور طبی مسائل

اس باب میں روزے کا صحت کے لیے مفید ہونا اور مختلف امراض میں مبتلاء شخص کا روزہ، روزے میں علاج، اور مریض کے قضاء روزوں کے احکام بیان کیے گئے ہیں، اس باب میں دیگر کتابوں کے علاوہ ''رمضان اور جدید مسائل'' سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

روزہ صحت کے لیے مفید ہے

اسلام نے روزے کو مومن کے لیے شفا قرار دیا اور جب سائنس نے اس پر تحقیق کی تو سائنسی ترقی دم بخود رہ گئی اور اقرار کیا کہ اسلام ایک کامل مذہب ہے، مسلمان روزے کا اہتمام سائنسی تحقیقات کی وجہ سے نہیں کریں گے بل کہ اس لیے اہتمام کرنا ہے کہ روزہ اللہ کا حکم ہے، خواہ کسی زمانے میں سائنس روزہ کو جسمانی صحت کے لیے نقصان دہ قرار دے۔

☆......آکسفورڈ یونیورسٹی (Oxford univecity) کے مشہور پروفیسر ''مور پالڈ'' اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے اسلامی علوم کا مطالعہ کیا اور جب روزے کے باب پر پہنچا تو میں چونک پڑا کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اتنا عظیم فارمولہ دیا ہے کہ اگر اسلام اپنے ماننے والوں کو اور کچھ نہ دیتا صرف روزے کا فارمولہ ہی دے دیتا تو پھر بھی اس سے بڑھ کر ان کے پاس اور کوئی نعمت نہ ہوتی، میں نے سوچا کہ اس کو آزمانا چاہیے پھر میں نے روزے مسلمانوں کے طرز پر رکھنا شروع کیے میں عرصے دراز سے ورم معدہ (Stomach Inflammation) میں مبتلا تھا، کچھ دنوں بعد ہی میں نے محسوس کیا کہ اس میں کمی واقعی ہو گئی ہے، میں نے روزوں کی مشق جاری رکھی، کچھ عرصے بعد ہی میں نے اپنے جسم کو نارمل پایا اور ایک ماہ بعد اپنے اندر انقلابی تبدیلی محسوس کی''۔

☆......''پوپ ایلف گال'' ہالینڈ کے سب سے بڑے پادری گذرے ہیں روزے کے متعلق اپنے تجربات بیان کرتے ہیں کہ'' میں اپنے روحانی پیروکاروں کو ہر ماہ تین روزے رکھنے کی تلقین کرتا ہوں، میں نے اس طریقہ کار کے ذریعے جسمانی اور روزنی ہم آہنگی محسوس کی، میرے مریض مسلسل مجھ پر زور دیتے ہیں کہ میں انھیں کچھ اور طریقہ بتاؤں لیکن میں نے یہ اصول وضع کرلیا ہے کہ ان میں وہ مریض جو لاعلاج ہیں ان کو تین روز کے نہیں بل کہ ایک مہینے تک روزے رکھوائے جائیں، میں نے شوگر، دل اور معدے کے امراض میں مبتلا مریضوں کو مستقل ایک مہینے تک روزہ رکھوائے، شوگر کے مریضوں کی حالت بہتر

ہوئی ان کی شوگر کنٹرول ہوگئی، دل کے مریضوں کی بے چینی اور سانس کا پھولنا کم ہوگیا سب سے زیادہ افاقہ معدے کے مریضوں کو ہوا''۔

☆......فارما کولوجی (Pharmacology) کے ماہر ڈاکٹر'' لوتھر جیم'' نے روزے دار شخص کے معدے کی رطوبت لی اور پھر اس کا لیبارٹری ٹیسٹ کروایا اس میں انھوں نے محسوس کیا کہ وہ غذائی متعفن اجزا (food particles septic) جس سے معدہ تیزی سے امراض قبول کرتا ہے بالکل ختم ہو جاتے ہیں ڈاکٹر لوتھر کا کہنا ہے کہ روزہ جسم اور خاص طور پر معدے کے امراض میں صحت کی ضمانت ہے۔

☆......مشہور ماہر نفسیات'' سگمنڈ فرائیڈ'' فاقہ اور روزے کا قائل تھا اس کا کہنا ہے کہ روزے سے دماغی اور نفسیاتی امراض کا مکمل خاتمہ ہو جاتا ہے روزے دار آدمی کا جسم مسلسل بیرونی دباؤ کو قبول کرنے کی صلاحیت پالیتا ہے روزے دار کو جسمانی کھینچاؤ اور ذہنی تناؤ سے سامنا نہیں پڑتا۔

☆......جرمنی، امریکہ، انگلینڈ کے ماہر ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے رمضان المبارک میں تمام مسلم ممالک کا دورہ کیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ رمضان المبارک میں چوں کہ مسلمان نماز زیادہ پڑھتے ہیں جس سے پہلے وہ وضو کرتے ہیں اس سے ناک، کان، گلے کے امراض بہت کم ہو جاتے ہیں کھانا کم کھاتے ہیں جس سے معدہ وجگر کے امراض کم ہو جاتے ہیں چوں کہ مسلمان دن بھر بھوکا رہتا ہے اس لیے وہ اعصاب اور دل کے امراض میں بھی کم مبتلا ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ روزہ انسانی صحت کیلیے انتہائی فائدہ مند ہے، روزہ شوگر لیول (Diabetes level)، کولیسٹرول (Cholesterol) اور بلڈ پریشر (Blood pressure) میں اعتدال لاتا ہے، اسٹریس (Stress) و اعصابی اور ذہنی تناؤ ختم کر کے بیشتر نفسیاتی امراض سے چھٹکارا دلاتا ہے، روزہ رکھنے سے جسم میں خون بننے کا عمل تیز ہو جاتا ہے اور جسم کی تطہیر ہو جاتی ہے، روزہ انسانی جسم سے فضلات اور تیزابی مادوں کا اخراج کرتا ہے روزہ رکھنے

سے دماغی خلیات بھی فاضل مادوں سے نجات پاتے ہیں جس سے نہ صرف نفسیاتی و روحانی امراض کا خاتمہ ہوتا ہے بل کہ اس سے دماغی صلاحیتوں کو جلا مل کر انسانی صلاحیتیں بھی اجاگر ہوتی ہیں، روزہ موٹاپا اور پیٹ کو کم کرنے میں مفید ہے خاص طور پر نظام انہضام کو بہتر کرتا ہے، علاوہ ازیں مزید بیسیوں امراض کا علاج بھی ہے۔ (منقول)

روزہ صحت کے لیے کب مفید ہے؟

روزہ تبھی صحت کے لیے مفید ثابت ہوگا جب ہم سحر و افطار میں سادی غذا کا استعمال کریں، خصوصاً ہم لوگ افطاری کے وقت زیادہ ثقیل، مرغن اور تلی ہوئی اشیاء مثلاً سموسے، پکوڑے پکوری، حلیم وغیرہ کا استعمال بکثرت کرتے ہیں جس سے روزے کا روحانی مقصد تو فوت ہوتا ہی ہے، خوراک کی اس بے اعتدالی سے جسمانی طور پر ہونے والے فوائد بھی مفقود ہوجاتے ہیں؛ بل کہ معدہ مزید خراب ہوجاتا ہے لہٰذا افطاری میں دستر خوان پر دنیا جہاں کی نعمتیں اکٹھی کرنے کی بجائے افطار کسی پھل کھجور یا شہد ملے دودھ سے کرلیا جائے اور پھر نماز کی ادائیگی کے بعد مزید کچھ کھالیا جائے، اس طرح دن میں تین بار کھانے کا تسلسل بھی قائم رہے گا اور معدے پر بوجھ نہیں پڑے گا، افطار میں کوئی بھی مشروب ایک ہی مرتبہ زیادہ مقدار میں استعمال کرنے کہ بجائے وقفے وقفے سے استعمال کریں، ان احتیاطی تدابیر پر عمل کرنے سے یقیناً روزے کے جسمانی و روحانی فوائد حاصل ہوں گے، ان شاء اللہ۔

ترکِ روزے میں غیر مسلم یا فاسق ڈاکٹر کا قول

جن عذروں کی بنا پر روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، ان میں سے ایک ایسی بیماری بھی ہے، جو روزہ رکھنے سے کیفاً یا کماً بڑھ جانے والی ہو؛ مگر اس صورت میں روزہ ترک کردینا، اس وقت جائز ہوتا ہے؛ جب کہ کسی مسلمان متقی ڈاکٹر نے ترکِ روزے کا مشورہ و حکم دیا ہو، جیسا کہ ”درمختار میں“ لکھا ہے کہ وہ ڈاکٹر حاذق، مسلم اور عادل ہو، اگر عادل نہ ہو تو

مستور الحال ہو کہ اس کا فسق ظاہر نہ ہو۔ وفي الدر: (أو لمريض خاف الزيادة) ... بإخبار طبيب حاذق مسلم مستور (الفطر).(۱)

دورِ حاضر میں اگر چہ فسق ظاہر ہے اور عادل و باشرع ڈاکٹروں کا ملنا مشکل ہے؛ مگر ناپید و معدوم نہیں؛ اس لیے ایسی صورت میں احتیاط اسی میں ہے کہ تلاش وجستجو سے کام لے کر باشرع ڈاکٹروں سے مشورہ کیا جائے؛ البتہ اگر کوئی ایسی جگہ ہے، جہاں ایسے ڈاکٹر میسر ہی نہ ہوں، تو وہاں غیر مسلم اور مسلمان غیر عدل ڈاکٹر کے قول پر بھی اعتماد کیا جاسکتا ہے اور غیر مسلم ڈاکٹر کی بات کا اعتبار اس وقت ہے جب کہ وہ اسلام کا احترام کرنے والا ہو، جیسے بعض دیگر صورتوں میں بھی علما نے غیر مسلم ڈاکٹر کے قول پر مجبوری میں عمل کرنے کی اجازت دی ہے، مفتی نظام الدین صاحب رحمہ اللہ اپنے ایک فتوے میں فرماتے ہیں :

''باشرع طبیبِ حاذق کی تشخیص ومشورے کے بغیر ممنوعاتِ شرعیہ کو استعمال نہیں کیا جاسکتا، ہاں! اگر کوئی خطہ یا ملک ایسا ہو، جہاں ایسا طبیب میسر ہی نہ آتا ہو، تو وہاں بہ وجہِ مجبوری مطلق طبیبِ حاذق جو مسلمانوں کے مذہب کا احترام اور اس کی رعایت کرتا ہو اور تجربہ اس پر شاہد ہو اور معتمد و معتبر ہو، خواہ غیر مسلم ہی ہو، اس کی تشخیص پر بھی استعمال کی گنجائش ہو جائے گی۔''(۲)

روزے میں انجکشن (Injection) کا حکم

روزے کی حالت میں انجکشن (Injection) خواہ رگوں میں دیا جائے، (جیسے عام بیماریوں میں ہوتا ہے) یا گوشت یا پوست میں لگایا جائے، جیسے ذیابیطس (Dibetics) کے مریضوں کو ''انسولین'' (Insuline) پوست کے اندر لگاتے ہیں، یا پیٹ میں لگایا جائے، جیسے کتا کاٹے ہوئے شخص کو پیٹ میں لگاتے ہیں؛ سب کا حکم ایک ہی ہے کہ ان سے

---

(۱) الدر المختار مع الشامی: ۳/ ۴۰۳-۴۰۴

(۲) ماہنامہ دار العلوم : جلد ۵۳ شمارہ۱ : /۳۷

روزہ فاسد نہیں ہوتا۔(۱)

اس مسئلے میں اگر چہ فقہائے معاصرین کے مابین اختلاف واقع ہوا ہے، تاہم جمہور علماء کا فتویٰ وفیصلہ یہ ہے کہ اس کا روزہ باقی ہے، فاسد نہیں ہوا۔حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب رحمہ اللہ نے ’’فتاویٰ دار العلوم‘‘ میں حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ’’امداد الفتاویٰ‘‘ میں اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے متعدد فتاویٰ اور رسالہ ’’آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام‘‘ اور رسالہ ’’كلمة القوم في الانجكشن في الصوم‘‘ میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔اسی طرح علمائے عرب میں سے اکثر کی رائے یہی ہے،علامہ شیخ عبداللہ بن باز، شیخ العثیمین، شیخ فوزان رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

کیوں کہ روزہ اس وقت ٹوٹتا ہے، جب صورۃً یا معنیً افطار پایا جائے؛ صورۃً افطار یہ ہے کہ منہ سے کوئی چیز نگل کر جوفِ معدہ میں پہنچائی جائے اور معنیً افطار یہ ہے کہ جوف میں ایسی چیز پہنچائی جائے، جس میں بدن کے لیے فائدہ ونفع ہو، خواہ وہ غذا ہو یا دوا ہو؛ پھر جوف تک پہنچانے کی شرط یہ ہے کہ منفذِ اصلی (پیٹ یا دماغ میں براہِ راست غذا یا دوائی جانے کا راستہ) کے ذریعے پہنچائی جائے؛ جب یہ باتیں پائی جائیں، تو روزہ فاسد ہوگا، ورنہ روزہ باقی رہے گا۔(۲)

(۱) بعض علماء نے کتا کاٹے ہوئے شخص کے لیے انجکشن کو مفسد صوم قرار دیا ہے چناں چہ مفتی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب ؒ لکھتے ہیں: عام انجکشن جو رگوں یا گوشت میں لگائے جاتے ہیں ،ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، روزہ فاسد صرف اس انجکشن سے ہوتا ہے جس کے ذریعے سے غذا یا دوا بعینہ معدے میں پہنچائی جائے جیسے پاگل کتے کے کاٹنے کا انجکشن‘‘(منتخب نظام الفتاوی :۱/ ۱۳۳) نیز فتاوی دار العلوم زکریا میں مولانا رضاء الحق صاحب لکھتے ہیں: وہ انجکشن جو براہِ راست پیٹ میں رکھا جاتا ہے مثلاً کتے کاٹے کا تو مفسدِ صوم ہونا چاہیے ،اس لیے کہ دوائی براہِ راست پیٹ میں پہنچائی گئی ،لہذا روزے کی حالت میں اس سے اجتناب کرنا چاہیے‘‘۔(فتاوی دار العلوم زکریا: ۳/ ۲۹۰)

(۲) رمضان اور جدید مسائل: ۱۰۶

انجکشن کبھی تو بیماری میں ضرورت کی وجہ سے لیا جاتا ہے، تاکہ اس کے ذریعے دوائی بدن میں پہنچائی جاسکے اور کبھی محض اس لیے لیا جاتا ہے کہ بدن میں قوت وطاقت پیدا ہو اور اس کے لیے غذا پہنچائی جائے؛ مگر روزے کے فاسد ہونے یا نہ ہونے کے لحاظ سے اس میں وہی بات ملحوظ رکھنا چاہیے، جو اوپر عرض کی گئی کہ انجکشن منفذِ اصلی (۱) سے نہیں دیا جاتا؛ اس لیے انجکشن کی کسی بھی صورت میں اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، خواہ مقصد دوائی ضرورت ہو یا غذائی ضرورت؛ کیوں کہ روزے کے فاسد ہونے کی علت نہیں پائی گئی، جیسا کہ تفصیلاً عرض کیا گیا۔

ہاں! انجکشن لگانے کے مقصد کے پیش نظر اس کے جائز ہونے یا مکروہ ہونے میں اختلاف ہوسکتا ہے کہ بلا ضرورت روزے میں انجکشن لینا مکروہ ہوگا اور ضرورت میں لینا مکروہ نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ دوا تو ضرورت ہے؛ مگر غذا روزے کی حالت میں کوئی ضرورت نہیں؛ بل کہ روزے کی حقیقت کے خلاف ہے؛ لہٰذا اول صورت مکروہ نہیں اور دوسری صورت مکروہ ہوگی۔ (۲)

روزے میں دوا زبان کے نیچے رکھنا

قلبی امراض میں جو دوائیاں صرف زبان کے نیچے دبانے کی ہوتی ہیں اور حلق کے نیچے اُتاری نہیں جاتیں، ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، جب اپنے بچے کی خاطر کھانا چبانے کی اجازت ہے، تو خود اپنی حفاظت کے لیے ایسی دوا کا استعمال، جو حلق میں نہ جائے، صرف زبان کے نیچے دبالی جائے بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا؛ لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ ”اس کا کوئی حصہ حلق میں داخل نہ ہو، اگر دوائی کے اجزاء لعاب (تھوک) کے ساتھ مل کر حلق کے نیچے اتر جائیں، تو روزہ یقیناً فاسد ہو جائے گا، عام حالات میں اس طرح کے لعاب کو اندر جانے سے

---

(۱) وہ راستہ جس سے پیٹ یا دماغ تک کوئی چیز براہِ راست پہنچ جاتی ہے۔

(۲) رمضان اور جدید مسائل: ۱۱۷

روکنا مشکل کام اور روزے کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے، اس لیے شدید عذر کے بغیر اس دواء کا استعمال مکروہ ہے۔(۱)

خون یا گلوکوز (Glucose) چڑھانا

بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیوں کہ گلوکوس کی وجہ سے جو دوا اور غذا جسم کے اندر پہنچائی جاتی ہے، گو کہ وہ طبعی منافذ (سوراخ) کان، ناک اور حلق کے ماسوا مقامات سے پہنچائی جاتی ہو تب بھی غذائیت یا دوا ہونے کی وجہ سے بدن کے لیے تقویت، صحت وتندرستی کا باعث ہوتی ہے، اور جو دوا یا غذا طبعی منافذ سے راست معدہ میں پہنچتی ہے وہ بھی ہضم ہو کر بدن ہی کو تقویت پہنچاتی ہے۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ خون یا گلوکوز چڑھانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا؛ کیوں کہ یہ رگوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے، منفذِ اصلی سے نہیں؛ البتہ خون چوں کہ نجس اور حرام ہے اور صرف سخت مجبوری و اضطرار کی حالت میں اس سے انتفاع جائز ہے؛ اس لیے بغیر سخت مجبوری کے اس کا استعمال جائز نہ ہوگا اور پھر ایسا مریض، جس کو مجبوراً خون لینا پڑے عام طور پر روزے سے بھی نہیں رہ سکتا، اس لیے یہ صورت زیادہ تر فرضی ہے، غرض یہ کہ اگر کوئی حالتِ مجبوری میں لے لے، تو درست ہوگا، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ”قال في النهاية والتهذيب :يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوي، إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاء ولم يجد من المباح مايقوم مقامهٗ“۔(۲)

اور اگر بہ ضرورت لیا جائے، تو اس کی اجازت ہو سکتی ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ ”فقہاء نے روزے کی حالت میں عبادات میں اطمینان حاصل کرنے کے لیے غسل کرنے، بھیگے ہوئے کپڑے بدن یا سر پر لپیٹنے، سر پر پانی ڈالنے وغیرہ کی اجازت دی ہے“۔ وفي الدر

---

(۱) فتاویٰ محمودیہ: ۱۵/ ۱۷۳، کتاب النوازل: ۶/ ۳۸۵

(۲) فتاوی شامی: ۷/ ۴۸۰

المختار: وكذا لا تكره حجامة وتلفف بثوب مبتل ومضمضة أو استنشاق أو اغتسال للتبرد۔ (۱) اور خود رسول ﷺ کا گرمی یا پیاس کی وجہ سے سر پر پانی ڈالنا ابوداود کی روایت سے ثابت ہے۔ "عن أبي بكر بن عبد الرحمن، قال: قال الذي حدثني: لقد رأيت رسول الله ﷺ بالعرج يصب على رأسه الماء وهو صائم من العطش أو من الحر"۔ (۲)

اور اگر بلاضرورت چڑھائے، تو مکروہ ہوگا؛ کیوں کہ اس میں ایک طرح اس بات کا اظہار ہے کہ وہ روزے سے پریشان ہے اور ایسی کوئی حرکت کرنا، جس سے روزے سے پریشانی و بے چینی ظاہر ہوتی ہو، فقہا نے لکھا ہے کہ مکروہ ہے؛ اسی لیے امام اعظمؒ نے روزے دار کو ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے، چناں چہ علامہ شامی اور ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں: امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے (روزے دار کے لیے) پانی میں اترنا اور بھیگے ہوئے کپڑے کو لپیٹنا، اس لیے مکروہ قرار دیا ہے کہ اس میں عبادت سے بے چینی کا اظہار ہے؛ اس لیے نہیں کہ وہ مفسد ہے۔ "وإنما كره الإمام رحمه الله الدخول في الماء والتلفف بالثوب المبلول لما فيها من إظهار الضجر في إقامة العبادة، لا لأنه قريب من الإفطار۔" قال الشامي: وكرهها أبو حنيفة لما فيها من إظهار الضجر في العبادة"۔ (۳)

روزے کی حالت میں بدن سے خون نکالنا

روزے کی حالت میں بدن سے خون نکالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ

---

(۱) الدر المختار مع الشامی ۳: /۳۹۹

(۲) ابوداود: ۲۶۹، الرقم: ۲۳۶۵۔ المستدرک للحاکم: ۱/۵۹۷، الرقم: ۱۵۷۹۔ السنن الکبریٰ للبیہقی: ۴/۴۳۸، الرقم: ۸۲۶۱

(۳) ردالمحتا: ۳/۳۶۷

روزے کو فاسد وہ چیز کرتی ہے، جو بدن میں داخل ہو، نہ کہ وہ جو خارج ہو؛ جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی ہے کہ روزے کا ٹوٹ جانا ان چیزوں سے ہے، جو داخل ہونے والی ہیں، نہ کہ ان سے جو خارج ہونے والی ہیں۔ ”عن عائشة رضی الله عنها قالت: دخل رسول الله ﷺ فقال: يا عائشة! هل من كسرة؟ فأتيتهٔ بقرص، فوضعهٔ علیٰ فيه وقال: يا عائشة! هل دخل بطني منه شيء؟ كذلك قبلة الصائم، إنما الإفطار مما دخل وليس مما خرج“۔(۱)

البتہ بہ ضرورت ایسا کرنا پڑے، مثلاً کسی بیمار کے لیے فوری ضرورت پڑ جائے اور یہ خون دے دے، تو اجازت معلوم ہوتی ہے، جیسے علما نے پچھنا لگوانے کی اجازت دی ہے (۲) اور اگر بلا ضرورت کیا جائے، تو کراہت سے خالی نہیں؛ کیوں کہ اس سے بدن میں ضعف اور کمزوری پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اور روزے دار کے لیے ایسا کام کرنا، جس سے کمزوری اور ضعف پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، مکروہ ہے۔(۳) اور ”عالمگیری“ میں لکھا ہے کہ اپنے اوپر اطمینان ہو، تو خون نکالنے میں مضائقہ نہیں؛ ورنہ مکروہ ہے اور کراہت اس وقت ہے کہ ایسا ضعف ہونے کا اندیشہ ہو کہ روزہ توڑنا پڑے۔ ”ولا بأس بالحجامة إن أمن علیٰ نفسه الضعف؛ أما إذا خاف فإنه يكره... وذكر شيخ الإسلام: شرط الكراهة ضعف يحتاج فيه إلى الفطر“۔(۴)

روزے میں آپریشن (Operation)

اگر روزے دار کو آپریشن کرانے کی ضرورت پڑ جائے، تو محض آپریشن سے روزہ فاسد

---

(۱) مسند أبو يعلیٰ: ۸/۶۷، الرقم: ۴۶۰۲، مجمع الزوائد مع بغية: ۳/۳۹۰، الرقم: ۹۷۰۴

(۲) الدر المختار مع الشامی: ۲/۴۱۹

(۳) الدر المختار مع الشامی: ۲/۴۲۰، البحر الرائق: ۲/۲۷۳

(۴) فتاویٰ عالمگیری: ۱/۲۲۰

نہیں ہوتا؛ البتہ چوں کہ آپریشن کرنے کے بعد کبھی دوا یا اور کوئی چیز اندر داخل بھی کی جاتی ہے، اس لحاظ سے بعض صورتوں میں روزہ فاسد ہوجائے گا اور بعض صورتوں میں فاسد نہ ہوگا ،اس کی تفصیل یہ ہے کہ پیٹ یا دماغ کے علاوہ کسی اور جگہ کا آپریشن ہوا ہے، تو دیکھا جائے گا کہ جہاں کا آپریشن ہوا ہے، اس سے پیٹ یا دماغ تک منفذِ اصلی ہے یا نہیں، اگر منفذِ اصلی نہیں ہے، تو اس آپریشن سے روزہ فاسد نہ ہوگا؛ خواہ دوا ڈالی جائے یا نہ ڈالی جائے؛ کیوں کہ وہی چیز روزے کو فاسد کرتی ہے، جو جوف میں پہنچے اور منفذِ اصلی سے پہنچے، جب اس صورت میں جوف تک منفذ ہی نہیں ہے، تو دوا ڈالنے سے بھی وہ جوف تک منفذ کے ذریعے نہ پہنچے گی؛ لہٰذا اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا (مطلق آپریشن روزے کو فاسد نہیں کرتا)۔

اور اگر اس عضو اور جوف کے درمیان کوئی منفذِ اصلی ہے، تو دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا؛ ورنہ نہیں ٹوٹے گا؛ کیوں کہ مفسد پایا گیا۔

اور اگر آپریشن پیٹ یا دماغ کا ہوا ہے، تو دیکھا جائے گا کہ صرف اندر سے کچھ نکالا گیا ہے، یا کوئی دوا بھی اندر ڈالی گئی ہے؛ پہلی صورت پر روزہ باقی ہے اور دوسری صورت پر روزہ فاسد ہوجائے گا۔

اور اگر آپریشن کر کے پیٹ یا دماغ کے جوف میں کوئی مصنوعی یا انسانی یا حیوانی عضو لگا یا گیا، اور آپریشن کے لیے مریض راضی تھا تو روزہ فاسد ہوجائے گا، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم نے بھی ''جدید فقہی مسائل'' میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

اور اگر یہ شخص آپریشن کے لیے راضی نہ تھا؛ بل کہ جبراً آپریشن کر دیا گیا اور پیٹ یا دماغ کے جوف میں کوئی عضو لگا دیا گیا، یا سوتے ہوئے شخص کے ساتھ ایسا معاملہ کیا گیا، تب بھی اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا جیسے ''اگر کسی کے حلق میں کوئی چیز جبراً یا اس کے سونے کی حالت میں داخل کی گئی، تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا لازم ہوگی۔''(۱)

ان دونوں آپریشنوں کی صورتوں اور اسی طرح ان صورتوں میں، جن میں دوا ڈالی جاتی

---

(۱) فتاوی شامی: ۲/ ۴۱۰

ہے اور وہ جوف تک پہنچتی ہے اور روزہ ٹوٹ جاتا ہے، تو اس پر صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ نہیں ہے؛ کیوں کہ کفارہ صرف اس وقت لازم ہوتا ہے؛ جب کہ روزہ صورۃً ومعنیً دونوں طرح توڑ دیا جائے، صورت کے اعتبار سے روزے کا توڑنا یہ ہے کہ منہ سے کوئی چیز نگل لی جائے اور معنیً روزے کا توڑنا یہ ہے کہ بدن میں ایسی چیز داخل کی جائے، جو بدن کے لیے مفید و نفع بخش ہو اور ان صورتوں میں جیسا کہ ظاہر ہے، صورت کے لحاظ سے افطار نہیں ہوا؛ بل کہ صرف معنے کے لحاظ سے؛ اس لیے ان صورتوں میں صرف قضا لازم ہوگی۔(۱)

روزے کی حالت میں مصنوعی دانت کا استعمال

مصنوعی دانت اگر روزے کی حالت میں بھی استعمال کیے جائیں، تو روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اس سے کوئی چیز حلق میں داخل نہیں ہوتی، اسی طرح اس کا استعمال روزے کی حالت میں مکروہ بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ اس میں کوئی مزہ یا خوشبو وغیرہ نہیں ہے، جس سے کراہت پیدا ہو جاتی ہو، پھر اس کی جب عادت ہوتی ہے، تو اس کا استعمال ایک ضرورت بھی بن جاتا ہے کہ بغیر اس کے بے چینی اور کلفت محسوس ہوتی ہے؛ اس لیے مصنوعی دانت کا بہ حالت روزہ استعمال، بلا کراہت درست ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روزے میں اس کے استعمال کو غیر مکروہ قرار دیا ہے۔(۲)

روزے کی حالت میں دانت نکلوانا

روزے کی حالت میں اگر دانت نکلوانے کی حاجت پڑ جائے، بلا ضرورت ایسا نہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ ایک تو اس سے کمزوری پیدا ہوتی ہے اور روزے میں ایسا کام کرنا، جس سے کمزوری پیدا ہو، مکروہ ہے، ''درمختار'' میں ہے کہ ''لا یجوز أن یعمل عملاً یصل بہٖ إلی

---

(۱) فتاوی شامی: ۲/۴۱۰

(۲) امداد الفتاوی: ۲/۱۴۲

الضعف۔"(۱)

نیز اس موقع پر منہ میں دوائیاں بھی ڈالی اور لگائی جاتی ہیں، جن کا مزہ محسوس ہوتا ہے اور جن چیزوں کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے، ان کا بلا ضرورت منہ میں لینا اور چکھنا مکروہ ہے؛ اس لحاظ سے بھی بلا ضرورت یہ فعل مکروہ ہوگا، البتہ اس سے خون نکل کر جوف کے اندر چلا جائے اور وہ خون تھوک پر غالب ہو یا اس کے برابر ہو، تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔"خرج الدم من بين أسنانه و دخل حلقهٗ، يعني و لم يصل إلىٰ جوفه؛ أما إذا وصل فإن غلب الدم أو تساويا فسد، و إلا، لا؛ إلا إذا وجد طعمه۔(۲)

vicks، امرتنجن وغیرہ ادویہ کے استعمال کا حکم

وکس، امرتنجن، بام وغیرہ ادویہ کا خارجی استعمال نہ مفسد ہے، نہ مکروہ؛ بل کہ جائز ہے، اس سے روزے پر کوئی اثر نہیں پڑتا؛ البتہ ان ادویہ کو ناک میں چڑھانا روزے کو فاسد کر دیتا ہے؛ کیوں کہ یہ دماغ کے جوف تک ناک کے ذریعے پہنچتے ہیں، حاصل یہ کہ روزہ کی حالت میں وکس (Viks) یا بام (Balm) لگانا یا سونگھنا روزے کو فاسد نہیں کرے گا، کیوں کہ فسادِ صوم کیلئے منافذِ اصلیہ سے کسی چیز کا جوفِ معدہ یا دماغ میں داخل ہونا شرط ہے، جب کہ وکس یا بام لگانے یا سونگھنے میں یہ شرط نہیں پائی جاتی ہے۔(۳)

ہومیوپیتھک دوا سونگھنا

بعض ہومیوپیتھک دوائیں صرف سونگھی جاتی ہیں، ان کو کھایا پیا نہیں جاتا، اور سونگھنے کے ساتھ ان کا کوئی جزء بدن کے اندر منتقل نہیں ہوتا؛ لہٰذا ایسی دواؤں کے سونگھنے سے یا

---

(۱) الدر المختار مع الشامی: ۳/ ۴۴۰

(۲) الدر المختار مع الشامی: ۳/ ۳۶۷–۳۶۸

(۳) فتاویٰ دار العلوم: ۶/ ۴۱۸

خارجی استعمال سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔" لا یکرہ للصائم شم رائحة المسک و الورد ونحوہ مما لا یکون جوھراً متصلاً کالدخان'۔(۱)

روزے میں انہیلر (Inhaler) کا استعمال

اگر کوئی دمے کا مریض بغیر ''انہیلر'' کے استعمال کے رہ ہی نہ سکتا ہو اور بہ ظاہر اس کا بدن صحیح سالم ہو تو وہ کیا کرے؟ اس بارے میں معاصر مفتیان کی تین رائیں ہیں:

الف:- ایک رائے تو یہ ہے کہ ''اِنہیلر'' کا استعمال مفسد صوم ہے؛ کیوں کہ اس کے ذریعے سے منہ کے راستے سے جوف (جس میں معدہ سمیت پھیپھڑا بھی شامل ہے) تک دوا کے اجزاء پہنچتے ہیں، اگرچہ وہ معمولی ہی مقدار میں کیوں نہ ہوں؛ لہٰذا مذکورہ شخص روزے میں ''اِنہیلر'' استعمال نہ کرے؛ بل کہ یا تو بلا اِنہیلر روزہ رکھے، اور اگر اس طرح روزہ رکھنے پر قدرت نہ ہو تو بر بناء عذر وہ سر دست روزہ نہ رکھے اور صحت ہونے کے بعد قضا کرے اگر قضا نہ کر پائے تو فدیہ دے۔ برصغیر کے اکثر مفتیانِ کرام اور مصر وشام کے ممتاز اور محقق علماء مثلاً ڈاکٹر وہبہ الزحیلی، ڈاکٹر محمد الالفی اور شیخ محمد مختار السلامی کی رائے یہی ہے۔

آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا فتوی بھی یہی ہے کہ'' پمپ (انہیلر وغیرہ) کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اس لیے اس کا استعمال نہیں کر سکتے، البتہ اگر گرمی کی شدت اور روزہ کا وقت زیادہ ہونے کی وجہ سے ماہِ مبارک میں روزہ رکھنے سے ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہے تو اب نہ رکھیں بلکہ سردی کے موسم میں قضاءً رکھ لیں۔(۲)

بنوری ٹاؤن کا بھی یہی فتاوی ہے''انہیلر سے دوائی کے ذرات جسم میں داخل ہوتے ہیں، اس لیے روزے میں انہیلر کا استعمال درست نہیں، اس کے استعمال سے روزہ ٹوٹ

---

(۱) مراقی الفلاح مع الطحطاوی ۵۴۳، بحوالہ : آئینۂ رمضان ۱۷

(۲) (دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر :69298)

جائے گا، صرف قضا لازم ہوگی، کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔(۱)

ب:- اور دوسری رائے یہ ہے کہ "انہیلر" سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اندر جانے والے اجزاء نہایت معمولی مقدار میں ہوتے ہیں؛ بریں بناء مذکورہ شخص "انہیلر" کے استعمال کے ساتھ روزہ رکھتا رہے، اس کا روزہ درست ہو جائے گا، بعد میں قضاء بھی لازم نہ ہوگی۔ متعدد عرب علماء، مثلاً: شیخ عبدالعزیز بن باز، شیخ محمد بن صالح العثیمین، شیخ عبداللہ بن جبرین وغیرہ کی رائے یہی ہے۔(۲)

ج:- اور تیسری رائے یہ ہے کہ ایسے شخص کو "انہیلر" کے استعمال کے ساتھ ساتھ روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے گا؛ لیکن صحت کے بعد احتیاطاً قضا کا حکم ہوگا، اور اگر تا وفات صحت مند نہ ہو سکے تو فدیہ ادا کرے۔ اس تیسری رائے میں احتیاط زیادہ ہے۔ "لو أدخل في حلقه دخاناً بأي صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكراً لصومه لإمكان التحرز عنه"۔(۳)

روزے میں بھپارے کے ذریعے دوا

بعض دوائیں بھاپ کے ذریعے اندر لی جاتی ہیں، اس کا ایک سادہ طریقہ تو وہی ہے، جو قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے کہ ابلتے ہوئے گرم پانی میں دوا ڈال دی جاتی ہے اور اس سے نکلنے والی بھاپ کو ناک اور منہ کے ذریعے کھینچا جاتا ہے، آج کل اس کے لیے بعض مشینی طریقے بھی ایجاد ہوئے ہیں، بھپارا لینے یا مشین کے ذریعے سے دوا آمیز بھاپ منہ یا ناک کے راستے اندر داخل کرنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا؛ اس لیے کہ اگر اس بھاپ کو ہوا کے درجے میں رکھا جائے، تو دوا آمیز ہونے کی وجہ سے اس کا حکم دھوئیں کے مانند ہوگا،

---

(۱) دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر: 144109203271

(۲) دیکھیے: مفطرات الصیام المعاصرة: ۳۹–۴۴

(۳) شامی ۳/۳۶۶ زکریا بحوالہ: کتاب النوازل: ۶/۳۸۶

جس کا قصداً داخل کرنا مفسدِ صوم ہے، علاوہ ازیں بھاپ کے اندر خود پانی کے ذرات شامل ہوتے ہیں اور اندر جا کر ان کا پانی کے قطرات میں تبدیل ہونا متیقن ہے، اس بناء پر بھی قصداً بھاپ لینے سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔ ”أو دخل مطر حلقه أو ثلج، قال الشامي :فيفسد في الصحيح“۔(۱)

مقعد میں دوائی یا آلات کا داخل کرنا

سیال ہو یا جامد، کسی بھی دوا کا مقعد میں داخل کرنا روزے کو فاسد کر دیتا ہے؛ خواہ بواسیر کے اندرونی مسوں پر مرہم کی صورت میں ہو یا اور کسی وجہ سے ہو؛ کیوں کہ سُرین ایک منفذ ہے، جس سے راست طور پر جوفِ معدے کو راستہ ہے اور یہ بات واضح ہے کہ جوف میں منفذِ اصلی سے کسی بھی چیز کا داخل کرنا روزے کو فاسد کر دیتا ہے، اگر تشخیص وتحقیق کے لیے مقعد میں آلات داخل کیے جائیں اگر اس آلے پر سیال مادہ (liquid) لگا ہو جس سے آلے کے داخل ہونے میں سہولت ہو تو روزہ فاسد ہوجاتا ہے، چوں کہ وہ دوا یا پانی اندر رہ جائے گا؛ اس لیے اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔ ”ولو أدخل إصبعهٗ في إستهٖ أو المرأة في فرجها لايفسد، وهو المختار إلا إذا كانت مبتلة بالماء أو الدهن فحينئذ يفسد لوصول الماء أو الدهن۔“(۲)

اور اگر اس پر کوئی سیال مادہ نہ ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوتا، اس کی نظیر فقہاء کا بیان کردہ یہ مسئلہ ہے کہ ”اگر کسی نے اپنے مقعد میں لکڑی یا انگلی داخل کی، تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، بہ شرطیکہ لکڑی کا ایک حصہ باہر ہو، پورا اندر داخل نہ ہوجائے اور انگلی خشک ہو، تر نہ ہو۔ ”وكذا روي عن محمد رحمه الله في الصائم :إذا أدخل خشبةً في المقعد، أنه لا يفسد صومه إلا إذا غاب طرفا الخشبة ، وهذا يدل علىٰ أن استقرار الداخل في

(۱) شامی ۳/ ۳۷۸ مکتبہ زکریا دیوبند، بحوالہ کتاب النوازل:۶/ ۳۸۷

(۲) عالمگیری :۱/ ۲۰۴۔

الجوف شرط فساد الصوم۔"(۱)

پیشاب کے راستے سے دوا یا کوئی آلہ داخل کرنا

روزے کی حالت میں پیشاب کے راستے سے دوا یا کسی نلکی و آلے کے داخل کرنے میں تفصیل یہ ہے کہ عورت کی فرج کے دو حصے ہیں: ایک "داخل" دوسری "خارج"، فرجِ خارج کا حکم یہ ہے کہ اس میں کسی چیز کا داخل کرنا مفسدِ صوم نہیں؛ کیوں کہ یہ جوف نہیں اور نہ اس میں داخل کی گئی دوا وغیرہ جوف میں جاتی ہے؛ اسی لیے اس حصے کو داخل بدن نہیں مانا جاتا؛ بل کہ خارج مانا جاتا ہے اور فرجِ داخل اس کے برخلاف، جوف کا ایک حصہ ہے۔ اس لیے عورت کی فرجِ داخل میں دوا کا داخل کرنا یا کسی اور چیز، خواہ وہ نلکی ہو یا کسی اور آلے کا داخل کرنا روزے کو فاسد کر دیتا ہے، بہ شرطیکہ اس کا کوئی حصہ فرجِ خارج میں نہ رہے، ہاں! اگر اس کا ایک حصہ فرجِ خارج میں یا باہر موجود ہو، تو روزہ فاسد نہ ہوگا؛ لیکن دوائیاں جب اندر پہنچانا ہوتا ہے، تو اس کو پوری طرح اندر داخل کر دیا جاتا ہے؛ لہٰذا داخلی فرج میں دوا رکھ دینے سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔ "وأما الإقطار في قبل المرأة، فقد قال مشائخنا: أنهٗ يفسد صومها بالإجماع؛ لأن لمثانتها منفذًا، فيصل إلى الجوف۔"(۲) "الدر المختار" میں ہے کہ "ولو أدخلت قطنة، إن غابت فسد وإن بقي طرفها في فرجها الخارج، لا۔"(۳)

اور مرد کی پیشاب گاہ میں کسی چیز کا داخل کرنا اگر صرف "ذکر" کی حد تک ہو اور مثانے تک نہ پہنچے، تو بالاتفاق اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ "وأفاد أنهٗ لو بقي في قصبة

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۲۲۷، الشامی: ۳/۳۷۶

(۲) بدائع الصنائع: ۲/۲۲۷

(۳) الدر المختار: ۳/۳۶۹

الذکر لا یفسد اتفاقاً و لا شک فیه۔"(۱)

اعضا کو سُن کرنے کا روزے پر اثر

روزے کی حالت میں" کلوروفارم" (Chloroform) یا اسی طرح کی کوئی اور دوا سے روزہ باقی رہتا ہے، فاسد نہیں ہوتا؛ چناں چہ ہدایہ میں ہے۔ "ومن أغمي علیه في رمضان، لم یقض الیوم الذي حدث فیه الإغماء لوجود الصوم فیه، وهو الإمساک المقرون بالنیة"۔

جس پر رمضان میں غشی طاری ہوجائے، وہ اس دن کے روزے کی قضا نہ کرے، جس دن کہ اس پر بے ہوشی طاری ہوئی؛ کیوں کہ اس دن کا روزہ پایا گیا اور وہ ہے (کھانے، پینے اور جماع) سے رو کے رہنا، نیت کے ساتھ۔(۲)

اس میں وضاحت ہے کہ جس شخص پر رمضان میں غشی طاری ہوئی، وہ اس دن کی قضا نہ کرے، جس دن کہ اس پر غشی طاری ہوئی؛ کیوں کہ اس کا روزہ ہے؛ البتہ دوسرے دنوں کا روزہ قضا کرنا ہوگا؛ کیوں کہ ان دنوں بے ہوشی کی وجہ سے اس نے نیت نہیں کی اور بغیر نیت کے روزہ نہیں ہوتا، البتہ اس سلسلے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ ان حواس کو معطل کر دینے والی دواؤں کو کس طرح استعمال کرایا جاتا ہے، اگر ایسی صورت اختیار کی گئی، جس سے دوا بدن کے اندر جوف میں بہ ذریعۂ منفذِ اصلی پہنچتی ہو، تو روزہ فاسد ہوجائے گا؛ مثلاً ناک کے ذریعے سونگھائی گئی اور اس کی تیزی دماغ تک پہنچی، تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر ایسی صورت اختیار کی گئی، جس سے یہ دوا جوف میں نہیں پہنچتی، یا بہ ذریعۂ منفذِ اصلی نہیں پہنچتی، تو روزہ فاسد نہ ہوگا؛ مثلاً انجکشن کے ذریعے یہ دوا دی گئی اور آدمی بے ہوش ہوگیا، تو روزہ نہیں گیا۔"المجمع الفقہ الاسلامی، جدہ" نے اپنے دسویں سمینار-منعقدہ: ۲۳/ ۲۸ر صفر المظفر ۱۴۱۸ھ- میں

---

(۱) الشامی: ۳/ ۳۷۷

(۲) الہدایۃ: ۲/ ۲۷۳

اس سلسلے میں قرارداد منظور کی اور اس میں متعدد چیزوں کو غیر مفسد قرار دیا ہے۔(۱)

روزے میں آنکھ میں لینس (Lens) لگانا

آنکھ میں لینس روزے کی حالت میں داخل کرنا جائز و درست ہے اور جو سیال مادہ اس میں لگا ہوتا ہے، اس کے آنکھ میں جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ آنکھ میں دوائی ڈالنا جائز ہے، اسی طرح سرمہ لگانا جائز ہے؛ لہٰذا یہ پانی اگر آنکھ میں چلا جائے، تو کوئی حرج نہیں۔

بہ حالتِ روزہ آنکھ، کان یا ناک میں دوا ڈالنا

[۱] قدیم فقہاء کی تحقیق یہی ہے کہ آنکھ میں ڈالی جانے والی چیز بعینہ معدہ یا دماغ تک نہیں پہنچتی؛ ہاں اس کا اثر پہنچتا ہے اور محض اثر پہنچنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، قدیم فقہاء اس طرح کے مسائل میں تجربہ کار ماہر اطباء کے مشوروں اور قرآن وحدیث کی روشنی میں احکام طے کرتے تھے، اور فقہاء نے آنکھ کے حوالے سے جو بات کہی اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے، آپ ﷺ روزے کی حالت میں سرمہ استعمال کرنا ثابت ہے؛ لہٰذا ان کے مقابل ڈاکٹروں کی تحقیق کو ترجیح نہ ہوگی، ڈاکٹروں کی تحقیق تو آئے دن بدلتی رہتی ہے، ہاں اگر ڈاکٹروں کا اس بات پر اتفاق ہوجائے کہ آنکھ سے براہ راست وہ چیز معدے تک پہنچتی ہے تو پھر اس پر غور کیا جاسکتا ہے۔ "ولو اكتحل الصّائم لم يفسد وإن وجد طعمه في حلقه عند عامّة العلماء ولنا ما روي عن عبد الله بن مسعود أنّه قال: خرج علينا رسول الله -ﷺ- في رمضان وعيناه مملوء تان كُحلاً كحلتهما أمّ سلمة، ولأنّه لا منفذ من العين إلى الجوف ولا إلى الدماغ وما وجد من طعمه فذاك أثر لا عينه وأنّه لا يفسد كالغبار والدخان وكذا لو ادهن

---

(۱) مجلۃ المجمع، العدد: ۱۰۔

رأسه أو أعضاء ه فتشرّب فيه أنّه لا يضرّه؛ لأنّه وصل إليه الأثر لا العين الخ۔(۱)

[۲] روزہ کی حالت میں کان میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، یہ جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے، یہی مفتی بہ ہے، اور احوط بھی ہے، اور عبادات میں اس پر عمل انسب ہے، باقی شریعت کا مدار ان امور پر نہیں ہے جن کو معلوم کرنے کے لیے بہت کچھ تحقیقات و تدقیقات کی احتیاج ہو اور اس کے لیے سائنسی باریکیاں اور طبی تحقیقات کی ضرورت ہو، اسلام ایک آفاقی مذہب ہے اور یہ ہر قوم اور طبقے کے لیے ہے، اس لیے اس کے احکام کا مدار بھی عام فہم چیزوں کو بنایا گیا ہے، جیسے نماز روزے کے اوقات اور مہینے معلوم کرنے کے لیے شریعت نے علمِ فلکیات کی تحقیقات و تدقیقات کا مکلف نہیں کیا، بلکہ یہ کہہ کر کہ ہم تو امی امت ہیں روزوں کے لیے چاند کی رؤیت کو مدار بنایا اور نمازوں کے لیے سورج کے طلوع و غروب اور اشیاء کے سایہ کو مدار بنایا، اور یہ ایسے امور ہیں کہ ہر زمانہ اور ہر معاشرہ و مقام کے لوگوں کی ان تک بآسانی رسائی ہو سکتی ہے، اسی طرح قبلہ کی تعیین میں بھی سائنسی باریکیوں کے بجائے اندازے سے سمت قبلہ کی تعیین کی ہے۔

اسی طرح روزے کے فساد و عدمِ فساد کے بارے میں شریعت کے تقاضے کے مطابق ایسا معیار ہونا چاہیے جو طبی تحقیقات و تدقیقات کا محتاج نہ ہو، اگر ایسا نہ ہو تو اس میں یہ اندیشہ ہے کہ اگر کسی زمانہ میں پچھلی تحقیقات باطل ہو جائیں، جیسا کہ اس دور میں ہوا ہے تو پھر ان پر مبنی احکام بھی بدلیں گے اور اس سے بڑا حرف آتا ہے اور حدیث میں ایک عام سا ضابطہ ہے "روزہ اس چیز سے ٹوٹتا ہے جو جسم میں داخل ہو اس چیز سے نہیں جو جسم سے باہر آئے" اور خود جو چیزیں اس سے مستثنیٰ تھیں انہیں مختلف جگہوں پر ذکر کر دیا گیا ہے۔ فقط واللہ اعلم (۲)

---

(۱) (بدائع الصنائع: ۲/ ۲۴۴، ط: زکریا، بحوالہ آن لائن دار الافتاء دار العلوم دیوبند، جواب نمبر: 57581)

(۲) دار الافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر: 143908201069۔

حاصل یہ کہ کان میں تر دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، قضا لازم ہوتی ہے البتہ کفارہ لازم نہیں ہوتا، اسی طرح اگر خشک سفوف بطورِ دوا ڈالا گیا اور وہ (پردے کے) اندر تک چلا گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، صرف قضا لازم ہوگی۔

[۳] اگر کانوں میں ایسی چیز داخل کی، جس سے صلاحِ بدن متعلق ہے، جیسے دوا یا تیل اور وہ جوف تک پہنچ جائے، تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر ایسی چیز داخل کی، جس سے صلاحِ بدن متعلق نہیں، جیسے ''پانی'' تو روزہ فاسد نہ ہوگا، لہٰذا روزے کی حالت میں کان میں پانی چلے جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، البتہ جان بوجھ کر کان میں پانی ڈالنے کی صورت میں صحیح روایت کے مطابق روزہ اگرچہ فاسد نہیں ہوتا ہے، تاہم احتیاطاً ایک روزے کی قضا کر لینا بہتر ہے۔ ''أو أقطر في أذنه أفطر''۔(۱)

[۴] اگر ناک کی دوا یا تیل جوف تک نہ پہنچے، تو روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ ناک میں کوئی خشک دوا ڈالی جائے، تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر سیال دوا ڈالی جائے، تو ٹوٹ جاتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً سیال چیز اندر جا کر جوف تک اپنا راستہ بنا لیتی ہے، برخلاف خشک دوا کے کہ وہ جوف تک عموماً نہیں پہنچتی، حاصل یہ کہ ناک میں ڈراپ (Drop) ڈالنے پر جب وہ ناک کی نرم ہڈی سے اوپر چلے جائیں یا اسپرے (Spray) کرنے سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اسی طرح ناک میں اگر دوا ڈالی اور وہ جوف دماغ تک پہنچ گئی تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ''والدهن مفسد للصوم، أما الماء فاختلف في كونه مفسداً للصوم، فاختار في الهداية عدم الإفطار سواء دخل بنفسه أو أدخله، وصححه في المحيط، وفي فتاوى قاضي خان: إن خاض الماء فدخل أذنه لا يفسد، وإن صب الماء في أذنه فالصحيح أنه يفسد۔''(۲)

(۱) الهداية: ۲/ ۲۶۳

(۲) كذا في البحر: ۲/ ۴۸۷، وفي الشامي: ۳/ ۳۶۷، وفي المراقي: ۲۴۵

(NEBULIZER-PUMP) کا استعمال

آستما (ASTHMA) کے بیماروں کے لیے ایک پمپ تیار کیا گیا ہے، جس کو (NEBULIZER-PUMP) کہا جاتا ہے، اس پمپ کو دبانے سے منہ کے ذریعے دَوا، جو دھویں کی شکل میں ہوتی ہے، پھیپڑوں میں پہنچتی ہے اور مریض فوری طور پر راحت محسوس کرتا ہے، اسی طرح بعض اوراسپرے (SPRAY) جو اس بیماری کے لیے ایجاد ہو چکے ہیں۔

ان کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں علمائے معاصرین میں اختلاف ہوا ہے، بعض حضرات جیسے ''شیخ عبدالعزیز بن باز''، ''شیخ العثیمین''، ''شیخ ابن جبرین''، وغیرہ نے اس کو غیر مفسد قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے اس کو مفسد قرار دیا ہے۔

جو حضرات اس کو غیر مفسد کہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اس آلے میں کل دس ملی لیٹر سیال دوا ہوتی ہے اور اس مقدار کو دوسو مرتبہ اسپرے کیا جا سکتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ میں ایک انتہائی قلیل مقدار اس آدمی کے منہ میں داخل ہوتی ہے اور یہ مقدار اولاً تو حلق میں اور وہاں سے جوف میں داخل نہیں ہو سکتی اور اگر داخل بھی ہوئی، تو اس قدر قلیل مقدار کو مفسد نہیں کہا جائے گا۔

اور جو حضرات اس کو مفسد کہتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس پمپ کے ذریعے دوا جوف کے اندر پہنچتی ہے، اگر چہ کہ وہ مقدار کے لحاظ سے بہت کم ہی کیوں نہ ہو اور روزے کے فاسد ہونے میں کم یا زیادہ مقدار کا کوئی فرق نہیں ہے، ایک چیز اگر زیادہ مقدار میں مفسد ہے، تو وہ کم مقدار میں بھی مفسد ہے؛ لہٰذا اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، اس پر ہم نے اوپر ''انہیلر'' (Inhaler) کے مسئلے میں بحث کر دی ہے۔

ہاں! جو مریض اس کے بغیر رہ نہیں سکتا اور بیماری کے شدید ہونے کا خطرہ ہو، یا شدید تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہو، تو اس کو اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے اور جب طبیعت ٹھیک

ہو جائے، تو قضا کرے یا اگر اس کا بھی امکان نہ ہو، تو پھر فدیہ دے دے۔(۱)

گیس (GAS) اور آکسیجن (OXYGEN) کا حکم

آج کل گیس (GAS) کا استعمال عام ہو گیا ہے، پکوان کے لیے بھی اور روشنی کے لیے بھی، یہ گیس سلنڈروں میں بھری ہوتی ہے اور کبھی کسی غلطی یا خرابی کی وجہ سے خارج ہونے لگتی ہے اور اس کی بو سے اس کو ہر کوئی محسوس بھی کر سکتا ہے، روزے کی حالت میں اگر یہ گیس منہ یا ناک کے ذریعے حلق میں بالقصد یا بلا قصد داخل ہو جائے، تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اسی طرح آکسیجن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ کیونکہ آکسیجن ایک ہوا ہے اور اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، یہ اس صورت میں ہے، جب کہ آکسیجن میں کوئی اور چیز دوا وغیرہ کی ملاوٹ نہ ہوتی ہو اور اگر اس کے ساتھ کوئی چیز ملائی جاتی ہو تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس صورت میں اس شخص پر، جس کو روزے میں آکسیجن دیا جائے، بعد میں اس کی قضاء کرنا لازم ہوگا، کفارہ نہیں۔ ”لأنہ مضطر فلا کفارۃ علیہ“ (المراقی: ۲۴۱)

روزے میں دوائی سے غرغرہ کرنے کا حکم

روزے کی حالت میں اگر کسی ضرورت مند کو دوائی سے غرغرہ کرنا پڑے، مثلاً حلق یا گلے میں سخت تکلیف ہے اور ڈاکٹر نے اس کو دوا دی کہ اس سے غرغرہ کیا جائے، ضرورتِ شدیدہ میں اس کا استعمال کیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے؛ مگر سخت احتیاط کرنا ہوگا کہ کہیں حلق کے نیچے یہ دوائی نہ چلی جائے، اگر حلق کے نیچے چلی گئی، تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا خواہ علاج کی وجہ سے دوائی حلق میں گئی ہو، فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے روزے کی حالت میں وضو میں غرغرہ کرنے سے منع کیا ہے، و ھو ظاھرٌ۔

علامہ شیخ العثیمین سے سوال کیا گیا کہ ”ھل یبطل الصوم باستعمال دواء الغر

---

(۱) المفطرات المعاصرۃ، للشیخ خالد بن علی المشیقح

غرة؟" تو جواب لکھا کہ "لا يبطل الصوم إذا لم تبتلعه، ولكن لا تفعله إلا إذا دعت الحاجة ولا تفطره إذا لم يدخل جوفك شيء منه"(۱)

بواسیری مسوں پر دوا لگانے کا حکم

بواسیری مسے دو نوعیت کے ہوتے ہیں: ایک باہر کے مسے، ان پر دوا لگانے سے روزے پر کوئی اثر نہ ہوگا اور دوسرے اندرونی مسے، ان پر دوا لگانے سے جوف تک پہنچ جائے، تو روزہ فاسد ہو جائے گا، بواسیر والے کو کانچ تر کر کے چڑھانے کا حکم بھی یہی ہے، کہ اس سے بھی روزہ فاسد ہو جاتا ہے؛ اگر بغیر خشک کیے چڑھا لے یا خشک کرنے کے بعد چڑھائے، تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح القدیر" میں اور علامہ زیلعی رحمہ اللہ نے "تبیین الحقائق" میں لکھا ہے: "لو خرج سرمه فغسله، ثبت ذلك الوصول بلا استبعاد، فإن قام قبل أن ينشفه فسد صومه بخلاف ما إذا نشفه؛ لأن الماء اتصل بظاهر ثم زال قبل أن يصل إلى الباطن بعود المقعدة"۔(۲)

روزے میں "انیما"(ENEMA) کا حکم

پیٹ کی صفائی کے لیے، ڈاکٹر لوگ "انیما"(ENEMA) دیتے ہیں، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ پیچھے کے راستے سے دوا پہنچاتے ہیں، اس کو عربی میں "الاحتقان" کہا جاتا ہے، اس کے بارے میں یہ بات واضح ہے کہ اس سے روزہ فاسد ہوتا ہے؛ کیوں کہ اس سے مقعد کے ذریعے دوا اندر پہنچتی ہے اور یہ مفسدِ صوم ہے، حضراتِ فقہا نے احتقان کا مسئلہ صراحت کے ساتھ لکھا ہے اور اس کو مفسد قرار دیا ہے۔ "وإذا احتقن، أفطر"۔(۳)

---

(۱) فتاویٰ الشیخ العثیمین: ۱۹/ ۲۹۰

(۲) فتح القدیر: ۲/ ۳۴۲، تبیین الحقائق: ۲/ ۱۸۳، احسن الفتاویٰ: ۴/ ۴۴۰

(۳) البحر الرائق: ۲/ ۲۹۹، الدر المختار: ۲/ ۴۰۲

ڈائیلاسس (Dialysis) مریض کا روزہ

اگر کسی کے گردے فیل ہو جائیں اور ماہر متدین اطباء نے اسے روزانہ پانی کی ایک دو لیٹر مقدار پینے کے لیے کہا ہو اور دو یا تین گھنٹے تک پانی پیے بغیر رہنا خطرے کا سبب ہو تو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، بعد میں صحت مل جائے اور روزے پر قدرت حاصل ہو تو روزہ رکھ لے خدانخواستہ بیماری یوں ہی باقی رہے اور شفاء کے آثار نظر نہ آئیں تو ہر روزے کے بدلے فدیہ ادا کر دے اور اگر روزے کی حالت میں ڈیلیسیس کیا جائے تو علمائے عرب کا فتوی ہے کہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور علمائے ہند کا فتوی ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹتا کیوں کہ اس کا تعلق صرف خون کی صفائی سے ہے براہِ راست جوفِ معدہ میں کوئی چیز نہیں پہنچائی جاتی ہے۔ (۱)

شوگر و ٹی بی کے مریض کا روزہ

اگر کوئی شخص ذیابطیس کا سخت مریض ہو یا بہت زیادہ بوڑھا ہو اور اس کے لیے روزہ رکھنا دشوار ہو اور مریض کے بارے میں ماہر اطباء یہ کہیں کہ روزہ اس کے لیے نقصان دہ ہے، اگر اللہ عزوجل صحت دے تو بعد میں روزے کی قضا کرلے، اور اگر اطباء نے یہ بتلایا کہ مرض بھی مستقل رہے گا اور روزہ بھی نقصان دہ ہوگا تو ہر روزے کے بدلے فدیہ ادا کر دے۔ (۲)

یہی حکم ٹی بی کے مریض کا ہے۔ "وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی" (۳)

یاد رہے کہ روزہ ذیابطیس کے مرض یعنی شوگر کو کنٹرول کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے جب کہ عام لوگوں کو اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر شوگر کا مریض روزہ رکھ لے تو اسے کہیں پریشان کن

---

(۱) من فتاوی اللجنة الدائمة: رقم الفتوی: ۱۳۸۱، تاتارخانیہ: ۳/۳۷۹، کتاب المسائل: ۲/۱۵۴

(۲) جدید طبی مسائل: ۲۴۲

(۳) جدید طبی مسائل: ۲۴۷، فتاوی شامی: ۳/۴۱۰

حالت سے دو چار نہ ہونا پڑے، بعض لوگ جسم میں پانی کی کمی یا شوگر لیول (Sugar Level) حدِ اعتدال سے گرنے کے احتمال کو اپنے ذہن پر سوار کر لیتے ہیں حالاں کہ ایسا ہر گز نہیں ہے، البتہ شدتِ مرض کی صورت میں صورت حال مختلف ہو سکتی ہے شدتِ مرض کی حالت میں روزہ نہ رکھنے کی اللہ رب العزت نے اجازت دی ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ، يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔"(۱) "اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کے روزوں سے گنتی پوری کرے، اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لیے دشواری نہیں چاہتا۔"

ماہرینِ طب کی رائے میں ایسے اشخاص جو روزے دار نہ ہوں، کا شوگر لیول اتار چڑھاؤ کا شکار رہتا ہے جب کہ روزے دار مریض کا شوگر لیول نارمل رہتا ہے کیوں کہ روزہ مریض اور معالج کے لیے کسی قسم کی مشکلات یا پریشانی پیدا نہیں کرتا مزید برآں اگر رمضان المبارک کے علاوہ بھی یہ طریقہ اپنایا جائے تو اس سے نہ صرف شوگر لیول کنٹرول ہو گا بل کہ شوگر لیول میں اعتدال نہ ہونے کی بناء پر جو نقاہت و کمزوری ہوا کرتی ہے، اس سے بھی محفوظ رہے گا روزے کے سبب شوگر میں مبتلا شخص کی قوتِ مدافعت بڑھتی ہے لہٰذا اس سے شوگر کے باعث ہونے والی دماغی سوزش، کالا موتیا، اندھا پن، جگر اور گردوں کی خرابی کے خدشات بھی بڑی حد تک معدوم ہو جاتے ہیں۔

روزے میں انسولین لینا

شوگر کے مریض کو جب شوگر زیادہ ہو تو صبح و شام انسولین لینی ہوتی ہے، اگر سحری میں وقت کم ہونے کی وجہ سے انسولین نہ لے سکے تو سحری کر لینے کے بعد بھی لے سکتا ہے، کیوں کہ نہ لگانا صحت کے لیے نقصان کا سبب بھی ہے، اور انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے اس لیے روزے کی حالت میں انسولین لینا جائز ہے، البتہ وقت کے اندر اندر لگا لیں تو زیادہ بہتر ہے

(۱) سورۃ البقرۃ ۲ — ۱۸۵

دماغی مریض کا روزہ

اگر کسی کو بے ہوشی یا دیوانہ پن پورا رمضان رہے کہ بالکل ہوش ہی نہ ہو تو اس پر رمضان کے روزوں کی قضا یا فدیہ کچھ لازم نہیں ہے۔ ”وفی الجنون إن لم یستوعب الشھر قضی ما قضی وإن استوعب ... لا یقضی مطلقاً للحرج“(۱)

روزہ کی حالت میں قئے کا حکم

روزہ کی حالت میں اگر خود بخود قے ہو جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چاہے منہ بھر ہو یا اس سے کم، اور اگر جان بوجھ کر روزہ یاد ہونے کی حالت میں مثلاً انگلی ڈال کر قے کی تو منہ بھر کر قے کرنے کی صورت میں بالاتفاق روزہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر منہ بھر سے کم ہے تو اس بارے میں اختلاف ہے، حضرت امام محمد رحمہ اللہ سے ظاہر الروایہ میں مروی یہ ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے گا، جب کہ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹے گا، بعض فقہاء نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے؛ لیکن امام محمدؒ کے قول میں احتیاط زیادہ ہے۔(۲)

طلوع فجر کے بعد دوائی کا اثر منہ میں محسوس ہوا

دوائی کھانے کے بعد اگر طلوعِ فجر کے بعد منہ میں دوائی کا اثر محسوس ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، بشرطیکہ حلق سے نیچے نہ جائے، لیکن جب حلق سے اتر کر پیٹ میں پہنچ جائے تو روزہ باقی نہیں رہتا۔(۳)

---

(۱) درمختار مع الشامی: ۴۱۸/۳

(۲) کتاب المسائل: ۱۵۵/۲-۱۶۳

(۳) فتاوی حقانیہ: ۱۶۰/۴

طباخ کو روزے کی حالت میں سالن چکھنا

ہوٹلوں اور فیکٹریوں وغیرہ میں جو لوگ پکانے کا کام کرتے ہیں، ان کو روزانہ اس کی ضرورت پڑتی ہے کہ کھانا اور سالن وغیرہ کو چکھ کر دیکھا جائے، ہاں فقہائے کرام نے اس عورت کو جس کا شوہر بدمزاج ہو اور اس غلام کو، جس کا آقا ظالم ہو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ روزے میں سالن وغیرہ چکھ کر دیکھ لے۔ "الذوق بعذر لا يكره؛ كما في الخانية فى من كان زوجها سيء الخلق أو سيدها لابأس بأن تذوق بلسانها"(۱)

طباخ کا گذران ہی اس کے اس پیشے پر ہوتا ہے اور اس پیشے کے لیے یہ چیز لازم ہے کہ چکھ کر مزہ معلوم کرے، ورنہ اس کے پیشے پر اثر اور ملازمت میں خلل آسکتا ہے، یہ عذر ایک اعتبار سے غلام اور عورت کے عذر سے بھی شدید ہے، طباخ کو حالتِ روزہ میں اپنے کام کے موقع پر چکھنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ واللہ اعلم۔(۲)

منجن اور ٹوتھ پیسٹ کا استعمال

منجن اور ٹوتھ پیسٹ کا استعمال روزے دار کے لیے کراہت سے خالی نہیں، اگرچہ اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ جب کہ یہ حلق میں نہ جائے؛ لیکن چوں کہ اس میں مزہ ہوتا ہے؛ اس لیے عام حالات میں اس کی اجازت نہیں ہوگی؛ بل کہ اس کا استعمال مکروہ ہوگا۔ "ومن ذاق شيئاً بفمه لم يفطر، ويكره له ذلك۔"(۳) البتہ کوئی عذر ایسا ہو، جس میں بغیر اس کے استعمال کے پریشانی ہوتی ہے، تو اس کی اجازت ہے؛ چناں چہ مفتی عزیز الرحمان صاحب رحمہ اللہ نے اس عذر کی بنا پر کہ مسوڑھوں سے خون اور مواد نکلتا ہے، منجن کے استعمال

(۱) البحر الرائق: ۲/ ۴۸۹

(۲) رمضان اور جدید مسائل: ۱۶۷، الفقہ علی المذاہب الأربعۃ: ۱/ ۵۶۹

(۳) الہدایۃ: ۲/ ۲۶۴

کی اجازت دی ہے۔(۱)

روزے کی حالت میں گل منجن

روزے کی حالت میں گل منجن لگانا مکروہ ہے، گل میں چوں کہ قدرے نشہ بھی ہوتا ہے اور عموماً اس کا اثر پیٹ میں بھی چلا جاتا ہے، اس لیے اس میں کراہت زیادہ ہے، اگرچہ روزہ فاسد نہیں ہوگا۔(۲)

روزے میں عود وغیرہ کا دھواں سونگھنا

آج کل مساجد میں عام طور پر اگر بتی جلانے کا رواج ہے، اسی طرح گھروں میں بھی اس کو استعمال کرتے ہیں اور یہ اچھی چیز ہے؛ مگر رمضان کے مہینے میں دن میں اس کے استعمال سے احتراز کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اس کا دھواں بھی اگر حلق میں داخل ہوگیا، تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اسی طرح عود وغیرہ کے دھویں کا بھی یہی حکم ہے؛ کیوں کہ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ "دھویں سے بچنا ممکن ہوتے ہوئے، اس سے احتراز نہ کیا گیا، تو روزہ ٹوٹ جائے گا" درمختار میں ہے: "لو أدخل حلقه الدخان أفطر، أيّ دخان كان ولو عوداً أو عنبراً، لو ذاكراً لإمكان التحرز عنه"۔(۳) اس میں بہت زیادہ کوتاہی و غفلت پائی جاتی ہے؛ خصوصاً مساجد میں دن کے وقت نمازوں کے موقع پر اگر بتی جلا دیتے ہیں، جس کا دھواں بہت سے لوگوں کے حلق میں داخل ہوتا ہے اور معلوم ہو چکا کہ اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؛ اس لیے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔(۴)

---

(۱) فتاویٰ دار العلوم: ۶/ ۴۰۳

(۲) کتاب النوازل: ۶/ ۳۷۵

(۳) الدر المختار مع الشامی: ۳/ ۳۶۶

(۴) روزے میں پرفیوم (Perfume) یا دیگر خوشبوؤں کا استعمال، روزے کو فاسد نہیں کرتا اور نہ ہی یہ مکروہ ہے۔ "لا یکرہ للصائم شم رائحة المسک والورد ونحوہ مما لا یکون جوھراً متصلاً کالدخان۔" (الدر المختار مع الشامی: ۳/ ۳۹۷) (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

روزے میں نسوار (ناس) سونگھنے کا حکم

نسوار جس کو ہمارے علاقوں میں ناس کہا جاتا ہے، اس کو سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؛ چناں چہ حضرت مفتی عزیز الرحمان صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نسوار شمیدن در انف نیز مفسدِ صوم است۔'' ناک میں ناس سونگھنا بھی روزے کو فاسد کر دیتا ہے۔(۱)

بیماری کے ایام میں فوت شدہ روزوں کا حکم

کوئی شخص سخت بیمار ہے، اور ڈاکٹر نے- جس کے پاس وہ زیر علاج ہے- روزہ رکھنے سے منع کیا ہے کہ مریض کو خطرہ ہے اور مرض میں زیادتی کا احتمال ہے، تو ایسے مریض شخص کے لیے اس وقت روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے؛ لیکن جب صحت یاب ہو جائے تو ان ایام کی قضا لازم ہوگی، جب تک صحت مند ہونے کی امید ہو، قضا کرنے کی گنجائش ہے فدیہ دینے کا حکم نہیں ہے۔ 'قال اللہ تبارک و تعالیٰ: {فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ}(۲) أي المريض والمسافر لا يصومان في حال المرض والسفر؛ لما في ذٰلک من المشقة عليهما؛ بل يفطران ويقضيان من أيام أخر۔(۳) "ولو قدر على الصيام بعد ما فدى بطل حكم الفداء الذي فداه، حتى يجب عليه الصوم"۔(۴)

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) البتہ پرفیوم کا استعمال بہ جائے خود اچھی چیز نہیں ہے؛ اس میں الکحل (Alchohol) ملایا جاتا ہے، جو نجس جوہر ''شراب'' ہے؛ اس لیے اس سے ہمیشہ ہی احتیاط کرنا چاہیے۔

(۱) فتاویٰ دار العلوم: ۶/ ۴۱۸

(۲) [البقرۃ: ۱۸۵]

(۳) تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۵۱۴ ط: دار السلام ریاض

(۴) الفتاویٰ الہندیۃ: ۱/ ۲۰۷

آٹھواں باب

روزے کے مسائل

لوگوں کا مفسداتِ صوم سے ناواقف رہنا ایک بڑی غلطی ہے، بعض افراد ابتدائے رمضان سے انتہائے رمضان تک غلطی پر برقرار رہتے ہیں، ہر روزے دار پر واجب ہے کہ وہ رمضان کے آغاز سے پہلے ہی مفسدات ومکروہات وغیرہ جان لے تاکہ ان غلطیوں سے خود کو بچا سکے، اس باب میں مفسدات، مکروہات اور کفارات وغیرہ کا بیان ہے۔

کن اعذار میں روزہ معاف ہے؟

سفر،حمل، بچہ کا دودھ پلانا، مرض، بڑھاپا،خوف ہلاکت، اکراہ،نقصانِ عقل اور جہاد، یہ سب روزہ نہ رکھنے کے لیے عذر ہیں کہ اگران وجوہ میں سے کسی وجہ سے کوئی روزہ نہ رکھے تو گناہگار نہیں۔

نجم الفتاوی میں ہے کہ ”رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں کسی کیلئے بھی بلا عذر چھوڑنا جائز نہیں،البتہ اگرایسی سخت مجبوری ہوکہ روزہ رکھنے سے جان کی ہلاکت یا ضعف کا خطرہ ہوتو اس وقت روزہ چھوڑنے کی گنجائش ہےلیکن روزہ معاف نہیں ہوتا بعد میں اس کی قضاء لازم ہوتی ہے اور عموماً مزدوروں کے کام ایسے سخت نہیں ہوتے کہ جن کی وجہ سے رمضان جیسی برکتوں اورفضیلت والے روزوں کو چھوڑ دیا جائے اور رمضان کے مہینے میں عموماً مالکان بھی رمضان کالحاظ کرتے ہوئے مزدوروں پرسختی نہیں کرتے،البتہ اگر پھر بھی دشواری ہوتو اسے چاہیئے کہ یا تو دن کے بجائے رات کو کام کرے یا رمضان کا مہینہ چھٹی کرے اور رمضان کے روزے رکھے۔

نیزجن اعذار کی وجہ سے روزہ چھوڑنے کی اجازت ہےوہ یہ ہیں،مسافر،سخت بیمار، ایسی حاملہ عورت کہ جس کو روزہ رکھنے سے اپنی یا بچے کی ہلاکت یا کمزوری کا خطرہ ہو،حیض ونفاس اورایسا عمررسیدہ شخص کہ جس کے صحت یاب ہونے کی کوئی امیدنہ ہو،ان تمام حضرات کیلئے رمضان کاروزہ چھوڑنا جائز ہےلیکن بعدمیں ان روزوں کی قضاءلازم ہے،البتہ عمررسیدہ شخص اپنے روزوں کاصرف فدیہ دے گا۔

”من مسافر بعد مااصبح فی اھلہ یکرہ لہ الافطار رجل خاف ان لم یفطر تزداد عیناہ وجعا او حماہ شدۃ یباح لہ الافطار وھذا انما یعرف باجتھادہ او قال طبیب حاذق امۃ افطرت فی رمضان متعمدۃ لضعف اصابھا من عمل السید من طبخ او غیرہ کان واسعا و قضیتہ للمملوک ان

یمتنع عما یعجزہ عن اداء الفرائض‘‘(۱)

اگر کوئی شخص بے ہوشی وجنون کے مرض میں مبتلا ہو اور یہ مرض پورے مہینے رہتا ہو کہ روزے کا پتہ نہ چلتا ہو تو روزہ اور کفارہ معاف ہے۔’’ومن جن رمضان کلہ لم یقضہ وان أفاق المجنون فی بعضہ قضی ما مضی‘‘(۲)

امتحانات کی وجہ سے روزے کا ترک

بعض حضرات نے سوال کیا کہ اسکول وکالج یا یونیورسٹی کے امتحانات کے موقع پر طلبہ کو بڑی محنت کرنی پڑتی ہے اور رات دن ایک کر کے اپنے اسباق کو دہرانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر ایسی محنت نہ کی جائے، تو ناکام ہونے کا خطرہ ہے اور اس سے ایک طالب علم کی ساری محنت اور روپیہ پیسہ سب ضائع ہو جاتا ہے اور بعض طالبِ علم غریب ہوتے ہیں، تو ان کے لیے یہ ناکامی زندگی کا بڑا مسئلہ ہے۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر امتحانات اگر رمضان میں آجائیں، تو چوں کہ روزے سے رہتے ہوئے محنت مشکل ہے؛ لہٰذا کیا روزے کو اس کی وجہ سے چھوڑا جا سکتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ امتحانات کی وجہ سے روزے جیسے اہم فرض کو چھوڑنا جائز نہیں، اس سے گناہ لازم آتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان لوگوں کی نظر میں روزے کا دنیا کے مقابلے میں ہلکا ہونا لازم آتا ہے؛ لہٰذا ایسے طلبہ کو راتوں میں محنت کرنا چاہیے؛ تاکہ کامیاب ہوں اور روزہ ترک نہیں کرنا چاہیے؛ اگر کسی نے ایسا کیا، تو گناہ ہوگا اور اس پر روزے کی قضا لازم ہوگی۔

ہاں! اسکول وکالج کے ذمے دار اگر مسلمان ہیں، تو ان کو چاہیے کہ اس سلسلے میں وہ رمضان کا لحاظ وخیال رکھتے ہوئے، امتحانات رمضان میں تجویز نہ کریں؛ بل کہ رمضان سے

---

(۱) فتاوی سراجیہ: ۲۹

(۲) فتاوی ہندیہ۔

پہلے یا بعد میں تجویز کریں۔(۱)

محنت طلب کام کی وجہ سے ترکِ روزہ

ایک اہم سوال یہ سامنے آیا کہ بعض کارخانوں میں ملازمین کو محنت طلب کاموں پر رکھا جاتا ہے، جیسے لوہے وغیرہ کی فیکٹریوں میں ملازم کو کئی کئی گھنٹے تک سخت ترین محنت کا کام کرنا پڑتا ہے اور اس حال میں روزہ رکھنا ان کے بس کا نہیں ہوتا، اب یہ ملازم لوگ روزہ رکھیں، تو کام نہیں کر سکتے اور اگر کام کریں، تو روزہ نہیں رکھ پاتے؛ اسی طرح بعض غریب لوگ کچھ محنت کی کمائی کر کے اپنا گذران کرتے ہیں اور ان کے کام بھی ایسے ہوتے ہیں کہ روزے کے ساتھ کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کو رمضان میں روزہ ترک کرنا جائز ہے یا نہیں؟

حضراتِ علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ان لوگوں کو روزہ ترک کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ محنت طلب کام ان عذروں میں سے نہیں ہے، جن کی وجہ سے روزہ چھوڑنے کی گنجائش ملتی ہے؛ لہٰذا ان پر روزہ فرض ہے اور اس کا ترک حرام ہے اور اس سے وہ لوگ گناہ گار ہوں گے۔

ہاں! یہ لوگ روزہ رکھنے کے بعد کام کرتے تھک جائیں اور اس کی وجہ سے روزے کو باقی رکھنے میں سخت مشکل پیش آئے، جس کو وہ برداشت نہ کر سکے، تو وہ اس عذر کی وجہ سے روزہ توڑ سکتے ہیں اور بعد میں اس کی قضا کرنا پڑے گا۔(۲)

رمضان المبارک کے روزے پورے سال میں صرف ایک ہی ماہ فرض کیے گئے ہیں، ان روزوں کی اللہ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے اور روزے داروں کے لیے عظیم ثواب واجر کا وعدہ کیا گیا ہے، محض معاشی محنت کی وجہ سے رمضان المبارک کے فرض

---

(۱) رمضان اور جدید مسائل: ۱۹۰

(۲) رمضان اور جدید مسائل: ۱۹۱

روزوں کو چھوڑنا اس ماہِ مبارک کی بڑی ناقدری ہوگی،فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی بھی معاشی محنت کی وجہ سے رمضان المبارک کے فرض روزوں کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔"لا یجوز للخباز أن یخبز خبزا یو صله إلیٰ ضعف مبیح للفطر بل یخبز نصف النهار ویستریح فی النصف"۔(۱)

دودھ پلانے والی عورت کا روزہ رکھنا

جس عورت کو اس بات کا پتہ ہو کہ روزہ رکھنے سے دودھ پینے والے بچہ کو نقصان ہوگا؛مگر اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے روزہ چھوڑنے تیار نہیں ہوتی ہے،یہ سراسر ظلم ہے اور ظلم بھی ایک معصوم بچے پر ہونے کے علاوہ حقوق العباد کی حق تلفی ہے،جو ظلم کی سنگینی کو بڑھا دیتا ہے؛اس لیے جب بچہ دودھ کا محتاج ہو اور اس کے لیے دوسرا انتظام مشکل ہوتا ہو تو ایسی عورت کو روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔(۲)

نابالغ اور کم سن بچوں کو روزہ رکھوا کر تکلیف دینا اور روزہ کھولنے کی رسم ادا کرنا بچے پر تکلیف مالایطاق اور لغو ولایعنی عمل ہے،البتہ جو بچہ قریب البلوغ ہے،روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہے اور اپنی خوشی سے روزہ رکھ رہا ہے تو بلاشبہ درست ہے۔(۳)

وہ امور جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے

(۱) آنکھ میں دوا ڈالنا اگر چہ اس کا اثر حلق میں محسوس ہو۔"ولو أقطر شیئا من الدواء فی عینه لا یفطر صومه عندنا وإن وجد طعمه فی حلقه"(۴)

(۲) روزے میں نیم کی مسواک کرنا درست ہے۔"أما الرطب فلا باس به

---

(۱) البحر الرائق:۲/۲۸۲

(۲) ملخص از:اصلاح انقلاب:۱۳۱

(۳) ملخص از:اصلاح انقلاب:۱۳۲

(۴) الفتاوی الہندیہ:۱/۲۰۳۔

عندالکل"(۱)

(۳) دمے کا مریض روزے کی حالت میں "انہیلر" استعمال کرے تو ایک رائے روزہ ٹوٹ جانے کی ہے، دوسری رائے نہ ٹوٹنے کی ہے، تیسری رائے یہ ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹے گا مگر صحت پانے کے بعد روزوں کی قضا کرلے، اگر تاحیات صحت مند نہ ہوسکے اور قضا نہ کرسکے تو فدیہ ادا کرے، یہی رائے زیادہ محتاط ہے۔

(۴) سرمہ لگانا، خوشبو سونگھنا، انجکشن لگانا، (خواہ جلد پر ہو، پیٹ پر ہو، رگوں میں ہو) ٹیکہ لگوانا، گلوکوز چڑھانا جائز ہے۔

(۵) کان میں پانی بے اختیار چلے جانا۔

(۶) خود بخود قے ہوجانا، یا قے ہوتے ہوتے واپس چلی جانا۔

(۷) نیند میں احتلام ہوجانا۔

(۸) حالتِ جنابت میں سحری کرنا۔

(۹) بیوی سے دل لگی کرنا جب کہ ہمبستری کا خوف نہ ہو۔

(۱۰) مذی نکلنا۔

(۱۱) گرمی میں پیاس کی وجہ سے غسلِ تبرید (ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل) کرنا؛ مگر روزہ بوجھ ہونا ظاہر نہ ہوتا ہو، ورنہ مکروہ ہے۔

(۱۲) کلی کے بعد تھوک نگلنا۔

(۱۳) آنسو یا چہرے کا پسینہ ایک دو قطرے بلا اختیار حلق میں چلے جانا۔

(۱۴) کان کا میل نکالنا۔

(۱۵) رومال بھگوا کر سر پر رکھنا۔(۲)

(۱۶) میڈیکل ٹسٹ میں خشک آلات معدے تک پہنچانا خواہ منہ سے ہو یا مقعد سے۔

---

(۱) الفتاوی الہندیہ: ۱/ ۱۹۹۔

(۲) ملخص از: کتاب النوازل: ۶/ ۳۸۹، تحفۂ رمضان: ۶۴

(۱۶) endoscopy لگانا۔
(۱۷) وکس (vicks) سونگھنا۔
(۱۸) آکسیجن لگانا۔ (جب کہ آکسیجن میں دوائی ملی نہ ہو)
(۱۹) خون ٹسٹ کرانا۔
(۲۰) دانت نکلوانا۔ بشرطیکہ خون حلق میں نہ جائے۔(۱)

وہ امور جن سے روزہ فاسد ہوتا ہے اور صرف قضاء لازم ہے

(۱) روزے کی حالت میں بھپارا لینا۔ (گرم پانی میں دواء ڈال کر بھاپ لینا)
(۲) انگلی ڈال کر منہ بھر کے قے کرنا۔
(۳) اگر بتی کا دھواں ناک یا منہ میں داخل کرنا۔
(۴) نکسیر کا خون منہ میں چلے جانا۔
(۵) کلی کرتے وقت حلق میں پانی چلے جانا۔
(۶) کان میں تیل ڈالنا۔
(۷) کان یا ناک میں تر دوا ڈالنا۔
(۸) بیڑی یا سگریٹ پینا۔
(۹) مسوڑوں کا خون حلق میں چلا جانا۔
(۱۰) بوس وکنار کی وجہ سے انزال ہو جانا۔
(۱۱) احتلام کے بعد غلطی سے افطار کر لینا۔
(۱۲) سخت مرض کی وجہ سے افطار کر لینا۔
(۱۳) قصداً روزہ توڑنے کے بعد سخت بیمار یا حیض آجانا۔ (شامی: ۳۹۰/۳)

---

(۱) ملخص از فضائل ومسائل رمضان: ۲۲، مزید تفصیل کے لیے رمضان اور جدید مسائل مفتی شعیب اللہ خان صاحب زید مجدہم کی کتاب ملاحظہ فرمالیں۔

(۱۴)عورت سے زبردستی جماع ہوجانا۔

(۱۵)ڈاکٹرنی کا تر ہاتھ حاملہ کے پیٹ میں ڈالنا۔

(۱۶)''انیما''چڑھانا(پیٹ کی صفائی کے لیے مقعد سے دوائی چڑھانا)۔

(۱۷)دوسرے کا تھوک نگلنا، یا اپنا تھوک ہاتھ میں لیکر نگلنا۔(۱)

نوٹ : مذکورہ صورتوں میں روزہ ٹوٹے گا،صرف قضاءلازم ہوگی، کفارہ لازم نہیں آئے گا۔

قاعدہ :روزہ ٹوٹنے کا مدار دو چیزوں پر ہے(۱)منہ سے کوئی چیز قصداًیا خطاءً نگل لینا،خواہ وہ کوئی بھی چیز ہو،مفید ہو یا غیر مفید، یا قصداً جماع کرنا۔(۲)جوفِ معدہ یا جوفِ دماغ تک پہنچنے والے طبعی راستوں کے ذریعے کسی طبعاً یا عرفاً چیز کا جوف تک بالقصد پہنچ جانا یا قصداً انزال کردینا۔''قدعلمت أنه لا یثبت الفطر إلا بصورته أو معناه''(۳)

وہ امور جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور کفارہ واجب ہوتا ہے

(۱)عمداً کھانا، پینا، جماع کرلینا، یا دماغ تک کوئی چیز پہنچا دینا۔

(۲)جماع میں حشفہ چھپ جانا،خواہ انزال ہو یا نہ ہو۔

(۳)اپنے محبوب کا تھوک نگلنا۔

(۴)سحری کا لقمہ منہ میں تھا کہ سحر کا وقت ختم ہوگیا لقمہ منہ سے نکالے بغیر عمداً نگل جانا۔

مکروہاتِ روزہ

(۱)روزہ میں گل منجن لگانا۔

(۲)ٹوتھ پیسٹ،کوئلہ، یا کوئی بھی منجن لگانا۔

(۳)منہ میں تھوک جمع کرکے نگلنا۔

---

(۱)ملخص از: تحفۂ رمضان:۷۰

(۲)تحفۂ رمضان:۶۹ (۳)فتح القدیر:۲/ ۷۳

(۴) بلا عذر کوئی چیز چکھنا۔عذر کی حالت میں مثلاً ظالم شوہر کے لیے چکھنا، یا چھوٹے بچے کو روٹی چبا کر دینا درست ہے۔

(۵) جماع کے خوف کے باوجود بیوی سے دل لگی کرنا۔

(٦) روزے کی حالت میں کمزور کر دینے والا کام کرنا یا گناہ کرنا، یا کلی کرنے میں مبالغہ کرنا۔

(۷) قلبی مریض کا بلا عذر زبان کے نیچے دوا رکھنا مکروہ ہے اور عذر کی حالت میں بلا کراہت جائز ہے۔(۱)

عورتوں کی قضا روزے سے غفلت

رمضان میں جو روزے ایامِ خاص کی وجہ سے چھوٹ جاتے ہیں ان روزوں کی قضاء میں عورتیں بہت کوتاہی کرتی ہیں، واضح رہے کہ رمضان کے روزے فرض ہیں، جس کی قضاء بھی فرض ہے،عورت پر ایامِ حیض میں نہ نماز فرض ہے اور نہ ہی طہر میں ان نمازوں کی قضاء فرض ہے؛ البتہ ایامِ حیض میں روزہ رکھنا تو درست نہیں؛ مگر ایامِ طہر میں ان روزوں کی قضاء فرض ہے، اگر زندگی میں ان روزوں کی قضا نہ ہوئی تو موت پر وصیت کرنا ضروری ہے اور ثلث مال سے یہ وصیت جاری ہوگی، اگر روزوں کی قضا مشکل ہوتی ہو تو شوال کے روزوں میں رمضان کے روزوں کی نیت کر لینا چاہیے تاکہ ذمے میں کوئی فرض باقی نہ رہے، اور اگر کوئی عورت حیض روکنے کے لیے دوائی استعمال کر لیتی ہے کہ بعد میں قضا کی دشواری نہ ہو، تو اس کی اجازت ہے؛ مگر اس سے طبی نقصان ہو سکتا ہے۔

دولہا و دلہن احتیاط کریں

روزہ صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک کھانے، پینے اور جنسی تعلقات سے رکنے کا نام

(۱) تحفۂ رمضان: ٦٩۔

ہے، غروبِ آفتاب کے بعد یہ پابندی نہیں ہے، رمضان کی رات میں ملنا دین داری کے خلاف نہیں ہے، ام المومنین حضرت عائشہ اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ رمضان میں طلوع فجر کے وقت جنبی ہوتے تھے، جنبی جنسی تعلق کے نتیجے میں ہوتے تھے، اس کے بعد آپ ﷺ اٹھ کر غسل کرتے تھے اور روزہ رکھتے تھے، متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے اقوال اور ان کا عمل بھی اسی طرح تھا کہ وہ ماہِ رمضان میں رات میں جنبی ہوتے تھے، صبح اٹھ کر غسل کرتے تھے اور سحری کھا کر روزہ رکھتے تھے، لہٰذا جن اوقات میں پابند کیا گیا ہے ان میں آدمی پابند رہے اور جن اوقات میں اجازت دی گئی ہے ان میں وہ اجازت کا فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور سچ تو یہی ہے کہ صحابہ کرام کے طرز پر عمل کرنا ہی صحیح دین داری ہے۔

فقہائے کرام نے بوڑھے شخص کو بوس وکنار کی اجازت دی اور جوان کو اجازت نہیں دی؛ چوں کہ آں حضرت ﷺ کی زندگی میں اس طرح کا واقعہ پیش آیا، جس میں آپ ﷺ نے ایک شخص کو اجازت دی اور دوسرے کو منع فرمایا، بوڑھا شخص بوس وکنار سے آگے نہیں بڑھ سکتا، جب کہ جوان کا بوس وکنار اسے کنارے رہنے نہیں دیتا، آں حضرت ﷺ کے پاکیزہ زمانے میں ایک غریب صحابی رضی اللہ عنہ سے اس طرح کا عمل ہوگیا اور آپ ﷺ سے سارا قصہ سنا یا تو آپ ﷺ نے فرمایا غلام آزاد کرو، انھوں نے کہا: میں غریب ہوں، آپ ﷺ نے فرما یا: ۶۰؍روزے رکھو، ان صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک روزہ برداشت نہ ہوا، ۶۰؍رکھاں ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ۶۰؍مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، ان صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ایک دن کے کھانے کی وسعت نہیں رکھتا، (ساٹھ مسکینوں کو کہاں سے کھلاؤں؟) تھوڑی دیر بعد کہیں سے کھجور کی بوری ہدیے میں آئی، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: یہ لے جا کر غریبوں میں تقسیم کردو کہنے لگے مجھ سے بڑا غریب یہاں کوئی نہیں ہے، آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: لے جاؤ، یہ تمھارے لیے ہے، (تمھارے بعد کسی اور کے لیے یہ تخفیف نہیں ہے) ”فأتی رسول اللہ

ﷺ بعرق من تمر فقال: خذهذا فتصدق به، فقال: يا رسول الله ﷺ! ما أجد أحدا احوج إليه مني، فقال: كله"(۱) موجودہ زمانے میں جب کہ تقوی مغلوب اور شہوت غالب ہے تو جوان شوہر خصوصاً دولہا دلہن کو ایسے مواقع سے بھی دور رہنا چاہیے، ورنہ بعض مرتبہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا و کفارہ لازم ہو جاتا ہے؛ مگر شرم کے مارے کسی عالم سے مسئلہ پوچھ کر کفارہ ادا کرنے کی فکر نہیں ہوتی ہے، رمضان کے ایک روزے کی بے احتیاطی سے ۶۰/ روزے رکھنا اور قضا کرنا لازم ہوتا ہے، یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہونے کے علاوہ رمضان کے روزے سے محرومی اور روزہ توڑنے کا گناہ بھی لازم آتا ہے، اس لیے خصوصاً دولہا دلہن دن میں ایک دوسرے کے قریب ہونے سے احتیاط برتیں۔

---

(۱) مؤطا مالک: باب من افطر فی رمضان متعمدا: ۱/ ۱۲۲ حدیث: ۳۴۹

نواں باب

تراویح کے احکام ومسائل

اس باب میں تراویح کی شرعی حیثیت، اجرتِ تراویح، اور اعتدال، نسیانِ قرآن، لاؤڈ اسپیکر کا ظالمانہ استعمال، نابالغ کی امامت، عورتوں کی تراویح، عورتوں کا مسجد آنا، بیس رکعت تراویح، منکراتِ تراویح کا ذکر کیا گیا ہے۔

تراویح کی شرعی حیثیت

بیس رکعت نماز تراویح سنت علی العین ہے، ہر شخص پر اس کی ذاتی حیثیت سے اس کا ادا کرنا سنت ہے، اس کے ترک پر وہ تارک سنت شمار ہوگا، البتہ جماعت کے ساتھ اس کی ادائیگی یہ سنت کفایہ ہے، اگر کچھ لوگ مسجد میں جماعت کے ساتھ تراویح کا اہتمام کرلیں تو اہل محلہ ترکِ سنت کے گناہ گار نہ ہوں گے؛ بل کہ کچھ لوگ گھر میں بھی تروایح پڑھ لیں تو ادا ہوجائے گی؛ لیکن یہ لوگ مسجد اور جماعت کے ثواب سے محروم رہیں گے، اگر بالکلیہ مسجد میں تراویح کی جماعت نہ ہوتی ہوتو تمام اہل محلہ گناہ گار ہوں گے ۔(۱)

(۱) جو شخص پابندی سے اللہ تعالی سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے تراویح کی نماز ادا کرتا ہے اللہ تعالی اس کے پچھلے تمام گناہ معاف فرمادیتے ہیں "من قام فی رمضان ایماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه"(۲)

(۲) تراویح میں ایک قرآن مجید ختم کرنے کو صاحب قدوری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ تمام فقہاء نے سنتِ مؤکدہ لکھا ہے، اور دو قرآن ختم کرنا باعثِ فضیلت ہے، تین قرآن ختم کرنا افضل اور خوش نصیبی ہے، اور یہ سنت لوگوں کی غفلت اور سستی کی وجہ سے نہیں چھوڑی جائے گی، اور جو لوگ تراویح کی پہلی رکعت میں عموماً لمبی ہونے کی وجہ سے شریک نہیں ہوتے، بیٹھے رہتے ہیں، یا باتوں میں لگے رہتے ہیں، یہ لوگ تراویح میں قرآن کریم سننے کی سنت سے محروم ہیں ۔(۳)

(۳) تراویح پورے رمضان پڑھنا مستقل سنت ہے اور مکمل قرآن ختم کرنا مستقل

---

(۱) (فتاوی ہندیہ: ۱/۱۱۶)

(۲) صحیح بخاری: باب من صام رمضان حدیث: ۱۹۰۱، سنن ابی داود: ۲۴۸۱، حدیث سنن ابن ماجہ: ۱/۴۲۰ حدیث: ۱۳۲۶، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(۳) فتاوی قاضی خان: ۱/۲۳۷، البحر الرائق: ۲/۶۸، فتاوی رحیمیہ: ۴/۴۰۵

سنت ہے؛اس لیے جوحضرات "الم تر" (سورہ فیل) سے تراویح پڑھ لیتے ہیں ان کی ایک سنت ادا ہوتی؛مگر دوسری سنت چھوٹ جاتی ہے،ہاں جہاں کوئی حافظ نہ ملتا ہو وہاں اگر "الم تر" سے بھی نہ پڑھے جانے کی صورت میں بالکل تراویح چھوٹ جانے کااندیشہ ہوتو "الم تر" ہی سے پڑھ لینا چاہیے تاکہ تراویح کی سنت نہ چھوٹے۔(۱)

(۴) تراویح میں ہرسورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا آں حضرت ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے؛البتہ جہراً پڑھنے کے بجائے سراً پڑھنا مسنون ہے اور جہراً پڑھنا خلافِ اولی ہے،کوئی بھی پہلو واجب یا حرام نہیں ہے،ہاں پوری تراویح میں ایک بار جہراً پڑھ لینا بہتر ہے۔

(۵) تراویح میں قرآن کریم سورۂ بقرہ کے شروع کا کچھ حصہ پڑھ کر "مفلحون" پر ختم کرنا افضل ہے،اس کے علاوہ مختلف مقامات سے دعائیہ آیتیں پڑھنے اوراس پر اصرار کرنے کواہل فتاوی نے مکروہ لکھا ہے۔(۲)

(۶) نمازِتراویح اگر چھوٹ جائے تو قضا نہیں ہے،اگر قضا کرلے تونفل کا ثواب مل جائے گا؛لیکن سنتِ تراویح نہ ہوگی،اس لیے کوشش کی جائے کہ تراویح نہ چھوٹے "لأن القضاء من خصائص الواجبات وإن قضاها کانت نفلا مستحبا لا تراویح "(۳)

(۷) بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ تمام ترویحات میں قرآن برابر پڑھا جائے؛البتہ ایک میں زیادہ اورایک میں کم پڑھنے میں بھی قباحت نہیں؛بشرطیکہ مصلیوں کواس سے بوجھ نہ ہوتا ہو۔"الأفضل تعدیل القرأة بین التسلیمات فإن خالف فلا بأس به"(۴)

(۸) بہتر طریقہ ہے کہ ایک حافظ صاحب تراویح پڑھائیں،اگر دو حافظ مل کر تراویح

---

(۱) فتاوی محمودیہ: ۷/ ۱۶۸

(۲) فتاوی دارالعلوم: ۴/ ۲۷۳،فتاوی رحیمیہ: ۴/ ۳۸۳؛بحوالہ ایضاح المسائل: ۳۱

(۳) مراقی الفلاح: ۱۱۷

(۴) الفتاوی الہندیۃ: ۱/ ۱۱۷ بحوالہ کتاب الفتاوی: ۲/ ۴۰۴

پڑھاتے ہوں تو ترویحہ مکمل ہونے پر دوسرے کو آگے بڑھائے، مثلاً ایک ۱۲ر رکعت دوسرا ۸ر رکعت پڑھائے "الأفضل ان یصلی التراویح بإمام واحد، فإن صلوها بإمامین فالمستحب أن یکون انصراف کل واحد علی کمال الترویحة" (۱)

تراویح کی اجرت اور خدامِ دین کی خدمت

تراویح کی اجرت سے متعلق اہلِ علم کی تین آرا ہیں (۱) مطلقاً جائز ہے (۲) مطلقاً ناجائز ہے (۲) (۳) مخلص (حیلے) کے ساتھ جائز ہے، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: اگر حافظِ قرآن کی طرف سے کچھ مطالبہ نہ ہو اور نہ ایسا ہو کہ حافظ صاحب اسی توقع پر گئے ہوں کہ اگر ان کو یہ اجرت نہ دی جاتی تو وہ قرآن نہ پڑھتے، یا ان کو ناگوارِ خاطر ہوتا، پھر لوگوں نے یہ رقم بطیب خاطر پیش کی ہو تو امید ہے کہ اس کے لینے میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا، ہمارے زمانے میں چوں کہ اس کا تعامل بہت زیادہ ہوگیا ہے، اور حفاظِ قرآن بھی اپنی معاشی حالت کے اعتبار سے تعاون کے مستحق ہوتے ہیں، اس لیے جواز کے لیے یہ حیلہ اختیار کیا جاسکتا ہے کہ تراویح کے ساتھ ان کو ایک دو وقت کی نماز کے لیے امام مقرر کردیا جائے اور تراویح میں جو کچھ دینا مقصود ہو اسے امامت کی تنخواہ کے بطور دے دیا جائے، مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی کفایت اللہ صاحب ؒ نے یہی لکھا ہے۔ (۳)

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/ ۱۱۶

(۲) حدیث میں فرمایا کہ وہ شخص قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ صرف ہڈی ہی ہڈی ہوگا، جس پر گوشت نہ ہوگا۔ "عن عبدالرحمن بن شبل قال: إني سمعت رسول اللہ ﷺ قال: اقرؤوا القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا عنه ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به"۔ (مسند أبو يعلى: ۳/ ۸۸، حديث: ۱۵۱۸، مجمع الزوائد: ۴/ ۱۷۰، حديث: ۶۴۴۵، نصب الراية: ۴/ ۱۳۵، حديث: ۶۸۱۸) اور مطلقاً جواز کے قائلین کی دلیل یہ ہے: "إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللَّهِ" (صحیح بخاری، کتاب الطب، ۵۴۲۹)

(۳) کفایت المفتی: ۳/ ۳۶۵، بہ حوالہ قاموس الفقہ: ۱/ ۴۹۷، حرف الاجارہ۔

علمائے دیوبند کا یہی فتوی ہے کہ تراویح کی اجرت جائز نہیں ہے؛ مگر پھر بھی کسی نہ کسی نام وحیلے سے تراویح کی اجرت دی اور لی جاتی ہے، یہاں اجرت کے جواز وعدم جواز سے بحث کرنا نہیں ہے، ہمیں مسئلے کے دوسرے پہلو کی طرف توجہ مبذول کروانا مقصود ہے کہ ”خدامِ دین کی خدمت عوام کے ذمے ہے“ جتنا تراویح کی اجرت کے حرام ہونے پر بولا جائے، اس سے زیادہ ان حفاظ وعلماء کی خدمتِ حلال پر بولا جائے تو ممکن ہے اس اجرتِ حرام سے چھٹکارا مل سکے، جتنا جہیز کی لعنت وحرمت پر بولا گیا اس سے کئی گنا کم بہن کی وراثت پر بولا گیا ہے، ایک پہلو کی طرف ذہن مبذول اس درجے ہونا کہ دوسرے پہلو سے کوتاہی ہوجائے، یہ خود ایک کوتاہی ہے، جس کی وجہ سے معاشرے سے جہیز کی رسم ختم نہیں ہورہی ہے اور بہنوں کی وراثت کا مسئلہ بہت کم عمل میں آرہا ہے، اسی طرح تراویح کی اجرت نہ لینے والے بہت کم اور لینے والے زیادہ ہیں؛ جب کہ مسئلہ اپنے اوراق میں سیاہی بن کر ہے، عوام حرام مال میں کسی اور شکل سے مبتلاء ہیں تو بعض خواص بھی حرام کی کسی نہ کسی شکل میں مبتلاء ہیں۔

اس لیے جب اجرتِ تراویح حرام ہے تو رمضان میں تراویح کے عنوان سے نہ دیا جائے؛ بلکہ ان حفاظ وعلماء کی خدمت کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھ کر کسی اور موقع سے کسی اور عنوان سے حسن سلوک کیا جائے، کسی نہ کسی عالم وحافظ سے خصوصی تعلق رکھا جائے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمالیں: اصولی مسئلہ ہے کہ جو کوئی کسی کی خدمت میں محبوس ہو اس کا نفقہ اس کے ذمے ہوتا ہے اور یہ قاعدہ تمام دنیا کے عقلاء کا معمول بہ ہے، حتی کہ سلاطین تک کے لیے بھی یہی قانون نافذ ہے، بادشاہ کو جو خزانے سے تنخواہ ملتی ہے وہ بھی محض اس لیے کہ وہ رعایا کے کام میں محبوس ہے؛ کیوں کہ بادشاہ وہ ہے جس کو ساری قوم حاکم مانتی ہے اور اس کو بیت المال کے خزانے سے تنخواہ ملتی ہے اور بادشاہ پر کیا موقوف ہے! سب کو قومی چندے ہی سے تنخواہ ملتی ہے، کلکٹر (کمشنر) کو بھی، ڈپٹی کلکٹر کو بھی، جج کو بھی، منصف کو بھی، بس یہ عقلی مسئلہ ہوا اور اسی قاعدے کو شریعت نے تسلیم کرلیا ہے، جیسے زوجہ کا نفقہ اس کے شوہر پر اس لیے ہوتا ہے کہ وہ اس کے پاس محبوس ہوتی ہے، اب بتلائیے کہ یہ علت علماء کے

استحقاقِ تنخواہ وغیرہ میں بھی مشترک ہے یا نہیں؟ کیوں کہ وہ بھی قوم کی دینی خدمت میں محبوس ہیں، اس لیے ان کا نفقہ بھی قوم کے ذمے ہے؛ کیوں کہ جب تک وہ معاش سے فارغ نہ ہوں دین کا کام نہیں کرسکتے، اگر ان کی خدمت نہ کی جائے گی تو وہ کھائیں کہاں سے؟ غرض علماء چوں کہ قوم کی دینی خدمت میں محبوس ہیں اس لیے ان کی تنخواہ یا نذرانہ قوم کے ذمے ہے، ایسا نہ ہوتو پڑھنے پڑھانے کا اور تبلیغ کا سلسلہ ہی ختم ہوجائے گا اور سارا دین درہم برہم ہوجائے گا۔

اس تقریر سے دونوں باتوں کا جواب نکل آیا، ایک یہ کہ مولوی تنخواہ وغیرہ کیوں لیتے ہیں؟ دوسری یہ کہ خیرات کے ٹکڑے کھاتے ہیں، سمجھ لو کہ اگر یہ لوگ خیرات کے ٹکڑے کھاتے ہیں تو بادشاہ، جج، کلکٹر سب ہی خیرات کھاتے ہیں، اگر یہی بات ہے تو کسی کو بھی تنخواہ نہ لینی چاہیے؛ کیوں کہ سب کو قوم ہی کے چندے سے تنخواہ ملتی ہے، سرکاری قانون ہے کہ جو شخص سرکاری ملازم ہو اس کو دوسرا کوئی کام تجارت وغیرہ کرنا ممنوع ہے، مثلاً کوئی شخص سرکاری ملازم ہے اور وہ ٹھیکہ لینے لگے تو سرکاری طور سے اس پر گرفت ہوگی، اس میں حکمت یہ ہے کہ ایک شخص دو طرف پورا متوجہ نہیں ہوسکتا، اگر سرکاری ملازم دوسرا کام کرے گا تو ضرور سرکاری کام میں خلل واقع ہوگا، اس لیے اجازت نہیں کہ بہ حالتِ ملازمت دوسرا کام کرے، اسی طرح جو لوگ مولویوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کی ترقی کیوں نہیں کرتے؟ مشین اور کارخانے کیوں نہیں چلاتے؟ تو وہ مثالِ مذکور کو پیشِ نظر رکھ کر خوب سمجھ لیں کہ جب یہ لوگ دنیا میں مشغول ہوں گے تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ یہی ہوگا کہ دین کا کام نہ کرسکیں گے۔(۱)

حضرت کی اس تحریر کا مقصد ہرگز ہرگز تراویح کی اجرت کے جواز پر استدلال نہیں ہے؛ بل کہ تراویح کے علاوہ کے موقع پر علماء کی خبر گیری از راہ خیر خواہی پر دلیل کے لیے ہے، تراویح میں مسجد کی کمیٹی حافظ صاحب کے نام پر چندہ وصول کرتی ہے اور اس میں مسجد کا خرچ، بجلی کا خرچ، صفائی کا خرچ، وغیرہ نکال کر طے شدہ رقم حافظ صاحب کے حوالے کرتی ہے

---

(۱) خیر المال للرجال، تحفۃ المدارس: ۲/۲۷۱، ۲۷۲)

جو سراسر ناجائز ہے، جب کہ یہ طے شدہ رقم ۱۵/۲۰ ہزار بہ مشکل ہوں گے (جوکہ مسئلے کی رو سے حرام ہیں) لیکن اگر قوم کا یہ جذبہ بنے کہ ہمیں اپنے علماء وحفاظ کی معاش کی سعادت حاصل کرنا چاہیے تاکہ یہ حضرات یکسو ہوکر خدمتِ دین میں لگ سکیں اور تراویح کو بنیاد بنائے بغیر رمضان یا غیر رمضان میں خدمت وتعاون کو اپنے ذمے لیں تو حلال طریقے سے فراغِ خاطر حاصل ہوسکتا ہے، اور حافظ صاحب کو جائز طریقے سے مذکورہ حرام رقم کے بہ مقابل دوگنی، تگنی رقم حاصل ہوسکتی ہے، اپنے اسلاف میں کئی ایسے گذرے ہیں جو اپنا مال علماء پر خرچ کرتے تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر خرچ کرتے تھے، حضرت ابولیث ابن سعدؒ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اس قدر تعاون فرماتے تھے کہ سال بھر کے کپڑے بنوا کر ہدیۃً روانہ کردیتے تھے، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اپنی زکات کا اکثر حصہ علماء پر خرچ کرتے تھے، ہارون رشید کا علماء کے ساتھ خصوصی اکرام کرنا مشہور ہے، دو دو سو علماء کو حج پر مع اہل خانہ کے پورے خرچ کے ساتھ روانہ کرتے تھے، حضرت شیخ الحدیثؒ کا مفکر اسلام حضرت علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کے لیے پیشگی تعاون کرنا معمولات میں سے ہے، امام ابوحنیفہؒ کا علماء کے ساتھ خصوصی برتاؤ نے درنایاب علماء کو جنم دیا ہے، دارالعلوم دیوبند کے ایک ولی صفت پیر مرد جن کا گذارا گھاس فروخت کرکے ہوتا تھا۔ اپنی محنت کی کمائی سے اساتذۂ دارالعلوم کی مستقل دعوت کرنا مشہور ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ غریب لوگوں کے مال میں خیر وبرکت، خلوص وللّٰہیت ہوتی ہے، قوم تعمیرِ مساجد کو تو خدمت ومصرفِ خیر سمجھتی ہے اور الحمدللہ خرچ بھی کرتی ہے، اسی طرح ائمۂ مساجد کی خدمت کو مصرفِ خیر سمجھنے کا شعور پیدا ہونا چاہیے، اس شعور کے فقدان کی وجہ سے شاندار مساجد کے ائمہ پریشان خاطر نظر آتے ہیں، جب تک خدامِ دین کی خدمت کو دین کی خدمت نہ سمجھا جائے گا اور خدمت کی عملی کوششیں نہ کی جائیں گی تو حکومت ائمۂ مساجد کو ایک ہزار، دو ہزار دینے کے اعلان سے مساجد کی روح ختم کرنے کا مکر کرتی رہے گی، اور مبتلاء ہونے والے ہوتے رہیں گے .... حفاظ کرام کی خدمت میں نہایت ادب سے گزارش ہے کہ تراویح کے موقع پر ہمت کرکے اجرت کا صاف انکار

کردیں، حرام کا جب دروازہ بند ہوگا تو اللہ تعالی ضرور حلال کے دسیوں دروازے کھولے گا، اوراپنے اسلاف کی شانِ بے نیازی کا عشرِ عشیر اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں، کسی صاحبِ دل کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر دل میں شانِ غنی پیدا کریں، سچی بات یہ ہے کہ تالی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے، حرام سے بچنے کی خود ہماری ذمے داری ہے اور خدمت کی سعادت کی فکر کسی اور کی ذمے داری ہے ہر ایک اپنی ذمے داری کا احساس پیدا کرلے تو حق مانگے بغیر حق ادا کردیا جائے گا۔

علمائے کرام اور حفاظِ عظام اور ائمۂ مساجد کے مستقل تعاون کا جذبہ قوم میں پیدا کیا جائے، خدامِ دین کے سلسلے میں انتظامیہ میں دو پہلو قابل توجہ ہیں (۱) بعض ذمے داران خدامِ دین کی خدمت وتعاون کرنا ہی نہیں چاہتے ہیں، اور محض بہانے سازی ہوتی رہتی ہے کہ آمدنی نہیں ہے، عوام کیا کہے گی، امام صاحب کو ضرورت کیا ہے وغیرہ، یا ذمے داروں کے سامنے خدام دین تعاون کی صحیح شکلیں نہیں آئی ہیں، ائمۂ مساجد کو بونس (محنتانہ انعام) دینے کا اہتمام کیا جائے، جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، ائمۂ مساجد کے گھر کا کرایہ دیا جائے جو تنخواہ ہی کا ایک حصہ ہے، ہنگامی موقعوں پر تعاون کیا جائے، مثلا امام صاحب کے گھر شادی ہے تو بطور تعاون رقم دی جاے، یا ضروری سامان کا انتظام کیا جائے، اولاد ہوئی ڈیلوری کے خرچ کا کچھ حصہ برداشت کیا جائے، بیماری کے موقع پر علاج کا وافر حصہ برداشت کیا جائے، یہ سب شکلیں ہر فرد اپنی بساط کے مطابق کرسکتا ہے، اس میں کسی کمیٹی وانتظامیہ کی ضرورت نہیں ہے، متدین اہلِ ثروت اپنی زکات کا حصہ مستحق علماء وحفاظ کے نظر ہدیہ کے نام سے کرسکتے ہیں، اوراس کے قبول کرنے میں کسی مستحق کو اعتراض بھی نہیں ہونا چاہیے، اہلِ مدارس واہلِ مساجد جس قدر مال تعمیرات پر ضائع کررہے ہیں شرعاً اس کا حکم جان لیا جائے، کیا مالِ وقف سے فی الوقت اس تعمیر کی ضرورت ہے؟ یا اس زائد زمین کی ضرورت ہے؟ تین نسلوں تک کے مستقبل کا سوچ کر پیسہ ضائع کرنا لایعنی ہے، اور جہاں خدام دین کو دینے کا جذبہ ہے وہاں ''انفق ینفق اللہ علیک'' کی مدد کھلی آنکھوں دیکھی جارہی ہے، اور جہاں

یہ رونا ہے کہ ”آمدنی نہیں ہے تو کہاں سے دیں؟ وہاں اللہ کی طرف سے آمدنی روک دی گئی ہے، رہی یہ بات کہ ائمہ کو دیں گے تو قوم کیا کہے گی؟ تو تعمیرات میں جس جرأت سے خرچ کر کے قوم کو جواب دیا جاتا ہے، اسی جرأت کا یہاں بھی اظہار ہونا چاہیے، مسجد کے اخراجات بورڈ پر دکھادیے جاتے ہیں، اسی میں امام صاحب کے ان اخراجات کو شامل کر کے لکھا جائے، تفصیلی رپورٹ مسجد کی انتظامیہ کے پاس رہے گی۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں” مسلمانوں کا معاشرہ اپنے دینی تحفظ کے لیے ایک ایسے طبقے کی صحیح طریقے پر کفالت نہیں کر سکتا جن کی تعداد بہ مشکل ایک فی ہزار ہوگی؟ اگر مسلمان اپنی دوسری ضروریات کی طرح دینی خدمت گزاروں کو بھی اپنے لیے ایک ضرورت باور کریں اور فراخ حوصلگی کے ساتھ ان کے تعاون کے لیے ہاتھ بڑھائیں اور خادمین دین کو کم سے کم معاشی اعتبار سے اس لائق بنائیں کہ وہ متوسط طریقے پر سماج میں اپنی زندگی بسر کرسکیں، تو یقیناً علمِ دین سے بے اعتنائی اور بے رغبتی کی یہ کیفیت باقی نہیں رہے گی، اور یہ کچھ مشکل نہیں ہے، بعض وہ قومیں جو باطل فکرونظر کی حامل ہیں اپنے مذہب اور مذہبی شخصیتوں کے لیے کل آمدنی کا دس فیصد وقف کی ہوئی ہیں، مسلمان اتنی بڑی قوم ہے کہ اگر وہ اپنی آمدنی میں دین کے خدمت گزاروں کے لیے ایک فیصد بل کہ نصف فی صد بھی حصہ مقرر کرلیں تو ان کے ائمہ، مؤذنین، علماء اور دینی کام کرنے والے بہتر حالات میں اپنی زندگی گزار سکتے ہیں، اور بعض اوقات غربت واحتیاج کی وجہ سے اس طبقے میں جو دنائت اور پستی کی بعض باتیں پیش آتی ہیں، ان کی نوبت بھی نہ آئے گی، کاش مسلمان اس پہلو سے غور کریں، کہ خادمینِ دین کے وقار کو بلند کرنا دراصل خود دین کے وقار کو بلند کرنا ہے۔“

نسیانِ قرآن کا گناہ

قرآنِ مجید کا حفظ کرنا بڑی سعادت ہے، اس سعادت کا حقیقی صلہ تو اللہ جل شانہ آخرت

میں عنایت فرمائیں گے اور دنیا میں اس صلے کی کچھ جھلکیاں عطا فرما دیتے ہیں۔

بقدر ما یجوز به الصلاۃ یعنی اتنا قرآنِ مجید یاد کرنا کہ جس سے نماز ادا ہو جائے (تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت) ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور پورا قرآنِ مجید حفظ کرنا فرضِ کفایہ ہے۔

حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فضائل قرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی بھی العیاذ باللہ حافظ نہ رہے تو تمام مسلمان گناہ گار ہوں گے، زرکشیؒ سے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ جس شہر یا گاؤں میں کوئی قرآن پاک پڑھنے والا نہ ہو تو سب گناہ گار ہیں۔(۱)

الحمدللہ آج تقریباً ہر گھر یا کم از کم ہر محلے میں حافظ قرآن موجود ہے، بعض گھروں میں متعدد حافظ موجود ہیں، بعض جگہ اتنے حفاظ ہو گئے کہ مسجدیں تراویح پڑھانے کے لیے کم پڑ رہی ہیں، محلے کے کئی گھروں میں قرآن مجید سنایا جا رہا ہوتا ہے۔

حفظِ قرآن کا یہ جذبہ قابل قدر ہے؛ مگر اس کا دوسرا پہلو نہایت ہی خطرناک ہے اور وہ ہے قرآن مجید کا حفظ کر کے بھلا دینا، علماء نے قرآن پاک کے بھلانے کو سورۃ طٰہٰ کی آیت "وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ۔(۲) کا مصداق قرار دیا ہے، قرآنِ مجید پر عمل میں کوتاہی کرنا من جملہ بھلانے ہی کے ہے؛ بل کہ اصل بھلانا یہی ہے۔(۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے، سو میں نے ان میں کوئی گناہ اس سے بڑھ کر نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن کی کوئی سورت یا آیت عطا کی گئی ہو، پھر اس نے اس کو بھلا دیا ہو۔" عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: عرضت على أجور أمتي حتى القذأة يخرجها الرجل من المسجد

---

(۱) فضائلِ قرآن: ۱۱۔

(۲) سورہ طٰہٰ: ۱۲۴

(۳) عنایات رحمانی: ۱/۱۸۹

وعرضت علی ذنوب أمتي فلم أر ذنباً أعظم من سورة من القرآن أو آية أوتيها رجل ثم نسيها"۔(۱)

ارشاد نبوی ﷺ ہے: کوئی شخص ایسا نہیں جو قرآن کو پڑھتا ہو پھر اس کو بھول جائے؛ مگر وہ قیامت کے دن کٹے ہاتھ سے اللہ سے ملاقات کرے گا۔"عن سعد بن عبادة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ" ما من امرئٍ يقرأ القرآن ثم ينساه إلا لقي الله عز وجل يوم القيامة أجذم"۔(۲)

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، جیسے اللہ جل شانہ ہمارے محتاج نہیں؛ بل کہ ہم ان کے محتاج ہیں اسی طرح اللہ کا کلام بھی ہمارا محتاج نہیں ہم اس کے محتاج ہیں، اگر خدانخواستہ ہم نے اسے چھوڑا تو یہ بھی ہمیں چھوڑ دے گا، آں حضرت ﷺ نے فرمایا: قرآن کی خبر گیری کرو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اونٹ اپنی رسی سے باندھا گیا ہے، اگر اس کی خبر گیری کرتا ہے تو وہ بندھا رہتا ہے، اگر اس کو چھوڑ دیتا ہے تو جاتا رہتا ہے۔"تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الإِبِلِ فِي عُقُلِهَا"(۳)

حدیث میں حافظِ قرآن کو اونٹ والے سے تشبیہ دینے میں حکمت یہ ہے کہ دوسرے جانوروں کے مقابلے میں اونٹ کی صفت یہ ہے کہ اونٹ چلتے وقت پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتا ہے، جدھر کو چلتا ہے چلتے ہی جاتا ہے، اگر رسی پکڑی نہ جائے تو ہاتھ سے چلے ہی جاتا ہے، اسی طرح قرآن کو اگر پکڑا نہ جائے تو سینے سے چلے جاتا ہے۔

حافظ کو حکم ہوگا: قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجوں پر چڑھتا جا۔" اقرأ وارتق ورتل کما کنت ترتل فی الدنیا"اس میں اشارہ ہے کہ آخرت میں تلاوت کا حکم اور

(۱) سنن أبی داود، الصلاة/ باب في كنس المسجد رقم:۴۶۱،سنن الترمذی/ أبواب فضائل القرآن رقم۲۹۱۶ :،فیض القدیر:۴/۴۰۰

(۲) سنن أبی داود،الصلاة/التشديد فيمن حفظ القرآن ثم نسيه رقم:۱۴۷۴

(۳) صحیح البخاری،حدیث:۵۰۳۳

ترقیٔ درجات اسی کا مقدر ہے جو دنیا میں تلاوت کا اہتمام کرتا ہوگا۔

قرآن مجید اگر بھول جائے تو یوں اس کو نہ بیان کیا جائے کہ "میں قرآن بھول گیا ہوں" بل کہ یوں کہا جائے کہ "میں بھلا دیا گیا ہوں" کیوں کہ قرآن کو بھولنا قرآن کی عظمت کے خلاف ہے؛ اس لیے اس کو یوں کہیے کہ میری کم نصیبی اور کوتاہی ہے کہ میں نے اس نعمت عظمیٰ کی قدر نہیں کی، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت برا ہے کسی شخص کا یہ کہنا کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا بل کہ یوں (کہنا چاہیے) کہ مجھے بھلا دیا گیا اور قرآن مجید کا پڑھنا جاری رکھو کیوں کہ انسانوں کے دلوں سے دور ہو جانے میں وہ اونٹ کے بھاگنے سے بھی بڑھ کر ہے "بِئْسَ مَا لِأَحَدِهِمْ أَنْ يَقُولَ نَسِيتُ آيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ نُسِّيَ وَاسْتَذْكِرُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنْ صُدُورِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ" (۱)

قرآن بھلانے کی سزا آخرت میں تو ہوگی ہی دنیا میں بھی اس کی سزا ملتی ہے، دنیا میں لوگوں کی نظر سے گر جاتا ہے؛ بل کہ اس کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے، گذرانِ زندگی مکدر اور تنگ ہو جاتی ہے، اور حنفیہ کے ہاں بھول جانے سے مراد یہ ہے کہ دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے جب کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے قرآن حفظ کیا پھر اسے بھول گیا کہ حفظ نہ پڑھ سکے یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پڑھنا چھوڑ دے خواہ بھولے یا نہ بھولے۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسحق فرمایا کرتے تھے کہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ استعداد والے کا بھولنا تو یہ ہے کہ یاد کیے ہوئے کو بغیر دیکھے نہ پڑھ سکے اور غیر استعداد والے کا بھولنا یہ ہے کہ دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے۔

بعض پر ایسی غفلت اور بے پروائی طاری ہو جاتی ہے کہ ایک شخص کو قرآنِ مجید کی کچھ سورتیں اور نماز یاد کرائی گئی، بعد میں اس نے نماز بھی چھوڑ دی اور قرآن بھی چھوڑ دیا، پھر

---

(۱) صحیح بخاری، حدیث: ۵۰۳۲

اُسے کبھی اس بات کا خیال تک نہ آیا کہ قرآن پڑھے، رفتہ رفتہ سب کچھ بھول گیا، یہاں تک کہ ”قُلْ هُوَ الله“ بھی یاد نہ رہا، واقعہ یہ ہے کہ آپ کو متعدد ایسے لوگ ملیں گے کہ اگر انھیں فی الواقع نماز پڑھنے کے لیے کھڑا کر دیا جائے تو بچارے گرفتارِ بلا ہو جاتے ہیں، نہ تو انھیں سورۂ فاتحہ یاد ہوتی ہے اور نہ سورۂ اخلاص، یہاں تک کہ انھیں یہ بھی یاد نہیں ہوتا کہ نماز کی ترتیب کیا ہوتی ہے اور اس میں کیا کچھ پڑھا جاتا ہے۔

حفظِ قرآن کا تقاضا یہ ہے کہ دورانِ تعلیم حفظ کو پختہ کیا جائے، حفظ کی تکمیل کے بعد کم از کم ایک سال یا چھ ماہ دور کیا جائے، پوری زندگی بلاناغہ اس کی تلاوت کی جائے، جو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس کی ناقدری نہ ہو، ورنہ صرف بچے کی محنت ہی رائیگاں نہیں جاتی؛ بل کہ والدین اور اساتذہ کی محنت بھی اکارت ہوتی ہے۔

شیخ عبد الحمید یوسف منصور تحریر فرماتے ہیں: جو قرآن کو ایک دن کے لیے چھوڑتا ہے قرآن اس کو ایک ہفتے کے لیے چھوڑتا ہے اور جو قرآن کو ایک ہفتے کے لیے چھوڑے تو قرآن اس کو ایک ماہ کے لیے چھوڑ دیتا ہے اور جو قرآن کو ایک ماہ کے لیے چھوڑے قرآن اس کو ایک سال کے لیے چھوڑ دیتا ہے اور جو قرآن کو ایک سال کے لیے چھوڑ دے تو قرآن اس کو زندگی بھر کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ ”من ترک القرآن یوما ترکه القرآن اسبوعا ومن ترکه اسبوعا ترکه شهرا ومن ترکه شهرا ترکه سنة ومن ترکه سنة ترکه الدهر کله“(۱)

نیز وہ لکھتے ہیں: قرآن، پابندی سے پڑھنے والے کے لیے کبوتر سے زیادہ ہلکا اور نہ پڑھنے اور چھوڑ دینے والے کے لیے پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری ہے۔ ”القرآن اخف من الحمامة واثقل من الجبل“(۲)

استاذ الحفاظ والقراء حضرت قاری رحیم بخش صاحب پانی پتیؒ لکھتے ہیں: قرآن مجید یاد

---

(۱) فتح المرید فی علم التجوید: ۵۲

(۲) فتح المرید فی علم التجوید: ۵۲

ہو جانے کے بعد اس کا یاد رکھنا فرض ہو جاتا ہے، روزانہ منزل پڑھنی چاہیے۔(۱)

آں حضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تاکید فرمائی قرآن کی خبر گیری کرو، کثرت سے تلاوت کرتے رہا کرو؛ حالانکہ ان کے حافظے بہت زیادہ قوی تھے اسکے باوجود بھی تاکید فرمائی ہمارے زمانے کے حافظے تو نہایت ہی کمزور ہیں، ہمیں ان سے زیادہ قرآن کو وقت دینا ضروری ہے۔

استاذ القراء قاری رحیم بخش پانی پتیؒ فرماتے ہیں: تہجد کی آٹھ رکعتوں میں تین پارے پڑھ لیا کریں کہ اس عمل سے ان شاء اللہ قرآن مجید خوب پختہ ہو جائے گا، نیز سورۂ بقرہ کی ابتدا سے ’’مفلحون‘‘ تک اور ’’آیۃ الکرسی‘‘ سے ’’خالدون‘‘ تک اور آخری رکوع سورۂ بقرہ کا روزانہ بعد از عشاء پڑھ لیا کریں کہ ان آیات کے پڑھنے والے کو قرآن مجید یاد رہتا ہے۔(۲)

قرآنِ کریم بھولنے سے مراد کتنا قرآن بھولنا ہے؟

قرآنِ کریم حفظ یاد کرنے کے بعد جو شخص غفلت اور لاابالی پن کی وجہ سے ناظرہ تک پڑھنا بھول جائے، ان احادیث کی وعید کا اولین مستحق ہے؛ تاہم جو شخص ناظرہ تو پڑھ سکتا ہو؛ لیکن حفظ بھول جائے، تو اس کی محرومی میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے؛ البتہ تجوید وغیرہ کے قواعد کا بھول جانا اس وعید میں داخل نہیں ہے۔ ’’والنسیان عندنا أن لایقدر بالنظر‘‘۔(۳) ’’إذا حفظ القرآن ثم نسیه فإنه یأثم، وتفسیر النسیان أن لایمكنه القراءة من المصحف‘‘۔(۴)

---

(۱) آداب تلاوت: ۴۰

(۲) آداب تلاوت: ۴۸

(۳) بذل المجهود ط: ملتان: ۱/۲۶۶

(۴) (ہندیۃ: ۵/۳۱۷)

لاؤڈ اسپیکر پر تراویح پڑھنا

۱۔قرآن کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ جب اس کی تلاوت کی جائے تو توجہ اور ادب و احترام کے جذبے سے سنا جائے؛لیکن جو لوگ مسجد سے باہر ہیں،وہ اپنی بہت ساری ضروریات میں مشغول رہتے ہیں اور قرآن کی عظمت کا خیال نہیں رکھ پاتے جو یقیناً نقصان دہ ہے۔

۲۔گھروں میں خواتین نماز وتلاوت وغیرہ کا اہتمام کرتی ہیں،انھیں اس سے خلل ہوگا اور خصوصاً نماز پڑھنے میں انھیں دشواری ہوگی۔

۳۔مسلمانوں کے محلے میں غیر مسلم بھی رہتے ہیں،جن پر نہ نماز فرض ہے نہ تلاوت سننا باعثِ ثواب ہے،بلکے بعض مرتبہ مصروفیت میں خلل کی وجہ سے بدظنی پیدا ہوجاتی ہے جو جھگڑے کا سبب بنتی ہے۔

۴۔قرآنِ کریم میں چودہ ایسی آیتیں ہیں،جب انھیں پڑھا جائے خواہ نماز میں پڑھا جائے یا خارج نماز میں تو سجدہ واجب ہوتا ہے،آیت سجدہ کی تلاوت کی جائے یا اس کو کسی سے سنا جائے،یہ پڑھنا اور سننا بلا قصد وارادہ ہی کیوں نہ ہو،سجدہ کرنا واجب ہے،جس کو سجدۂ تلاوت کہا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:جب ابن آدم آیت سجدہ تلاوت کرتا ہے اور پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا اس سے الگ ہوجاتا ہے، کہتا ہے:اس کی بربادی،(ابوکُریب کی روایت کے مطابق:میری بربادی) ابن آدم کو سجدے کا حکم دیا گیا اور اس نے سجدہ کیا چناں چہ اس کے لیے جنت ہے مجھے سجدے کا حکم دیا گیا اور میں نے سجدے سے انکار کردیا چناں چہ میرے لیے آگ ہے۔"اذا قَرَأَبْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ، اعْتَزَلَ الشَّيطَانُ يَبْكِيْ. يَقُوْلُ :يَا وَيْلَهُ (وَفِيْ رَوَايَةِ أَبِيْ كُرَيْبٍ:يَا وَيْلِيْ) أُمِرَ بْنُ آدَمَ بِالسَّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الجنَّةُ وَأُمِرْتُ

بِالسَّجُوْدِ، فَأَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ“

سجدۂ تلاوت قاری اور سامع دونوں پر واجب ہوتا ہے، شیخ الاسلام علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ آیات سجدہ تین حالتوں سے خالی نہیں :

(۱) یا ان میں سجدے کا امر ہے،

(۲) یا کفار کا سجدے سے انکار کرنے کا تذکرہ ہے،

(۳) یا انبیاء کے سجدے کا واقعہ ہے اور امر کی تعمیل بھی واجب ہے، کفار کی مخالفت بھی اور انبیاء کی اقتداء بھی۔(۱)

لیکن اکثر باہر کے لوگ عدم واقفیت کی وجہ سے سجدۂ تلاوت نہیں کرسکیں گے اور ترکِ واجب کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے، اور گناہ کا سبب بھی گناہ ہے؛ لہٰذا حافظ صاحب کا لاؤڈ اسپیکر پر تراویح پڑھنا کمیٹی کا حافظ کو مجبور کرنا سب گناہ میں داخل ہے، اس لیے مائک پر تراویح کا ترک واجب ہے، مسجد میں حاضر مصلیوں کے بقدر مائک کی آواز کا انتظام کرلیا جائے، کافی ہے۔

لاؤڈ اسپیکر کا تکلیف دہ استعمال

قرآن مجید کی تلاوت وسماعت بلاشبہ اجرِ عظیم کا باعث ہے؛ مگر اس کی تلاوت کے وقت بے توجہی اسی قدر باعث گناہ ہے، بعض مساجد میں تلاوت، بیان اور دینی وعظ کے ساتھ جو بے حرمتی ہوتی ہے اور ان امور دینیہ کو جس قدر ایذاء رسانی کا ذریعہ بنایا جاتا ہے، اس کا نقشہ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے قلم سے ملاحظہ فرمالیں:

یہ ظلم وایذاء رسانی ہے

ظلم صرف یہی نہیں ہے کہ کسی کا مال چھین لیا جائے، یا اسے جسمانی تکلیف پہنچانے

(۱) فتح القدير، باب سجدة التلاوة

کے لیے اس پر ہاتھ اٹھایا جائے، بل کہ عربی زبان میں ''ظلم'' کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ''کسی بھی چیز کو بے محل استعمال کرنا ظلم ہے'' چوں کہ کسی چیز کا بے محل استعمال یقیناً کسی نہ کسی کو تکلیف پہنچانے کا موجب ہوتا ہے، اس لیے ہر ایسا استعمال ''ظلم'' کی تعریف میں داخل ہے اور اگر اس سے کسی انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ شرعی اعتبار سے گناہِ کبیرہ بھی ہے؛ لیکن ہمارے معاشرے میں اس قسم کے بہت سے گناہِ کبیرہ اس طرح رواج پا گئے ہیں کہ اب عام طور سے ان کے گناہ ہونے کا احساس بھی باقی نہیں رہا۔

''ایذاء رسانی'' کی ان بے شمار صورتوں میں سے ایک انتہائی تکلیف دہ صورت لاؤڈ اسپیکر کا ظالمانہ استعمال ہے .... گانے بجانے کا معاملہ تو الگ رہا کہ اس کو بلند آواز سے پھیلانے میں دوہری برائی ہے، اگر کوئی خالص دینی اور مذہبی پروگرام ہو تو اس میں بھی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے زبردستی شریک کرنا شرعی اعتبار سے ہرگز جائز نہیں ہے؛ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے معاشرے میں سیاسی اور مذہبی پروگرام منعقد کرنے والے حضرات بھی شریعت کے اس اہم حکم کا بالکل خیال نہیں کرتے، سیاسی اور مذہبی جلسوں کے لاؤڈ اسپیکر بھی دور دور تک مار کرتے ہیں (آواز پہنچاتے ہیں) اور ان کی موجودگی میں کوئی شخص اپنے گھر میں نہ آرام سے سو سکتا ہے، نہ یکسوئی کے ساتھ اپنا کوئی کام کرسکتا ہے، لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اذان کی آواز دور تک پہنچانا تو برحق ہے؛ لیکن مسجدوں میں جو وعظ اور تقریریں یا ذکر وتلاوت لاؤڈ اسپیکر پر ہوتی ہیں، ان کی آواز دور دور تک پہنچانے کا کوئی جواز نہیں ہے، اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ مسجد میں بہت تھوڑے سے لوگ وعظ یا درس سننے کے لیے بیٹھے ہیں، جن کو آواز پہنچانے کے لیے لاؤڈ اسپیکر کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہوتی ہے، یا صرف اندرونی اسپیکر سے بآسانی کام چل سکتا ہے؛ لیکن بیرونی لاؤڈ اسپیکر پوری طاقت سے کھلا ہوا ہوتا ہے، اور اس کے نتیجے میں یہ آواز محلے کے گھر گھر میں اس طرح پہنچتی ہے کہ کوئی شخص اس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا۔

مذہب کے نام پر ظلم

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ ”مجھے یاد ہے کہ میں ایک مرتبہ لاہور گیا، جس مکان میں میرا قیام تھا اس کے تین طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے سے تین مسجدیں تھیں، جمعہ کا دن تھا، فجر کی نماز کے فوراً بعد سے تینوں مسجدوں کے لاؤڈ اسپیکر پوری قوت سے کھل گئے، اور پہلے درس شروع ہوا، پھر بچوں نے تلاوت شروع کردی، پھر نظمیں اور نعتیں پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا، یہاں تک کہ فجر کے وقت سے جمعہ تک یہ ”مذہبی پروگرام“ اس طرح بے تکان جاری رہا کہ گھر میں کسی کو کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی، خدا کا شکر ہے کہ اس گھر میں اس وقت کوئی بیمار نہیں تھا؛ لیکن میں سوچ رہا تھا کہ اگر خدانخواستہ کوئی شخص بیمار ہو تو اس کو سکون کے ساتھ لٹانے کا اس ماحول میں کوئی راستہ نہیں“۔

بعض مسجدوں کے بارے میں یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ وہاں خالی مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر ٹیپ چلا دیا جاتا ہے، مسجد میں سننے والا کوئی نہیں ہوتا؛ لیکن پورے محلے کو یہ ٹیپ زبردستی سننا پڑتا ہے۔

دین فہمی یا غلط فہمی؟

دین کی صحیح فہم رکھنے والے اہل علم خواہ کسی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں، کبھی یہ کام نہیں کرسکتے؛ لیکن ایسا ان مسجدوں میں ہوتا ہے جہاں کا انتظام علمِ دین سے ناواقف حضرات کے ہاتھ میں ہے، بسا اوقات یہ حضرات پوری نیک نیتی سے یہ کام کرتے ہیں، وہ اسے دین کی تبلیغ کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں اور اسے دین کی خدمت قرار دیتے ہیں؛ لیکن ہمارے معاشرے میں یہ اصول بھی بہت غلط مشہور ہوگیا ہے کہ نیت کی اچھائی سے کوئی غلط کام بھی جائز اور صحیح ہوجاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ کسی کام کے درست ہونے کے لیے صرف نیک نیتی ہی کافی نہیں، اس کا طریقہ بھی درست ہونا ضروری ہے اور لاؤڈ اسپیکر کا ایسا ظالمانہ استعمال نہ

صرف یہ کہ دعوت وتبلیغ کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے؛ بل کہ اس کے الٹے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

چند نکات پیشِ خدمت

جن حضرات کو اس سلسلے میں کوئی غلط فہمی ہو، ان کی خدمت میں دردمندی اور دل سوزی کے ساتھ چند نکات ذیل میں پیش کرتا ہوں:

(۱) مشہور محدث حضرت عمر بن شبہؒ رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ کی تاریخ پر چار جلدوں میں بڑی مفصل کتاب لکھی ہے، جس کا حوالہ بڑے بڑے علماء ومحدثین ہمیشہ دیتے رہے ہیں، اس کتاب میں انھوں نے ایک واقعہ اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک واعظ صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے بالکل سامنے بہت بلند آواز سے وعظ کہا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ وہ زمانہ لاؤڈ اسپیکر کا نہیں تھا؛ لیکن ان کی آواز بہت بلند تھی، اور اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یکسوئی میں فرق آتا تھا، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا، اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ یہ صاحب بلند آواز سے میرے گھر کے سامنے وعظ کہتے رہتے ہیں، جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے اور مجھے کسی کی آواز سنائی نہیں دیتی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان صاحب کو پیغام بھیج کر انھیں وہاں وعظ کہنے سے منع کیا؛ لیکن کچھ عرصے کے بعد واعظ صاحب نے دوبارہ وہی سلسلہ پھر شروع کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے خود جا کر ان کو پکڑا اور ان پر تعزیری سزا جاری کی۔(۱)

(۲) بات صرف یہ نہیں تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی تکلیف کا ازالہ کرنا چاہتی تھیں، بل کہ دراصل وہ اسلامی معاشرت کے اس اصول کو واضح اور نافذ کرنا چاہتی تھیں کہ کسی کو کسی سے کوئی تکلیف نہ پہنچے، نیز یہ بتانا چاہتی تھیں کہ دین کی دعوت وتبلیغ کا باوقار طریقہ کیا ہے؟ چنانچہ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

---

(۱) اخبار المدینہ لعمر بن شبہؒ: ۱/۱۵

نے مدینہ منورہ کے ایک واعظ کو وعظ وتبلیغ کے آداب تفصیل کے ساتھ بتائے، اوران آداب میں یہ بھی فرمایا کہ:

''اپنی آواز کو ان ہی لوگوں کی حد تک محدود رکھو جو تمھاری مجلس میں بیٹھے ہیں، اور انھیں بھی اسی وقت تک دین کی باتیں سناؤ جب تک ان کے چہرے تمہاری طرف متوجہ ہوں، جب وہ چہرے پھیرلیں تو تم بھی رک جاؤ، اور ایسا کبھی نہ ہونا چاہیے کہ لوگ آپس میں باتیں کر رہے ہوں، اور تم ان کی بات کاٹ کر اپنی بات شروع کردو؛ بل کہ ایسے موقع پر خاموش رہو، پھر جب وہ تم سے فرمائش کریں تو انھیں دین کی بات سناؤ''۔(۱)

(۳) حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ بڑے اونچے درجے کے تابعین میں سے ہیں، علمِ تفسیر وحدیث میں ان کا مقام مسلّم ہے، ان کا مقولہ ہے کہ: ''عالم کو چاہیے کہ اس کی آواز اس کی اپنی مجلس سے آگے نہ بڑھے۔''(۲)

(۴) یہ سارے آداب درحقیقت خود حضور سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول وفعل سے تعلیم فرمائے ہیں، مشہور واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پاس سے گذرے، وہ تہجد کی نماز میں بلند آواز سے تلاوت کر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم بلند آواز سے کیوں تلاوت کرتے ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''میں سوتے کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی آواز کو تھوڑا پست کرو۔''(۳)

اس کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو اپنے بستر سے آہستگی کے ساتھ اٹھتے تھے۔(تاکہ سونے والوں کی نیند خراب نہ ہو)

---

(۱) مجمع الزوائد: ۱/۱۹۱
(۲) ادب الاملاء والاستملاء للسمعانی: ۵
(۳) مشکاۃ المصابیح: ۱/۱۰۷

(۵) ان ہی احادیث وآثار کی روشنی میں تمام فقہائے امت اس بات پر متفق ہیں کہ تہجد کی نماز میں اتنی بلند آواز سے تلاوت کرنا جس سے کسی کی نیند خراب ہو، ہرگز جائز نہیں، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر کی چھت پر بلند آواز سے تلاوت کرے جب کہ لوگ سو رہے ہوں تو تلاوت کرنے والا گناہ گار ہے۔(۱)

ایک استفتاء کا متفقہ جواب

ایک مرتبہ ایک صاحب نے یہ سوال ایک استفتاء کی صورت میں مرتب کیا تھا کہ بعض مساجد میں تراویح کی قرأت لاؤڈ اسپیکر پر اتنی بلند آواز سے کی جاتی ہے کہ اس سے محلے کی خواتین کے لیے گھروں میں نماز پڑھنا مشکل ہوجاتا ہے، نیز جن مریض اور کمزور لوگوں کو علاجاً جلدی سونا ضروری ہو وہ سو نہیں سکتے، اس کے علاوہ باہر کے لوگ قرآنِ کریم کی تلاوت ادب سے سننے پر قادر نہیں ہوتے اور بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تلاوت کے دوران کوئی سجدے کی آیت آجاتی ہے، سننے والوں پر سجدہ واجب ہوجاتا ہے، پھر یا تو ان کو پتہ ہی نہیں چلتا، یا وہ وضو سے نہیں ہوتے، اس لیے سجدہ نہیں کرسکتے، اور بعد میں بھول ہوجاتی ہے، کیا ان حالات میں تراویح کے دوران بیرونی لاؤڈ اسپیکر کھولنا شرعاً جائز ہے؟

یہ سوال مختلف علماء کے پاس بھیجا گیا، اور سب نے متفقہ یہی جواب دیا کہ ان حالات میں تراویح کی تلاوت میں بیرونی لاؤڈ اسپیکر بلا ضرورت زور سے کھولنا شرعاً جائز نہیں ہے، یہ فتویٰ ماہنامہ ''البلاغ''، محرم ۱۴۰۷ھ کی اشاعت میں شائع ہوا ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے، اس پر تمام مکاتبِ فکر کے علماء متفق ہیں۔

اب رمضان کا مقدس مہینہ شروع ہونے والا ہے، یہ مہینہ ہم سے شرعی احکام کی سختی کے ساتھ پابندی کا مطالبہ کرتا ہے، یہ عبادتوں کا مہینہ ہے، اور اس میں نماز، تلاوت اور ذکر جتنا بھی ہوسکے باعثِ فضیلت ہے؛ لیکن ہمیں چاہیے کہ یہ ساری عبادتیں اس طرح انجام دیں کہ ان

---

(۱) خلاصۃ الفتاوی: ۱/ ۱۰۳، فتاوی شامی: ۱/ ۴۰۳،

سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، اور ناجائز طریقوں کی بدولت ان عبادتوں کا ثواب ضائع نہ ہو، لاؤڈ اسپیکر کا استعمال صرف بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت کیا جائے، اس سے آگے نہیں۔

مذکورہ بالا گزارشات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شریعت نے دوسروں کو تکلیف سے بچانے کا کتنا اہتمام کیا ہے؟ جب قرآن کریم کی تلاوت اور وعظ ونصیحت جیسے مقدس کاموں کے بارے میں بھی شریعت کی ہدایت یہ ہے کہ ان کی آواز ضرورت کے مقامات سے آگے نہیں بڑھنی چاہیے تو گانے بجانے اور دوسری لغویات کے بارے میں خود اندازہ کرلیجیے کہ ان کو لاؤڈ اسپیکر پر انجام دینے کا کس قدر دوہرا وبال ہے؟(۱)

حضرت والا کی اس تحریر سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ مسلمان اپنی نادانی سے بعض تکلیف دہ کاموں کو دین سمجھ کر بڑے زور وشور سے انجام دیتا ہے جب کہ وہ حرام ہوتے ہیں، اندازہ کریں کہ ہم لوگ رمضان میں سحری کے موقع پر قوالی، بیانات، تراویح، نعت خوانی سب لاؤڈ اسپیکر سے بلند آواز میں لگا کر کس قدر ایذاءرسانی میں مبتلا ہیں۔ اللھم احفظنا منہ۔

لاؤڈ اِسپیکر پر قرآن کی تفسیر کرنا

رمضان میں مسجد میں قرآنِ کریم کی تفسیر یا کسی بھی بیان میں اوپر والے لاؤڈ اسپیکر بھی کھول دیئے جاتے ہیں، تاکہ آواز پورے محلے میں پہنچے اور گھر والوں اور دوکانوں پر موجود حضرات بھی تفسیر کو سن لیں، سارے محلے والوں کو سنانے کے لیے لاؤڈ اسپیکر کھول دینا اس میں اگرچہ عام لوگوں کا فائدہ ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے لوگوں کے شوق میں کمی آسکتی ہے، اور ہوسکتا ہے کہ بعض اوقات تفسیر بیان کی جارہی ہو اور لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں، اور تفسیر کی طرف توجہ نہ دیں، اس لیے حکم یہی ہے کہ اوپر والا لاؤڈ اسپیکر نہ کھولا جائے، ہاں البتہ اگر کبھی کبھی لوگ تفسیر سننے کے لیے جمع ہوں اور تمام لوگوں تک آواز نہ پہنچنے کی وجہ سے لاؤڈ اسپیکر کھول دیا جائے، تو شرعاً اس کی اجازت ہے۔ ”يجب على القاري احترامه

(۱) ذکر وفکر: ۲۴

بأن لایقرأ في الأسواق ومواضع الاشتغال،فإذا قرأه كان هو المضيع لحرمته، فيكون الإثم عليه دون أهل الاشتغال، دفعاًللحرج“۔(۱)

فنکشن ہال میں نمازِ تراویح

تراویح کی نماز میں جماعت سنت کفایہ ہے اور جس نماز میں جماعت ہو وہ نماز مسجد میں پڑھنا افضل ہے، اگر گھر میں جماعت کرلی جائے تو سنت اداء ہوگی؛ مگر افضلیت فوت ہوجائے گی ”وإن صلاها بجماعة فی بیته فالصحیح أنه إحدی الفضیلتین فإن الأداء في المسجد له فضیلة لیس للأداء فی البیت ذلک“(۲)

اسی طرح فنکشن ہال میں تراویح پڑھنے سے جماعت کا ثواب مل جائے گا؛مگر مسجد کا ثواب نہیں ملے گا،اور اگر گھر یا فنکشن ہال میں تراویح پڑھنے سے مسجد میں تراویح کی جماعت ختم ہوجاتی ہو یاقلتِ جماعت کا سبب بنتی ہو جس سے جماعت تراویح کی اہمیت ختم ہونے کا احتمال ہوتا ہو تو گھر اور فنکشن ہال میں تراویح پڑھنے والے تمام حضرات کو مسجد کی سنت ترک کرنے کا گناہ ہوگا۔”والصحیح ان اداها بالجماعه فی المسجد افضل“(۳)

گرمی کی وجہ سے تراویح کی جماعت مسجد کی چھت پر کرنا

تراویح کی نماز فرض نہیں یا واجب نہیں ہے؛ بلکہ سنت ہے؛اس لیے فرض نماز اصل مسجد میں ادا ہوجانے کے بعد گرمی کی وجہ سے تراویح کی نماز چھت کے پر جاکر ادا کریں تو بلا کراہت جائز ہے۔(۴)

---

(۱) فتاویٰ محمودیہ، ط: میرٹھ: ۳۹۲/۲۲

(۲) فتاوی تاتارخانیة: ۳۲۰/۲

(۳) فتاوی تاتارخانیة: ۳۲۰/۲

(۴) مستفاد : کفایت المفتی، جدید، ط: زکریا: ۱۴۶/۳۔

تراویح میں قرآن پڑھنے کی مقدار

جب تراویح میں ایک قرآن ختم کرنا سنت ہے تو اس کے لیے فقہاء نے ہر رکعت میں کم وبیش دس آیات پڑھنے کو سنت قرار دیا ہے، اور اس مقدار سے زیادہ پڑھنا امام اور مقتدی دونوں کی بشاشت پر موقوف ہے، اتنی مقدار پڑھنا کہ سننے والوں پر بوجھ ہوجائے مناسب نہیں ہے، شرعاً لمبی قراءت کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اتنی مقدار پڑھیں کہ زیادہ تعداد میں لوگ تراویح پڑھنے میں دلچسپی سے شریک ہوں، اور یہ بات قراءت کو معتدل مقدار میں پڑھنے سے حاصل ہوگی، زیادہ مقدار میں پڑھنے سے لوگ شروع نماز سے امام کے ساتھ شریک ہونے کے بجائے بیٹھے رہتے ہیں اور جب امام رکوع میں جاتا ہے تو کونوں سے بھاگے بھاگے شریک ہوتے ہیں، جس سے قرآن کی بے حرمتی کے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں، مزید براں تراویح میں قرآن سننے کی سنت بھی جاتی رہتی ہے؛ اس لیے اتنی مقدار نہ پڑھے کہ لوگ تراویح سے بھاگنے لگیں۔ ”وسن ختم القرآن فيها أي التراويح مرة في الشهر على الصحيح وهو قول الأكثر، رواه الحسن عن ابي حنيفة علیہ الرحمۃ يقراء في كل ركعة عشر آيات أو نحوها............لأن تكثير القوم أفضل من تطويل القراءة وبه يفتى“(۱)

تراویح اور ہمارا معاشرہ

تراویح میں مقدارِ مسنون کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے تراویح کا جو حال ہو رہا ہے حضرت مفتی سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

آج چاند رات ہے، ماہِ مبارک کے اعزاز میں شہروں اور دیہاتوں کی فضا گولوں اور سائرنوں کی آوازوں سے معمور ہے، بچوں کے شور وشغب سے کانوں پڑی آواز سنائی نہیں

(۱) مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ۲۲۶، فتاوی ہندیہ: ۱/ ۱۱۸

دے رہی ہے، مسجدوں، مکانوں اور کارخانوں میں تراویح کی تیاریاں زور وشور سے جاری ہیں کہیں اطمینان سے ایک ایک پارہ پڑھا جائے گا، بہت سی جگہوں پر تین تین پاروں کی گردان ہوگی اور کسی کسی جگہ صرف ایک ڈیڑھ گھنٹے میں پانچ پانچ پارے پڑھنے کا باقاعدہ اعلان کیا جائے گا، یہاں الفاظ کی سرعت دیکھ کر آبشاروں کی روانی بھی شرمائے گی اور رکوع وسجدے کے آداب کی برسرِ عام پامالی شیطان کو بھی شاباشی دینے پر مجبور کردے گی، ان جگہوں پر سینکڑوں نہیں ہزاروں کا مجمع ہوگا، ایسی مساجد ومقامات پر تل رکھنے کی جگہ نہ ملے گی، حتی کہ لاؤڈ اسپیکر بھی اپنے سامعین تک آواز پہنچانے میں ناکام نظر آئیں گے، اس عظیم مجمع کا مقصد عبادت کم، تماشہ اور نام ونمود زیادہ ہوگا اور ہر ایک یہ چاہے گا کہ جلد از جلد تراویح کسی طرح اپنی جان چھڑا کر چائے اور کھانے کے ہوٹلوں کی راہ لے لے اور میوزک کے ساتھ بجنے والی نظموں اور قوالیوں کے درمیان خوش گپیاں کرتے ہوئے رات گزار دے۔

کسی کو اس ''تیز گام'' تراویح کو دیکھ کر یہ احساس تک نہ ہوگا کہ اس نے اپنے سب سے بڑے محسن ''قرآنِ کریم'' کی توہین میں کہاں تک حصہ لیا ہے؟ اور کتاب اللہ کے دل کو کس قدر ٹھیس پہنچائی ہے؟ دوسروں کو چھوڑیے خود حافظ بھی اپنی تیزی پر فخر کرتا دکھائی دے گا اور اس کے دل پر قطعاً یہ بات نہ گزرے گی کہ اس نے الفاظِ قرآن کا گلا گھونٹ کر کتنی بڑی زیادتی کی ہے، اور قرآن کو اپنے سے ناراض کر کے کتنی بڑی محرومی مول لی ہے؟

قرآنِ کریم کو زیادہ سے زیادہ پڑھنا، سننا اور سنانا یقیناً باعثِ اجر عظیم ہے؛ لیکن یہ اسی وقت ہے جب کہ اس کا حق ادا کر کے پڑھا جائے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نصیحت فرماتے ہیں ''اس قرآن کریم کو شعر کی طرح جلدی جلدی نہ پڑھو اور سوکھی کھجوروں کی طرح اسے مت گراؤ؛ بلکہ اس کے عجائب پر توقف کرو اور اس سے دلوں کو جھنجھوڑو اور تم میں سے کسی کا یہ ارادہ نہ ہو کہ (بہر حال) سورت ختم کرنی ہی ہے۔ (۱)

(۱) زاد المعاد: ۱/ ۳۴۰

موجودہ زمانے کے ''سپر فاسٹ'' حفاظ کو خدا سے ڈرنا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ وہ اپنی عظیم نعمت کو کس طرح پامال کر رہے ہیں؟ کاش ہمیں قرآن کی عظمت کا احساس ہوتا، کاش ہمارے دلوں میں بہتر قرآن سننے اور سنانے کی خواہش انگڑائیاں لیتی اور ہم قرآن کا واقعی حق ادا کرنے والے بن جاتے۔(۱)

مستقل امام کی موجودگی میں تراویح کے لیے حافظ مقرر کرنا؟

اگر مسجد کی انتظامی کمیٹی نے امام کو مقرر کرتے وقت ہی صراحت کی تھی کہ تراویح میں قرآن پاک سنانے کا امام طے کرنے کا اختیار کمیٹی کو ہوگا، تو ایسی صورت میں کمیٹی اپنی مرضی سے حافظ مقرر کر سکتی ہے، اور اس پر امام کو اعتراض کا حق نہیں ہے؛ لیکن اگر امام کے تقرر کے وقت ایسی کوئی صراحت نہیں کی تھی؛ بل کہ امام کو مطلقاً امامت کے لیے رکھا گیا، تو ایسی صورت میں تراویح کا حق بھی اسی امام کو ہوگا، اور اس کی مرضی کے بغیر انتظامیہ کا اپنے طور پر امام تراویح مقرر کرنا درست نہیں ہے۔''وفي الحديث النبوي:المسلمون على شروطهم، إلا شرطاً حرم حلالاً، أو أحل حراماً''۔(۲)''إمام المسجد الراتب أولى بالإمامة من غيره مطلقاً، وفي الشامي :وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأمنه''۔(۳)

امام مستقل کو رمضان میں زائد تنخواہ دینا

جو امام مستقل ہو اور وہ یہ شرط لگائے کہ میں رمضان میں تنخواہ زائد لوں گا، اور وہ اضافہ بھی متعین ہو یا یہ کہے کہ سال بھر ہر مہینہ میری تنخواہ میں اتنا اضافہ کر دیا جائے اور مسجد کی منتظمہ

---

(۱) تحفۂ رمضان: ۱۴۸

۲) سنن الترمذی: ۱/ ۲۵۱

(۳) شامی ۲/ ۲۹۷ ط: زکریا، کتاب النوازل: ۵/ ۴۶

کمیٹی اسے قبول کرلے اوراس اضافے میں ختم قرآن کی کوئی شرط نہ ہوتو یہ معاملہ شرعاً درست ہے،ایسی صورت میں وہ امام خود قرآن سنائے یادوسرا کوئی حافظ قرآن پڑھے بہرحال امام اضافے کا مستحق ہوگا،اوراگر منتظمہ کمیٹی نے ختم قرآن کی شرط کے ساتھ اضافہ منظور کیا ہےتو اس معاوضہ کا لین دین بہرحال ناجائز ہوگا،ختم قرآن کے عوض کچھ لیتا ہےتو جائز نہیں،البتہ اگر اسے رمضان میں کوئی رقم اس کی امامت کے عوض دی جاتی ہے خواہ وہ تراویح میں ختم قرآن کرے یا نہ کرے تو اس رقم کو لینے کی گنجائش ہے، یہی حکم مؤذن کا بھی ہے، اور بہر صورت یہ لین دین ختم کے دن نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ اس سے ختم قرآن پر لین دین کا ایہام ہوتا ہے۔ ”ویفتی الیوم بصحتها أي الإجارة لتعلیم القرآن والفقه والإمامة والأذان“۔(۱)

منچلوں کی تراویح

بہت سے منچلے جوتراویح میں شرکت کرتے ہیں، وہ تراویح کی پہلی رکعت میں قرأت کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں، جس وقت امام پہلی رکعت کے رکوع کے لیے تکبیر کہتا ہےتو جھٹ سے اس میں شرکت کرلیتے ہیں ؛ حالاں کہ نماز میں اس طرح کی سستی اور کاہلی کا اظہار یہ مسلمان کا شیوہ نہیں ہوسکتا، یہ تو منافقین کا شعار ہے، جس کے تعلق سے ارشاد خداوندی ہے : جب یہ لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ”وإذا قاموا إلی الصلاة قاموا کسالی“(۲)

حنفی حافظ کا اہلِ حدیث کی مسجد میں ۸ر رکعت تراویح پڑھانا

جمہور علماء وفقہاء کے نزدیک تراویح کی ۲۰ر رکعتیں پڑھنا مسنون ہے اورائمۂ متبوعین

---

(۱) درمختار مع الشامی ۹/ ۸۶ ۷ط: زکریا، فتاوی محمودیہ: ۷/ ۱۷۰، کتاب النوازل: ۵/ ۱۳۴

(۲) فتاوی شامی، ط : زکریا: ۲/ ۴۴۹

میں سے کوئی بھی صرف ۸؍رکعت ہی کی سنیت کا قائل نہیں ہے، اگرکسی حنفی حافظ کو تراویح کے لیے کوئی مسجد نہ ملے اور اہل حدیث کی مسجد میں ذمہ داری طے ہوجائے تو صرف ۸؍ رکعت پڑھا کر اپنی تراویح ۲۰؍رکعت پوری کرلیں، بہتر ہے کہ دوایک ساتھیوں کو لے کر مسجد کے علاوہ کہیں اور جگہ پوری ۲۰؍ رکعت تراویح جماعت کے ساتھ پڑھائیں۔ ”وهي عشرون ركعة وهو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقا وغربا“۔ (۱)

عشرے کا حکم

تراویح کو لوگوں نے بجائے عبادت کے ایک رسم بنا کر رکھ دیا ہے، دیکھتے پھرتے ہیں کہ کس مسجد میں کتنا جلد قرآن ختم ہورہا ہے، حیرت ہوتی ہے کیا نوجوان، کیا بوڑھے اکثر مسلمان پانچ روزہ، دس روزہ، پندرہ روزہ تراویح میں قرآن پاک سن کر چھٹی کردیتے ہیں؛ حالاں کہ تراویح میں صرف قرآن کا سن لینا کافی نہیں ہے، جہاں تراویح میں ایک مکمل قرآن کا سننا ایک علاحدہ سنت ہے، وہیں رمضان کے تیس دن کی تراویح بھی ایک مستقل سنت ہے، فتاوی ہندیہ میں ہے: اگر انیس یا بیس کو ختمِ قرآن ہوجائے تو بقیہ مہینے کی تراویح نہیں چھوڑی جائے گی؛ اس لئے کہ پورے ماہ کی تراویح سنت ہے۔(۲)

نیز تین پارے، پانچ پارے، یا چھ پارے پڑھنا شرکائے نماز کے نشاط پر موقوف ہے، اگر لوگ نشاط وتوجہ کے ساتھ اتنے پارے پڑھ اور سن سکتے ہوں تو تراویح میں قرآن کی اس مقدار کا پڑھنا درست ہے، اگر قرآن کی زیادہ مقدار کی وجہ سے لوگوں میں بے توجہی اور سستی پیدا ہوجائے تو ایسے لوگوں کو کم مقدار والی تراویح میں شرکت کرنی چاہیے؛ کیوں کہ قرآن کے احترام کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے کم قرآن مجید سننا بے حرمتی اور بے رغبتی کے

---

(۱) تنویر الأبصار مع الدر المختار/ باب الوتر والنوافل: ۲/۴۵، ط: کراچی، ۲/۴۹۵، ط: زکریا، کتاب النوازل: ۵/۳۸

(۲) فتاوی ہندیہ: ۱/۱۱۸

ساتھ زیادہ قرآن مجید پڑھنے اور سننے کے مقابلے میں بہتر ہے، جولوگ عشرہ سننے اور سنانے کے عادی ہیں وہ تین طرح کے ہیں:

[ا]وہ جو عشرہ مکمل ہونے کے بعد دوسری مسجد میں جہاں تراویح میں قرآن کا سلسلہ باقی ہے، جا کر بقیہ رمضان دونوں سنتوں پر عمل کر لیتے ہیں جو کسی فضیلت سے محروم نہیں ہیں۔

[۲]وہ جو ایسی مسجد میں تراویح کے لیے چلے جاتے ہیں جہاں ’’الم تر‘‘ پڑھا جاتا ہے، یہ لوگ قرآن سننے کی سنت سے محروم ہو گئے۔

[۳]وہ جو عشرہ مکمل ہونے کے بعد بالکل ہی تراویح چھوڑ دیتے ہیں، ایسے لوگ دونوں سنتوں سے محروم ہیں، ان کا عشرہ سننے کے بجائے پورے رمضان سوا پارہ سن لینا ہی افضل ہے تا کہ سنت مؤکدہ کے ترک کا گناہ لازم نہ آئے۔(۱)

شبینہ کا حکم

شبینہ میں از روئے شرع کئی مفاسد پائے جاتے ہیں، مثلاً اگر شبینہ تراویح کے بعد ہو تو نفل جماعت کے لیے بالتداعی مجمع کثیر ہوگا، اور اگر تراویح میں یہ عمل ہو تو تخفیفِ صلاۃ کا حکم فوت ہوگا، تلاوت کی ترتیل وتجوید فوت ہوگی، اکثر فخر ونمود کا قصد ہوتا ہے، عوض مالی کی امید ہوتی ہے، سامعین سے استماع قرآن کے آداب فوت ہو جاتے ہیں، جب کہ امرِ مندوب بھی مفاسد پر مشتمل ہو تو اس کا ترک بعض مرتبہ واجب ہو جاتا ہے، اور ظاہر حدیث میں تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کرنے سے منع کیا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے تین دن سے کم میں قرآن ختم کیا اس نے قرآن کو سمجھا ہی نہیں ’’لم یفقه من قرء القرآن فی أقل من ثلث‘‘(۲)

(ب) لیکن چونکہ اسلاف میں بعض سے ایک رات میں ایک نہیں بل کہ تین تین

---

(۱) ملخص از: ایضاح المسائل: ۲۴، کتاب الفتاوی: ۲/ ۴۱۲

(۲) سنن ترمذی، حدیث: ۲۹۴۶، سنن ابن ماجہ، حدیث: ۱۳۴۷، اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

قرآن مجید ختم کرنا ثابت ہے؛اسلئے حدیث کو مطلقاً منع پر محمول نہیں کیا جائے گا؛بلکہ اقرب الی التحقیق یہ ہے شبینہ میں صاف صاف پڑھا جائے،حفاظ وقراء ریا سے محفوظ ہوں ، اور جماعت کسل مند نہ ہو،ضرورت سے زیادہ روشنی نہ کی گئی ہو،محض حصولِ ثواب مقصود ہو،جلد تلاوت سے تفقہ فوت نہ ہوتا ہوتو جائز ہے،اور اگر اتنا تیز پڑھا جائے کہ کسی کو سمجھ میں نہ آے، زبر زیر کی بھی خبر نہ ہوتی ہو،فقط ریا کاری ہو،لوگ شبینہ کے بہانے تکلیف کا باعث بنے گھوم رہے ہوں،ضرورت سے زیادہ روشنی کی گئی ہو،اور تراویح کے بعد نوافل میں شبینہ کیا جارہا ہوتو بلا شبہ یہ شبینہ کراہت سے خالی نہیں ہے،روایت اور عملِ اسلاف میں تطبیق کی یہ بہتر صورت ہے۔(۱)

لیکن آج کل کا شبینہ ان تمام مفاسد پر مشتمل ہوتا ہے،جن سے خالی ہونے کو فقہاء نے ضروری قرار دیا ہے؛عموماً ایسے شبینہ کے اہتمام میں ریاء ونمود کا مظاہرہ ہوا کرتا ہے،اس میں کچھ حضرات امام کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں؛ورنہ اکثر وبیشتر لوگ سیر سپاٹے،تفریح، گفتگو،کھانے پکانے کے انتظامات میں لگے رہتے ہیں،جس کی وجہ سے قرآن اور جماعت کی بے احترامی لازم آتی ہے اور بہت سوں کی تراویح بھی چھوٹ جاتی ہے،حفاظ میں صاف اور صحت کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام بھی نہیں ہوتا ہے،بے جا روشنی کے استعمال اور لاؤڈ اسپیکر کی بے ہنگم آواز کی وجہ سے جہاں اسراف اور فضول خرچی لازم آتی ہے، وہیں اس شور وشغب کی وجہ سے پاس پڑوس کے لوگوں کے آرام اور عبادت میں بھی خلل واقع ہوتا ہے، الغرض ان مجموعی مفاسد کی وجہ سے مروجہ شبینہ واجب الترک ہے،ہاں!اگر تنہا شبینہ کرلے یا ایک دو صاحبِ ذوق جمع ہوجائیں اور شبینہ کرلیں تو جائز ہے؛کیونکہ جو بے احترامی اور بے تکریمی عام شبینہ میں پائی جاتی ہے انفراداً پڑھنے میں وہ خرابی نہیں پائی جاتی۔

---

(۱) ملخص از امداد الفتاوی:۱/۴۸۸

تراویح سے متعلق حکیم الامت ؒ کا ایک عمل

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی ؒ تحریر فرماتے ہیں : ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ رمضان المبارک کے زمانے میں تقریباً چھ سات حافظ اور دس بارہ عالم خانقاہ میں مقیم تھے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ضعف واضمحلال کی وجہ سے گھر ہی پر تراویح پڑھا کرتے تھے، ایک حافظ صاحب کو مسجد میں تراویح کے لیے مقرر فرما دیا تھا، ان کو غیر معمولی اور بالکل غیر متوقع طور پر یہ تاکید فرمائی کہ: ''تراویح تمام مہینہ صرف سورۃ ''الم تر'' سے پڑھائی جائیں، ایک دن حافظ صاحب نے دوسری سورتیں پڑھیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو جب علم ہوا تو حافظ صاحب کو فہمائش کی کہ انھوں نے ہدایت کے مطابق عمل کیوں نہیں کیا، ایک دن مجلس یومیہ کے وقت حضرات علماء نے ادباً حضرت والا سے عرض کیا کہ آخر کیا وجہ اور کیا مصلحت ہے کہ تراویح میں بجائے قرآن شریف ختم کیے جانے کے حضرت نے خصوصی طور پر صرف ''الم تر'' سے پڑھے جانے کی اس طرح تاکید فرمائی، حضرت والا نے جو جواب ارشاد فرمایا، اس کا ماحصل یہ ہے کہ: میں ایک مدت سے دیکھ رہا ہوں اور سن بھی رہا ہوں کہ اکثر مقامات میں خصوصاً بڑے شہروں میں یہ رواج عام طور پر ہوگیا ہے، الاماشاء اللہ کہ لوگوں نے تراویح کو ختم قرآن شریف ہی پر موقوف کر لیا ہے اور اسی کو خاص اہمیت دے رکھی ہے، جہاں قرآن شریف ختم ہوا سمجھے کہ تراویح بھی ختم ہوگئی، خواہ قرآن مجید چند دنوں میں ہی ختم کرلیا جائے، اس کے بعد مسجد میں نماز عشاء کی جماعت بھی مختصر رہ جاتی ہے؛ حالانکہ تراویح سنتِ مؤکدہ ہے اور قرآنِ مجید کا پڑھا جانا محض سنت ہے، مگر خاص اور بڑی فضیلت کا درجہ رکھتا ہے؛ لیکن واجب نہیں اور تراویح بیس رکعت سنت مؤکدہ ہیں، عمداً جس کا ترک کرنا سخت گناہ ہے؛ اسلئے اس کوتاہی کی اور غلط عقیدے کی اصلاح واجب ہے، میں نے اس مسئلے کو تحریراً وتقریراً واضح بھی کر دیا اور عملاً وتمثیلاً اپنی مسجد میں رائج بھی کر دیا ہے۔ وما علینا الا البلاغ المبین

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔ (۱)

”الصلاۃ سنۃ التراویح رحمکم اللہ“ کی ندا لگانا؟

بعض جگہ عشاء کی اذان پڑھ کر فوراً مائک میں تین مرتبہ ”الصلاۃ سنۃ التراویح رحمکم اللہ“ کہا جاتا ہے اس طرح کا اعلان شرعاً ثابت نہیں اور اسے سنت سمجھنا بے اصل اور بدعت ہے۔ (۲)

فتاوی رحیمیہ میں لکھا ہے کہ: خیر القرون میں عرب وعجم میں کثیر تعداد میں جہلاء اور نو مسلم ہونے کے باوجود سلف صالحین سے ایسا اعلان ثابت نہیں، حالاں کہ وہ حضرات اسلامی اعمال کی تبلیغ میں نہایت چست اور عبادت کی درستگی میں بڑے حریص تھے فقہاء نے بھی اس طرح کے اعلان کی ہدایت نہیں کی ہے، اگر ضرورت ہوتی تو ضرور تاکید فرماتے جیسے مسافر امام کی خصوصی تاکید فرمائی ہے کہ نمازیوں کو اپنے مسافر ہونے کی اطلاع دے دے چاہے نماز سے پہلے ہو یا بعد میں کہ ”میں مسافر ہوں“ کیوں کہ یہاں ضرورت ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ مباح چیزوں کو ضروری سمجھنے سے دیگر خرابیوں کے سوا اس بات کا بھی احتمال ہے کہ مباح کو مسنون سمجھ لیا جائے اور غیر مسنون کو مسنون سمجھنا تحریفِ دین ہے۔ (۳)

اس کو اصطلاحِ فقہ میں تثویب کہتے ہیں، تثویب کو علماء نے بدعت قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو عشاء کی اذان کے بعد دوبارہ نماز کے لیے نداء لگاتے دیکھا تو فرمایا: اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔ ”روي أن علیاً رضی اللہ عنہ رایٰ مؤذنا یثوب في

---

(۱) مآثر حکیم الامت، ص: ۷۹، تراویح میں ختم قرآن پر اجرت کا شرعی حکم، ص: ۷-۱۴، مصنفہ فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ

(۲) احسن الفتاویٰ: ۱/۳۴۷

(۳) فتاوی رحیمیہ: ۱/۴۲۵

العشاء، فقال أخرجوا هذا المبتدع من المسجد"۔(۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک شخص کو ظہر اور عشاء میں اس طرح آواز لگاتے دیکھا تو تنبیہ فرمائی۔"عن مجاهد قال: كنت مع ابن عمر فثوب رجل في الظهر أو العصر، فقال :اخرج بنا، فإنها بدعة"۔(۲)

تراویح میں ثناء پڑھنا

تراویح کی نماز میں ہر دو رکعت کے شروع میں ثناء، تعوذ اور تسمیہ پڑھنے کا وہی حکم ہے جو دوسری نمازوں میں ہے، یعنی ثناء پڑھنا سنت ہے، اس لیے عجلت کی وجہ سے ان کا چھوڑ دینا درست نہیں ہے، علامہ ابن نجیمؒ نے "البحر الرائق" میں اس کو نماز تراویح کے منکرات میں شمار کیا ہے۔(۳)

ترویحہ کا حکم

(۱) یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہر ترویحے کے بعد مستحب یہ ہے کہ مصلی اگلی چار رکعت کا انتظار کرے، اور ترویحے کی مقدار چار رکعت کے بقدر ہو، اگر اتنے وقفے سے مصلی کو گراں گذرتا ہو تو وقفہ کم کردے، اب اس انتظار میں امام اور مقتدی دونوں کو اختیار ہے کہ خواہ خاموش رہیں یا دعاء کرتے رہیں یا نفل نماز میں مشغول ہوں یا چائے پانی وغیرہ نوش کریں، مقصود راحت حاصل کرنا ہے۔"ثم هم مخيرون فی حالة الجلوس إن شاؤا اسبحوا وإن شاؤا قعدوا ساكتين وأهل مكة يطوفون أسبوعا ويصلون ركعتين

---

(۱) عناية على فتح القدير: ۲۴۵/۱

(۲) السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۶۲۴/۱ رقم ۱۹۹۰ : بيروت

(۳) البحر الرائق شرح كنز الدقائق ومنحة الخالق وتكملة الطوري: ۷۴/۲

وأهل المدينة يصلون أربع ركعات فرادى"(۱)

(۲) اہل مکہ ہر چار رکعت پر طواف کرتے اور دو رکعت نماز پڑھتے تھے، چوں کہ حرم شریف میں موجود شخص کے لیے طواف ہی افضل ہے اور یہ عبادت حرم کے علاوہ کہیں میسر نہیں ہوتی، ویسے اہل مکہ عام نمازوں کے بعد بھی طواف کے عادی ہیں۔

(۳) اہل مدینہ چار رکعت نفل انفراداً پڑھ لیا کرتے تھے، دو رکعت طواف کے بدلے اور دو رکعت طواف کے بعد کی دو رکعت کے بدل میں یا اس وجہ سے کہ امام مالکؒ کا مسلک ۳۶؍ رکعت تراویح کا ہے بیس رکعت اجتماعی اور ۱۶ رکعت انفرادی، آج کل رمضان میں مختلف مسالک کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں؛ اس لیے اب مدینہ منورہ میں اس کا بھی اہتمام نہیں ہوتا، ہر شخص اپنے عمل میں آزاد ہو کر اگلی چار رکعت تک انفرادی عمل میں مشغول رہتا ہے "فإن عادة أهل مكة أن يطوفوا بعد كل أسبوع ويصلوا ركعتي الطواف وعادة أهل المدينة أن يصلوا أربع ركعات"(۲)

اور اگر ذکر کرنا چاہے تو "سبحان ذي الملك والملكوت سبحان ذي العزة والجبروت الخ" پڑھنا بھی درست ہے؛ مگر یہی ذکر کرنا ضروری نہیں، غرض جس سے انھیں راحت ہو وہ عمل کریں، چوں کہ ترویحہ کہتے ہی ہیں آرام کرنے کو لہذا جس عمل سے مصلیوں کو راحت ہو وہ عمل کریں، ان پر انفراداً کسی عمل کی پابندی شرعاً نہیں ہے، چہ جائے کہ اجتماعی طور پر کسی عمل کو لازم کرلیں، اسی طرح بعض مساجد میں ہر ترویحے کے بعد چار رکعت میں پڑھے گئے حصے کا خلاصہ وتفسیر بیان کی جاتی ہے، اگر اس سے مصلیوں کو استراحت (جسمانی یا روحانی) ہوتی ہو اور اتنی مقدار میں پڑھا جاتا ہو کہ مصلی نہ اکتائیں اور نہ تقلیل جماعت کا سبب بنے تو اس کی اجازت ہے؛ مگر اجتماعی طور پر کسی بھی عمل کو لازم نہیں کرنا چاہیے، یہ مزاجِ شریعت کے خلاف ہے۔

---

(۱) الفتاوی الهندیہ: ۱/ ۱۱۵

(۲) شرح المنیہ: ۳۸۶

تراویح کی ہر چار رکعت پر دعاء کرنا

بعض مساجد میں ہر ترویحہ پر امام اور مقتدی کوئی وظیفہ پڑھتے ہیں اور اس کے بعد امام صاحب اجتماعی دعاء کرتے ہیں اور سب آمین کہتے ہیں اور عملاً اسی کو لازم کرلیا جاتا ہے، یہ عمل شرعاً قابل ترک ہے؛ کیوں کہ اگر ہر ترویحے پر دعاء کا اہتمام کیا جائے تو کبھی مصلیوں کے بوجھ کا سبب ہوسکتا ہے اور اگر تسبیحات و وظائف کے بعد خشوع وخضوع سے دعاء کی جائے تو اگلی ترویحہ میں ضرور کچھ دیر ہوگی، اس سے بھی مصلی کو تکلیف ہوگی اور اگر بغیر حضورِ قلبی کے جلدی جلدی چند رٹے رٹائے جملے پڑھ کر منہ پر ہاتھ پھیر لیا جائے کہ نہ دعاء کرنے والے کو خبر، نہ آمین کہنے والے کو خبر، بس راگیں نکال نکال کر کچھ تلاوت کردینا ہے، ایسی دعاء کرنے سے نہ کرنا بہتر ہے؛ کیوں کہ اللہ غافل قلب سے کی گئی دعاء قبول نہیں فرماتے ہیں۔ ”أدعوا الله وأنتم موقنون بالإجابة، واعلموا أن الله لا يستجيب دعاء من قلب غافل“ (۱)

”نیز اس طرح ہر چار رکعت پر دعاء کی تلاوت تو ہوتی ہے دعاء نہیں ہوتی ہے، اس دعاء کی تلاوت سے قرآن مجید کی تلاوت زیادہ ثواب کا باعث ہے، البتہ انفراداً جس شخص کا جی چاہے دعاء میں مشغول ہوسکتا ہے۔

(ب) فقہاء نے یہاں تک کہا ہے کہ اگر مصلیوں کی راحت اسی میں ہو کہ جلد تراویح ہوجائے تو درود پڑھ کر سلام پھیر دے دعائے ماثورہ نہ پڑھے جب دعائے ماثورہ دعائے مسنونہ چھوڑنا درست ہے تو نماز کے بعد دعائے غیر مسنونہ کو ضروری سمجھنا مزاجِ شریعت کے خلاف ہے؛ بل کہ اس کا ترک اولیٰ وافضل ہے۔

(ج) البتہ آخری ترویحے کے بعد دعاء کرنے میں مضائقہ نہیں ہے؛ کیوں کہ یہاں قرآن کا ایک حصہ ختم ہوتا ہے اور ختم قرآن پر دعاء قبول ہوتی ہے اور قبولیتِ دعاء کے وقت دعاء کرنا مستحب ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اور اللہ کی

---

(۱) المعجم الاوسط: ۵/۲۱۱ حدیث: ۵۱۰۹

تعریف کرے، آقائے مدنی ﷺ پر درود پڑھے اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرے تو اس نے سارا خیر مانگ لیا۔ ”من قرأ القران وحمد الرب وصلى على النبی ﷺ واستغفر ربه فقد طلب الخير كله “(۱) اور ہر ترویحہ پر اجتماعی دعاء کرنا مزاج شریعت کے خلاف ہے، اور سلف صالحین سے بھی مکمل ایک حزب کے ختم پر دعاء منقول ہے، ہاں اگر کبھی کبھار دعاء کر لی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے؛ مگر اس پر مواظبت نہ ہونا چاہیے، اور اگر کسی عمل کے کرنے اور نہ کرنے پر جھگڑے ہو جائیں تو وہ امرِ مستحب بھی قابل ترک ہو جاتا ہے، اس لیے امام و مصلی نہ دعاء پر اصرار کریں اور نہ کوئی خاص وظیفہ پڑھنے کو لازم کریں؛ بل کہ جس عملِ مباح میں جس کو راحت ہو اس کو آزاد رہنے دیں ”ويجلس ندبا بين كل اربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر ويخيرون بين تسبيح وقرآءة وسكوت وصلاة فرادى الخ“(۲)

آیتِ سجدہ کی اطلاع پہلے سے کرنا۔

خیر القرون میں عرب و عجم میں کثیر تعداد میں جہلاء اور نو مسلم ہونے کے باوجود سلف صالحین سے اعلان ہذا ثابت نہیں، حالاں کہ وہ اسلامی اعمال کی تبلیغ میں نہایت چست اور عبادات کی درستگی کے بڑے حریص تھے، فقہاء نے بھی اس طرح کے اعلان کی ہدایت نہیں کی ہے، اگر ضرورت ہوتی تو ضرور تاکید فرماتے جیسا کہ مسافر امام کو خصوصی طور پر تاکید فرمائی ہے کہ نمازیوں کو اپنے مسافر ہونے کی اطلاع دے دینا چاہیے، نماز سے پہلے ہو یا بعد میں کہ ”میں مسافر ہوں“ کیونکہ یہاں ضرورت ہے؛ لیکن سجدۂ تلاوت میں عام طور پر ایسی ضرورت نہیں ہوتی اور اگر بلا ضرورت یہ طریقہ جاری رہا تو قوی اندیشہ ہے کہ جس طرح بعض شہروں کا

---

(۱) الاتقان فی علوم القرآن: ۱/۱۱۶

(۲) الدر المختار مع رد المحتار: باب الوتر والنوافل: ۲/۴۶، اللباب فی شرح الکتاب: باب قیام شہر رمضان: ۱/۱۲۲

رواج ہے کہ نماز جمعہ کے وقت اعلان کیا جاتا ہے "الصلاۃ سنۃ قبل الجمعۃ" یا یہ کہا جاتا ہے "انصتوا رحمکم اللہ" اور دوسرا اعلان سنت یا فعل حسن سمجھا جاتا ہے، اسی طرح سجدۂ تلاوت کا یہ اعلان بھی ضروری اور بہت ممکن ہے سنت سمجھا جانے لگے، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ مباح چیز کو ضروری سمجھنے سے دیگر خرابیوں کے سواء اس بات کا بھی احتمال ہے کہ مباح کو مسنون سمجھ لیا جائے اور غیر مسنون کو مسنون سمجھ لینا تحریفِ دین ہے۔(۱) البتہ اگر مجمع کثیر ہو جیسا کہ بڑے شہروں میں ہوتا ہے کہ صفیں دور تک ہوتی ہیں، کچھ صفیں بالائی منزل میں بھی ہوتی ہے اور وہاں مغالطے کا قوی احتمال رہتا ہے کہ لوگوں کو سجدۂ تلاوت کا پتہ نہ چلے اور سجدہ کے بجائے رکوع کرنے لگیں تو ایسے موقع پر بے شک بموجب "الضرورت تبیح المحذورات" اعلان کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

مگر ہر جگہ یہ حکم نہیں ہے، ہمارے اس اعلان کی ضرورت نہیں، میرا اپنا برسوں کا تجربہ ہے؛ لہٰذا اس کا ترک ضروری اور اس کی پابندی غلط ہے۔(۲)

تراویح کی مروجہ دعاء کا حکم

جب اوپر ترویحے کا حکم معلوم ہو گیا تو مروجہ دعاء کا حکم سمجھنا مشکل نہ رہا؛ لیکن پھر بھی بعض مساجد میں ہر ترویحے میں چند مخصوص دعاؤں کا اہتمام کیا جاتا ہے اور باور کرایا جاتا ہے کہ ترویحے میں یہی دعائیں پڑھنا ثابت ہے، اور بعض ان دعاؤں کے پمفلیٹ بنا کر تقسیم کراتے ہیں، اور بلا وضاحت شامی کا حوالہ دے دیتے ہیں، جب کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ترویحے کے اعمال میں سے عمل تسبیح کے تحت یہ دعاء ذکر کی ہے: "سبحان ذی الملک والملکوت، سبحان ذی العزۃ والعظمۃ والقدرۃ والکبریاء والجبروت، سبحان الملک الحی الذی لا یموت، سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح،

(۱) ازالۃ الخفاء، مجلس:۱، فصل:۵

(۲) فتاوی رحیمیہ:۵/۱۹۹

لا الہ الا اللہ نستغفر اللہ ،نسالک الجنة ونعوذبک من النار " یعنی ترویحہ میں ذکر بھی درست ہے، تلاوت بھی درست ہے، خاموشی بھی درست ہے، انفرادی نماز بھی درست ہے، اور تسبیح بھی درست ہے، تسبیح کے تحت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ دعاء پڑھ سکتے ہیں، اس کا یہ مطلب کیسے ہو جائے گا کہ یہی دعاء پڑھنا چاہیے اور اسی پر اصرار ہونا چاہیے اور اس کے ترک پر جھگڑے اور مسلک بننا چاہیے، درمختار اور ردالمحتار کی عبارت ملاحظہ فرمالیں:

"ویخیرون بین تسبیح وقراءة وسکوت وصلاة فرادی" یہ درمختار کی عبارت ہے، اس کے تحت علامہ شامیؒ کی عبارت ہے "(قوله بین تسبیح) قال القهستانی :فیقال ثلاث مرات "سبحان ذی الملک والملکوت، سبحان ذی العزة والعظمة والقدرة والکبریاء والجبروت، سبحان الملک الحی الذی لایموت، سبوح قدوس رب الملائکة والروح، لا اله الا الله نستغفر الله، نسالک الجنة ونعوذبک من النار" اسی طرح "وصلاة فرادی" کے تحت لکھتے ہیں "ای صلاة اربع رکعات فیزادست عشرة رکعة"(۱) ہر ذی علم اس سے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اس کا مطلب ہر ترویحے میں یہی دعاء پڑھنا ضروری ہے یا یہ دعاء بھی پڑھنا درست ہے؟۔

(ب) نیز اس دعاء میں "سبحان الملک القدوس "کا جملہ نہیں جب کہ مروجہ دعاء میں یہ جملہ بھی پڑھا جاتا ہے اور حوالہ تو شامی ہی کا دیا جاتا ہے جب کہ شامی میں یہ جملہ ہے ہی نہیں، اگرچہ کہ دعاء میں اضافہ درست ہے؛ مگر شامی میں یہ اضافہ نہیں ہے، نیز اگلی عبارت بھی شامی ہی کی ہے، اس کا لحاظ رکھ کر اعتدال کی راہ اپنائیں "(قوله ویجلس) لیس المراد حقیقة الجلوس بل المردا الإنتظار لأنه یخیر بین الجلوس ذاکرا أو ساکتا وبین صلاته نافلة منفردا"(۲)

---

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار باب الوتر والنوافل: ۴۶/۲

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار باب الوتر والنوافل: ۴۶/۲

ترویحے میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے نام لینا

بعض مساجد میں ہر ترویحے میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے نام کا ورد کیا جاتا ہے، جو کسی فقیہ سے ثابت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی شرعی عمل ہے، جو حضرات یہ ورد کرتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ:

(۱) اس طرح نام لے کر جو لوگ خلفائے راشدینؓ کی اس ترتیب کے منکر ہیں ان کی تردید کرنا مقصود ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ نیک لوگوں کے تذکرے سے رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور یہ موجبِ خیر و برکت ہے۔

(۳) خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہی کا تو نام لے رہے ہیں، کسی رام کا نام تو نہیں لے رہے ہیں، اس میں قباحت کیا ہے؟

(۱) جہاں تک پہلی وجہ ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ترتیب کے منکر کیا زمانہ حال میں پیدا ہوئے ہیں یا فقہائے کرام کے زمانے میں بھی موجود تھے؟ ظاہر ہے کہ منکرین یعنی شیعہ کا فرقہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ہی پیدا ہو چکا تھا، منبر ان کے تذکرے کے لیے بہتر جگہ ہے، چناں چہ علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "وذکر خلفاء الراشدین والعمین مستحسن، بذلک جری التوارث"(۱) چوں کہ جمعہ میں ممکن ہے کوئی شیعہ بھی موجود ہو، اس کے سامنے اس کے عقیدے کی تردید اور حق کا ثبوت ہو جائے؛ لیکن ترویحے میں خلفاء کا نام لینے کو مستحب تو درکنار مباح ہونا بھی نہیں لکھا ہے۔

(۲) جن شیعہ کی تردید مقصود ہے ان میں سے کوئی ایک بھی ان مساجد میں جہاں یہ نام لیے جاتے ہیں، بھولے سے بھی نہیں بھٹکتا ہے، جو موجود ہیں وہ تردید کے محتاج نہیں؛ کیونکہ کوئی اس ترتیب کا انکار تو درکنار شک بھی نہیں کرتا ہے، اور جن کی تردید مقصود ہے ان میں

---

(۱) مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ۲۸۱

سے کوئی وہاں موجود نہیں؛ کیونکہ شیعہ نے ایک عرصے سے اپنی مسجدیں الگ کرلی ہیں، پھر اس ورد سے کیا حاصل جس سے مقصود حاصل ہی نہ ہوتا ہو۔

(۳) ترتیب خلافت کے منکرین کی تردید کا یہ کونسا طریقہ ہے کہ مخاطب تو ترتیب کے انکار پر دلائل دے رہا ہو اور متکلم صرف ترتیب کی رٹ لگائے جارہا ہو، اصولِ مناظرہ کی رو سے دلیل پیش کئے بغیر محض دعوے کا تکرار کرنے والا مخبوط العقل شمار ہوتا ہے۔

(۴) ترویحے میں ورد کی اس وجہ کا علم شاید کسی ورد کرنے والے کو ہو، حقیقت یہ ہے کہ اکثر لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ ترویحے کی سنت ہے۔

(۵) جہاں تک دوسری وجہ ہے کہ صالحین کے تذکرے سے رحمت کا نزول ہوتا ہے بالکل صحیح بات ہے؛ لیکن کیا مسجد میں سنتِ نبوی ﷺ یعنی تراویح (نماز) کے عمل سے رحمت کا نزول نہیں ہوگا؟ کیا اس عمل کے بعد نزول رحمت کے لیے کسی اور غیر ثابت شدہ عمل (مستحدث) کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ اور کیا عملِ مستحدث سے رحمت کا نزول ہوگا؟

(۶) صالحین کے تذکرے سے مراد صرف ان کے نام کی رٹ لگانا نہیں ہے؛ بل کہ ان کی قربانیاں، ان کے اوصافِ حمیدہ، ان کے صلاح وتقوے کا تذکرہ مراد ہے، صرف ایک ذاتِ عالی اللہ ہے، جس کے نام کے محض تذکرے سے بھی رحمت متوجہ ہوتی ہے، اور کسی کے نام کا صرف ورد کوئی معنی ہی نہیں رکھتا ہے۔

(۷) جہاں تک تیسری وجہ ہے کہ نام لینے میں کیا حرج ہے؟ تو غور کریں نام نہ لینے میں کیا حرج ہے؟ کیا یہ عمل تراویح میں داخل اور اس کا ایک حصہ ہے کہ جس کے بغیر تراویح مکروہ ہوجاتی ہے؟ کسی غیر ضروری عمل کو ضروریاتِ دین میں سمجھ لینا دین کی بنیاد کو کھوکھلی کردیتا ہے، ترویحے کا مقصود ہے راحت حاصل کرنا، اگر سلام پھیرتے ہی چیخ وپکار شروع ہوگا تو لوگ چاہیں گے کے تراویح بنا ترویحے کے ہی ختم ہوجائے تو راحت ہے۔

(۸) دین میں کسی بات کو اپنی طرف سے پیدا کرلینے والے عموماً یہی دلیل دیتے ہیں کہ: کیا حرج ہے؟ اگر ملاقات پر السلام علیکم کے بجائے انا اللہ نہ پڑھے تو کیا حرج

ہے؟ یہ بھی تو آیتِ قرآنی ہے، مبارکبادی کے موقع پر بارک اللہ کے بجائے لاحول ولا قوۃ کہا جائے تو کیا حرج ہے؟ عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو نفل نماز پڑھتے دیکھا تو منع کیا، اس نے کہا یہ نماز عذاب کا کام تو نہیں ہے ثواب ہی کا تو کام ہے؟ (پھر منع کیوں کرتے ہو؟) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس کام کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم نہ فرمایا ہو اور نہ اس کی ترغیب دی ہو وہ اجر وثواب کا کام نہیں ہے؛ لہٰذا یہ نماز عبث ہے، اور دین میں فعلِ عبث حرام ہے، اور ڈر ہے کہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلاف ورزی پر خدائے پاک تجھے عذاب دے(۱) "کیا حرج ہے" کہنے والوں کے لیے یہ واقعہ سبق لینے کے لیے کافی ہے۔

نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنا

نابالغ کے پیچھے نہ فرض نماز درست ہے اور نہ نفل نماز اور نہ ہی تراویح کی نماز درست ہے، اگر بالغ حافظ نہ ملے تو بالغ غیر حافظ کے پیچھے "الم تر" ہی پڑھ لیا جائے۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں جو بڑا ہے وہ امامت کرے "ولیؤ مکما اکبر کما"(۲) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتوی ہے کہ بچہ بالغ ہونے تک امامت نہ کرے "لا یؤم الغلام حتی تجب علیه الحدود" اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتوی ہے کہ بچہ بالغ ہونے تک نماز نہ پڑھائے "لا یؤم الغلام حتی یحتلم"(۳) علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ غیر مقلد ذہن کے ہیں، اگر یہ آثار قابل حجت نہ ہوتے تو اس پر تبصرہ کیے بغیر نہ گذرتے، اور فقہ حنفی میں یہی مفتی بہ قول ہے "وفی

---

(۱) فتاوی رحیمیہ: ۵/۵۲

(۲) بخاری شریف: باب اثنان فما فوقهما جماعة: ۱/۱۳۲ حدیث: ۶۵۸

(۳) نیل الاوطار: ۳/۴۳، عن عطاء قال: لا یؤم الغلام الذي لم يحتلم۔ (المصنف لعبد الرزاق: ۲/۳۹۸ رقم: ۳۸۴۵

التراویح والسنن المطلقة جوزہ مشائخ بلخ ولم یجوزہ مشائخنا والمختار انہ لا یجوز فی الصلوات "(۱) حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ "فتویٰ اس پر ہے کہ نابالغ کے پیچھے تراویح بھی جائز نہیں، اگر کوئی بالغ حافظ نہ ملے، تو "ألم تر کیف"......وغیرہ سے مختلف سورتیں پڑھ کر تراویح پڑھ لی جائے۔"(۲)

اگر بچوں کی ہمت افزائی کے لیے اس طرح کرنا ہے تو ان کے پیچھے نابالغ ہی کھڑے ہوں؛ البتہ بالغ حضرات بھی بغیر اقتداء کیے قرآن کریم سن کر ہمت افزائی کرسکتے ہیں۔

مراہق کے پیچھے تراویح کا حکم

مراھق (قریب البلوغ) کی امامت درست نہیں ہے، خواہ فرض نماز ہو یا تراویح ہو کسی میں بھی اس کی امامت جائز نہیں ہے۔ "عن عطاء قال :لا یؤم الغلام الذي لم یحتلم"۔(۳) "عن عطاء وعمر بن عبد العزیز قالا :لا یؤم الغلام قبل أن یحتلم فی الفریضة ولا غیرہا"۔(۴)

ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے تراویح

کسی اچھے قاری کی نمازِ تراویح کی آواز ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے کیسٹ میں بھر کر، آواز کی اقتدا میں نمازِ تراویح ادا کرنا سراسر غلط اور فضول حرکت ہے اور اس سے نماز ادا نہیں ہوتی؛ کیوں کہ یہ ایک غیر جان دار آلہ ہے، جو اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس کی اقتدا

---

(۱) ہدایہ: ۱/۳۶۹، فتاوی شامی :۲/۳۲۱، البحر الرائق :۱/۵۹، عزیز الفتاوی :۱۹۶، امداد الفتاوی :۲/۳۴۲

(۲) امداد المفتین: ۳۶۳

(۳) المصنف لعبد الرزاق: ۲/۳۹۸، حدیث :۳۸۴۵

(۴) المصنف لابن أبی شیبة: ۳/۲۰۶، حدیث :۳۵۲۴، المجلس العلمی

کی جائے؛غور کیجیے کہ جب نابالغ حافظِ قرآن بچے کی اقتدا صحیح نہیں،تو غیر جان دار آلے کی اقتدا کیسے صحیح ہوسکتی ہے،بعض دیہات میں قادیانی امام جو درحقیقت کافر ہے دنیا کا جھانسا دے کر بھولے بھالے مسلمانوں کی امامت کرتے ہیں،بعض مساجد میں ٹی وی کے ذریعے قوم کی امامت کرواتے ہیں،قادیانی کافر ہیں ان کے پیچھے بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی صورت میں نماز نہیں ہوگی!!

یہی حکم ٹی وی کا بھی ہے کہ یہ ایک غیر جان دار آلہ ہے،اس کی اقتدا بھی درست نہیں ہو سکتی؛اگر کوئی یوں کہے کہ ہم اقتدا تو مثلاً کعبۃ اللہ کے امام کی کررہے ہیں،یہ محض واسطہ ہے، جیسے لاوَڈ اسپیکر (Loudspeaker) کا واسطہ ہوتا ہے؟ تو یہ بھی صحیح نہیں؛ کیوں کہ حسبِ تصریح فقہاء،امام ومقتدی کا ایک ہی مکان میں ہونا اقتدا کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے، ورنہ اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ ”وأن لا يفصل بين الإمام والمأموم صف من النساء، وأن لا يفصل نهر يمر فيه الزورق ولا طريق تمر فيه العجلة“۔(۱)

غیر مقلد کے پیچھے نماز کا حکم

غیر مقلد حضرات میں مختلف طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں،بعض معتدل اور بعض غیر معتدل،فتاوی قاسمیہ میں ہے کہ: غیر مقلد امام اگر ائمہ اربعہؒ کو برا بھلا نہ کہتا ہو اور مسائلِ طہارت میں اختلافی اقوال کی رعایت رکھتا ہو،مثلاً: خروج دم کی صورت میں بھی وضو کرلیتا ہو، تو ایسی صورت میں ایسے غیر مقلد کی امامت بلا کراہت جائز ہے اور اگر ائمہ اربعہؒ کو برا بھلا کہتا ہو اور ان کے ساتھ گستاخانہ طریقہ اختیار کرتا ہو تو وہ شخص فاسق ہے،اس کی امامت مکروہ ہوگی ”سباب المسلم فسوق“(۲).....بلاعذر غیر مقلد کی اقتدا کرنا مکروہ تحریمی ہے، .....البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ اگر فتنہ اور اختلاف کا اندیشہ نہ ہو تو ان کی مسجدوں میں جانے

---

(۱) نورالایضاح مع المراقی: ۱۳۲
(۲) صحیح بخاری،حدیث: ۴۸

سے احتراز کیا جائے، تاکہ ان سے میل جول سے کنفیوژن اور تشکیکِ ذہنی نہ ہو جائے، جذباتیت اور چند فروعی مسائل پر اصرار کی دیوانگی اس پر طاری نہ ہو جائے، اور نوجوانوں کا ذہن صاف رہے اور طریقۂ حق پر باقی رہیں.... امداد الفتاوی کا فتوی ملاحظہ ہوں: غیر مقلد بہت طرح کے ہیں، بعض ایسے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا خلافِ احتیاط یا مکروہ یا باطل ہے، چوں کہ پورا حال معلوم ہونا فی الفور مشکل ہے، اس لیے احتیاط یہی ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ فقط واللہ اعلم (۱) ایک اور فتوے میں آپؒ لکھتے ہیں: میرے نزدیک مسئلے میں تفصیل ہے؛ کیوں کہ غیر مقلد بہت طرح کے ہیں، بعضے ایسے ہیں کہ ان کا اختلاف مقلدین کے ساتھ صرف مسائل اجتہادیہ میں ہے، ان کی اقتداء کا حکم وہی ہے جو حنفی کے لیے شافعی امام کی اقتداء کا ہے، یعنی اگر وہ نماز میں خلافیات کی رعایت کرے تو بالاتفاق اقتداء جائز ہے، ورنہ جوازِ اقتداء میں اختلاف ہے، اور جمہور کا فتوی عدم جواز کا ہے؛ کیوں کہ نماز کے معاملے میں احتیاط ضروری ہے، اور بعضے غیر مقلد ایسے ہیں کہ ان کا اختلاف مقلدین کے ساتھ ان مسائل میں ہے جو اہل سنت والجماعت کے نزدیک اجماعی ہیں، جیسے چار سے زائد عورتوں سے نکاح جائز قرار دینا، متعہ جائز قرار دینا، اور سلف صالحین کے لیے سب وشتم (گالی گلوج) روا رکھنا، وامثال ذالک، ایسے لوگوں کا حکم بدعتی امام کے حکم کے مانند ہے، یعنی بغیر کسی مجبوری کے ان کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اور کسی مجبوری کے وقت مکروہ تنزیہی ہے، اور جن غیر مقلدین کا حال مشتبہ ہو (اگر فتنے کا ڈر ہو تو) اولی یہ ہے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے، تاکہ کوئی فتنہ نہ اٹھے، اور بعد میں اعادہ کرلے تاکہ احتیاط پر عمل ہو جائے؛ لیکن اگر فتنہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں ہے تو ان کے پیچھے نماز نہ پڑھے تاکہ مسلمانوں کو دھوکہ نہ ہو اور دینِ متین کے بارے میں بے باک نہ ہو جائیں (۲)

---

(۱) امداد الفتاوی: ۱/ ۲۳۶ مطبوعہ پاکستان

(۲) امداد الفتاوی: ۱/ ۳۸۵ مطبوعہ ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند، فتاوی رشیدیہ: ۳۴۸، فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۳/ ۱۴۳، کتاب المسائل: ۱/ ۴۰۸، بہ حوالہ فتاوی قاسمیہ: ۶/ ۵۷۲، فتاوی بینات: ۲/ ۲۵۸۔

ایک مسجد میں دو جگہ تراویح کا اہتمام

ایک مسجد میں دو جگہ تراویح پڑھنا بشرطیکہ از راہِ نفسانیت نہ ہو اور ایک کو دوسرے سے حرج نہ ہو جائز ہے، مگر افضل یہی ہے کہ ایک ہی امام کے ساتھ سب پڑھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تراویح کا اجتماعی نظام قائم کرنے سے قبل جب مسجد میں تشریف لے گئے، لوگوں کو متفرق جماعت سے نماز پڑھتے دیکھا تو تشنیع نہیں فرمائی، پس معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے اور ایک امام کے ساتھ پڑھنے کو افضل فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ افضل یہی ہے۔ "عن عبد الرحمن القاری أنه قال: خرجت مع عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ لیلة فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسه ویصلی الرجل ویصلی بصلوته الرهط، فقال: انی اری لو جمعت هولاء علی قارئ واحد لکان امثل ثم عزم فجمعهم علی ابی ابن کعب" (۱)

البتہ دیگر اکثر اکابر اہلِ علم وفتاوی نے ایک مسجد میں بیک وقت دو جگہ تراویح کی نماز ادا کرنا مثلاً ایک جماعت اوپر کی منزل میں اور دوسری نیچے کی منزل میں ہو، مکروہ قرار دیا ہے، چونکہ اس سے پہلی جماعت کی قلت لازم آتی ہے "ولو صلی التراویح مرتین فی مسجد واحد یکره" (۲) اور احسن الفتاوی میں لکھا ہے کہ: "شرعی رو سے جہاں عام نمازوں میں مسجد میں جماعت کا تعدد درست نہیں ؛ اسی طرح تراویح کی بھی متعدد جماعتیں قائم نہیں کی جاسکتی خواہ تراویح کی یہ مختلف جماعتیں ایک ہی وقت میں قائم کی جائیں یا متعدد اوقات میں"۔ (۳) اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ ایک مسجد میں دو جگہ تراویح کی جماعت نہ کی جائے، خواہ ایک جماعت نیچی منزل میں اور دوسری جماعت اوپری منزل

---

(۱) بخاری: ۱/۲۶۹ بہ حوالہ امداد الفتاوی: ۱/۳۰۷۔ اس حدیث کی رو سے حفاظ کی امامت کو مشق کروانے کی غرض سے ایک مسجد میں تروایح کی متعدد جماعتیں کروانا درست معلوم ہوتا ہے۔ احمد اللہ۔

(۲) فتاوی عالمگیری: ۱/۱۱۶۔

(۳) احسن الفتاویٰ ۳/۵۲۶، فتاویٰ محمودیہ ۷/۲۷۳ ڈابھیل، کتاب المسائل ۱/۴۸۵

پڑھو؛البتہ اگر دو جماعتیں کرنا ہوتو مسجد سے باہر گھر میں یا مسجد سے متصل کسی مدرسے میں یا کسی اور مقام پر کی جاسکتی ہیں۔(۱)

تراویح کی جماعتِ ثانیہ

جس طرح فرض نمازوں کی جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے،اسی طرح تراویح کی جماعتِ ثانیہ بھی مکروہ ہے،اس لیے پہلی جماعت میں ہی شریک ہونے کی کوشش کرنا چاہیے،اگر کاروباری لوگ ہوں، دوکان بند کرکے تمام افراد کا تراویح میں شریک ہونا دشوار ہوتا ہو، تو ایسی ترتیب بنائی جائے کہ جہاں اول وقت میں تراویح پڑھی جاتی ہو وہاں چند لوگ چلے جائیں اور جہاں تاخیر سے تراویح ہوتی ہو وہاں چند لوگ چلے جائیں "ولو صلی التراویح مرتین فی مسجد واحد یکرہ"(۲)

کثرت حفاظ کی وجہ سے تراویح کی جماعتِ ثانیہ

مسجد میں جماعتِ ثانیہ مطلقاً مکروہ ہے،اس میں تراویح بھی شامل ہے؛ لہٰذا ایک مسجد میں اوپر نیچے تراویح کی دو جماعت درست نہیں؛اس لیے تمام لوگوں کو مل کر ایک مسجد میں ایک ہی جماعت کرنی چاہیے؛ تاکہ عبادت کے لیے کسی مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے۔

اگر حفاظ کی کثرت ہے تو ایک جماعت میں یا تو باری باری سنانے کا نظم کرلیا جائے یا پھر مسجد کے علاوہ گھر یا فارم میں تراویح کی جماعت کا انتظام کریں۔"ولو صلی التراویح مرتین في مسجد واحد یکرہ."۔(۳)

---

(۱) ملخص: کتاب الفتاوی: ۳۹۰/۲،تحفۂ رمضان: ۸۵

(۲) الفتاوی قاضی خان علی ہامش الفتاوی الہندیہ: ۲۳۴/۱

(۳) فتاوی تاتار خانیة علی ہامش الفتاویٰ الهندیة ۲۳۴/۱، مستفاد از احسن الفتاویٰ : ۵۲۶/۳،فتاویٰ رحیمیہ: ۲۹۵/۷

سامع کے لیے اجرتِ تراویح

جس طرح قرآن سنانے والے کے لیے معاوضہ جائز نہیں ہے اسی طرح سامع کے لیے بھی معاوضہ لینا جائز نہیں ہے، اس مسئلے میں پہلے حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے تعلیم قرآن پر قیاس کر کے جواز کا قول ارشاد فرمایا تھا، پھر بعد میں اس سے رجوع کر کے عدم جواز کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہوں :(۱)

کتاب النوازل میں ہے کہ ''ہمارے نزدیک یہی رائے احوط ہے؛ کیوں کہ سماع میں تعلیم کا پہلو مغلوب اور عبادت کا پہلو غالب ہے''۔(۲)

دو جگہ تراویح پڑھنا یا پڑھانا

تراویح عام نفل نمازوں سے ایک درجے اونچی نماز ہے؛ کیوں کہ یہ سنت مؤکدہ ہے، اور اس کی رکعتیں شرعاً متعین ہیں، جب کہ عام نفل نمازوں کی کوئی تحدید نہیں ہے؛ اس لیے عام نوافل جتنے چاہے پڑھ لیں؛ لیکن تراویح ایک بار پڑھ لینے کے بعد دوبارہ (بنیت تراویح) پڑھنا یا پڑھانا جائز نہیں؛ البتہ نفل کی نیت سے اقتداء کر لینا چاہے تو کوئی مضائقہ نہیں، جس طرح ایک بار فرض پڑھ لینے کے بعد اسی فرض میں نفل کی نیت سے اقتداء کرنا درست ہے، مگر ایک بار پڑھانے کے بعد دوبارہ کسی اور جگہ پڑھانا جائز نہیں، پیچھے والے مقتدی سنت تِراویح سے محروم رہیں گے، بعض غیر مقلد اس کا فائدہ اٹھا کر دو دو جگہ سے رقم بٹورتے دیکھا گیا ہے۔ ''ولو ان اماما یصلی التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لا یجوز'' ......''ولو أم رجل فی التراویح ثم اقتدی باخر فی تراویح تلک اللیلة ایضا لایکرہ لہ ذلک، کما لو صلی المکتوبة

---

(۱) التذکیر والتھذیب: ۳/ ۸۳، احسن الفتاوی: ۳/ ۵۱۶

(۲) کتاب النوازل: ۵/ ۱۳۷

اماما ثم اقتدی فیھا تنفلا بامام آخر"(۱)

"مفلحون" پرتراویح ختم کرنا

انیسویں رکعت میں سورۂ فلق اور بیسویں رکعت میں سورۂ ناس اور الم سے مفلحون تک پڑھنے کی فضیلت حدیث سے ثابت ہے، ختم قرآن کے موقع پر یہی طریقہ افضل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین شخص وہ ہے جو رکنے کے بعد کوچ کرنے کے درپہ ہو، یعنی ختمِ قرآن کے بعد آگے پڑھنے کے درپہ رہے۔ "ویکره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوساً إلا إذا ختم فيقرأ من البقرة۔ (الدر المختار) قوله :إلا إذا ختم... وفي الولوالجية: من يختم القرآن في الصلاة إذا فرغ من المعوذتين في الركعة الأولىٰ يركع، ثم يقرأ في الثانية بالفاتحة وشيء من سورة البقرة؛ لأن النبي ﷺ قال: "خير الناس الحال المرتحل" أي الخاتم المفتتح"۔(۲)

عورتوں کی تراویح

(۱) تراویح جس طرح مردوں کے لیے سنت ہے، اسی طرح عورتوں کے لیے بھی سنت ہے؛ مگر اس میں اکثر عورتیں غفلت کرتی ہیں۔ "والتراويح سنة موكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) إجماعا"(۳)

(۲) کوئی حافظ محرم ہو تو اس کی امامت میں تراویح پڑھ لیں اور اگر حافظ محرم نہ ہو تو غیر محرم سے پس پردہ پڑھ لیں اور اگر کوئی صورت نہ ہو تو "ألم تر" سے خود پڑھ لیں۔(۴)

---

(۱) فتاوی تاتارخانیۃ: ۲/۳۲۱، حلبی: ۴۰۸ ملخص از کتاب الفتاوی: ۳/۱۳۵

(۲) ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، فصل فی القراءۃ: ۱/۵۴۷ سعید ۲/۲۶۹، ط: زکریا

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۴۳ باب الوتر والنوافل

(۴) آپ کے مسائل اوران کا حل: ۴/۱۹۸

(۳) فرض نمازوں کی طرح تراویح میں بھی عورتوں کی جماعت مکروہ ہے، آنحضرت ﷺ کے زمانے میں عورتوں کی جماعت کا اہتمام نہیں تھا، جب کہ مرد مردوں کی اور عورت عورتوں کی امامت کرسکتی تھیں؛ لیکن نہ آپ ﷺ کے عہد میں اس کا عموم تھا، نہ آپ ﷺ کے بعد صحابیات ؓ میں اس کا رواج تھا، ہاں! کسی کسی کو آپ ﷺ نے گھر میں امامت کی اجازت مرحمت فرمائی تھی، جیسے ورقہ بنت نوفل ؓ کو اپنے گھر والوں کی امامت کرنے کا حکم فرمایا تھا" وأمرها أن تؤم أهل دارها" (۱)

اسلئے اگر عورتیں جماعت کرتی ہیں تو امام عورت آگے نہ کھڑی ہوں بل کہ صف ہی میں تھوڑا آگے ہو کر کھڑی ہو جائے، اور عورت کی امامت میں کسی مرد کا شریک ہونا جائز نہیں، خواہ اس کا محرم ہی کیوں نہ ہو" ويكره تحريما جماعة النساء ولو التراويح ...... فإن فعلن تقف الإمام وسطهن...... ولا تجوز اقتداء الرجل بامرأة" (۲)

مرد کی امامت میں خواتین کی تراویح

عورتوں کی ایسی جماعت کہ دور دور سے خواتین جمع ہوں مکروہ ہے؛ لیکن اگر کسی گھر میں جماعت ہو اور قرب وجوار کی خواتین جمع ہو جائیں، پرامن ماحول ہو، فتنے کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو اس کی گنجائش ہے؛ البتہ اگر کوئی خاتون امامت کرے تو ضروری ہے کہ اس کی آواز مردوں تک نہ پہنچے اور مرد امامت کرے تو ضروری ہے کہ یا تو عورتوں میں کوئی اس کی محرم رشتے دار ہو یا اس کے ساتھ کوئی مرد بھی شریکِ جماعت ہو، اور اگر امام کے ساتھ کوئی مرد بھی نہ ہو اور نماز پڑھنے والی خواتین میں کوئی اس کی محرم بھی نہ ہو تو یہ صورت مکروہ ہے۔ "تكره امامة الرجل بهن في بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه، أما

---

(۱) سنن ابی داود، باب امامۃ النساء، حدیث: ۵۹۳

(۲) فتاوی عالمگیری: ۱/ ۸۵

إذا كان معهن واحد ممن ذكر.....لا يكره"(۱)

زوجین کا آپس میں تراویح کی جماعت کرنا

میاں بیوی مل کر جماعت کرنا چاہیں تو اجازت ہے،شوہر امامت کرے اور بیوی پیچھے کھڑی ہو،اگر بیوی کے پاؤں شوہر کے پاؤں کے برابر ہوں تو اقتداء درست نہیں،دونوں کی نماز فاسد ہوجائے گی؛البتہ اگر بیوی کا پاؤں شوہر کے پاؤں کے پیچھے ہوتو نماز درست ہوجائے گی "وإن كان قدمها بحذاء قدم الزوج لا تجوز صلاتهما بالجماعة وان كان قدماها خلف قدم الزوج....جازت صلاتهما"(۲)

حافظہ لڑکی کے پیچھے خواتین کی اقتداء

اگرکوئی لڑکی حافظِ قرآن ہواور اس کے قرآن کی حفاظت تراویح میں سنانے سے ہی ہوسکتی ہوتو بلاتداعی اور چند شرائط کے ساتھ تراویح سنانے کی گنجائش ہے،اس کے متعلق حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم کا فتوی ملاحظہ ہوں،آپ تحریر فرماتے ہیں:

اگرخواتین اپنی جماعت بنا کرنماز پڑھ لیں تو نماز کے درست ہوجانے پرتو جمہور کا اتفاق ہے،علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ بڑے محقق،فقیہ اور محدث ہیں،وہ تو اس سلسلے میں اجماع کا دعوی کرتے ہیں:فإنهن لو صلين جماعة جازت بالإجماع "(۳)مگر اجماع محلِ نظر ہے،مالکیہ کے یہاں خواتین کی جماعت جائز نہیں (الخرشی:۲/۱۴۵)البتہ اس میں شبہ نہیں کہ خواتین کی جماعت کا اہتمام بہتر نہیں ہے؛کیوں کہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے،اسی

---

(۱)فتاوی شامی:۲/۳۰۷بحوالہ کتاب الفتاوی:۸/۱۳۶

(۲)فتاوی شامی:۲/۳۱۵

(۳)فتح القدیر:۱/۳۰۶

اندیشے کے تحت رسول اللہ ﷺ نے ایک طرف مردوں پر جماعت کو واجب قرار دیا اور دوسری طرف عورتوں کے لیے مستحب بھی نہیں رکھا؛ بل کہ فرمایا کہ ان کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ”وصلاتک فی دارک خیر لک من صلاتک فی مسجدقومک “(۱)اس لیے خواتین کے لیے تراویح کی جماعتوں کا اہتمام ایسا عمل نہیں ہے کہ اس کی حوصلہ افزائی کی جائے، فتنے کا اندیشہ دو وجوہ سے پیدا ہوتا ہے، ایک تو دور دور سے خواتین کا آنا، دوسرے نماز پڑھانے والی حافظہ کی آواز، اس لیے اگر گھر کی خواتین یا پڑوس کی خواتین ایسے محفوظ گھر میں جمع ہوجائیں، جہاں پردے کا پورا اہتمام ہو اور دور دور سے آنا نہ پڑے، نیز امامت کرنے والی حافظہ خاتون قرآن ایسی معتدل آواز میں پڑھے کہ آواز نماز میں شریک ہونے والی خواتین تک محدود رہے، غیر محرموں تک آواز نہ پہنچے تو اس کی گنجائش ہے؛ البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق خواتین امامت کرتے ہوئے صف کے بیچ میں ہی کھڑی ہوں گی، نہ کہ صف کے آگے، چناں چہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رمضان کے مہینے میں خواتین کی امامت کرتی تھیں اور بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں ”کانت تؤم النساء فی شھر رمضان فتقوم وسطا“(۲) یہی رائے میرے استاذ حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کی بھی ہے، چنانچے ایک تفصیلی فتوے کے اخیر میں فرماتے ہیں:

(ب) اگر اتنی بڑی جماعت کی امامت ہو جس میں آواز معتاد آواز سے زائد ہو تو تمام قیود وشرائط کے باوجود مکروہ تحریمی وناجائز ہوگی۔

(ج) اگر ماہِ رمضان میں حافظہ قرآن عورتوں کی چھوٹی جماعت جس میں آواز معتاد کے اندر اندر اور تمام قیود وشرائط کے اندر رہے اور عورت صف سے صرف چار انگل آگے رہے تو ”الأمور بمقاصدھا“ کے تحت یہ فعل جائز رہے گا۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل، حدیث: ۲۶۵۵۰ بہ حوالہ جمع الفوائد: ۱/ ۲۰۴ حدیث: ۱۲۱۵

(۲) کتاب الآثار: باب المرأۃ تؤم النساء وکیف تجلس فی الصلاۃ حدیث: ۲۱۷

(د) اگر ماہِ رمضان المبارک میں صرف دو دو، تین تین عورتوں کی جماعت جو محض بہ نیت حفظِ قرآن پاک اور بطور دَور ہو، اور قیود وشرائط کے موافق ہو اور مکانِ محفوظ کے اندر ہو جس میں آواز اپنی معتاد آواز سے زائد نہ رہے تو بلاشبہ جائز رہے گی، بل کہ "الأمور بمقاصدھا" کے تحت مستحسن بھی ہوسکتی ہے۔ "والعلم عند اللہ"(۱)

عورتوں کا سماعتِ قرآن کے لیے جمع ہونا

جو حکم عورتوں کا گھر میں جمع ہو کر تراویح پڑھنے کا ہے وہی حکم عورتوں کا سماعتِ قرآن کے لیے جمع ہونے کا ہے، موجودہ حالات میں یہ عمل فتنے سے خالی نہیں ہے، اگر سماعتِ قرآن کے لیے جمع ہوں تو دور دور سے جمع نہ ہوں، عورت معتدل آواز سے پڑھے، غیر محرم شریک نہ ہوں، تلاوت وسماعتِ قرآن کے آداب کی رعایت ہو، اگر کسی حافظ صاحب سے سماعتِ قرآن کرتی ہوں تو حافظ صاحب کے محرم بھی مجمع میں موجود ہوں، پردے کا معقول نظم ہو، تاہم حافظ سے سماعتِ قرآن سے اجتناب بہتر ہے، اور سماعتِ قرآن سے زیادہ بہتر ۱۰/ ۱۵/ دن میں مخصوص سورتیں تجوید سے نماز پڑھنا اور نماز وضروریاتِ دین سکھ لیں تو بہت بہتر ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ جن مقامات پر سماعت قِرآن ہوتا ہے وہاں عموماً بعض کم فہم خواتین فہمِ قرآن کے زعم میں تلاوت کے بعد خود سے کسی مفسر کا ترجمہ یا تفسیر پڑھ کر سمجھانا شروع کر دیتی ہیں، اور فتوے بازی بھی کرنے لگتی ہیں، مزید برآں کہتی ہیں کہ: "کیا قرآن مجید عالم سے ہی پڑھنا ضروری ہے؟ اتنے علماء ہم کو کہاں سے ملیں گے کہ سب کو پڑھا سکیں، اور ہر سماعتِ قرآن کی جگہ تفسیر کرسکیں" ظاہر ہے یہ عذرِ لنگ کس قدر نامعقول ہے ہر ذی عقل پر واضح ہے، کیا بازار میں سند یافتہ ڈاکٹر نہ ملنے کی صورت میں جاہل گنوار سے علاج کرالیں گے؟ قانون داں نہ ملنے کی صورت میں جاہل کو اپنا وکیل بنا کر مقدمہ لڑیں گے؟

---

(۱) مطبوعہ سہ ماہی حرا، شمارہ نمبر: ۱/ ۸۳ بہ حوالہ کتاب الفتاوی: ۸/ ۷۰

دنیا کے تمام شعبوں میں صلاحیت مندسند یافتہ ہونا ضروری ہے تو کیا خدا کا کلام ہی ایک ایسا یتیم اور بے سہارا ہے کہ جس پر جو چاہے مرضی چلالے، جس کے لیے کسی صلاحیت کی ضرورت نہیں ہے۔

تفسیر کے لیے نہ قرآن سے رجوع کرے، نہ حدیث سے اور نہ اقوال صحابہؓ اور تابعینؒ سے، تو پھر اس کے ذہن میں کیا ہو سکتا ہے؟ یا تو خود پسندی، خواہش نفس، بدعت وخرافات کا شکار ہے، یا پھر جاہل وعدم صلاحیت کا مالک ہے، ایسے افراد کا عقیدہ غلط اور بلا سند ہوتا ہے۔ وہ اپنا مخصوص ذہن لے کر، مخصوص آیات کا انتخاب کر کے اپنی دل پسند تفسیر کرتے ہیں تاکہ ان کے مذموم مقاصد کو سند شرعی مل سکے، یہ تفسیر، تفسیر مذموم اور حرام ہے، شریعت کا کوئی صحیح عالم اسے پسند نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ یہ اللہ تعالی پر ایسی بات کہنا ہے جو اس نے نہیں کہی آپ ﷺ نے بڑے سخت الفاظ میں تنبیہ فرمائی ہے: جو قرآن پاک میں بغیر علم کے کوئی بات کہتا ہے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ بنالے۔ "من قال في القرآن برأيِهِ؛ فليتبوأ مقعده من النّار" (۱) اور یہ حدیث بھی ہے : جس نے قرآن میں اپنی طرف سے کوئی رائے دی وہ صحیح بھی ہو اس نے خطا کی۔ "من قال في القرآن برأيه فأصاب، فقد أخطأ" (۲)

لوگ قرآن کی متشابہ آیات (جن کا معنی ظاہر نہ ہو) کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں کیوں کہ وہ اس کے حقیقی معانی نہیں سمجھ سکتے اور اپنی رائے سے اس کی کوئی نہ کوئی تاویل و توجیہ کر لیتے ہیں جس کے بعد وہ اپنے کو اوصیاء سے بے نیاز سمجھتے ہیں اور متشابہ آیات کا مطلب ان سے نہیں پوچھتے تاکہ وہ انھیں ان آیات کے صحیح معانی بتائیں۔ "إنما هلك الناس فيى المتشابه لأنهم لم يقفوا على معناه، ولم يعرفوا حقيقته، فوضعوا له تاويلا من عندأنفسهم بآرائهم، واستغنوا بذلک من مسالة الأوصياء فيعرفونهم"

(۱) سنن ترمذی، حدیث: ۲۹۵۱، اس حدیث کی سند "حسن صحیح" ہے
(۲) سنن ترمذی، باب ما جاء في الذي يفسر القرآن برأيه، حدیث: ۲۹۵۲

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب کبھی بھی آثار واحادیث کسی قوم میں کم ہوئیں وہاں اھواء وخواہشات نفس ڈیرہ ڈال دیتے ہیں اور جب کہیں علماء کی کمی ہوئی وہاں لوگوں کے مزاج میں ظلم رچ بس جاتا ہے۔ مَا قَلَّتِ الآثَارُ فِی قَوْمٍ إِلا ظَهَرَتْ فِیهِمُ الأَہْوَاءُ، وَلا قَلَّتِ الْعُلَمَاءُ إِلا ظَهَرَ فِی النَّاسِ الجفَاءُ۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: تفسیر قرآن محض رائے سے کرنا حرام ہے۔ "فأمَّا تفسیرُ القرآنِ بِمُجَرّدِ الرَّأْيِ فَحَرَام"۔

عورتوں کے درمیان تفسیر کرنا

عورتوں کی اصلاح اوران میں دینی شعور بیدار کرنے کی غرض سے کوئی معتبر عالم دین اگر تفسیر کا سلسلہ جاری کرے، اور پردے کا خوب اہتمام ہو، عورتوں کے بیٹھنے کی جگہ الگ ہو، اور مفسر صاحب کی جگہ الگ ہو، اور بظاہر کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو، تو ان شرائط کے ساتھ عورتوں میں وعظ ونصیحت اور تفسیر کا سلسلہ جاری کرنا درست ہے، صحابیات رضی اللہ عنہن نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ دینی وعظ سے مرد ہی استفادہ کررہے ہیں آپ ہمارے لیے بھی ایک دن متعین فرمادیں جس میں ہم آپ سے وعظ سنیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے ایک دن متعین فرمادیا۔ "عن أبي سعید الخدري رضی اللہ عنہ قال: قالت النساء للنبي صلی اللہ علیہ وسلم: غلبنا علیک الرجال فاجعل لنا یوماً من نفسک فوعدهن یوماً لقیتهن فیه فوعظهن وأمرهن"۔(۱)

ختمِ تراویح پر ضیافت یا مٹھائی

بعض مساجد میں تراویح کے ختم پر ضیافت یا کم ازکم مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے، اس سلسلے میں دو باتیں قابل غور ہیں (۱) جہاں تک دعوت کرنا یا مٹھائی تقسیم کرنا ہے یہ عمل فی نفسہ

(۱) صحیح البخاری: ۱/۲۰

جائز ہے،حضرت عمرؓ نے بارہ سال میں سورہ بقرہ مکمل کیا تھا تو ایک اونٹ بہ طورِ شکریہ ذبح فرمایا(۱) اس سے نیک عمل پر جائز حد میں اظہارِ خوشی کی اجازت معلوم ہوتی ہے(۲) مروجہ ختم پر جو ضیافت یا مٹھائی تقسیم ہوتی ہے اس میں بعض مساجد میں مسجد کا پیسہ لگایا جاتا ہے جو بالکل ناجائز ہے،مسجد کا مال مسجد کے علاوہ کسی غیر ضروری عمل کو ضروری درجہ دے کر خرچ کرنا جائز نہیں،بعض مساجد میں اس کے لیے چندہ کیا جاتا ہے جس میں بعض شرم کے مارے یا جبر کی وجہ سے دے دیتے ہیں جس میں طیبِ نفس (خوش دلی) نہیں ہوتی ہے تو وہ مال بھی حلال نہیں ہوتا،بعض مساجد میں امام کے نام پر چندہ وصول کر کے تھوڑا امام کے لیے اور زیادہ ان اخراجات میں صرف کیا جاتا ہے،اور اکثر مساجد میں اس عمل کو ضروری سمجھا جاتا ہے،اگر کسی سال یہ عمل نہ ہو تو لوگ اپنے حق میں عار محسوس کرتے ہیں،یہی وجہ ہے کہ کسی سال یہ عمل ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور ترک کی ترغیب پر لعن طعن ہوتا ہے، ان سب کے علاوہ مسجد میں تقسیم کے وقت شور شرابا ہوتا ہے،حضرت عمرؓ نے جب سورۂ بقرہ مکمل کیا تھا تو اپنے ہی مال سے دعوت کی تھی،جب کہ یہاں کتنے لوگوں کا قرآن کریم ختم ہوا ہے؟ (کم تعداد پورا قرآن سننے والوں کی ہے جب کہ اکثریت ۲۷ر کی مٹھائی والی ہے) اور دعوت کے لیے کس کا پیسہ لگایا جارہا ہے؟ مروجہ عمل اور حضرت عمرؓ کے عمل میں "بعد بین المشرقین و المغربین" (زمین وآسمان کا فرق) ہے،اس لیے مروجہ دعوت ومٹھائی واجب الترک ہے،ہاں! اگر ذمہ دارانِ مسجد یا کوئی مصلی اپنی ذاتی رقم سے لزوم کا عقیدہ رکھے بغیر اور ہر سال اہتمام کیے بغیر ضیافت کرلیتے ہوں تو گنجائش ہے۔

ختمِ قرآن کی دعاء کا حکم

ختمِ قرآن پر اجتماعی دعاء کرنا سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے اور قرآن مجید کے آخیر میں جو دعاء لکھی ہوئی ہوتی ہے اس کا حدیث سے ثبوت نہیں ہے،گرچہ دعاء فی نفسہ صحیح

---

(۱) تفسیر قرطبی: ۱/۳۰

ہے؛ البتہ دعاء کے قبولیت کے مقامات میں تلاوت کے ختم پر دعاء کرنا ثابت ہے، حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ نے احسن الفتاوی میں لکھا ہے کہ: تراویح کے بعد دعاء کی اجازت ہے (۱) حرمین شریفین میں ختم قرآن پر جو دعاء کی جاتی ہے اس کے متعلق علامہ ابن بازؒ کا فتوی ہے کہ: یہ عمل سلف سے ثابت نہیں ہے؛ مگر سلف کا اس میں کوئی نزاع بھی نہیں ہے؛ البتہ اتنی لمبی دعاء نہ کرے کہ مصلیوں پر بوجھ ہوجائے، خواہ پہلی رکعت میں دعاء کرے یا دوسری رکعت میں دعاء کرے یا نماز کے آخر میں کرے، جو دعائیں نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں وہ دعائیں کرے، معاش سے زیادہ معاد مانگے، اور حرمین کی دعاء میں شرکت کرنے کے لیے سفر کرنا درست ہے چوں کہ دعاء نماز کے تابع ہے اور حرم کی نماز کے لیے سفر کرنا جائز ہے، نیز اس کی برکت سے عمرے کی توفیق مل جاتی ہے۔ "وقد يكون معه عمرة فهو خير يجر إلى خير" (۲)

فائدہ: واضح رہے کہ بن بازؒ کا فتوی حنابلہ کے مسلک پر ہے، احناف کے پاس نماز میں ایسی دعاء کی اجازت نہیں جو لوگوں سے مانگی جاتی ہے، اور غیر عربی زبان میں دعاء کرنے کی بھی اجازت نہیں، اگر دعاء کرنا ہو تو سجدے کی حالت میں عربی میں دعاء کرنے کی گنجائش ہے۔ (۳)

۲۷ رمضان کو ختم قرآن کی حیثیت

(الف) ایک قرآن ختم کرنا ہے تو ۲۷ ؍رمضان کو ختم کرنا مستحب وافضل ہے؛ کیوں کہ بہت سی احادیث میں ۲۷ ؍کو شبِ قدر ہونا مذکور ہے، تو امید ہے کہ ختم قرآن شبِ قدر میں ہونے سے شبِ قدر کی برکات بھی حاصل ہوجائیں۔

---

(۱) احسن الفتاوی: ۵؍۵۱۹

(۲) كلام العلامة الإمام ابن بازؒ حول ختم القرآن فى صلاة التراويح ودعاء الختمة فيها۔

(۳) سنن ابی داود: باب فی الدعاء فی الرکوع والسجود، حدیث: ۸۷۵

”قال الزیلعی :ومنهم من استحب الختم فی لیلة السابع و العشرین رجاءأن ینالوا الیلة القدر لأن الأخبار تظاهرت علیها“(۱)

لیکن اس کا اس قدر التزام نہ ہوکہ ۲۷ر ہی کو قرآن ختم کرنا ضروری سمجھا جاوے اور ۳۰ر کو ختم کرنا جرم بن جائے،مثلاً کوئی حافظ بیمار ہوگیا،تو اس کو مجبور کیا جارہا ہے،یا اس کی جگہ دوسرے حافظ کا انتظام کیا جارہا ہے،کہیں حافظ صاحب کو بدنام کیا جارہا ہے جب کہ اس کی حیثیت صرف استحباب کی ہے،اور اگر دیکھا جائے تو صحیح سنت یہی ہے کہ پورا مہینہ تراویح میں قرآن پڑھا جائے؛ کیوں کہ تراویح جس طرح سنت ہے اسی طرح تراویح میں پورا قرآن سننا مستقل سنت ہے اور تراویح پورا مہینہ ہے تو تراویح میں تلاوت بھی پورا مہینہ رہے گی، چنانچہ تمام فقہاء کے نزدیک سنت یہی ہے کہ رمضان کی آخری شب قرآن ختم کیا جائے، جیسا کہ علامہ عبد الرحمن الجزیری نے اپنی کتاب ”الفقہ علی المذاھب الاربعة :۱/ ۴۵۵ “ میں اس کی صراحت کی ہے،اور خود علامہ شامیؒ نے بھی پورا مہینہ پڑھنے ہی کو سنت قرار دیا ہے،چنانچہ لکھتے ہیں ”وقال الحسن عن ابی حنیفة ؒ :یقرأ فی کل رکعة عشر آیات ونحوها، وهو الصحیح لان السنة الختم فیها مرة وهو یحصل بذلک مع التخفیف لأن عدد رکعات التراویح فی الشهر ستمائة رکعة و عدد آی القرآن ستة آلاف آیة وشیئا“(۲)

(ب) ۲۷ر رمضان کو ختم قرآن کی وجہ سے ایک غلط رسم یہ چل پڑی ہے کہ ۲۷ر کے بعد اکثر لوگوں کا رمضان ہی ختم ہوجاتا ہے اب وہ تراویح تو دور فرض نمازوں میں بھی دکھائی نہیں دیتے؛ کیوں کہ رمضان ختم ہوگیا اب عید کی تیاری کرنا ہے پس تراویح کے وقت شاپنگ میں لگے ہیں؛ بل کہ بعض حفاظ پر بھی اب بقیہ تراویح بھاری ہوجاتی ہے، جب ۲۷ر کو ختم کا خود قاری پر اثر ہوگا تو عامی کا کیا پوچھنا؟؟ اس لیے اگر کوئی حافظ صاحب کسی مسجد میں

---

(۱) فتاوی شامی : باب الوتر والنوافل: ۲/ ۴۶

(۲) الدر المختار مع رد المحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/ ۴۶

سالوں سے تراویح سناتے ہوں تو انھیں چاہیے کہ کبھی اس سنت پر عمل کریں، ۲۷ر کے ختم کی حیثیت واضح ہو جاوے۔

(ج) ۲۷ر کے علاوہ ۲۹ر یا ۳۰ر کو ختم کرنا حفاظ کے لیے سہولت کا سبب ہے؛ مگر رکاوٹ کمیٹی کی طرف سے ہوتی ہے، کمیٹی کے صدور اور ممبران کو حکمت سے مسئلہ سمجھا دیا جائے، اگر مان لیں تو ٹھیک ہے ورنہ اپنی ذمہ داری سے تو سبک دوش ہو جائیں گے، اور اگر غور کیا جائے تو ۲۷ر رمضان میں اسراف، بے جا روشنی کا استعمال اور تقسیمِ مٹھائی کا التزام وغیرہ نامناسب امور میں ایک گونہ ۲۷ر کے ختم کا دخل بھی ہے، ایک مستحب عمل کا التزام کتنے بدعات کا سبب بن رہا ہے۔

(د) فقہی اعتبار سے تراویح میں قرآن پڑھنے کی ترتیب صفحات کے لحاظ سے نہیں، بل کہ آیات کے لحاظ سے ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیز پڑھنے والے کو ہر رکعت میں تیس آیات پڑھنے کا اور متوسط پڑھنے والے کو پچیس آیات پڑھنے کا اور آہستہ پڑھنے والے کو بیس آیات پڑھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے "فأمر أسرعهم قراءة أن يقرأ للناس ثلاثين آية ،وأمر أوسطهم أن يقرأ للناس خمسا وعشرين آية ،وأمر أبطأهم أن يقرأ للناس عشرين آيه"(۱)

(ھ) بعض حفاظ شروع ایام میں دو دو، ڈھائی ڈھائی پارے پڑھاتے ہیں، اس کے بعد پاؤ پارہ، آدھا پارہ پڑھاتے ہیں، اس عمل سے مصلیوں کو شروع میں مشقت کا سامنا کرنا پڑے گا، جب کہ حکم یہ ہے کہ رمضان میں مصلیوں کے ساتھ سہولت وآسانی کا معاملہ کیا جائے "من أم الناس فی رمضان فلیاخذ بهم الیسر "(۲) اور دوسری خرابی یہ ہوگی کہ دو دو پارے پڑھنا بھی ہے اور اتنے ہی وقت میں ختم کرنا ہے جتنے وقت میں سوا

---

(۱) سنن کبری للبیهقی: ۲/ ۴۹۷ باب قدر قراءتهم فی قیام اللیل شهر رمضان، مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/ ۲۲۱ حدیث: ۷۷۵

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/ ۲۲۲ حدیث: ۷۷۶۱

پارہ ختم کرنا ہے تو جلدی جلدی پڑھنا پڑے گا، جس سے قرآن کا ادب باقی نہیں رہتا، اس لیے اس عمل سے احتراز ضروری ہے، فقہی اعتبار سے تراویح کی ہر رکعت میں قرآن مجید برابر پڑھا جائے؛ البتہ دو رکعت کی نماز میں پہلی رکعت میں نسبتاً تھوڑا زیادہ پڑھنے کی اجازت ہے تاکہ زیادہ لوگ جماعت میں پہلی رکعت سے شریک ہوسکیں ”الأفضل تعدیل القراءة بین التسلیمات، فان خالف لابأس به، وعند محمد یطول القراءة فی الأولی علی الثانیة“(۱)

ختم قرآن پر پانی دم کروانا

قرآنِ کریم تمام نوع انسانی کے لیے ذریعۂ ہدایت ہے اور روحانی وجسمانی امراض کے لیے شفاء کا بھی ذریعہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:
”وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ“۔(۲)

اس لیے ختمِ قرآن کے دن سنانے والے حافظ صاحب کے ذریعے سے پانی وغیرہ پر دم کروانے میں کوئی حرج نہیں، البتہ دم کروانے کے لیے اتنے تکلفات اختیار کرنا جو الگ سے ایک نیا طریقہ ہوجائے مناسب نہیں؛ بلکہ جہاں پر حافظ صاحب بیٹھے ہیں، وہاں پر پانی رکھ دیا جائے، حافظ صاحب ان پانیوں پر دم کردیں کوئی حرج نہیں؛ لیکن نمازیوں کا اپنے اوپر دم کرانے کے لیے بھیڑ لگانا یہ غیر مناسب ہے۔

ختم قرآن کے موقع پر ”سورۂ اخلاص“ کو تین مرتبہ پڑھنا

ختم قرآن کے موقع پر ”سورۂ اخلاص“ کا تین بار پڑھنا بعض نے اس کو ”لا بأس به“ کہا ہے اور بعض نے اس کو غیر مستحسن اور خلاف اولیٰ کہا ہے؛ لہٰذا اس کا ترک ہی اولیٰ اور

---

(۱) الفتاوی الهندیة: ۱/۱۱۷

(۲) (بنی إسرائیل: ۸۲)

افضل ہے، اور اس اہتمام کو لازم بنالینا مکروہ ہے۔(۱)

ختم قرآن اور ہمارا معاشرہ

پورے مہینے تو قرآن سنانے کا وہ انداز ہے جو ماقبل میں گذرا، اور جب ختمِ قرآن ہوتا ہے تو کیا منظر ہوتا ہے!

”مسجد دلہن بن رہی ہے، اوپر سے نیچے تک لائٹوں اور رنگ برنگے قمقموں سے فضا پرنور ہے، آج یہاں ختم قرآن ہوگا، روزانہ تراویح میں زیادہ سے زیادہ ایک صف ہوتی تھی؛ مگر آج اذان کے وقت ہی سے مسجد باوجود وسعت دامنی کے تنگ ہوگئی ہے، کیوں؟ اس لیے کہ تراویح کے بعد آج مٹھائی کی تقسیم کا بھی پلان ہے، جس کے لیے کئی دنوں سے چندے کی تحریک چل رہی تھی، اللہ اللہ کرکے حافظ صاحب نے وتر کا سلام پھیرا، دعائیں مانگی گئیں، مٹھائیاں تقسیم ہوئیں، ادھر حافظ صاحب کو پھولوں سے لاد دیا گیا اور ساتھ میں طے شدہ یا بلا طے شدہ قرآن سنانے کا معاوضہ بنام ”نذرانہ“ پیش کیا گیا، حافظ صاحب کی دلی مراد پوری ہوئی تو دینے والوں نے بھی شکر کی سانس لیا کہ چندے کی محنت ٹھکانے لگ گئی، مگر دینے والے اور لینے والے کسی کو یہ خیال بھی نہ گذرا کہ قرآن جیسی عبادت پر یہ ”لین دین“ کیسا؟ کسی کو توفیق نہ ہوئی کہ وہ اس بارے میں حکمِ شریعت سے باخبر ہوتا کہ یہ ”لینا دینا“ جائز بھی ہے یا نہیں؟

چند ٹکوں کے لیے قرآن کی اس خرید وفروخت نے آج حفاظِ کرام کی حیثیتِ عرفی مجروح کرکے رکھ دیا ہے، ہماری غیرت اس حد تک گر چکی ہے کہ ہم نے قرآنِ کریم کے سنانے تک کو ذریعۂ معاش بنالیا ہے، قسم بخدا! راج مزدوری کرکے حلال روزی کمانا قرآنِ کریم کو کمائی کا وسیلہ بنانے کے مقابلے میں لاکھ درجے بہتر ہے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد

---

(۱) مستفاد از فتاوی دار العلوم: ۴/ ۲۹۱، آپ کے مسائل اور ان کا حل، ط: نعیمیہ: ۴/ ۱۹۲، محمودیہ، ط: ڈابھیل: ۷/ ۳۱۲، ط: میرٹھ: ۱۱/ ۳۸۳

فرمایا کہ ’’جو شخص قرآن کریم کو اس لیے پڑھے تا کہ اس کے ذریعے سے لوگوں سے روزی اور کھانے پینے کی چیزیں حاصل کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ اس کے چہرے پر صرف ہڈی ہی ہڈی ہوگی، گوشت موجود نہ ہوگا۔‘‘(۱)

ذرا غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ کتنا بھیانک جرم ہے، جس میں ہم مبتلا ہیں اور اس رواج کو ختم کرنے کے لیے ہم اپنی شرعی ذمہ داری کہاں تک نبھا رہے ہیں؟(۲)

رمضان کی راتیں اور ہمارا معاشرہ

بعض لوگ بیس اور آٹھ کی چکر میں ہیں تو بعض کو نہ بیس سے کوئی واسطہ اور نہ آٹھ کی خبر کس غفلت میں رمضان کی راتیں مسلمان نوجوان گزارتے ہیں اندازہ لگائیں:

’’یہ تہجد کا وقت ہے، رمضان کی رحمتیں ٹوٹ کر بندگانِ خدا پر برس رہی ہیں، فرشتے صدا لگا رہے ہیں ’’اے بھلائی کے طالب آگے بڑھ اور اے برائی کا ارادہ رکھنے والے اپنے ارادے سے باز آ‘‘(۳)

اللہ رب العالمین اپنے بندوں کا شوق عبادت دیکھ کر فرشتوں سے فخر فرما رہے ہیں (۴) گویا رحمت کا دروازہ ’’کھلا ہوا‘‘ ہے اور شفقت و رحمت کا دریا جوش مار رہا ہے، ایسے میں کوئی خوش نصیب اپنے گرم گرم بستر کو چھوڑ کر رحمت کے حصول کی امید میں وضو کی مشقت اٹھاتا ہے اور پھر بارگاہِ ایزدی میں دست بستہ کھڑا ہو کر راز و نیاز میں مشغول ہونا چاہتا ہے، مگر یہ کیا؟ وہ پڑھنا چاہتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا، وہ آگے بڑھتا ہے تو نسیان و ذھول کا غلبہ اس کے قلبی اطمینان وسکون کے تار و پود بکھیر دیتا ہے، اس لیے کہ قوالیوں اور گانوں کی آواز سے فضا پرشور

---

(۱) مشکاۃ شریف: ۱/ ۹۳

(۲) تحفۂ رمضان: ۱۵۴

(۳) مشکاۃ: ۱/ ۱۷۳

(۴) الترغیب والترہیب: ۲/ ۶۰

ہے، سکون مفقود ہے، عبادت جس قلبی انبساط کو چاہتی ہے اس کا دور دور تک پتہ نہیں ہے، کیا یہ میوزک اور گانے غیر مسلم بجارہے ہیں تاکہ مسلمانوں کی عبادت کو غارت کیا جاسکے؟ نہیں نہیں! یہ رمضانی ہوٹلوں اور ”محبین رسول“ کے گھروں سے نکلنے والی آوازیں ہیں، جنھوں نے مسلم محلوں میں تہجد کے وقت عبادت کا مزا کر کرا کر کے رکھ دیا ہے، یہ وہی گانے ہیں جن کے بارے میں ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ گانا دل میں اس طرح نفاق کی آب یاری کرتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔(۱) یہ گانے اللہ کی رحمت کے بجائے اس کے غضب کے نزول کا سبب ہیں، رمضان کی متبرک راتوں میں شیطان نے ہمیں ان خرافات میں مبتلا کر کے اللہ کی رحمت سے دور کر دیا ہے، ہے کوئی اللہ کا بندہ جو اس لعنت سے قوم کو نجات دلا کر اپنے لیے اخروی سعادت کی ضمانت لے؟ اور عبادت گزاروں کی دعاؤں میں اپنا حصہ مقرر کرالے؟(۲)

بیس رکعات تراویح سنتِ مؤکدہ ہے

جمہور کا مسلک یہ ہے کہ تراویح بیس رکعات جماعت سے پڑھنا سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے اور سنتِ مؤکدہ وہ سنت ہے جس پر آپ ﷺ نے مداومت فرمائی ہو یا مداومت کا ارادہ فرمایا ہو، تراویح میں آپ ﷺ نے مداومت کا ارادہ کیا اور فرمایا اگر مجھے اس نماز کے فرض ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں آج بھی تراویح پڑھانے کے لیے آتا، رمضان کی راتوں میں آں حضرت ﷺ خود بھی قیام فرماتے تھے اور اس کی ترغیب بھی دیتے تھے؛ البتہ آپ ﷺ سے پوری حیاتِ طیبہ میں ایک رمضان میں تیئیسویں شب میں، پچیسویں شب میں اور ستائیسویں شب میں تراویح پڑھانا ثابت ہے۔(۳)

---

(۱) مظاہر حق: ۹۱/۴ شعب الایمان: ۲۷۹/۴

(۲) تحفۂ رمضان: ۱۵۰

(۳) ابوداود: ۱۹۰/۱، ترمذی: ۹۹/۱

لیکن آنحضرت ﷺ سے صراحت کے ساتھ تراویح کی رکعت کے متعلق کوئی عدد صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، نہ آٹھ کا نہ بیس کا اور یہی جمہور کی رائے ہے، البتہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اس تعداد کی تعیین کر دیتا ہے، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں آپ کے بعد تابعین، تبع تابعین، ائمہ عظام، محدثین ومجتہدین اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم سب کا عمل بیس رکعات تراویح کا ہی رہا ہے، اور جس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعتیں مقرر فرمائی اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی تعداد موجود تھی، ان میں سے کسی نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کی تردید نہیں کی؛ بلکہ سب نے اسی پر عمل بھی کیا، یہ اس کی واضح دلیل ہے کہ بیس رکعت پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا، اگر صرف تنہا اسی دلیل کو لیا جائے تو بالکل کافی ہے، کیوں کہ اگر بیس رکعات آنحضرت ﷺ سے ثابت نہ ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ بدعات کا دشمن کون ہوسکتا تھا؟ اور اگر بالفرض ان سے کوئی غلطی ہوتی تو آنحضرت ﷺ کی سنت پر جان دینے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو کیسے گوارا کرسکتے تھے؟

رہا بعض حضرات کا دعوی یا عمل کہ تراویح آٹھ رکعات ہے اس پر نہ کوئی صحیح حدیث ہے اور اگر کوئی حدیث صحیح ہے تو اس کا تراویح سے کوئی تعلق نہیں ہے، پوری تاریخ میں کسی معتبر فقیہ یا محدث کا عمل یا فتوی آٹھ رکعت تراویح پر مستند طریقے سے منقول نہیں ہے، چنانچہ مختصراً ہم یہاں اس مسئلے کی وضاحت رقم کرتے ہیں باقی اس مسئلے پر کئی اکابر کی تحریرات وتحقیقات کافی عمدہ ومقبولِ خاص وعام موجود ہیں، بندہ اُن ہی اکابر کا خوشہ چیں ہے اور اسی کو سعادت سمجھتا ہے۔

کتنی رکعات تراویح آپ ﷺ سے ثابت ہے؟

صحیح بات تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے کسی بھی صحیح صریح حدیث سے نہ بیس رکعات ثابت ہے اور نہ ہی آٹھ رکعات ثابت ہے؛ چناں چہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ:
علمائے امت میں تعداد رکعاتِ تراویح میں اختلاف ہے، اگر کسی حدیث صحیح سے عددِ رکعات

ثابت ہوتا تو اس قدر اختلاف نہ ہوتا ”إن العلماء اختلفوا فی عددھا ،ولو ثبت ذلک من فعل النبی ﷺ لم یختلف فیه“۔(۱)

علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ: جو شخص تراویح کے متعین عدد کے ثابت ہونے کا دعوی کرے گا وہ غلطی پر ہے ”ومن ظن ان قیام رمضان فیه عدد معین موقت عن النبی ﷺ لا یزید ولا ینقص فقد أخطاء۔“(۲)

یہی تحقیق علامہ شوکانیؒ اپنی کتاب ”نیل الاوطار: ۵۸/۳“ میں

مولانا وحید الزمان صاحبؒ اپنی کتاب ”نزل الابرار بالعلم الماثور من الادعیه والاذکار: ۱۲۶/۱“ میں اور مولوی نورالحسن بن صدیق حسن بھوپالی ”عرف الجاوی من جنان ہدیۃ الہادی: ۷۴“ میں نقل کرتے ہیں، ان تمام شواہد کے بعد کس منہ سے کہا جاتا ہے کہ آٹھ رکعت تراویح آں حضرت ﷺ سے صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ فیا أسفا علی هذاالکذب۔

البتہ صحابہ رضی اللہ عنہم ،تابعین، تبع تابعین اور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے عمل کی وجہ سے اہل سنت والجماعت بیس رکعات کے قائل ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا مبارک عمل

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (رمضان کی) ایک رات مسجد میں نمازِ تراویح پڑھی، لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر دوسری رات کی نماز میں مصلی زیادہ ہو گئے تیسری یا چوتھی رات کے لیے مسجد تشریف نہیں لائے اور صبح کو فرمایا: میں نے تمھارا شوق دیکھ لیا اور میں اس ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر (تمھارے شوق کی وجہ سے) فرض نہ کردی جائے: ”فلم یمنعنی من الخروج إلیکم إلا إنی

---

(۱) الحاوی للفتاوی: ۳۴۸/۱

(۲) الفتاوی الکبری لابن تیمیه ۲: ۱۲۰/، ط: دارالکتب العلمیة

خشیت أن تفرض علیکم، قال: ذلک فی رمضان"(۱)

اس حدیث میں مطلقاً تراویح پڑھانے کا ذکر ہے، تعداد نہ آٹھ کی ثابت ہے نہ ہی بیس کی، اسی طرح اس حدیث میں صرف تین راتیں تراویح پڑھانا ثابت ہے، پورا مہینہ پڑھانا ثابت نہیں، لہذا یہ حدیث ثبوتِ تراویح کی دلیل بنے گی؛ البتہ بیس رکعت تراویح پر دیگر احادیث مروی ہیں، چنانچہ :

(۲) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں ایک رات تشریف لائے اور لوگوں کو چار (فرض) بیس رکعات (تراویح) اور تین (رکعات) وتر پڑھائے۔ "خرج النبی ﷺ ذات لیلة فی رمضان فصلی الناس أربعة وعشرین رکعة وأوتر بثلاثة"(۲)

(۳) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعات (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔ "أن رسول اللہ ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر"(۳) ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان میں تراویح بیس رکعات پڑھتے تھے۔

حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ حسبِ سابق اپنے اپنے طور پر تراویح ادا کرتے رہے، دورِ فاروقی میں رمضان کی تمام راتوں میں مکمل قرآن سنانے کا سلسلہ شروع ہوا، اور بیس رکعات پر سب کا اجماع ہوگیا، تصریحات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور: حضرت عبدالرحمن بن عبد القاری رحمۃ اللہ علیہ سے

---

(۱) صحیح مسلم :باب الترغیب فی قیام رمضان وهو التراویح، حدیث: ۷۶۱

(۲) تاریخ جرجانی لابن قاسم حمزه بن یوسف جرجانی: ۲۷۵

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۲۲۵، باب کم یصلی فی رمضان من رکعة؟ حدیث: ۷۷۷۴

مروی ہے وہ کہتے ہیں: میں رمضان کی ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد چلا تو ہم نے دیکھا لوگ مختلف گروہوں میں بکھرے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں ان کو ایک قاری کے پیچھے اکٹھا کردوں تو زیادہ بہتر ہوگا،اس کے بعد حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ ان کی امامت کریں"فقال: عمر رضی اللہ عنہ انی اری لو جمعت هؤلاءعلى قارئ واحد لكان امثل، ثم عزم فجمعهم على ابى بن كعب رضی اللہ عنہ"(۱)

اس روایت میں اجتماعی طور پر تراویح کا ذکر ہے،بیس رکعات کا ذکر خود حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں،چناں چہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں حکم دیا کہ رمضان کی راتوں میں نماز پڑھائیں،(چناں چہ) فرمایا کہ لوگ سارادن روزہ رکھتے ہیں اور قرآت اچھی طرح نہیں کر سکتے،اگر آپ رات کو انھیں (نماز میں) قرآن سنائیں تو بہت اچھا ہوگا،پس حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے انھیں بیس رکعتیں پڑھائیں"عن ابى بن كعب رضی اللہ عنہ أن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ أمر ابى بن كعب رضی اللہ عنہ أن يصلى بالليل فى رمضان فقال إن الناس يصومون النهار ولا يحسنون أن يقرؤا فلو قرأت القرآن عليهم با لليل----- فصلى بهم عشرين ركعة"(۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کی تراویح بیس رکعات ہونے پر

۱۔حضرت یحی بن سعیدؒ سے مصنف ابن ابی شیبہ،حدیث: ۷۷۶۴۷

۲۔حضرت حسن بصریؒ سے ابوداؤد: باب القنوت فی الوتر ،حدیث:۱۴۲۹

۳۔حضرت عبد العزیز بن رفیعؒ سے مصنف ابن ابی شیبہ: باب کم یصلی فی رمضان من رکعة حدیث:۷۷۶۴۷

---

(۱) صحیح بخاری: باب فضل من قام رمضان حدیث:۱۹۰۶

(۲) مسند احمد بن حنبل بہ حوالہ اتحاف الخیرۃ :۲/ ۴۲۴ باب فی قیام رمضان حدیث:۲۳۹۰

۴۔حضرت یزید بن رومان رضی اللہ عنہ سے مصنف عبدالرزاق :باب قیام رمضان حدیث: ۷۷۳۳ میں اور کئی صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین ؒ سے روایات مروی ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دور: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی تراویح بیس رکعت ہی پڑھی جاتی تھیں، جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں تھیں؛ چناں چہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور مبارک میں (صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین ؒ) بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے اور قاری سوسو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور لوگ لمبے قیام کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں لاٹھیوں کا سہارا لیتے تھے "کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شهر رمضان بعشرین رکعة قال وکانوا یقرؤون بالمئین وکانوا یتوکؤون علی عصیهم فی عهد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدة القیام"(۱)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا دور: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں بھی تراویح بیس رکعات ہی پڑھی جاتی تھیں، درج ذیل روایات سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے

(۱) حضرت ابو الحسناء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات تراویح پڑھائے "عن أبی الحسناء أن علیا رضی اللہ عنہ أمر رجلا أن یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة" (۲)

حضرت ابوعبدالرحمن السلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک قاری کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح

---

(۱)السنن الکبریٰ للبیهقی:باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان: ۴۹۶/۲، علامہ نیموی ؒ نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے،نووی ؒ نے "الخلاصہ"میں،ابن عراقی ؒ نے "شرح التقریب"میں،اور علامہ سیوطی ؒ نے "المصابیح"میں اس کو صحیح قرار دیا ہے،التعلیق الحسن: ۳۹۴

(۲)مصنف ابن ابی شیبه : ۲۲۳/۵،باب کم یصلی فی رمضان من رکعة؟ حدیث: ۷۷۶۳

پڑھائیں، جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود انھیں وتر پڑھاتے تھے "عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی رضی اللہ عنہ قال: دعا القراء فی رمضان فأمر منهم رجلا أن یصلی بالناس عشرین رکعة و کان علی یوتر بهم" (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے اس فعل پر تعریف کی اور ان کے حق میں کلماتِ خیر کہے کہ اللہ تعالیٰ عمر رضی اللہ عنہ کی قبر کو ایسے ہی نور سے بھر دے جیسا کہ انھوں نے مساجد کو قرآن کے نور سے بھر دیا۔(۲)

جمہور امت کا عمل حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم عظام سے بھی بیس رکعات تراویح ہی منقول ہے، نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک سنتوں اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ان مقدس طریقوں کی تدوین جس جامعیت اور تفصیل کے ساتھ حضرات ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم نے فرمائی، یہ مقام امت میں کسی اور کو نصیب نہیں ہوا؛ اسی لیے پوری امت ان ہی کی رہنمائی میں پاک سنتوں پر عمل کر رہی ہے، ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم بھی بیس رکعات تراویح کے قائل تھے، امت مسلمہ میں جو مشائخ رحمۃ اللہ علیہم گذرے ہیں ان کا عمل بھی بیس رکعات تراویح کا تھا۔

حرمین شریفین اور ائمۂ حرمین کا عمل

حرمِ مکہ وحرمِ مدینہ میں عہد نبوی سے زمانہ حال تک بیس رکعات سے کم تراویح پڑھنا ثابت نہیں؛ بلکہ بیس رکعات ہی متوارث ومتواتر عمل رہا ہے، چنانچہ مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے سابق قاضی شیخ عطیہ سالم نے مسجد نبوی میں نماز تراویح کی چودہ سو

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی: باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان: ۲/۴۹۶، علامہ نیموی ؒ نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے، نووی ؒ نے "الخلاصۃ" میں، ابن عراقی ؒ نے "شرح التقریب" میں، اور علامہ سیوطی ؒ نے "المصباح" میں اس کو صحیح قرار دیا ہے، التعلیق الحسن: ۳۹۴

(۲) حیاۃ الصحابہ: ۳/۲۲۱، عربی

سالہ تاریخ پر" التراویح اکثر من الف عام" کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف فرما کر ثابت کیا ہے کہ چودہ سو سالہ مدت میں بیس رکعات متواتر عمل ہے، اس سے کم ثابت نہیں، جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ کی طرف سے "کلیة الشرعیة والدراسات الا سلامیة المکة المکرمة" کے استاذ شیخ محمد علی صابونی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ "الهدی النبی الصحیح فی صلاة التراویح" کے نام سے شائع کیا گیا ہے، جس میں شیخ صابونی رحمۃ اللہ علیہ نے عہدِ خلافتِ راشدہ سے لے کر حکومتِ سعودیہ تک مکہ مکرمہ مسجد حرام میں ہمیشہ بیس رکعات تراویح پڑھے جانے کا ثبوت دیا ہے۔(۱)

بیس رکعات تراویح پر علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تائید

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے تفردات کو جو حضرات اپنے لیے فخر کی چیز سمجھتے ہیں وہ ابن تیمیہؒ کی تحریر ملاحظہ فرمالیں، علامہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جب لوگوں کو طولِ قیام دشوار ہوا تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح پڑھانے کے لیے کھڑے ہو گئے اور اس کے بعد الگ سے وتر بھی پڑھاتے تھے، اور اس میں مختصر قیام فرماتے تھے۔ "فلما کان ذلک یشق علی الناس قام بهم أبی بن کعب رضی اللہ عنہ فی زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عشرین رکعة، ویوتر بعدها ویخفف فیها القیام" الخ (۲)

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیهقی: باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان: ۲/۴۹۶، علامہ نیمویؒ نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے، نوویؒ نے "الخلاصہ" میں، ابن عراقیؒ نے "شرح التقریب" میں، اور علامہ سیوطیؒ نے "المصباح" میں اس کو صحیح قرار دیا ہے، التعلیق الحسن: ۳۹۴

(۲) السنن الکبریٰ للبیهقی: باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان: ۲/۴۹۶، علامہ نیمویؒ نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے، نوویؒ نے "الخلاصہ" میں، ابن عراقیؒ نے "شرح التقریب" میں، اور علامہ سیوطیؒ نے "المصباح" میں اس کو صحیح قرار دیا ہے، التعلیق الحسن: ۳۹۴

نیز افضلیت لوگوں کے احوال کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے، اگر لوگوں میں طولِ قیام کی وجہ سے مشقت کا احتمال ہے تو دس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھے، جیسا کہ حضور ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں اپنے طور پر کیا کرتے تھے، جو کہ ایک افضل عمل ہے اور اگر لوگوں میں طول قیام کی دشواری کا احتمال نہ ہو تو بیس رکعات تراویح ہی زیادہ افضل ہے اور یہ وہی عمل ہے جس پر اکثر مسلمانوں نے عمل کیا ہے، اس لیے کہ یہ عمل دس اور چالیس کے درمیان میں ہے، جس کو ''خير الأمور أوسطها'' کہا جاسکتا ہے ''والأفضل يختلف باختلاف أحوال المصلين فإن كان فيهم احتمال لطول القيام فالقيام بعشر ركعات وثلاث بعدها كما كان النبي ﷺ يصلي في رمضان وغيره هو الأفضل، وإن كانوا لا يحتملونه فالقيام بعشرين هو الأفضل، وهو الذي يعمل به أكثر المسلمين فإنه وسط بين العشر وبين الأربعين''(۱)

اور تحریر فرماتے ہیں کہ: یہ ثابت شدہ امر ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رمضان المبارک میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین رکعات وتر پڑھایا کرتے تھے، پس اکثر علماء نے بیس رکعات تراویح کو سنت نبوی قرار دیا ہے؛ کیوں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرات مہاجرین وانصار کی موجودگی میں بیس رکعات پڑھاتے تھے کسی نے بھی اس فعل پر انکار نہیں کیا، اگر بیس رکعات تراویح ثابت نہ ہوتی تو مہاجرین وانصار ضرور اعتراض کرتے (۲)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور

---

(۱) السنن الكبرىٰ للبيهقي: باب ماروي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان: ۴۹۶/۲، علامہ نیموی ؒ نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے، نووی ؒ نے ''الخلاصہ'' میں، ابن عراقی ؒ نے ''شرح التقریب'' میں، اور علامہ سیوطی ؒ نے ''المصباح'' میں اس کو صحیح قرار دیا ہے، التعلیق الحسن: ۳۹۴

(۲) السنن الكبرىٰ للبيهقي: باب ماروي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان: ۴۹۶/۲، علامہ نیموی ؒ نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے، نووی ؒ نے ''الخلاصہ'' میں، ابن عراقی ؒ نے ''شرح التقریب'' میں، اور علامہ سیوطی ؒ نے ''المصباح'' میں اس کو صحیح قرار دیا ہے، التعلیق الحسن: ۳۹۴

میں جو طریقہ بیس رکعات پڑھانے کا ہوا، علماء نے اسے اجماع کے مثل شمار کیا ہے(۱)

نوٹ: تراویح کی روایات میں اگر چہ ضعف ہے؛ لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع اور تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کی تائید ہونے کی بنا پر اس میں قوت آجاتی ہے، اس کے بعد کسی روایت کا ضعف ثبوتِ مسئلہ میں مضر نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی تحقیق

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رمضان کی راتوں میں نماز کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، تم ان رکعتوں کی عمدگی اور طولِ قیام کے متعلق کیا سوال کرتے ہو؟ (اس کی عمدگی اور خوبی بیان سے باہر ہے) آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار چار رکعات نہایت عمدہ پڑھتے تھے، اور اخیر میں تین رکعات پڑھتے تھے "کیف کانت صلاۃ رسول اللہ ﷺ فی رمضان فقالت: ماکان رسول اللہ ﷺ یزید فی رمضان و لا فی غیرہ علی إحدی عشرۃ رکعۃ یصلی أربعا فلاتسئل عن حسنہن وطولہن، ثم یصلی أربعافلاتسئل عن حسنہن وطولہن ثم یصلی ثلاثا"(۲)

(الف) اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات کا علمی جائزہ لیا جائے تو کبھی ہمارے نادان

---

(۱)السنن الکبریٰ للبیہقی: باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان: ۲/ ۴۹۶، علامہ نیموی ؒ نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے، نووی ؒ نے "الخلاصہ" میں، ابن عراقی ؒ نے "شرح التقریب" میں، اور علامہ سیوطی ؒ نے "المصباح" میں اس کو صحیح قرار دیا ہے، التعلیق الحسن: ۳۹۴

(۲)السنن الکبریٰ للبیہقی: باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان: ۲/ ۴۹۶، علامہ نیموی ؒ نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے، نووی ؒ نے "الخلاصہ" میں، ابن عراقی ؒ نے "شرح التقریب" میں، اور علامہ سیوطی ؒ نے "المصباح" میں اس کو صحیح قرار دیا ہے، التعلیق الحسن: ۳۹۴

دوست اس حدیث کو دلیل میں پیش کرنے کی ہمت نہ کریں، بل کہ محدثین کے نزدیک بھی یہ اشکال وخلجان کا باعث بنی ہوئی ہے، علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کئی محدثین کے نزدیک محلِّ اشکال ہے بعض نے تو اس کو مضطرب کہہ دیا ہے "قال القرطبی اشکلت روایات عائشة رضی الله عنها علی کثیر من أهل العلم حتی نسب بعضهم حدیثها إلی الاضطراب" اور اصول حدیث کی کچھ بھی شد بد رکھنے والا اچھی طرح جانتا ہے کہ حدیثِ مضطرب قابل حجت نہیں جب تک کہ اضطراب ختم نہ ہو، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل رمضان اور غیر رمضان میں، کبھی ۴ / کبھی ۸ / کبھی ۱۰ / کبھی ۱۲ / اور کبھی ۱۶ / رکعات کا تذکرہ ملتا ہے؛ البتہ اکثر ۸ / رکعات پڑھتے تھے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذکر کیا ہے، اگر ان آٹھ رکعات سے تراویح کی آٹھ رکعات مراد ہو تو پھر بقیہ احادیث کا کیا جواب ہوگا؟

(ب) رمضان اور غیر رمضان میں تراویح پڑھنے کا کیا مطلب؟ یعنی پورے بارہ مہینے آٹھ رکعات پڑھنے کا کیا معنی؟ کیا وہ نماز تراویح ہی ہے جو بارہ مہینہ پڑھی جاتی ہے یا تہجد ہے؟ جب کہ اہل حدیث کے نزدیک بھی تراویح صرف رمضان میں پڑھتے ہیں نہ کہ غیر رمضان میں۔

(ج) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان میں عبادت میں اتنی محنت فرماتے تھے جتنی غیر رمضان میں نہیں فرماتے تھے" اگر رمضان وغیر رمضان میں بالکل کوئی فرق نہ ہو اور پورے سال آٹھ ہی رکعات پڑھتے ہوں تو رمضان میں محنت کرنے کا کیا مطلب؟ اگر یہ کہا جائے کہ یہاں محنت سے طولِ قیام مراد ہے تو بھی درست نہ ہوگا؛ کیونکہ موطا مالک کی روایت میں کثرتِ صلاۃ کے الفاظ آئے ہیں جو اس کی تردید کرتے ہیں۔

(د) راوی حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے لفظ "کیف" سے سوال کیا اور عربی قواعد سے برائے نام بھی تعلق ہو تو معلوم ہوگا کہ "کیف" سے سوال عمل کی کیفیت کے متعلق پوچھا جاتا ہے، نہ کہ عمل کی کمیت سے متعلق، مطلب یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کیسی ہوتی تھی؟ یہ سوال نہیں کہ کتنی ہوتی تھی؟ فقہ ہی سے نہیں بل کہ عربی گرامر سے بھی کیا اس قدر دشمنی کہ ثبوتِ مسئلہ کے

لیے بڑی جرأت سے کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کتنی رکعت ہوتی تھی؟ جب کہ سوال ہے کہ کیسی ہوتی تھی؟

(ھ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں چار چار رکعت پڑھنے کا تذکرہ کیا ہے، کیا یہ حضرات تراویح کی نماز چار چار ہی پڑھنے کو سنت کہتے ہیں اور اسی پر عمل بھی کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں! بل کہ دو دو رکعت ہی کے قائل اور عامل ہیں۔

(و) حدیث کے اخیر میں ''ثم یصلی ثلاثا'' کا جملہ ہے یہ تین رکعت کونسی ہے؟ ظاہر ہے یہ وتر کی تین رکعت ہی ہے، کیا ہمارے دوست پورے سال وتر کی نماز تین ہی رکعت پڑھتے ہیں؟

(ز) حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کو تراویح کی نماز کی کیفیت یا کمیت معلوم کرنا ہے تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے معلوم کریں گے یا صحابیات رضی اللہ عنہن سے؟ جب تراویح کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھنا سنت ہے، تو مسجد اور جماعت میں آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہوں گی یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ؟ عقل مندی کا جواب یہی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ سوال ہوگا نہ کہ صحابیات رضی اللہ عنہن سے، پتہ چلا کہ یہ سوال تراویح سے متعلق ہے ہی نہیں؛ بل کہ یہ سوال تہجد سے متعلق ہے اور تہجد کی نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے اور گھر کے احوال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اچھی طرح جانتی ہیں، ''صاحب البیت ادری بما فیه'' تو آپ رضی اللہ عنہا سے سوال گھر کے عمل کا ہوگا نہ کہ مسجد کے عمل کا۔

(ح) اگر حدیثِ عائشہ کا تعلق تراویح سے ہے تو محدثین اس حدیث کو تراویح کے باب میں لاتے نہ کہ تہجد کے باب میں جب کہ اکثر محدثین نے اس حدیث کو تہجد کے باب میں ذکر کیا ہے اور اگر تراویح کے باب میں ذکر کیے ہیں تو یہ بتانے کے لیے رمضان میں بھی تہجد ۸ رہی رکعت ہے۔

(ط) محدثین میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی جو اس حدیث کو اپنی کتاب ''موطا مالک'' میں نقل کیے ہیں، اگر اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہوتا تو محدث کو چاہیے کہ اپنی روایت کردہ

حدیث کے مطابق عمل کرے؛ جب کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بیس رکعات تراویح کا ہے نہ کہ آٹھ کا یہ خود دلیل ہے کہ اس حدیث کا تعلق تہجد سے ہے نہ کہ تراویح سے۔

(ی) اس حدیث کو امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی کتاب "مسند احمد" میں نقل کیا ہے، اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کا تعلق تراویح سے ہوتا تو آپ بھی آٹھ رکعت تراویح کے قائل ہوتے، جب کہ آپ کا مسلک بھی بیس رکعات تراویح کا ہے، معلوم ہوا کہ محدثین کے نزدیک بھی اس حدیث کا تعلق تہجد سے ہے نہ کہ تراویح سے۔

(ک) ان تمام دلائل کا جب حل نہ بن پڑا تو نادان دوست یہ نعرہ الاپنے لگے کہ تہجد اور تراویح دونوں ایک ہی نماز ہے، گویا زبانِ حال سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق تہجد سے ہے اور تراویح وتہجد دونوں ایک ہی نماز ہے، یہ آگے معلوم ہوگا کہ تراویح اور تہجد دونوں بالکل الگ الگ نمازیں ہیں اور واضح رہے کہ بخاری کی اس روایت کے علاوہ کوئی صحیح روایت آٹھ رکعات تراویح پر نہیں اور اس روایت کا یہ حال ہے جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی تحقیق

آٹھ رکعات تراویح پر دوسری دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی پیش کی جاتی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رمضان المبارک میں ایک رات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں آٹھ رکعات اور وتر کی نماز پڑھائی، جب دوسری رات آئی ہم سب لوگ مسجد میں جمع ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا انتظار کرتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہوگئی، صبح ہم نے عرض کیا کہ ہم لوگ کل رات آپ کا انتظار کررہے تھے کہ آپ ہمیں نماز پڑھائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے خوف ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہوجائے، "صلی بنا رسول الله ﷺ فی شهر رمضان ثمان ركعات واوتر فلما كانت القابلة جمعنا فی المسجد ورجونا يخرج فلم نزل فيه حتى أصبحنا ثم دخلنا قلنا يارسول لله ! اجتمعنا

البارحة فی المسجد ورجونا أن تصلی بنا، فقال :إنی خشیت أن یکتب علیکم"(۱)

(الف) حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے بیس رکعات تراویح کی روایت ہم شروع میں نقل کر آئے ہیں، اگر یہ روایت حجت ہے تو پھر بیس رکعات والی کیوں نہیں؟

(ب) اس حدیث کا ایک راوی "عیسی بن جاریہ" ہے جس پر ائمۂ حدیث نے سخت جرح کی ہے، یحیی بن معین ؒ نے کہا کہ یہ قابل اعتماد نہیں، اس کے پاس منکر احادیث کا ذخیرہ تھا، امام ابو داود ؒ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ "منکر الحدیث" ہے، امام ابن عدی ؒ نے کہا کہ اس کی تمام احادیث غیر محفوظ ہیں۔(۲)

(ج) اگر بیس رکعات تراویح کے ثبوت میں یہ روایت قابل استدلال ہے، تو جمہور کا اجماع اس پر کیوں ہوا نہ کہ بیس رکعات کا ثبوت صحیح احادیث سے ثابت ہے نہ ہی آٹھ کا، کیا جمہور کے علم میں یہ حدیث نہیں تھی؟ یا تھی مگر قابلِ استدلال نہ تھی؟

فائدہ: اس کے علاوہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث، اور حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں آٹھ رکعات کا ذکر ہے وہ بھی اسی طرح ضعیف ہے یا مضطرب ہے یا منسوخ ہے، یا خود مدعی کے نزدیک قابل حجت نہیں؛ کیونکہ مدعی "قولِ صحابی حجت نیست" کہہ کر کئی مسائل میں جمہور سے خروج کر چکا ہے۔

آٹھ رکعت تراویح سلف سے ثابت نہیں

آٹھ رکعات تراویح کے قائلین حضرات سے نہایت سنجیدگی سے یہ سوال ہے کہ حضرت عمر

---

(۱)السنن الکبریٰ للبیہقی: باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان: ۲/ ۴۹۶، علامہ نیموی ؒ نے کہا کہ اس کی سند صحیح ہے، نووی ؒ نے "الخلاصہ" میں، ابن عراقی ؒ نے "شرح التقریب" میں، اور علامہ سیوطی ؒ نے "المصباح" میں اس کو صحیح قرار دیا ہے، التعلیق الحسن: ۳۹۴

(۲)میزان الاعتدال: ۳۱۱، تہذیب التہذیب ۸ ذ/ ۲۰۷

رضی اللہ عنہ کے زمانے کے بعد صحابہ کرام اور سلف صالحین میں سے کن کن حضرات نے آٹھ رکعات تراویح باجماعت مسجد میں ادا کیں، کس سن میں کس شہر میں ذرا ثابت کریں، نیز بیس رکعات تراویح کا سلف صالحین میں سے کس نے انکار کیا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو جو اپنے آپ کو حجاز مقدس میں سلفی ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ کس ہمت اور جرأت کی بنا پر اجماع صحابہ اور خلفائے راشدین اور سلف صالحین کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں؟ نیز حرمین شریفین میں مسلسل ہر رمضان میں پابندی کے ساتھ بیس (۲۰) رکعات تراویح کیوں ہوتی ہے؟

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

(۱) غیر مقلد عالم معراج ربانی سے سوال کیا گیا حرمین شریفین میں کیوں ۲۰ ؍رکعات تراویح ہوتی ہے؟ جواب میں کہتے ہیں کہ ۱۰ ؍رکعات پر امام بدل جاتا ہے! غور کریں کس قدر نامعقول جواب ہے ۱۰ ؍رکعات پر امام بدلنے سے کیا فرق پڑے گا جب کہ مقتدی اور امام اوّل دونوں بقیہ تراویح مکمل کر رہے ہیں نیز امام ۸ ؍رکعات پر تو نہیں بدل رہا ہے۔

(۲) یہ لوگ کہتے ہیں کہ تہجد، تراویح، دونوں نمازیں ایک ہیں صرف نام مختلف ہیں۔ جب کہ اہل سنت والجماعت کا یہ ماننا ہے کہ یہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں، ہم یہاں پر تہجد اور تراویح کے الگ الگ ہونے کی صراحت کرتے ہیں۔

نماز تراویح اور نمازِ تہجد دو جدا جدا نمازیں ہیں

(۱) غیر مقلد عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری سے سوال کیا گیا کہ ’’نمازِ تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یا علاحدہ علاحدہ؟ آپ نے جواب میں فرمایا: نمازِ تہجد تو سارے سال میں ہوتی ہے اور تراویح خاص رمضان میں۔[1]

(۲) پھر سوال ہوا کہ ’’جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کے وقت نمازِ تراویح پڑھ

---

(۱) فتاوی ثنائیہ: ۱ ؍۶۵۶

لے وہ پھر آخر رات میں تہجد پڑھ سکتا ہے یا نہیں''؟ تو جواب میں فرمایا: پڑھ سکتا ہے تہجد کا وقت بھی صبح سے پہلے کا ہے، اول شب میں تہجد نہیں ہوتی۔(۱)

(۳) پھر سوال ہوا کہ''رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد دونوں ہیں یا تہجد کے بدل تراویح ہے''؟ فرمایا کہ: اگر تراویح پہلے وقت میں پڑھے تو صرف تراویح ہے، پچھلے پہر میں پڑھے تو تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔(۲)

(۴) تہجد کی مشروعیت قرآن مجید سے ہے اور تراویح کی حدیث شریف سے ہے۔

(۵) نماز تراویح کے لیے جماعت سنت ہے اور تہجد کے لیے نہیں۔

(۶) تراویح میں ایک دفعہ کلام پاک ختم کرنا سنت صحابہ رضی اللہ عنہم ہے اور تہجد میں قرأت قرآن کی کوئی مقدار متعین نہیں۔

(۷) تراویح کے بعد وتر باجماعت پڑھنے کا امت کا متواتر عمل ہے اور تہجد کے بعد وتر باجماعت ادا کرنا معمول ومشروع نہیں۔

(۸) تہجد کی نماز کے بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی سو جایا کرتے تھے دوبارہ جاگنے پر بقیہ نماز تہجد ادا فرماتے تھے اور تراویح کی نماز کے بعد جبکہ ابھی کچھ رکعات باقی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آرام فرمانا ثابت نہیں۔

(۹) نماز تہجد سارا سال پڑھی جاتی ہے اور نمازِ تراویح صرف رمضان المبارک میں۔

(۱۰) تہجد مکہ مکرمہ سے پڑھی جا رہی ہے، جب کہ تراویح مدینہ منورہ سے شروع ہوئی۔

(۱۱) تراویح سونے سے پہلے پڑھنا سنت ہے جبکہ تہجد سو کر اٹھنے کے بعد پڑھنا سنت ہے۔

(۱۲) جب تہجد اور تراویح ایک نماز ہے تو آٹھ رکعت تراویح کے ثبوت پر بحث کرنے کا کیا معنی؟ صاف انکار کیوں نہیں کر دیتے کہ تراویح کوئی نماز ہی نہیں ہے؟

فائدہ: جو لوگ تہجد اور تراویح کو ایک نماز کہتے ہیں وہ درحقیقت نماز تراویح کو نہیں

(۱) فتاوی ثنائیہ: ۱/ ۲۸۲

(۲) فتاویٰ ثنائیہ: ۱/ ۶۵۴

مانتے اور نماز تراویح کے منکر ہیں جبکہ آنحضرت ﷺ سے کوئی روایت ایسی ثابت نہیں جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ تراویح اور تہجد دونوں ایک نماز ہے، الگ نمازیں نہیں۔

وضاحت: بیس رکعت تراویح کے موضوع پر بیسیوں اہل تحقیق نے حق ادا کرنے کی کما حقہ کوشش کی ہے سیکڑوں کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں، ویسے علمائے دیوبند کے تمام کتب فتاوی میں یہ مسئلہ موجود ہے کسی میں اجمالا تو کسی میں تفصیلا یہاں پر چند کتب کے نام پیش خدمت ہے تاکہ تفصیل طلب مزاج حضرات ملاحظہ کرنا چاہیں اور سنجیدہ مزاج حضرات جو آٹھ رکعات کے قائل ہیں خالی الذہن ہو کر تلاشِ حق کی نیت سے مطالعہ کر لیں تو صحیح نتیجے تک رسائی سہل ہو جائے۔

(۱) علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی "المصابیح فی صلاۃ التراویح" ۵۱/صفحات کا کتابچہ نہایت عمدہ ومؤثر ہے۔

(۲) "تصحیح حدیث صلاۃ التراویح عشرین رکعة والرد علی الالبانی فی تضعیفه" اسماعیل بن محمد الانصاریؒ کی کتاب ۱۵۹/صفحات پر مشتمل جس میں البانی کا کما حقہ تعاقب کیا گیا ہے۔

(۳) "عدد صلاۃ التراویح دراسة نقدیة و توفیقیة بین السنن القولیة والفعلیة الواردة فی التهجدبمقتضی القواعدالأصولیة" ابراہیم بن محمد الصبیحیؒ کی ۱۰۲/صفحات پر مشتمل جس میں عمدہ تطبیق وتوضیح کی گئی ہے۔

(۴) "حکم التراویح أوالزیادةفیها علی إحدی عشرة رکعة" عبد الرحیم بن ابراہیم ہاشمیؒ کی ۶۵/صفحات پر مشتمل جس میں بیس رکعت کا ثبوت اور زائد رکعات کے قائلیں کے دلائل کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

(۵) "القول الصحیح فی عددرکعات التراویح" محمد سعید عواد المعضادیؒ کی تحریر جس میں علمائے عرب کے فتاوی جمع ہیں بن بازؒ کا، شیخ محمد عبدالوہاب نجدی کا فتوی، شیخ عثیمین کا فتوی، شیخ عبداللہ بن جبرین کا فتوی، شیخ محمد صالح المنجد کا فتوی، علامہ صالح بن

فوزان الفوزان کافتوی جوان کی کتاب "اتحاف أہل الایمان بدروس شہر رمضان" سے نقل کیا ہے، شیخ عطیہ محمد سالم کی کتاب "التراویح أکثر من ألف عام' سے اس مسئلے کا خلاصہ، شیخ سلیمان الحربی کا فتوی، ابن تیمیہ کا فتوی، شیخ عبدالعزیز سلمان کی کتاب "المناهل الحسان" کا خلاصہ، اور جامعہ ازہر کے مفتی شیخ حسن مامون کا فتوی نقل کیا گیا ہے کہ ان تمام علمائے عرب کا فتوی ہے کہ بیس رکعات تراویح سنت ہے۔

(۶) حرم مدنی کے استاذ کی کتاب "التراویح اکثر من الف عام" جس میں عہدِ نبوی سے موجودہ زمانے تک حرمین شریفین میں بیس رکعت کے معمول کو تمام علمائے عرب کی آرا اور تاریخ کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔

اردو میں بے شمار کتب و رسائل اس موضوع پر طبع ہو چکے ہیں چند کتابیں پیش خدمت ہیں:

(۷) "رکعاتِ تراویح" محدث جلیل امیر الہند حضرت مولانا ابوالمآثر حبیب الرحمن اعظمیؒ صاحب کی کتاب اصولِ حدیث اور مسلّماتِ مخالفین کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیس رکعات کی سنیت پر نہایت مدلل کلام کیا گیا ہے، جو اس موضوع پر حرف آخر ہے ۱۱۳ر صفحات پر مشتمل یہ رسالہ رسائل اعظمی میں شامل ہے۔

(۸) "تراویح کے اہم مسائل اور اس کی بیس رکعات کا ثبوت" مفتی عبد الرؤوف سکھروی صاحب کا رسالہ ۳۶ر صفحات پر مشتمل۔

(۹) "بیس رکعات تراویح سنتِ موکدہ ہے" مولانا الیاس گھمن صاحب زید مجدہم کا رسالہ جو اہل حدیث حضرات کے اعتراضات کے مدلل جوابات پر ۷۷ر صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۰) "خیر المصابیح فی عدد التراویح" احادیث وعمل صحابہ رضی اللہ عنہم اور اجماع امت کی روشنی میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ صاحب کا ۵۲ر صفحات پر مشتمل جامع رسالہ، جو خیر الفتاوی جلد دوم میں شامل کیا گیا ہے۔

(۱۱) "مسنون تراویح" تعداد مسنون تراویح پر منصفانہ اور محققانہ تبصرہ مولانا نور محمد تونسویؒ

کا ۱۳۰؍صفحات پر مشتمل کتابچہ۔

(۱۲)''رکعات تراویح کا ثبوت احادیث نبوی اورفقہ حنفی کے آئینے میں''مفتی محمد ذوالفقارخان نعیمی ککراولوی کا کتابچہ ۱۲۲؍صفحات پر مشتمل۔

(۱۳)''رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ''حافظ ظہور احمد الحسنی کی عمدہ تالیف ۲۸۱؍صفحات پر مشتمل۔

(۱۴)''انوارالمصابیح فی توضیح مصابیح التراویح''حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب کی کتاب جس میں حجۃ الاسلام نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے افادات بھی جمع ہیں موضوع پر مسکت کتاب ۱۶۲؍صفحات پر مشتمل۔

(۱۵)''مشکاۃ المصابیح فی تحقیق رکعات التراویح''استاذ العلماء محمد سعید احمد کیلانی کا رسالہ ۳۱؍صفحات پر مشتمل۔

(۱۶)''آٹھ رکعت تراویح بدعت ہے''سند المحدثین محمد فیض الدین اویسی صاحب کا رسالہ ۳۵؍صفحات پر مشتمل۔

(۱۷)''غاية التنقيح فی إثبات التراويح''مولانا سید محمد علی صاحب کا ۳۹؍صفحات کا رسالہ۔

(۱۸)''رسالۃ التراویح''غلام رسول صاحب کا ۱۷؍صفحات پر مشتمل فارسی رسالہ۔

(۱۹)''تحقیق التراویح''سید شاہ ابوالحسن احمد نوری کی کتاب ۱۶۲؍صفحات پر مشتمل کتب فقہ وعباراتِ فقیہ کی روشنی میں موضوع پر فقہی عبارات کی جامع کتاب۔

(۲۰)''التصریح فی صلاۃ التراویح''ڈاکٹر طاہر القادری کا ۴۱؍صفحات پر مشتمل رسالہ۔

(۲۱)''آٹھ رکعات تراویح کا تنقیدی وتحقیقی جائزہ''مولانا نعیم اللہ خان قادری صاحب کا ۶۰؍صفحات پر مشتمل رسالہ۔

(۲۲)''تحقیقِ رکعاتِ تراویح''مفتی عبدالمجید خان رضوی کی تحریر ۲۲؍صفحات پر مشتمل۔

(۲۳)''بیس رکعت تراویح پر بیس احادیث اورمنکرین پر بیس اعتراضات''مولانا محمد

شریف اور مولانا سردار احمد صاحبان کا ۱۱ر صفحات پر مشتمل رسالہ۔

(۲۴) مفتی شبیر صاحب شاہی مراد آباد کا احادیث و چیلنج پر مشتمل ۸ر صفحات کا رسالہ۔

(۲۵) ’’بیس رکعت تراویح کا ثبوت‘‘ مولانا مشتاق علی شاہ شاگرد مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدرؒ صاحب کا ۱۶ر صفحات پر مشتمل لاجواب رسالہ۔

(۲۶) ’’مسنون تراویح‘‘ مولوی عبد المنان قاسمی کا ۵۶ر صفحات پر مشتمل رسالہ۔

دسواں باب

واجب الوتر کے احکام

اس باب میں وتر کا وجوب، تین رکعات وتر کا ثبوت، رمضان میں وتر تراویح کے بعد یا تہجد میں افضل ہے؟ اور حرم میں حنفی شخص کی وتر کے مسائل ذکر کیے گئے ہیں۔

تین رکعات وتر ایک سلام کے ساتھ

تین رکعات نماز ِ وتر پر جمہور کا اجماع ایسے ہی ہے جیسے بیس رکعت تراویح پر اجماع ہے، دو رکعت سے کم کوئی نماز نہیں ہے نہ وتر نہ کوئی اور نفل، البتہ دو باتوں میں اختلاف ہے ایک یہ کہ وتر واجب ہے یا سنت؟ احناف کے نزدیک وتر واجب ہے (جس کا منکر کافر نہیں ہے) اور ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک سنت ہے دوسرا اختلاف یہ کہ تین رکعات وتر ایک سلام سے پڑھنا سنت ہے یا دو سلام سے احناف کے نزدیک تین رکعات وتر ایک سلام سے پڑھنا سنت ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک دو سلام سے پڑھنا سنت ہے، دونوں جانب احادیث موجود ہیں، یہاں ہم احناف کے مسلک پر دلائل اور ترجیحات ذکر کریں گے ،چوں کہ رمضان کے مبارک مہینے میں جن مسائل کو زیادہ موضوع بحث بنایا جاتا ہے ان میں سے تین رکعات وتر کا مسئلہ بھی ہے، وتر کے وجوب اور مسلک جمہور کے مطابق تین رکعت وتر کی احادیث پیش خدمت ہیں:

وتر واجب ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ وتر واجب ہے، جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر واجب ہے جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر واجب ہے جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ''الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا، الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا، الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا'' (۱)

۲۔ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ وتر حق ہے یا واجب

(۱) سنن ابی داود ۱/ ۲۰۸، باب فيمن لم يوتر، ابوداود نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے، جو ان کے نزدیک حدیث کے صحیح کم از کم حسن ہونے کی دلیل ہے، امام حاکمؒ نے اس کو صحیح علی شرط الشیخین قرار دیا ہے، درس ترمذی: ۲/ ۲۰۸

ہے "الوتر حق أو واجب." (۱)

(۱) ان روایات سے واضح ہوا کہ وتر کی نماز واجب ہے، وتر چوں کہ عشاء کی نماز کے تابع ہے؛ اس لیے جن احادیث میں صلواتِ خمسہ کا ذکر ہے، اس میں وتر کو مستقل بیان نہیں کیا گیا، نیز فرض کے بیان کے موقع پر واجب کو کیوں کر بیان کیا جائے گا۔

(۲) ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک فرض اور سنت کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے اس لئے انھوں نے سنت کہا اور سنت میں بھی آکد سنن مراد ہے، جس کا حاصل اختلاف لفظی ہوا، دونوں کے نزدیک وتر کا پڑھنا ضروری ہے۔

تین رکعات وتر کی احادیث

(۱) حضرت ابوسلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رمضان کی راتوں میں نماز کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے تم ان رکعتوں کی عمدگی اور طول قیام کے متعلق کیا سوال کرتے ہو؟ (اس کی عمدگی اور خوبی بیان سے باہر ہے) آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار چار رکعات نہایت عمدہ پڑھتے تھے، اور اخیر میں تین رکعت (وتر) پڑھتے تھے "كيف كانت صلاة رسول الله ﷺ في رمضان، فقالت: ما كان رسول الله ﷺ يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة يصلي أربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلي اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلاثا" (۲)

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رمضان اور غیر رمضان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تین

---

(۱) مسند ابی داود الطیالسی: ۱/ ۳۱۴ حدیث: ۵۹۴، شرح معانی الآثار: ۱/ ۲۰۴، سنن دار قطنی: ۲۸۳ حدیث: ۱۶۲۴

(۲) صحیح بخاری: ۱/ ۱۵۴، صحیح مسلم: ۱/ ۲۵۴

رکعات وتر ہمیشہ پڑھنے کو بیان فرما رہی ہیں۔

(۲) حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سورہ اعلی اور دوسری رکعت میں سورہ کافرون اور تیسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھا کرتے تھے، اور تینوں رکعات کے آخر میں سلام پھیرتے تھے اور سلام کے بعد تین مرتبہ ”سبحان الملک القدوس“ پڑھا کرتے تھے۔

”عن أبی ابن کعب رضی اللہ عنہ قال: کان رسول الله ﷺ یقرأفی الوتر بسبح اسم ربک الأعلی،وفی الرکعة الثانیة بقل یا ایها الکافرون،وفی الثالثة بقل هو الله احد،ولایسلم إلافی آخرهن ، ویقول یعنی بعد التسلیم ”سبحان الملک القدوس ثلاثا“(۱)

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کی نماز تین رکعات پڑھا کرتے تھے، اور ان تینوں کے درمیان سلام نہیں پھیرتے تھے، بل کہ آخر میں سلام پھیرتے تھے، اور یہی امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وتر تھی، اور انھیں کے عمل کو اہلِ مدینہ نے اپنایا ہے۔

”عن عائشة قالت: کان رسول الله ﷺ یوتر بثلاث لا یسلم الا فی آخرهن، وهذاوتر أمیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ،وعنه أخذه اهل المدینة“(۲)

(۴) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو پہلے آٹھ رکعات پڑھتے تھے، پھر تین رکعات وتر پڑھتے، پھر دو رکعات (سنت) فجر کی نماز سے پہلے پڑھتے تھے۔

”کان رسول الله ﷺ یصلی من اللیل ثمان رکعات ویوتر بثلاث

---

(۱) سنن نسائی: ۱/ ۱۹۱ حدیث: ۱۷۰۲

(۲) مستدرک حاکم: ۲/ ۴۴۱ حدیث: ۱۱۴۰

ویصلی رکعتین قبل صلاۃ الفجر"(۱)

(۵)ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے پہلی رکعت میں "سبح اسم ربک الأعلی" دوسری رکعت میں "قل یا ایھا الکافرون" تیسری رکعت میں "قل ھو اللہ أحد" اور کبھی معوذتین پڑھتے تھے۔ "کان النبی ﷺ یوتر بثلاث یقرأ فی أول رکعة "(۲)، امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے، علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کو احمدؒ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا اور اس کی سند حسن درجے کی ہے(۳) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی تین رکعت وتر پسند تھی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور بعد میں آنے والے جمہور اہل علم کا پسندیدہ عمل یہ ہے کہ وتر کی پہلی رکعت میں "سورہ اعلیٰ"، دوسری میں "سورہ کافرون" اور تیسری میں "سورہ اخلاص" پڑھی جائے بہ حوالہ مسنون نماز: ۱۵۰)

وتر کی جتنی احادیث ہیں ان میں کہیں دو سلام سے وتر پڑھنے کا ذکر نہیں ہے اگر دو سلام سے پڑھنا واجب ہوتا تو ایک غیر معمولی عمل کو صحابہ رضی اللہ عنہم ضرور بیان فرماتے۔(۴)

اس مضمون کی احادیث مندرجہ ذیل صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔

۶۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

۷۔حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ

۸۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

---

(۱) نسائی شریف: باب ذکر الاختلاف علی حبیب بن ثابت فی حدیث ابن عباس فی الوتر، حدیث: ۱۷۰۸، عقیلی نے اس کی سند کو صالح اور نوویؒ، عراقی، اور علامہ نیمویؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے، بہ حوالہ مسنون نماز: ۱۴۹

(۲) سنن ترمذی: باب ماجاء فیما یقرأ به فی الوتر حدیث: ۴۶۳

(۳) آثار السنن: باب الوتر بثلاث: ۳۱۸، بہ حوالہ مسنون نماز: ۱۴۹

(۴) درس ترمذی: ۲/ ۲۲۳

۹۔حضرت عبدالرحمن بن سبرۃ رضی اللہ عنہ
۱۰۔حصرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ
۱۱۔حضرت عبدالرحمن بن ابزی رضی اللہ عنہ
۱۲۔حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے(۱)

تین رکعات وتر ایک ہی سلام سے ہے

(۱) حضرت مسور بن مخزمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت میں دفن کر کے فارغ ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیشک میں نے وتر کی نماز نہیں پڑھی ہے، پھر وہ وتر کی نماز کے لیے کھڑے ہو گئے،اور ہم ان کے پیچھے صف بندی کر کے کھڑے ہو گئے تو انھوں نے ہم کو تین رکعت وتر کی نماز پڑھائی درمیان میں کوئی سلام نہیں پھیرا، بلکہ ان رکعتوں کے بالکل آخر میں سلام پھیرا ”عن المسور بن مخرمة قال :دفنا ابا بکر لیلا فقال عمر:إنی لم اوتر ،فقا م و صففنا وراءہ، فصلی بنا ثلاث رکعات لم یسلم الا فی آخرھن“۔(۲)

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وتر کی نماز اسی طرح تین رکعات ہے جس طرح دن کی وتر یعنی مغرب کی نماز ہے(جس طرح تین رکعات مغرب کی ایک سلام سے ہے اسی طرح وتر کی نماز ایک سلام سے ہے ”عن عبد اللہ بن مسعود قال : الوتر ثلاث کوتر النھار صلاۃ المغرب“(۳)

---

(۱) دیکھیے مجمع الزوائد: ۲/ باب عدد الوتر، اور باب مایقرء فی الوتر:۵۰۱ تا ۵۰۶

(۲) طحاوی شریف: ۱/ ۳۸۱ حدیث: ۱۷۰۰ علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ: اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، آثار السنن باب الوتر بثلا ث: ۳۱۸

(۳) شرح معانی الآثار: حدیث: ۱۶۱۳، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں ،علامہ نیموی فرماتے ہی اس کی سند صحیح ہے، آثار السنن باب الوتر: ۳۱۹ بہ حوالہ مسنون نماز: ۱۵۱

(۳) حضرت عبدالرحمن بن ابی الزناد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں وہ فقہائے سبعہ یعنی [۱] حضرت سعید بن المسیب [۲] عروہ بن الزبیر [۳] قاسم بن محمد [۴] ابو بکر بن عبدالرحمن [۵] خارجہ بن زید [۶] عبیداللہ بن عبداللہ بن مسعود [۷] سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہم، ان سب فقہاء اور اہل فضل سے نقل فرماتے ہیں کہ بے شک وتر کی نماز تین رکعت ہے، اور درمیان میں کوئی سلام نہیں صرف اس کے آخر میں سلام پھیرا جائے گا، یہ فقہائے مدینہ اور علمائے مدینہ ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے یقینا ان لوگوں کا اتفاق اس بات پر ہے کہ تین رکعت وتر ایک سلام کے ساتھ ہے "فكان مما وعيت عنهم على هذه الصفة أن الوتر ثلاث لا يسلم إلا فى آخر هن فهذا من ذكرنا من فقهاء المدينةو علمائهم قد أجمعوا أن الوتر ثلاث لا يسلم ألا فى آخرهن" (۱)

ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ نماز وتر تین رکعت ہے اور ایک سلام سے ہے، اسی پر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل، فقہائے سبعہ کا، اور دیگر صحابہ وتابعین کا عمل رہا ہے اس لیے احناف کے پاس تین رکعت وتر ایک سلام سے پڑھنا واجب ہے۔

ایک سلام سے وتر کی روایات مندرجہ ذیل صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں:

۱۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
۲۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ
۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ
۵۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ
۶۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ
۷۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ

---

(۱) طحاوی شریف: ۱/ ۳۸۵ حدیث: ۱۶۷۶ علامہ نیموی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند حسن ہے، آثار السنن باب الوتر بثلاث: ۳۲۰

۸۔حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ سے مروی ہے۔(۱)

عقلی دلیل

علاوہ ازیں عقلی اعتبار سے تین رکعت والی نماز میں اصل یہی ہے کہ بلافصل ہو، کیوں کہ فصل سے ایک رکعت علاحدہ ہونے سے صحت نماز میں شک ہوسکتا ہے اور عدمِ فصل میں کوئی شک نہیں اس لیے شک کے پہلو کو ترک کر کے بے غبار پہلو اختیار کیا جائے گا۔(۲)

وتر کی تیسری رکعت میں رفع یدین کرنا

حضرت بن مسعودؓ وتر کی آخری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے پھر رکوع سے پہلے رفع یدین کر کے قنوت پڑھتے تھے "عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کان یقرأ فی آخر رکعۃ من الوتر "قل ھو اللہ أحد" ثم یرفع یدیہ فیقنت قبل الرکعۃ" (۳)

۲۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قنوت میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے "کان عمر یرفع یدیہ فی القنوت" (۴)

نوٹ: وتر میں دعائے قنوت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ثابت نہیں، نہ باجماعت پڑھنے کی صورت میں اور نہ ہی اکیلے پڑھنے کی صورت میں۔

حرم میں حنفی حضرات وتر کی نماز کیسے پڑھیں؟

ہندوستان میں حنفی مقتدی کی شافعی امام کے پیچھے وتر کی نماز درست نہیں ہے، حنفیہ

---

(۱) دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/ ۲۹۴، طحاوی: ۱/ ۱۴۳ باب الوتر

(۲) ملخص از: درس ترمذی: ۲/ ۲۳۵

(۳) جزء رفع الیدین للبخاری: ۲۸، المعجم الکبیر للطبرانی: ۹/ ۲۸۳، مجمع الزوائد: ۲/ ۲۴۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۴/ ۵۳۱ حدیث: ۷۰۲۸

(۴) جزء رفع الیدین للبخاری، حدیث: ۱۴۶

کے یہاں وتر کی نماز ایک سلام سے پڑھنا راجح ہے، دو سلام سے پڑھنا درست نہیں، جو لوگ دو سلام سے وتر پڑھتے ہیں حنفی کو ان کی اقتداء میں پڑھنا جائز نہیں، سعودیہ میں جہاں رہتے ہیں وہاں اگر حنفی ہوں تو وتر کی جماعت اپنی الگ کرلیں ورنہ تنہا پڑھ لیں، اور حرم شریف میں اگر حنفیوں کے لیے بسہولت صفوں سے نکلنا ممکن ہو تو وہ اپنی وتر بعد میں علیحدہ پڑھ لیں اور اگر صف سے نکلنے میں انتشار اور فتنے کا اندیشہ ہو اور امام حرم کے ساتھ وتر پڑھنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ ہو تو ایسی صورت میں حنفی کو امام حرم کے پیچھے وتر پڑھ لینی چاہیے۔

”فظهر بهذا أن المذهب الصحيح صحة الاقتداء بالشافعي في الوتر إن لم يسلم على رأس الركعتين وعدمها إن سلم“۔(۱)

دوسری رائے یہ ہے کہ حرمین شریفین میں رمضان المبارک کے مہینے میں بھی حنفی وشافعی دونوں کثیر تعداد میں ہوتے ہیں اور حنفی حضرات کے علاحدہ جماعت کرنے میں ایک قسم کا جماعت سے اعراض کا منظر پایا جاتا ہے کہ حرم والے اپنی الگ جماعت کرتے ہیں اور حنفی لوگ اپنی الگ جماعت کرتے ہیں۔

اس بھونڈی اور اختلافی شکل سے بچنے کے لیے یہ بتایا جاتا ہے کہ حنفی بھی امام حرم کے پیچھے تین رکعت وتر کی نیت باندھیں، جب وہ لوگ دو رکعت پر سلام پھیریں تو حنفی لوگ سلام نہ پھیریں بل کہ تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جائیں جب وہ لوگ تیسری کے لیے کھڑے ہوں تو ان کے ساتھ شامل ہو کر تیسری رکعت پڑھیں اس طرح امید ہے کہ ان کی نماز صحیح ہو جائے گی۔(۲)

تیسری رائے یہ ہے کہ اقتداء کرلیں بعد میں اعادہ بھی کرلیں۔(۳)

---

(۱) البحر الرائق: ۲/۴۰، باب الوتر والنوافل

(۲) آن لائن دار الافتاء دار العلوم دیوبند، فتوی نمبر: ۲۰۲۷

(۳) دار الافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر: 143908200571

رمضان میں وتر کی نماز تراویح کے بعد افضل ہے یا تہجد کے بعد؟

اس مسئلے میں فقہاء کے دو قول ہیں (۱) آخر لیل میں تہجد کے بعد پڑھنا افضل ہے چوں کہ "اجعلوا آخر صلوتکم الوتر" مطلق ہے رمضان اور غیر رمضان کا اس میں فرق نہیں ہے (۲) تراویح کے بعد پڑھنا افضل ہے؛ کیوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو تراویح جس طرح پڑھائی تھی اسی طرح وتر بھی اسی وقت جماعت سے پڑھائی تھی اگر رمضان میں وتر تہجد کے بعد پڑھنا افضل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم متصلاً نہ پڑھاتے، نیز جماعت کی افضلیت زیادہ مہتم بالشان ہے وقت (وقت تہجد) کی افضلیت سے، علاوہ ازیں تراویح کے بعد وتر پڑھے بغیر جانے میں جماعت سے تخلف لازم آتا ہے اور تخلف عن الجماعۃ کی صورت سے احتراز ضروری ہے، اسی لیے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے قول کو راجح قرار دیا ہے "ورجح الکمال الجماعۃ بأنہ ﷺ کان أوتر بھم ثم بین العذر فی تاخیرہ، مثل ما صنع فی التراویح فالوتر کالتراویح فکما أن الجماعۃ فیھا سنۃ فکذلک الوتر" (۱)

وتر کے بعد دو رکعت نفل

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بابت پوچھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعات نماز پڑھتے (پہلے) آٹھ رکعات (تہجد) پڑھتے، پھر وتر پڑھتے اس کے بعد بیٹھ کر دو رکعت اور پڑھتے "کان یصلی رکعتین وھو جالس" (۲)

۲۔ ام المومنین حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں

---

(۱) فتاوی شامی: باب الوتر والنوافل: ۲/۴۹، امداد الفتاوی: ۱/۳۸۹، امداد الاحکام: ۲/۲۱۲

(۲) صحیح مسلم: باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ: ۱/۲۵۴

پڑھتے تھے ”کان یصلی بعد الوتر رکعتین“(۱)

پہلی حدیث میں بیٹھ کر پڑھنے کا اور دوسری حدیث میں مطلقاً پڑھنے کا ذکر ہے، اس لیے جوان یہ دو رکعت کھڑے ہو کر پڑھے اور عمر رسیدہ حضرات بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں، البتہ احناف کے نزدیک ان دو رکعات کا کھڑے ہو کر پڑھنا ہی افضل ہے، چونکہ آنحضرت ﷺ لمبی قراءت فرماتے تھے اس لیے قراءت کے وقت بیٹھ جاتے اور جب رکوع کرنا ہوتو کھڑے ہو کر رکوع فرماتے تھے ”کان رسول اللہ ﷺ یوتر بواحدۃ ثم یرکع رکعتین یقرأ فیہما وھو جالس فإذا أراد أن یرکع قام فرکع“(۲)

---

(۱) جامع ترمذی، باب ماجاء لا وتران فی اللیل: ۱/۱۰۸

(۲) ابن ماجہ: باب ماجاء فی الرکعتین بعد الوتر: ۱/۳۷۷ حدیث: ۱۱۹۶، اس حدیث کی سند صحیح ہے

گیارھواں باب

۱۔نماز میں قرآن مجید دیکھ کر تلاوت کرنا

۲۔عورت کا نماز کے لیے مسجد آنا

۳۔ باجماعت نوافل ادا کرنا

۴۔قضائے عمری کی نماز

۵۔Online آن لائن نماز باجماعت کا حکم

۶۔عورتوں کی امامت کا حکم

اگر کسی صاحب علم کو ان مضامین میں مذکورہ دلائل سے اطمینان نہ ہو اور اس کو اپنے موقف پر ہی اطمینان ورجحان ہو تو اسے اپنے موقف پر قائم رہنے کا حق حاصل ہے، مگر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اگر اپنے اطمینان ورجحان پر قائم رہنے کو حق سمجھتا ہے تو اسے دوسرے کے اطمینان و رجحان کو بھی برداشت کرنا چاہیے، مجتہد فیہ مسائل میں یہی طرز اختیار کرنا اعتدال کہلاتا ہے اور اس کے بجائے یک طرفہ طور پر دوسرے موقف کی تردید کے درپے ہونا غیر معتدل طریقہ شمار ہوتا ہے۔

فرض یا نفل نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا

آج کل بعض حلقوں میں نمازِ تراویح اور قیام اللیل میں قرآن دیکھ کر قراءت کرنے کا رواج ہوگیا ہے، عرب ممالک کی بیشتر مساجد میں یہ وبا عام ہو چکی ہے، ظاہر سی بات ہے کہ تراویح کا یہ طریقہ حفاظتِ قرآن کے لیے سمِ قاتل سے کچھ کم نہیں، اس سے حفاظتِ قرآن کا ایک اہم ذریعہ متاثر ہو جائے گا؛ کیوں کہ حفاظت قرآن کے لیے دو طریقے اختیار کیے گئے ہیں، ایک سینہ، دوسرے صحیفہ: پہلا ذریعہ تو اسلام کے امتیازات میں سے ہے، حفاظتِ قرآن کا یہ بے نظیر اور عظیم الشان طریقہ پہلی قوموں میں نہیں پایا جاتا، آج امت تک اگر قرآن من وعن پہنچا ہے تو اس میں صحیفے سے زیادہ سینے کا دخل ہے؛ اسی لیے فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حافظِ قرآن درحقیقت اسلام کا علم بردار ہے ”حَامِلُ الْقُرْآنِ حَامِلُ رَأْيَةِ الْإِسْلَام۔“(۱)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پہلا ذریعہ حفاظت قرآن سینہ بہ سینہ کا کیا مقام ومرتبہ ہے۔قاضی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر حفظ قرآن میں کمی آئے گی تو اسلام کی شان وشوکت میں کجی آجائے گی۔پیش نظر مسئلہ ”نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا“ اس بات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کہ وہ جائز ہے یا نہیں؛ حفاظتِ قرآن میں حد درجے مخل ہے؛ کیوں کہ اس کی وجہ سے حفظ قرآن سے بے اعتنائی پائی جاسکتی ہے، امت میں حفظِ قرآن کا جو رجحان پیدا ہوا ہے، اس میں کمی آسکتی ہے اور حفاظ میں غفلت اور لاپرواہی پیدا ہوسکتی ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دین اسلام کا یہ امتیاز ملیا میٹ ہو جائے گا اور نعوذ باللہ قرآن سینوں سے ہٹ کر صرف صحیفوں تک محدود رہ جائے گا۔

۱۔ہم اس مسئلے کو پہلے قرآن سے حل کرتے ہیں، ارشاد باری ہے۔”فَاقْرَأُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ“ کہ جتنا قرآن بہ سہولت ہو سکے وہ تلاوت کرو، اس میں دیکھ کر بنا دیکھے کی کوئی

---

(۱) التبیان: ۵۵

صراحت نہیں ہے،اس کے لیے حدیث کی طرف رجوع کیا جائے۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "صلوا کما رایتمونی اصلی" کہ نماز اسی طرح پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔(۱) دورِنبوی کی تیئس سالہ زندگی میں کہیں یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے یا آپ ﷺ کی موجودگی میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھا ہو؛حتی کہ ابتدائی دور میں تو نماز میں بات چیت کرنے کی اجازت بھی تھی؛لیکن اس دور میں بھی دیکھ کر پڑھنا ثابت نہیں نہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے نہ ہی ضعیف حدیث سے،نہ عمل ثابت ہے نہ ہی قول ثابت ہے۔

۲۔نبی کریم ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کی نماز دیکھیں کہ کیا کبھی کسی نے دیکھ کر قرأت کی ہو آپ ﷺ نے فرمایا: میری سنت (میرے طریقے) کو اور خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑو۔"عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الخُلَفَاءِ المَهْدِيِّين الرَّاشِدِيْن"(۲) عہدِ خلفاءِ راشدین میں بھی کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اُن حضرات نے نماز میں قرآن دیکھ کر قراءت کرنے کی اجازت دی ہے؛ البتہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ممانعت ضرور ثابت ہے،عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بات سے منع کیا کہ امام قرآن دیکھ کر امامت کرے اور اس بات سے منع کیا کہ نابالغ امامت کرے۔"نَهَانَا أَميرُ المؤمِنِين عُمَرُ رضی اللہ عنہ أَن يَؤمَّ النَّاسَ فِي المصْحَفِ، وَنَهَانَا أَن يَؤمَّنَا اِلَّا المحْتَلِمُ"(۳)

۳۔قیام کی حالت میں مصلی کے لیے مستحب ہے کہ نگاہ سجدے کی جگہ پر ہو؛ کیونکہ اس سے دل میں یکسوئی پیدا ہوتی ہے اور خشوع وخضوع کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، دیکھ کر قرآن پڑھنے کی صورت میں نگاہ یقیناً قرآن مجید کے صفحات وحروف پر ہوگی،جس سے نماز کا ایک اہم ادب فوت ہو جائے گا،حدیث میں ہے : "جب نماز پڑھو تو اِدھر اُدھر نہ دیکھو؛اس

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب رحمة الناس و البهائم، حدیث:۶۰۰۸

(۲) سنن أبی داود، حدیث:۴۶۰۷

(۳) کتاب المصاحف، هل یؤم القرآن فی المصحف:۱۸۹

لیے کہ اللہ تعالیٰ نماز میں اپنا چہرہ بندے کے چہرے کی طرف اس وقت تک کیے رکھتے ہیں؛ جب تک بندہ اپنا رخ نہیں پھیرتا۔"فَإِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْتَفِتُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ يَنْصِبُ وَجْهَهُ لِوَجْهِ عَبْدِهِ فِي صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ"(۱)

۴۔امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے : حضرت شریک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قیام کی حالت میں مصلی کی نظر سجدے کی جگہ پر ہونی چاہیے، جمہور نے یہی فرمایا ہے؛ اس لیے کہ یہ خشوع وخضوع کی اعلیٰ ترین کیفیت ہے نیز اس سلسلے میں حدیث بھی وارد ہوئی ہے۔ "قال شریک القاضي:ینظر في حال قیامه إلی موضع سجوده کما قال جمهور الجماعة، لأنه أبلغ في الخضوع وآکد في الخشوع وقد ورد به الحدیث "(۲)"علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز پڑھنے کی کیفیت کے بارے میں لکھا: جب آپ نماز پڑھتے تو سر کو جھکائے رکھتے اور نگاہ کو زمین کی طرف لگائے رکھتے تھے۔ "وَكَانَ ﷺ إِذَا صَلّٰى طَأْطَأَ رَأْسَهُ وَرَمٰى بِبَصَرِهِ نَحْوَ الْأَرْضِ"(۳)

۵۔یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا حفاظتِ قرآن کے لیے سخت مضر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن کی نگہ داشت کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، یقینا قرآنِ کریم رخصت ہونے اور سینوں سے نکل جانے میں اونٹ کے اپنے بندھن سے بھاگنے سے زیادہ تیز ہے۔"تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الْإِبِلِ فِي عُقُلِهَا۔"(۴)

۶۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نماز میں قرآن پکڑنا نہیں بل کہ ہاتھ باندھنا ثابت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کو سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ

---

(۱) سنن الترمذی، حدیث: ۲۸۶۳، مستدرک الحاکم، حدیث: ۸۶۳

(۲) تفسیر ابن کثیر سورۃ البقرۃ: ۱۴۴

(۳) أصل صفة صلاة النبی ﷺ :۲۳۰/۱

(۴) صحیح البخاری، حدیث: ۵۰۳۳

الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى "۔(۱)

۷۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نماز میں میرے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جو سمجھ دار اور صاحب علم ہیں۔"لِيَلِنِيْ مِنْكُمْ أُوْلُوا الأَحْلَامِ وَالنُّهٰى "(۲) اگر قرآن دیکھ کر پڑھنے کی اجازت ہوتی تو "سمجھ دار اور صاحب علم" کو قریب کھڑے ہونے کا حکم نہ ہوگا، یہ اسی وجہ سے ہے کہ قرأت میں غلطی ہوجائے تو پیچھے سے مقتدی لقمہ دے سکے ورنہ غلطی پر امام دیکھ کر پڑھ لے گا پیچھے خواہ بچہ کھڑے یا سمجھ دار کھڑا رہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کا مسلک

۱-عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس بات سے منع کیا کہ امام قرآن دیکھ کر امامت کرے اور اس بات سے منع کیا کہ نابالغ امامت کرے:"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنه قَالَ: نَهَانَا أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرُ رضي الله عنه أَنْ يَؤُمَّ النَّاسَ فِي الْمُصْحَفِ وَنَهَانَا أَنْ يَؤُمَّنَا إِلَّا الْمُحْتَلِمُ(۳)

۲۔سیدنا سوید بن حنظلہ رضی اللہ عنہ ایک قوم کے پاس سے گذرے جن کو ایک شخص مصحف سے دیکھ کر امامت کروا رہا تھا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے ناپسند فرمایا اور مصحف کو دور کردیا یہ رمضان کا واقعہ ہے۔"عن سويد بن حنظلة رضي الله عنه أنه مر بقوم يؤمهم رجل في المصحف فكره ذلك في رمضان ونحا المصحف۔"(۴)

۳-قتادہ، سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: اگر

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الصلاۃ، باب وضع يده اليمنى على اليسرى بعد تكبيرة، حدیث ۴۰۱:

(۲) صحیح مسلم، حدیث: ۴۳۲

(۳) كتاب المصاحف لابن ابی داود: ۱۱۷، باب ہل يؤم القرآن

() مصنف ابن آبی شیبۃ، حدیث: ۷۳۰۱، اس کی سند صحیح ہے

قیام اللیل میں پڑھنے کے لیے مصلی کو کچھ یاد ہے تو وہی بار بار پڑھے؛ لیکن قرآن دیکھ کر نہ پڑھے۔ "عن قتادة عن ابن المسیب قال :إِذَا كَانَ مَعَهُ مَا يَقُوْمُ بِهِ لَيْلَهُ رَدَّدَهُ وَلَا يَقْرَأُ فِي الْمُصْحَفِ"(۱)

۴-حضرتِ لیثؒ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ قرآن دیکھ کر نماز پڑھانے کو مکروہ قرار دیتے تھے، اس وجہ سے کہ اس میں اہل کتاب سے تشبہ ہے، "عن لیث عن مجاہد أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَتَشَبَّهُوْا بِأَهْلِ الْكِتَابِ يَعْنِيْ أَنْ يَؤُمَّهُمْ فِي الْمُصْحَفِ"(۲)

۵-امام اعمشؒ، ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ اہل قرآن دیکھ کر نماز پڑھانے کو سخت ناپسند کرتے تھے؛ کیونکہ اس میں اہل کتاب سے تشبہ ہے۔ "عن الأعمش عن إبراہیم قال :كَانُوْا يَكْرَهُوْنَ أَنْ يَؤُمَّ الرَّجُلُ فِي الْمُصْحَفِ كَرَاهِيَةً شَدِيْدَةً أَنْ يَتَشَبَّهُوْا بِأَهْلِ الْكِتَابِ"۔(۳)

۶-خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کیا ہے کہ وہ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی رمضان کے مہینے میں لوگوں کو نماز پڑھائے اور قراءت، قرآن میں دیکھ کر کرے اور فرماتے تھے کہ یہ اہلِ کتاب کا عمل ہے :عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَؤُمَّ الرَّجُلُ النَّاسَ بِاللَّيْلِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِي الْمُصْحَفِ هُوَ مِنْ فِعْلِ أَهْلِ الْكِتَابِ۔"(۴)

معلوم ہوا کہ اکثر اہلِ علم نے نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کو باطل گردانا ہے۔

---

(۱) کتاب المصاحف لابن ابی داود :۱۱۷، باب ہل یؤم القرآن
(۲) کتاب المصاحف لابن ابی داود :۱۱۷، باب ہل یؤم القرآن
(۳) کتاب المصاحف لابن ابی داود :۱۱۷، باب ہل یؤم القرآن
(۴) تاریخ ۹: /۱۲۰

مجوزین کے دلائل کا تجزیہ

جوحضرات اپنے موقف کے ثبوت کے لیے جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ نہ قرآن سے ثابت ہیں نہ حدیث نبوی سے؛ بلکہ محض موقوفات ومقطوعات کا سہارا لیتے ہیں، اوران موقوفات سے بھی پورا دعوی ثابت نہیں کر پاتے ہیں، چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام ذکوان کا عمل پیش کیا جاتا ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے غلام ذکوان قرآن دیکھ کر نماز پڑھاتے تھے۔ "وَكَانَتْ عَائِشَةُ يَؤُمُّهَا عَبْدُهَا ذَكْوَانُ مِنَ الْمُصْحَفِ" (۱)

ا۔ پہلی بات یہ ہیکہ اس اثر میں قرآن مجید ہاتھ میں اٹھا کرقرأت کرنے کا کوئی ذکرنہیں اور نہ ہی اس کی صراحت ہے کہ قرآن کس طرح دیکھ کر پڑھتے تھے، دوسری بات یہ کہ نہ ہی اس دور میں قرآن مجید اتنا چھوٹا تھا کہ اسے ہاتھ میں اٹھا کر پڑھا جاسکے، کیوں کہ وہ چھ مصاحف جن کو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے لکھوا کرلوگوں کو ایک ہی قراءت پر جمع کیا تھا جن میں سے چار مصاحف مختلف علاقوں میں بھیج دیے گئے اور دو مصاحف مدینہ میں باقی رہے، وہ قرآن ۱۰۸۷/اوراق پر مشتمل ہے، کافی لمبا اوروزن ۸۰ رکلو گرام تھا،ظاہر ہے اتنے وزنی اوراتنے بڑے حجم کے قرآن کو ہاتھ میں اٹھا کر قیام کرنا ناممکن ہے۔

اس لیے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس اثر کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس بات پر محمول ہوگا کہ ذکوان نماز شروع کرنے سے پہلے قرآن دیکھتے تھے، پھر ذہن نشین کر کے نماز پڑھاتے تھے، ذکوان ہر دو رکعات کے بعد یہ عمل کرتے اور اگلی دو رکعات میں جتنا پڑھنا ہوتا وہ یاد کرلیتے، جس طرح آج کل کے حفاظ کرتے ہیں، اسی کو راوی نے اس طرح نقل کردیا کہ وہ قرآن دیکھ کرقراءت کرتے تھے۔ "أثر ذكوان إن صح فهو محمول على أنه كان يقرأ من المصحف قبل شروعه في الصلاة أي ينظر فيه ويتلقن منه

(۱) صحیح البخاری، باب إمامة العبد والمولی۔

ثم يقوم فيصلي، وقيل مادل فإنه كان يفعل بين كل شفعين فيحفظ مقدار مايقرأ من الركعتين، فظن الراوی أنه كان يقرأ من المصحف۔''(۱)

۲۔علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے : اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے سیدنا ذکوان کی امامت کا جو واقعہ ذکر کیا جاتا ہے وہ ایک جزوی اور خصوصی واقعہ ہے عمومی نہیں ہے۔''وماذکر عن ذکوان حادثة عين لاعموم لها۔''(۲)

۳ ۔علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سیدنا ذکوان والی حدیث میں احتمال ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کو معلوم نہ ہوا ہو کہ وہ دیکھ کر پڑھ رہے ہیں اور یہی مناسب بھی معلوم ہوتا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ (نماز میں) قرآن دیکھ کر پڑھنا بالاتفاق مکروہ ہے۔اگر انھیں اس حالت کا پتہ ہوتا تو ہرگز ایک مکروہ فعل کی اجازت نہ دیتے وہ بھی پورے مہینے بلا ضرورت، اور یہ بھی احتمال ہے کہ راوی کا یہ قول کہ''ذکوان رمضان میں لوگوں کی امامت کرتے تھے اور قرآن دیکھ کر پڑھتے تھے'' دو الگ الگ حالتوں کی خبر دینا ہے، یعنی ذکوان رمضان میں لوگوں کی امامت کرتے تھے اور نماز سے باہر قرآن دیکھ کر پڑھتے تھے۔''وأما حديث ذكوان فيحتمل أن عائشة ومن كان من أهل الفتوى من الصحابة لم يعلموا بذلک وهذا هو الظاهر بدليل أن هذا الصنيع مكروه بلا خلاف ولو علموا بذلک لما مکنوه من عمل المكروه في جميع شهر رمضان من غير حاجة، ويَحْتَمِلُ أن يكون قول الراوي كان يؤم الناس في شهر رمضان وكان يقرأ من المصحف إخبارا عن حالتين مختلفين أي كان يؤم الناس في رمضان وكان يقرأ من المصحف في غير حالة الصلاة۔''(۳)

---

(۱) البنایہ شرح ہدایہ: ۲/ ۵۰۴
(۲) فتح الرحمن: ۱۲۴
(۳) بدائع الصنائع: ۲/ ۱۳۳

۴۔حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام ہیں ،اگر عمل بالحدیث کا سچا جذبہ ہوتا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول یا فعل نقل کیا جاتا یا ایک تابعی غلام کا عمل؟ ہمیں حکم آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کے اتباع کا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کے خلاف عمل کی اتباع کا ؟جہاں اپنے خصم سے حدیث صحیح پوچھی جاتی ہے یہاں کیوں پورے باب میں کوئی حدیثِ صحیح نظر نہیں آرہی ہے؟

۵۔یہ عمل ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے غلام کے ساتھ مخصوص تھا چناں چہ اگر اس طرح کی روایت سے جواز لیا جائے اور کہا جائے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی اتباع میں ایسا کرنا جائز ہے تو ویسے ہی کرنا چاہیے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام سے گھر میں امامت کروالیا؛ لیکن اسے ائمہ مساجد کے لیے عام سنت بنالینا کہ جو مردوں کو مسجد میں جماعت کرواتے ہیں تو یہ اس چیز کے خلاف ہے جسکو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہا سے سیکھا اور دیکھا ہے اور خود عمل کرتے آئے ہیں۔

ہم کو سمجھنا چاہیے کہ اگر کوئی جزوی مسئلہ- جیسا کہ مذکورہ مسئلہ ہے- سلف کے عام منہج کے مخالف ہو تو ہم اسے قاعدے سے مطلقاً خارج کردیں گے یا اسے مستثنیٰ قرار دے کر ایک معین صورت دے دیں گے جو قاعدے کے خلاف نہ ہو۔قاعدہ یہ ہے کہ ائمہ مساجد جو لوگوں کی امامت کرتے ہیں وہ اپنے حفظ اور یادداشت سے قرأت کریں۔

۶۔رہا ’’آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لوگوں کی امامت کرتے ہوئے اپنی نواسی امامہ کو اٹھایا ہوا ہونا‘‘ تو یہ نماز میں کلام وغیرہ منع ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے، ورنہ صحیح احادیث سے نماز میں کلام بھی ثابت ہے، تو کیا اس پر بھی عمل کیا جائے گا؟

۷۔بعض سلف سے جو اجازت منقول ہے وہ اضطراری حالت میں ہے، بلا ضرورتِ شدیدہ کسی نے جائز نہیں کہا ہے؛ چناں چہ :

۱۔امام احمدؒ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: میں مناسب نہیں سمجھتا الاّ یہ کہ

اضطراری حالت ہو۔ ”مایعجبني إلا یضطر إلی ذلک“(۱)

۲۔ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سنا جب کہ آپ سے رمضان میں قرآن دیکھ کر نماز پڑھانے کے بارے میں پوچھا گیا، آپ نے فرمایا: کوئی بات نہیں اگر اس کے بغیر کام نہ چلتا ہو۔ ”سمعت مالکا سئل عمن یؤم الناس في رمضان في المصحف؟ فقال: لا بأس بذلک إذا اضطروا إلی ذلک“(۲)

۳۔قتادہ، سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں: اگر قیام اللیل میں پڑھنے کے لیے اسے کچھ یاد ہے تو اچھی بات ہے، نہیں تو پھر (بدرجۂ مجبوری) قرآن دیکھ کر پڑھے۔ ”إن کان معه مایقرأ به في لیلة، وإلا فلیقرأ في المصحف“(۳)

لیکن سعید بن المسیب کا یہی قول کتاب المصاحف میں اس طرح ہے: اگر قیام اللیل میں پڑھنے کے لیے اسے کچھ یاد ہے تو وہی بار بار پڑھے اور قرآن دیکھ کر نہ پڑھے۔ ”إن کان معه مایقوم به لیله رددہ ولا یقرأ في المصحف“(۴)

اس کے علاوہ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ

امام حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ

امام حسن بصری رحمہ اللہ

امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ

امام یحیی بن سعید الانصاری رحمہ اللہ

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ وغیرھم سے بھی منقول ہے مگر سب آثار ہیں، کوئی حدیث یا عمل

---

(۱) فتح الرحمن: ۱۲۷

(۲) کتاب المصاحف: ۱۹۳

(۳) فتح الرحمن: ۱۲۸

(۴) کتاب المصاحف: ۱۹۳

صحابی نہیں ہے، اور سب اضطراری حالت میں اجازت کے ہیں نہ کہ عام حالات میں۔

علاوہ ازیں ممانعت کے اقوال حسن بصری، ابراہیم نخعی، حماد بن سلمہ، قتادہ بن دعامہ اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ وغیرہ سے بھی منقول ہیں۔(۱)

اب یہاں سوال ہے کہ موجودہ حالات میں مسجد کے ائمہ اور تراویح پڑھانے والے حفاظ کو کونسی ایسی اضطراری حالت پیش آگئی کہ دیکھ کر قرآن کی تلاوت کرے، کیا امت حفظِ قرآن سے اس درجے تہی دامن ہو چکی ہے؟ کیا مرکزی مساجد کے ائمہ بھی اس لائق نہیں رہے کہ حفظ سے قرأت کریں؟ کیا امت میں قرآن مجید کی حفاظت کا شوق ختم ہو گیا؟ کیا اب امت کے معصوموں کے سینے قرآن کے نور سے خالی ہو گئے؟ اب انھیں قرآن کا ایک پارہ یا مقدار مایجوز بہ الصلاۃ بھی یاد نہ ہوگا؟ درحقیقت دیکھ کر قرأت کی اجازت کی صورت میں واقعتاً وہ زمانہ آجائے گا کہ امت کے افراد کے سینے اس نعمت سے محروم ہو جائیں گے کہ جب بنا دیکھے قرأت کی حاجت نہ رہی تو حفظ کی کیا ضرورت ہے، جب کہ قیامت کے دن صحیفوں کا قرأن ختم ہو جائے گا سینوں کا قرآن محفوظ رہے گا، جس کا تقاضا یہ ہے کہ حفاظت کے پیشِ نظر قرأت حفظ کے ذریعے لازم کر دی جائے نہ کہ اس کے برعکس۔ فتدبر۔

۳۔ اس کے علاوہ دیگر دلائل کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے جیسے:

۱۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کا حالت نماز میں امامہ بنت زینب کو اٹھا کر پڑھنا۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کا دوران نماز دروازہ کھولنا۔

۳۔ دوران نماز سانپ اور بچھو کو قتل کرنے کا حکم۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ کا دوران نماز جوتا اتارنا۔

وغیرہ سے دعوے کا ثبوت درست نہیں ہے، کیوں کہ بچی کو اٹھا کر کندھے پر رکھ لیتے اور مسنون طریقے پر ہاتھ باندھ لیتے، رکوع کے وقت نیچے اتار دیتے ہیں جب کہ قرآن کو پورا قیام لیے کھڑے رہنا پڑتا ہے جس میں ہاتھ باندھنے کی سنت ترک ہو جاتی ہے، اگر بازو رکھا

---

(۱)(دیکھیے: کتاب المصاحف لابی داود، حدیث: ۷۸۹، مصنف ابن شیبہ: ۲/ ۱۲۴)

جائے تو نظر سجدے کی جگہ سے ہٹانا لازم آئے گا۔ دروازہ کھولنا عمل قلیل ہے، سانپ مارنا اضطراری حالت ہے، جوتا اتارنا عمل قلیل سے ہے، ان میں سے کسی سے بھی دعوی ثابت نہیں ہوگا۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی

کسی ایسے شخص کے لیے امامت کرنا جائز نہیں ہے جو قرآن میں دیکھ کر قراءت کر رہا ہو، نہ فرض نماز میں اور نہ نفل نماز میں، اگر کسی شخص نے ایسا کیا یہ جانتے ہوئے کہ یہ جائز نہیں اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اس کی اقتداء میں جو نماز پڑھ رہا ہے اس کی نماز بھی باطل ہو جائے گی؛ جب کہ اسے امام کی حالت کا علم ہو کہ وہ نماز کے منافی کام کر رہا ہے۔ "ولا يحل لأحد أن يؤم وهو ينظر ما يقرأ به في المصحف لا في فريضة ولا نافلة، فإن فعل عالما بأن ذلک لا يجوز بطلت صلاته وصلاة من ائتم به عالما بحاله عالما بأن ذلک لا يجوز" (۱)

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ قرآن سے تلقین ہے؛ لہٰذا قرآن سے سیکھنے کے درجے میں ہوگیا، جو شخص قرآن سے سیکھتا ہے اسے ہر کوئی متعلّم کہتا ہے تو یہ ایسے ہی ہوگیا گویا کہ اس نے معلّم سے سیکھا ہے (اگر آدمی نماز کی حالت میں معلّم سے سیکھ لے) تو نماز فاسد ہو جاتی ہے؛ لہٰذا اس سے بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ "أن هذا يلقن من المصحف فيكون تعلما منه، ألا ترى أن من يأخذ من المصحف يسمى متعلما فصار كما لو تعلم من معلم، وذا يفسد الصلاة فكذا هذا" (۲) یہی جمہور امت کا مسلک ہے، اس لیے فرض یا نفل نماز میں قرآن مجید دیکھ کر قرأت کرنا درست نہیں ہے، اس سے

(۱) المحلی: ۳/ ۱۴۰

(۲) بدائع الصنائع: ۲/ ۱۳۳

نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی

شیخ عبدالرحمن محمود بن الملاح نے اپنی کتاب "فتح الرحمن في بيان هجر القرآن" میں شیخ البانی کا یہ فتوی نقل کیا ہے: ہم اسے درست نہیں سمجھتے اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے سیدنا ذکوان کی امامت کا جو واقعہ ذکر کیا جاتا ہے وہ ایک جزوی اور خصوصی واقعہ ہے، عمومی نہیں ہے اور اگر ائمہ مساجد کو اس کی اجازت دے دی جائے تو قرآن کریم کا حفظ و مراجعہ اور حفاظتِ قرآن کی کوشش وغیرہ تمام امور رفتہ رفتہ رخصت ہو جائیں گے؛ جبکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے خلاف ہے: "قرآن پاک کی نگہ داشت کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، یقیناً قرآن کریم سینوں سے نکل جانے میں اونٹ کے اپنے بندھن سے بھاگنے اور رخصت ہو جانے سے زیادہ تیز ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ وسائل کا حکم بھی غایات کے مثل ہے، مثلاً علماء کا قول ہے کہ جس چیز کے ذریعے کسی واجب کی بقاء اور قیام ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے اور جو شے کسی معصیت کا ذریعہ ہو وہ شے بھی معصیت اور گناہ ہوتی ہے۔" "لا نرى ذلك، وما ذكر عن ذكوان حادثة عين لا عموم لها، وبإباحة ذلك لأئمة المساجد يؤدي بهم إلى ترك تعاهد القرآن والعناية بحفظه غيبا وهذا خلاف قوله ﷺ: تعاهدوا القرآن فوالذي نفسي بيده لهو أشد تفصيا من الإبل في عقلها، ومعلوم أن للوسائل حكم الغايات كقولهم ما لا يقوم الواجب إلا به فهو واجب وما يؤدي إلى معصية فهو معصية" (۱) علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کو ہر جگہ امام بنانے والے حضرات کاش یہاں بھی امام بنا لیتے۔

---

(۱) فتح الرحمن: ۱۲۴، ۱۲۵

ہاتھ میں قرآن لیکر تراویح سننا

کبھی کبھار امام کے پیچھے قاری صاحب مصحف لے کر کھڑے ہوتے ہیں تا کہ اگر امام غلطی کرے تو اسے لقمہ دے، تو کیا اس کا امام کی قرأت کی طرح ہی حکم ہوگا؟

بالکل وہی حکم ہوگا بل کہ یہ اسی پہلی حرکت کے برے آثار میں سے ہے.. میں نے واللہ اعلم ایک بار طائف میں نماز پڑھی ایسے امام کے پیچھے جو مصحف سے دیکھ کر پڑھ رہا تھا۔ دیکھو سبحان اللہ! جب بھی میں بدعت کا ذکر کرتا ہوں تو مجھے یہ اثر یاد آتا ہے کہ کوئی بھی بدعت ایجاد ہوتی ہے تو اس کی جگہ ایک سنت مردہ ہو جاتی ہے، چناں چہ وہ امام کیا کر رہا تھا کہ جب وہ قرأت ختم کرتا اور رکوع کرنا چاہتا تو مصحف کو اپنے بغل میں دبا دیتا، ذرا اس کا تصور تو کریں کہ اس کا رکوع آخر کیسا ہوگا! اور پھر سجدہ بھی بعض مذاہب میں جیسے عورت کو سمٹ کر سجدہ کرنے کو کہتے ہیں ویسا ہوتا ہوگا! اس سنت کی مخالفت اور اس بدعت کی ایجاد کی وجہ سے کتنی سنتیں مردہ ہوگئی؟ (۱)

حاصل یہ کہ قرآن پاک کو اٹھانا یا اس میں سے دیکھ کر پڑھنا نماز کے لیے مفسد ہے، اس کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ :

۱۔ یہ عمل کثیر ہے، اور اس کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

۲۔ قرآن دیکھ کر پڑھنا اہل کتاب کا طریقہ ہے، اس لیے کہ ان کو ان کی کتاب حفظ نہیں ہوتی۔ لہذا لاک ڈاؤن میں بھی اس طرح نماز نہ پڑھے، اگر کوئی حافظ نہ ملے تو جتنی آیات یا سورتیں یاد ہیں انہیں سے تراویح ادا کرے۔

۳۔ یہ متوارث طریقے کے بھی خلاف ہے۔

۴۔ نماز کے دوران قرآن مجید میں دیکھ کر تلاوت کرنا خارجِ نماز سے تعلیم و تلقین قبول

---

(۱) (ماہنامہ دار العلوم ، شمارہ 10، جلد 100: محرم الحرام 1438 ہجری مطابق اکتوبر 2016ء)

کرنا ہے، یہ بھی نماز کے فساد کا سبب ہے ۔ وغیرہ۔

فرض نمازوں یا تراویح کے لیے عورتوں کا مسجد آنا

آج کل بعض نادان دانشوروں کی مساجد میں تراویح اور کہیں کہیں تو اعتکاف کا بھی عورتوں کے لیے انتظام کیا جاتا ہے جبکہ یہ عمل احادیث کی تصریحات اور منشاے نبوت کے بالکل خلاف ہے، اور اس دور میں جہاں عورتوں میں کامل درجے کی حیاء تھی نفوس میں پاکیزگی تھی پھر بھی عورتوں کے لیے نماز وغیرہ کے لیے گھر ہی کو افضل قرار دیا ہے، فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا مکمل مضمون پیش خدمت ہے، جو ایک سنجیدہ، معتدل مزاج، حق شناش، سلیم الفطرت اور خالی الذہن شخص کے لیے نہایت تسلی و تشفی کا سامان ہے، البتہ بعض مقامات پر ذیلی عناوین کا اضافہ کیا گیا ہے۔

خلاصۂ سوال

مساجد میں خواتین کے لیے نماز کا خصوصی انتظام کرنے کی بابت ایک صاحب کی درج ذیل تحریر ہے، پس اس مسئلے میں حکم شرعی کی وضاحت فرمائی جائے:

''صحاح ستہ کی مختلف روایات میں یہ بات موجود ہے کہ عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع نہ کرو، بعض روایات میں خواتین کو عیدگاہ میں بھی لانے کا حکم دیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ خواتین کا مساجد اور عیدگاہ میں نماز ادا کرنا سنت ہے، رہ گیا فتنہ، تو فتنہ اور فساد کا احتمال نمازی مردوں اور عورتوں ہی سے ہوتا ہے؟ یہ بیماری ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے، آج کل معاشرے میں کم وبیش ہر گھر سے عورتوں اور لڑکیوں کو نکلنا پڑتا ہے، تعلیم کی غرض سے ہو یا علاج ومعالجہ کے لیے، اس لیے صرف مسجد جانے ہی سے ان کو باز رکھنا اور فتنہ وفساد کا بہانہ بنانا درست نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو جنگِ جمل میں بھی شرکت کی تھی، جب صحاحِ ستہ کی حدیثوں میں یہ بات موجود ہے کہ عورتوں کو مسجد جانے سے نہ روکو، تو اس کے مقابلے میں کوئی ضعیف

حدیث یا فقہی مسئلے کی اہمیت نہیں، اس لیے مسجد کے منتظمین کو چاہیے کہ مساجد میں خواتین کے لیے نماز کا انتظام کریں۔

مسئلے کی شرعی حیثیت

مسئلہ یہ نہیں کہ مساجد میں عورتوں کا آنا جائز ہے یا ناجائز؟ بلکے مسئلہ یہ ہے کہ ان کا مساجد میں آنا بہتر ہے یا نہیں؟ ان کے مساجد میں آنے کی حوصلہ افزائی کی جائے اور اس کی ترغیب دی جائے یا ان کو گھر میں نماز ادا کرنے کی تلقین کی جائے اور کہا جائے کہ آپ کے لیے اس میں زیادہ فضیلت ہے، عورتوں کے لیے مستقل مسجد یا مسجد کا ایک حصہ تعمیر کرنا ان کو مساجد میں آ کر عبادت کرنے کی ترغیب دینا ہے، پس اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ حضور ﷺ نے خواتین کے لیے نماز کو مساجد میں پسند کیا ہے یا گھر میں؟ اگر مساجد میں پسند کیا ہو تو ضرور مسجد تعمیر کریں اور ان کو اس کی دعوت دیں، اور اگر ان کے لیے مساجد کے بجائے گھروں میں نماز کی ادائیگی بہتر ہے تو ایسی تدابیر نہ کی جائیں جن سے خواتین کو مساجد میں آ کر نماز ادا کرنے کی حوصلہ افزائی ہو، اگر اس سلسلے میں فقہاء کی آراء کے علاوہ خود احادیث پر بھی نگاہ ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ خواتین کا مسجد میں آنا بہتر نہیں، ان کا گھروں میں نماز ادا کرنا بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

”قال رسول الله ﷺ“ صلاة المرأة فی بیتها خیر من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی حجرتها خیر من صلاتها فی دارها وصلاتها فی خیر من صلاتها فی مسجد قومها“۔(۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورت کا گھر کے ایک چھوٹے کمرے میں نماز ادا کرنا ہال میں نماز ادا کرنے سے اور ہال میں نماز ادا کرنا مکان کے احاطے میں نماز ادا کرنے سے اور اپنے مکان کے احاطے میں نماز ادا کرنا اپنی قوم کی مسجد میں نماز ادا

(۱) بیہقی: ۳/۱۳۱، اعلاء السنن بہ حوالہ طبرانی: ۴/۲۶۰ اور اس کی سند جید ہے۔

کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت ام حمید ساعدیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی، ظاہر ہے کہ یہ نماز مسجد میں اور مسجدِ نبوی جیسی عالی مرتبت مسجد میں ہوگی اور وہ بھی آپ کی اقتدا میں؛ لیکن اس کے باوجود آپ نے ان کو تلقین فرمائی کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھیں، یہ زیادہ بہتر ہے، طبرانی اور مسند احمد میں یہ روایت اس طرح نقل کی گئی ہے۔

”عن أم حميد الساعدية أنها جاءت إلى رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله! أني احب الصلاة معک قال قدعلمت و صلاتک فی بيتک خير لک من صلاتک فی حجرتک و صلاتک فی حجرتک خير لک من صلاتک فی دارک و صلاتک فی دارک خير لک من صلاتک فی مسجد قومک وصلاتک فی مسجد قومک خير من صلاتک فی مسجد الجماعة“

حافظ ابن حجرؒ جیسے بلند پایہ محدث اور ناقد حدیث نے اس حدیث کو ”حدیث حسن“ یعنی مقبول ومعتبر قرار دیا ہے۔(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کا ارشاد ہے:

”ماصلت امرأة احب الى الله من صلاتها فی أشد بيتها ظلمة“۔(۲)

ترجمہ: کسی عورت کی عند اللہ اس سے محبوب کوئی نماز نہیں کہ وہ اپنے نہایت تاریک کمرے میں نماز ادا کرے۔

ان صحیح، مستند، معتبر اور واضح وصریح ارشادات نبوی سے ثابت ہے کہ خواتین کا گھر میں نماز پڑھنا بہتر اور افضل ہے، اور جب ان کے حق میں یہ عمل بہتر ہے تو ظاہر ہے کہ یہی عمل

---

(۱) فتح الباری: ۳۵۰/۲

(۲) بیہقی: ۱۳۱/۳

ان کے لیے زیادہ اجر وثواب کا باعث بھی ہے، پس حدیث وسنت سے محبت اور سچے تعلق کا تقاضے یہ ہے کہ جیسے آپ نے عورتوں کے لیے گھر میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی اور خواتین کو یہ ترغیب دی جائے کہ منشائے نبوی کے مطابق مسجدوں میں آنے کے بجائے وہ گھروں میں نماز ادا کریں کہ ان کے لیے آپ ﷺ نے اسی طریقے کو پسند فرمایا ہے نہ یہ کہ ان کو مساجد میں نماز ادا کرنے کی ترغیب دی جائے اور اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

فقہائے اربعہ کی رائے

یہ صرف حنفیہ ہی کی رائے نہیں کہ عورتوں کا مسجد میں آنے سے اجتناب بہتر ہے بل کہ اس پر قریب قریب تمام ہی فقہاء کا اتفاق ہے، چناں چہ مشہور شافعی محدث اور فقیہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی گراں قدر تالیف ''شرح مہذب'' (۱۹۸/۴) میں اور فقہائے حنابلہ میں ابن قدامہؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''المغنی'' (۱۸/۲) میں بھی یہی بات لکھی ہے، اسی لیے اس کو کسی ایک گروہ کی رائے نہ سمجھنا چاہیے، بلکہ جمہور فقہاء وشارحینِ حدیث کا یہی نقطۂ نظر ہے۔

احادیثِ جواز اور منشائے احادیث

جن احادیث میں عورتوں کے مساجد میں آنے کی بابت تذکرہ کیا گیا ہے، ان سے اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا احتیاط اور حدودِ شرعیہ کی رعایت کے ساتھ مسجدوں میں جانا جائز ہے، اس لیے اس کو جائز تو تمام ہی علماء کہتے ہیں، لیکن سلفِ صالحین بدلے ہوئے حالات کے پیشِ نظر اس کو مکروہ اور شرعاً ناپسندیدہ ہونے کے قائل تھے، کوئی بھی صاحبِ عقل اور قرآن وحدیث کا رمز شناس حالات اور ماحول کے تفاوت سے صرف نظر نہیں کرسکتا، آپ ﷺ کے زمانے میں خیر کا غلبہ تھا، لوگ نگاہوں کی حفاظت کرتے تھے، خواتین بھی حد درجے پردے کا اہتمام کرتی تھیں، صحبتِ نبوی اور قانونِ شرعی کے نفاذ کا اثر تھا کہ پورے عہد نبوت میں زنا کے صرف پانچ، چھ مقدمات عدالت کے سامنے آئے، نماز کے وقت صورت حال یہ ہوتی تھی

کہ تمام ہی لوگ مسجد میں حاضر ہوتے تھے، یہاں تک کہ منافقین بھی مسجدوں میں حاضری سے چارہ نہیں پاتے تھے، اس لیے اس کا خطرہ نہ ہوتا تھا کہ راستے میں اوباش لوگ ہوں گے اور راہ گیروں سے چھیڑ چھاڑ کریں گے۔

سلسلۂ وحی جاری تھا، خواتین کے لیے تعلیم و تعلم کا اس طرح کا کوئی نظام نہیں تھا جس طرح کا نظم مردوں کے لیے صفہ میں تھا، اس لیے آپ کے خطبات اور طریقۂ عبادت سے براہِ راست آگہی اس کے بغیر ممکن نہ تھی کہ وہ مساجد اور عبادت گاہوں میں آیا کریں اور عبادت اور موعظت کے مواقع میں آپ کے عمل کو براہِ راست دیکھ سکیں اور آپ کی باتوں کو خود سن سکیں اور بعد میں اس کو روایت کر سکیں۔ اس لیے آپ نے ہدایت فرمائی، اگر خواتین مسجد میں آنے پر اصرار کریں تو روکا نہ جائے اور اس میں شدت نہ برتی جائے۔

شرائطِ جواز

پھر آپ نے خواتین کے مسجد میں آنے کے کچھ آداب بھی مقرر فرمائے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورتیں دیدہ زیب کپڑے پہن کر اور خوشبو کا استعمال کر کے نہ آئیں، چناں چہ مشہور محدث حافظ ابن عبدالبرؒ نے اپنی کتاب ''التمہید'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''أیها الناس انهوا نساءكم من لبس الزينة والتبختر في المساجد فإن بني اسرائيل لم يمنعوا نساءهم الزينة وتبخترها في المساجد''۔

ترجمہ: لوگو! اپنی خواتین کو مسجد میں خوشبو کے استعمال اور آرائشی لباس سے منع کرو، کیوں کہ بنی اسرائیل اسی وقت معلون ٹھہرائے گئے جب ان کی عورتوں نے آرائشی لباس اور خوشبو کا استعمال مسجدوں میں شروع کر دیا۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بنی اسرائیل کی خواتین کو بھی ابتداءً مساجد میں آنے کی اجازت تھی لیکن جب ان میں جذبۂ آرائش کا غلبہ ہوا تو ان کو مساجد میں آنے سے

روک دیا گیا،معلوم ہوا کہ اگر یہی علت اس امت میں پائی جائے تو اس امت میں بھی خواتین کے مساجد میں آنے کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے،جن حضرات نے عورتوں کو اس سے منع کیا ہے انھوں نے خدانخواستہ حدیث کی مخالفت نہیں کی ہے بل کہ شریعت کے مقصد و منشاء کو سمجھ کر اس کے تقاضے پر عمل کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ منشائے شریعت کو سمجھنے کے لیے کتاب وسنت پر نگاہ کے ساتھ ساتھ عقل وبصیرت اور مؤمنانہ فراست بھی مطلوب ہے اور یہ کم لوگوں کو میسر آتی ہے۔

بخاری کی روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے خواتین کو صرف رات کے وقت مسجدوں میں آنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی،رات سے مراد وہ نمازیں ہیں جو تاریکی میں پڑھی جاتی ہیں یعنی مغرب،عشا اور فجر؛ کیوں کہ ان اوقات میں تاریکی کی وجہ سے بے پردگی سے حفاظت کا ایک قدرتی انتظام موجود ہوتا ہے،اور اہلِ علم نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان اوقات میں اہلِ فسق کی چلت پھرت کم ہوجاتی تھی،لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آج کل رات کے وقت فتنے جاگتے ہیں اور فسق وفجور میں مبتلا لوگ اپنا جال پھیلاتے ہیں۔

اب غور کیا جائے کہ کیا موجودہ ماحول میں یہ بات ممکن ہے کہ خواتین کو دیدہ زیب لباس اور خوشبو کے استعمال سے روکا جاسکے،اور ان کے لیے اس طرح کی پابندی لگائی جاسکے کہ وہ ایسے اوقات میں مسجدوں میں آنے سے گریز کریں جن اوقات میں فتنے کا اندیشہ ہو؟ پھر کیا یہ بھی ممکن ہے کہ جو لوگ فسق وفجور کا مزاج رکھتے ہوں،قانون کی طاقت استعمال کرکے ان کو مسجدوں کے قریب آنے جانے سے باز رکھا جاسکے؟ جیسے آپ نے اپنے زمانے میں ان اسباب کو ختم فرمایا جو انسان کے اندر برے خیالات پیدا کرتے ہیں،پردے کا حکم سختی کے ساتھ دیا گیا،مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے منع فرمایا گیا،شراب پر مکمل پابندی عائد کی گئی،زنا کو نہ صرف حرام کیا گیا بلکہ وہ تمام راستے بھی بند کردیے گئے جو انسان کو ایسی برائیوں کی طرف لے جاتے ہیں،کیا آج کسی مسجد کی کمیٹی کے لیے ایسی احتیاطی تدبیروں کا اہتمام ممکن بھی ہے؟ اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ مسجد آنے والی خواتین شرعی حدود میں رہتے ہوئے

گھر سے مسجد تک کا فاصلہ طے کریں گی اور اپنے خیالات اور جذبات کو بھی پاکیزہ رکھیں گی تو کیا یہ حسنِ ظن ان راستوں پر چلتے اور آتے جاتے اچھے برے مردوں سے بھی رکھا جاسکتا ہے؟

اب شرائط جواز باقی نہیں رہے

ان ہی امور کو سامنے رکھتے ہوئے سلفِ صالحین اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ محبت رکھنے والے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات و معمولات سے آگاہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے عہد میں خواتین کی مسجدوں میں آمد و رفت کو ناپسند فرمایا، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کون ہوگا؟ جو آپ کی پسند اور ناپسند سے واقف ہو اور خاص کر عورتوں کے افعال کے بارے میں لیکن وہ فرماتی ہیں کہ:

"لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماأحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنی اسرائیل فقلت لعمرة أو منعن قالت نعم"۔(۱)

ترجمہ: آج کل خواتین کا جو رویہ ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دیکھا ہوتا تو ان کو مسجد سے روک دیا ہوتا جیسے بنی اسرائیل کی خواتین کو روک دیا گیا، راوی کا بیان ہے کہ میں نے عمرہ سے دریافت کیا کہ کیا وہ روک دی گئی تھیں؟ انھوں نے کہا: ہاں۔

یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے فتویٰ نہیں ہے، یہ بات کیسے سوچی جاسکتی ہے کہ مستفتی کو تو حدیث رسول سے اتنی محبت ہو کہ وہ حدیث کے مقابلے فتویٰ قبول نہ کریں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ جانتے ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو روکنے سے منع فرمایا، اس کے خلاف فتویٰ دے دیں گویا ان کے دل میں سنتِ رسول کی اتنی محبت بھی نہیں جتنی مستفتی صاحب کے دل میں ہے؟ اس طرح کی بات دراصل حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ گستاخی اور جسارت کا درجہ رکھتی ہے، اس سے توبہ کرنی چاہیے حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس فتوے کے ذریعے آپ کے مقصد و منشا کی تکمیل فرمائی ہے نہ کہ مخالفت۔

(۱) مسلم: ۱/۱۸۳، ابو دائد: ۱/۸۴، ترمذی: ۱/۱۲۰

غور فرمائیے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے صاحبزادے پر اس لیے خفا ہو گئے کہ وہ ان کو مسجد میں جانے دینے پر آمادہ نہیں تھے، لیکن ان ہی حضرت عبداللہ بن عمر کا معمول بہ سند صحیح یہ نقل کیا گیا ہے کہ آپ خواتین کو عیدین میں نہیں بھیجتے تھے "أنه كان لايخرج نساءه في العيدين" اور حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ "انه كان لايدع امرأة من أهله تخرج إلى فطر ولا إلى أضحى"۔ (۱) کہ وہ اپنے خاندان کی عورتوں کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں (عیدگاہ) جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو عورتوں کے مساجد میں جانے کی ممانعت پر ابتداءً اطمینان نہیں تھا، بعد کے حالات کو دیکھ کر وہ بھی اس کے قائل ہو گئے تھے کہ عورتوں کو مسجد میں نہیں آنا چاہیے، جیسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، بالخصوص ان حالات میں کہ عہدِ نبوت میں خواتین کے مساجد میں آنے کے لیے جو مصلحت تھی وہ اب باقی نہ رہی اور ان کے مسجد میں آنے کے لیے جو شرائط اور حدود و قیود تھیں ان کو باقی رکھنا اب دشوار ہے۔

بہتان الگ چیز ہے احتیاط الگ چیز ہے

یہ تو بچکانہ بات ہی کہی جا سکتی ہے کہ "صرف نمازی عورتوں اور مردوں سے فتنہ وفساد صادر ہونا ایک عظیم بہتان ہے" ایک تو جن حضرات نے خواتین کو مساجد میں آنے سے منع کیا ہے انھوں نے یہ نہیں کہا کہ صرف نمازی خواتین سے فتنے کا اندیشہ ہے، کیوں کہ یہ بات ممکن ہے کہ بعض بدطینت عورتیں جو نماز کی پابند نہ ہوں نماز کا بہانہ کر کے غلط راستہ اختیار کریں، پھر یہ سوچنا بھی درست نہ ہوگا کہ جو نمازی ہو اس سے فتنے کا اندیشہ نہ ہو، آپ نے فرمایا کہ شیطان انسان کے وجود میں خون کی طرح دوڑتا ہے، اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کی صف پیچھے نہ رکھی ہوتی، یہ اصول نہ رکھا ہوتا کہ جب تک مرد سجدے

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/ ۱۸۲

سے سر نہ اٹھالیں عورتیں سر اٹھانے سے گریز کریں، یہ معمول مقرر نہ ہوتا کہ خواتین پہلے چلی جائیں اور مرد بعد میں مسجد سے جائیں، خوشبو اور دیدہ زیب لباس کی ممانعت نہ ہوتی، یہ تمام حدود وقیود صحیح ومعتبر حدیثوں سے ثابت ہیں، ظاہر ہے یہ سب کچھ ''نمازی خواتین'' سے فتنے کے سدِّ باب ہی کے لیے تو آپ ﷺ نے فرمایا اور وہ بھی عہد نبوی میں جو حدیث کے مطابق ''خیر القرون'' ہے، یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ بہتان ایک بہت الگ چیز ہے اور احتیاط ایک دوسری چیز۔

دینی مراکز کو بدنامی سے بچاؤ

یہ صحیح ہے کہ خواتین دوسری ضروریات کے لیے گھر سے باہر نکلتی ہیں، ظاہر ہے کہ شریعت کا حکم وہاں بھی یہی ہے کہ اگر کسی طبعی یا شرعی ضرورت کے بغیر وہ گھر سے نکلیں تو وہ ناپسندیدہ ہے اور فتنے کا اندیشہ ہو تو ناجائز ہے لیکن وہاں اس کی طرف سے ایک ناشائستہ بات ظاہر ہوتی ہے یا خود وہ کسی ناشائستہ بات کا شکار ہوتی ہے تو ظاہر ہے یہ برائی دنیا کی طرف منسوب ہوتی ہے، اس سے بازار بدنام ہوتا ہے لیکن وہی برائی بل کہ اس سے کم تر درجے کی بھی برائی کسی دینی مرکز میں پیش آئے، مسجد میں پیش آئے تو اب یہ برائی دین کی طرف منسوب ہوگی، دین اور دینی مراکز بدنام ہوں گے اور دین کے اعتبار و وقار کو نقصان پہنچے گا۔

یہ بات مشاہدے میں آتی ہے کہ دوسری قوموں کی مذہبی عبادت گاہوں میں جہاں مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے، یا بدعات کے مراکز درگاہوں وغیرہ میں جہاں عرس کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے، وہاں باوجود یہ کہ اپنے اپنے خیال کے مطابق (گو ان کے عقائد باطل ہیں) تقدس واحترام ہی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے؛ لیکن اس کے باوجود بہت سے ناخوشگوار اور ناگفتنی واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جنگِ جمل کے واقعے سے وہی شخص استدلال کرسکتا ہے جو تاریخ سے نابلد ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس عمل کو اکابر صحابہ میں سے کسی نے پسند نہیں کیا،

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو تفصیلی مکتوب لکھا اور ان کے اس عمل سے اختلاف فرمایا اور بعد میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اس عمل پر پچھتاوا اور افسوس تھا، حیرت ہے کہ جس واقعے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پچھتاوا تھا، اس سے مساجد میں خواتین کے نماز ادا کرنے پر استدلال کیا جائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جو فتویٰ مساجد میں عورتوں کی آمد و رفت کی ممانعت سے متعلق تھا اور جس پر وہ قائم و دائم رہیں، اس کو قابل اعتناء تصور نہ کیا جائے۔

خواتین کو مساجد سے روکنا حق تلفی نہیں احترام ہے

بعض تجدد پسند مرد اور خواتین اس بات کو عورتوں کی تذلیل قرار دیتے ہیں کہ اُن کو جماعت میں شریک ہونے سے روکا جائے، یہ محض ناسمجھی اور کم فہمی کی بات ہے، یہ تذلیل نہیں ہے، رعایت ہے، یہ ان کی حق تلفی نہیں ہے؛ بلکہ ان کے لئے چھوٹ ہے، عورتوں کا سب سے اہم کردار ماں ہونے کا ہے، جب وہ ماں بنتی ہیں تو جنت ان کے قدموں کے نیچے آجاتی ہے؛ کیوں کہ وہ بچوں کی پرورش کے لئے اپنے آپ کو قربان کر دیتی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے گھر کی منتظم بھی ہوتی ہیں اور تمام امور خانہ داری ان ہی سے متعلق ہوتے ہیں، جس ماں نے رات میں جاگ کر بچوں کو سُکھ پہنچایا ہو، جو اپنے سینہ میں محفوظ پاک غذا کے سرچشمہ سے اپنے نونہالوں کو سیراب کرنے کے لئے بار بار اُٹھی ہو، اور فجر کے وقت نیند اس کی آنکھوں میں سمائی ہوئی ہو، اگر اسے اس وقت فجر کی نماز کے لئے مسجد جانا لازم ہوتا تو سوچئے کہ اسے کتنی دشواری ہوتی، جس عورت کو اللہ نے نازک اندام اور سبک خرام بنایا ہے، اگر دوپہر کی آگ اگلتی ہوئی دھوپ میں مسجد جانے پر مجبور کیا جاتا تو یہ بات اس کے لئے کس درجہ پریشانی کا باعث ہوتی؟ اس لئے اسلام نے جیسے زندگی کے دوسرے مسائل میں خواتین کے ساتھ خصوصی رعایت کا معاملہ کیا ہے، کہ حج میں کوئی محرم مددگار یا شوہر ساتھ نہ ہو تو اس پر حج فرض نہیں، اس پر جہاد فرض نہیں، اور کسب معاش کی ذمہ داری نہیں، وغیرہ وغیرہ، اسی طرح اس مسئلہ میں بھی اس کے ساتھ رعایت کا پہلو اختیار کیا

گیا ہے۔

حدیث فہمی یا غلط فہمی ؟

رہی یہ بات کہ ’’صحیح احادیث جو صحاح ستہ میں موجود ہیں اور جو سند کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کے مقابلے میں کوئی ضعیف حدیث یا فقہی مسائل کو کوئی اہمیت نہیں ہے‘‘ اس طرح کی بات ناسمجھ اور ناواقف لوگ ہی کہہ سکتے ہیں، نہ یہ سمجھنا درست ہے کہ تمام صحیح حدیثیں صحاحِ ستہ ہی میں محفوظ ہوگئی ہیں، دوسری کتب میں غیر معتبر روایات ہیں اور نہ یہ درست ہے کہ صحاح ستہ کی تمام روایتیں معتبر ہیں اور ان میں ضعیف روایات نہیں، حقیقت یہ ہے کہ صحاحِ ستہ کے مصنفین تو بعد کے ہیں، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف، امام محمد، امام عبدالرزاق ابن ہمام، امام ابن ابی شیبہ، امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ، یہ وہ ائمہ حدیث ہیں کہ بہت سی صحیح، معتبر ترین احادیث ان حضرات کی کتابوں میں موجود ہیں مگر صحاحِ ستہ میں نہیں ہیں، امام بخاریؒ نے خود لکھا ہے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح احادیث یاد تھیں میں نے ان سے صحیح بخاری کا انتخاب کیا ہے اور صحیح بخاری کی کل روایات سات ہزار سے کچھ اوپر اور مکررات حذف کرنے کے بعد دو ہزار سے کچھ اوپر ہیں، یہ روایتیں ان ائمہ مجتہدین کی کتابوں میں مل سکتی ہیں، تو آخر اس سے بڑھ کر سنت سے عداوت کیا ہوگی کہ کوئی شخص حدیثِ نبویؐ سے بحیثیت حدیث محبت کرنے کی بجائے اس لیے محبت کرے کہ یہ فلاں کتاب میں آئی ہے نہ کہ فلاں کتاب میں؟ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔

جتنی غلط بات یہ ہے کہ صحیح و مستند حدیث صرف صحاح ستہ میں ہے اس سے کم غلط اور خلاف واقعہ یہ بھی نہیں کہ صحاح ستہ کی تمام روایات معتبر ہیں، صحاح ستہ کی بہت سی روایات پر کلام کیا گیا ہے اور آج کل بعض غیر مقلد حضرات نے امام بخاریؒ کو بھی نہیں بخشا ہے، جن کی احادیث کی وہ دہائی دیتے ہیں۔

فقہی مسائل سے بے نیازی

فقہی مسائل سے بے نیازی بھی ایک لطیفے سے کم نہیں، گویا اب ہر عام وخاص کو خود اجتہاد کرنا ہے، چاہے عربی زبان سے بھی واقف نہ ہو براہِ راست قرآن وحدیث سے مسائل مستنبط کرنا ہے، دنیا میں انسان کے خود ساختہ قوانین پر بھی گفتگو کے لیے کچھ علم اور مقام مطلوب ہے لیکن قرآن وحدیث اتنا مظلوم ہے کہ اس پر کلام کے لیے نہ علم کی ضرورت ہے اور نہ فہم کی!! فقہی مسائل کیا ہیں؟ قرآن وحدیث میں جو اصول بتائے گئے ہیں اور جو احکام وقوانین مختلف مقامات پر مذکور ہیں ان ہی کی مرتب ومدون صورت ہے! ان مسائل سے وہی شخص بے نیاز ہوسکتا ہے جو کتاب وسنت کی بجائے اپنی خواہشات کی شریعت پر عمل کرنا چاہتا ہو، پھر اس پر بھی غور کیجیے کہ کسی حدیث کا صحیح وضعیف اور معتبر ونامعتبر ہونا آپ کو کس طرح معلوم ہوا؟ اسی طرح کہ فلاں محدث نے اس حدیث کو صحیح یا ضعیف کہا ہے؟ جب حدیث کی صحت وضعف کے بارے میں آخر محدثین کے فتوے پر عمل کرتے ہیں تو فقہاء کے فتاویٰ زیادہ قابل عمل ہیں، کیوں کہ وہ حدیث کے الفاظ سے بھی واقف تھے اور اس کے معانی ومقاصد سے بھی۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ ایک ایسے سماج میں جہاں قانون شریعت نافذ نہیں، شرعی حدود وقیود کا لحاظ رکھنا ممکن نہیں، برائی کے محرکات عام ہیں، بدنگاہی، بے پردگی، عریاں فلمی اشتہارات، ٹی وی اور ویڈیو کے ذریعے ہر لمحہ گویا برائی کی دعوت دی جاتی ہے، وہاں خواتین کی مسجدوں میں آمد ورفت فتنوں کے دروازے کھولدے گی، دین کے نام پر بے دینی کا ارتکاب ہوگا، اس سے سنت کا احیاء نہیں بل کہ شریعت کے مقصد ومنشا کی خلاف ورزی اور آپ کی تعلیمات کی مخالفت ہوگی، آپ نے خواتین کے لیے اسی کو بہتر سمجھا ہے کہ وہ گھر ہی میں نماز ادا کیا کریں۔

اس لیے مساجد کے منتظمین کا خواتین کے لیے مسجدوں میں نماز کا مستقل نظم کرنا، اس کی

ترغیب دینا اور حوصلہ افزائی کرنا نہایت نامناسب اور نادرست عمل ہوگا۔(۱)

سعودی عرب میں عورتوں کا مسجد آنا

بعض لوگ جو سعودیہ کی ہوا و زخوردہ ہیں وہ عورتوں کو مسجد لانے کے متعلق فوراً یہ دلیل دیتے ہیں کہ دین عرب سے پھیلا ہے،عرب میں عورتیں مسجد آتی ہیں تو یہاں کیوں نہیں آسکتیں؟ عجیب بات تو یہ ہے کہ ایک طرف صحابہؓ کے اقوال واعمال پیش کیے جارہے ہیں، دوسری طرف سعودیہ کا عمل پیش کیا جارہا ہے اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مدعی متبع سنت ہے یا ہوس پرست ،حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں : جہاں تک سعودی عرب کی بات ہے تو اول تو سعودی عرب میں کسی بات کا مروج ہونا اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ،معیار کتاب وسنت اور کتاب وسنت کا علم رکھنے والے علماء کی رائے ہے،نہ کہ کسی خاص خطے اور علاقے کا عمل،دوسرے سعودی عرب کے قوانین بہت سخت ہیں، وہاں زنا پر سزائے موت دی جاتی ہے،پردے کی پابندی کرائی جاتی ہے،اور بے پردہ گھروں سے نکلنے والی خواتین کی سرزنش کی جاتی ہے،پھر حرمین شریفین کی قربت کی وجہ سے مجموعی ماحول پر صلاح کا غلبہ ہے،اس لیے وہاں فتنے کے مواقع اور اندیشے کم ہیں ۔(۲)

مساجد میں عورتوں کا داخلہ اور سپریم کورٹ میں مقدمہ

سپریم کورٹ نے پونہ کے مسلم جوڑے کی وہ درخواست قبول کرلی ،جس میں کہا گیا ہے کہ مسلم خواتین کو مسجد میں داخلے کی اجازت دی جائے ،یہ فیصلہ اس پس منظر میں کیا گیا ہے کہ کیرلا کے سابری مالا مندر میں دس برس سے پچاس برس تک کی لڑکیوں اور خواتین کو مندر میں جانے کی اجازت نہیں تھی ، بالآخر خواتین کے زبردست احتجاج اور سپریم کورٹ کی

---

(۱)ماخوذ از :راہِ اعتدال: ۲۰۴،مکتبہ خلیل لاہور

(۲)کتاب الفتاوی: ۲/ ۲۸۴

مداخلت کے بعد انھیں اجازت مل گئی (یہ ۲۰۱۸ء کی بات ہے) اب ایک مسلمان جوڑے نے سپریم کورٹ سے استدعا کی ہے کہ اسی طرح مسلم خواتین کے مسجدوں میں داخلے پر عائد پابندی کو اٹھایا جائے اور انھیں بھی مسجد جا کر عبادت کرنے کا حق دیا جائے، سپریم کورٹ نے اس سلسلے میں مرکزی حکومت اور وزارت اقلیتی امور کے ساتھ سینٹرل وقف کونسل اور آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کو بھی جواب دینے کے لیے نوٹس جاری کر دیا ہے، درخواست گزاروں نے اس مسئلے کو صنفی مساوات سے جوڑا ہے اور بنیادی حقوق سے متعلق دستورِ ہند کی دفعات ۱۴/ ۱۵/ ۲۱/ ۲۵/ کا حوالہ دیا ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات یاد رہے کہ: مسئلہ افضلیت کا ہے، مسئلہ مرد اور عورت کے درمیان ناانصافی وتفاوت کا نہیں ہے، مساجد عبادات اور روحانیت کے مراکز ہیں، جہاں مسلمانوں کو تربیت وتزکیہ، روحانیت کی ترقی اور دینی تعلیم کے مواقع حاصل ہوتے ہیں، مسلم خواتین بھی اسلامی سماج کا حصہ ہیں، انھیں بھی تربیت وتزکیہ کے لیے ان مراکز سے استفادہ کرنے کے مواقع فراہم ہو سکتے ہیں، نئی مساجد اس طرح تعمیر ہو سکتی ہیں کہ ان میں خواتین کے لیے مسجد کی دیوار سے متصل خواتین منزل ہو، نیز یاد رہے! کہ اسلام میں شرعی اعتبار سے خواتین کے مسجد میں داخلے پر کوئی پابندی نہیں ہے، البتہ انھیں ترغیب دی گئی ہے کہ گھر میں نماز افضل ہے، جیسا کہ تفصیل گذر چکی۔

آپ نے مردوں اور عورتوں کے درمیان اختلاط سے سختی سے منع کیا ہے، مسجد سے باہر بھی اور مسجد کے اندر بھی، البتہ مساجد کو بدنامی سے بچانے کا زیادہ اہتمام ضروری ہے، آپ ﷺ نے عورتوں کے لیے مسجد کا ایک دروازہ خاص کر دیا تھا، آنے جانے میں راستے کے کنارے چلنے کا حکم فرمایا دتھا، عورتوں کو پہلے نکل جانے کا حکم دیا گیا تھا، آپ نے خوش بو لگا کر اور زیب و زینت اختیار کر کے عورتوں کے گھر سے نکلنے کو منع کیا تھا، اس طرح شرائط کی رعایت کوئی خاتون کرتی ہے تو یقیناً وہ گھر ہی میں پڑھنے کو ترجیح دے گی۔

اخیر میں محمود احمد خاں صاحب دریابادی کی تحریر ملاحظہ فرمالیں: ”بلاشبہ عہد رسالت

اوراس کے کچھ بعد تک عورتیں مسجدوں میں حاضر ہوتی رہی ہیں،مگر ایسی کوئی روایت کسی اہل مسلک کے پاس نہیں ہے جس میں عام طور پر خواتین کو مسجدوں میں آنے کی ترغیب دی گئی ہو اس کے فضائل بیان ہوئے ہوں، بلا عذر حاضر نہ ہونے پر گناہ یا عذاب کی وعیدیں سنائی گئی ہوں بل کہ متعدد ایسی روایات ہیں جن میں گھر اور گھر میں بھی کسی گوشے کے اندر عورت کی نماز کو بہتر کہا گیا ہے بے شک دنیا کے کچھ ممالک اور ہندوستان کے کچھ طبقات کی خواتین مسجدوں میں حاضر ہوتی ہیں، حرمین میں بھی یہی دستور ہے،لیکن اس کو عام کرنے کا مطالبہ کرنا مسلم دشمنوں کے ہاتھ میں ایک اور ہتھیار تھمانے کے برابر ہوگا، یاد رکھیے! پھر مسئلہ صرف عورتوں کی مسجد میں حاضری تک محدود نہیں رہے گا،حقوق نسواں کے نام نہاد علم بردار نماز کی صفوں میں بھی مردوں کی برابری کا مطالبہ کریں گے،عورت کو موذن اور امام بنانے کا مطالبہ بھی ہوگا،کیا اس کے لیے تیار ہیں؟

اب ذرا دوسرا رخ بھی دیکھ لیجیے عموما برادران وطن کی عورتیں مندروں میں حاضر ہوتی ہیں مگر کیرالا میں سبری مالا مندر ایسا ہے جہاں دس سے پچاس سال کی عورتوں کو داخلے کی اجازت نہیں ہے، پچھلے دنوں ملک کی سب سے بڑی عدالت سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ وہاں ہر عمر کی عورتوں کو داخلے کی اجازت ہے،اس فیصلے پر وہ لوگ جو مسلم خواتین کے غم میں دبلے ہو رہے تھے، مسلم عورتوں کو برابری کے حقوق دلانے کے نام پر اسلام کی بنیادوں کو ہلانے کی کوششیں کر رہے تھے سب کے سب روایت اور ''پرمپرا'' کی حفاظت کے نام پر عدالت کے فیصلے کے خلاف کھڑے ہو گئے، انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ لاکھوں مندروں میں تو عورتیں حاضر ہوتی ہی ہیں ایک اور سہی! وہاں ہزاروں کی بھیڑ جمع ہے،سب سے بڑی عدالت کے خلاف نعرے لگ رہے ہیں، خدانخواستہ اگر مسلمان اپنے جائز حقوق کی حفاظت کے لیے ایسی جسارت کرتے تو اب تک وہاں کشتوں کے پشتے لگ گئے ہوتے مگر مظاہرہ کرنے والے برادران وطن یہ جانتے ہیں کہ چوں کہ ان کے ''سیاں کوتوال'' ہیں اس لیے انھیں کوئی ڈر نہیں ہے۔

چنانچہ کئی دن گذر جانے کے بعد بھی مندر جانے کی خواہش مند ہندو عورتیں اب تک حاضری سے محروم ہیں اور بظاہر مقامی پولیس اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود انھیں مندر تک پہنچانے میں ناکام نظر آرہی ہے ایک طرف باطل کی یہ مذہبی غیرت، اور دوسری طرف ہماری یہ ناعاقبت اندیشی اور بے حمیتی .... !!(۱)

نوٹ: مؤلف کی رائے ہے کہ آج کل بازاروں، شاپنگ مالز، بس اسٹینڈ وغیرہ پر ایسی مساجد ہونی چاہیے جن میں عورتوں کے لیے بھی معقول نظم ہو، کیوں کہ خریداری اور سفر کے وقت عورت ساتھ ہونے کی وجہ سے مرد بھی نماز ادا نہیں کرتے کہ انھیں مسجد نہیں لے جانا ہے اور عورت تو گھر لوٹنے تک نماز کا تصور بھی نہیں کرے گی، جس سے دونوں کی نماز خطرے میں ہو جاتی ہے۔

راہِ اعتدال

عورتوں کو مسجد میں جماعت کے وقت جماعت سے اور جب جماعت کا وقت نہ ہو تو انفرادی طور پر نماز ادا کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ اور مسجد میں خواتین کی نماز کے لئے انتظام رکھنا چاہئے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں ہمارے یہاں خاصی افراط وتفریط پائی جاتی ہے، ایک گروہ اس بات پر بہت زور دیتا ہے کہ عورتوں کو مردوں ہی کی طرح مسجد جانے کی ترغیب دینی چاہئے اور ہر مسجد میں ان کے لئے نماز کا انتظام ہونا چاہئے، یہ منشاء دین سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، جب آپ ﷺ نے خود فرما دیا کہ عورتوں کا گھر میں نماز پڑھنا بہتر ہے تو پھر اس پر اصرار کرنے کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جس اندیشہ کا اظہار فرمایا ہے، وہ ان کے زمانہ کے مقابلہ اب بدرجہا بڑھا ہوا ہے، اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

دوسری طرف بعض حضرات نے عملی طور پر واقعی ایسا رویہ اختیار کر رکھا ہے کہ گویا عورت

---

(۱) منقول۔

کا مسجد میں قدم رکھنا یا کم سے کم وہاں نماز پڑھنا شجر ممنوعہ ہے، اور یہ دین کا حکم قطعی ہے، یہ بھی درست نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو جیسے رسول اللہ ﷺ نے بعض چیزوں کی اجازت دی اور پھر اسے منسوخ فرمادیا، خود نماز کے سلسلہ میں بعض طریقے منسوخ کئے گئے، اسی طرح آپ نے مسجد میں عورتوں کے نماز پڑھنے کو بھی مکمل طور پر منع فرمادیا ہوتا اور آپ جو بات فرماتے تمام مسلمان مرد وعورت سے بطیب خاطر اسے قبول کر لیتے؛ لیکن یہ ضروری ہے کہ موجودہ حالات کے اعتبار سے اس اجازت کو محدود کیا جائے، جیسا کہ بعض صحابہ نے اس اجازت کو بعض نمازوں تک اور بعض نے عمر دراز عورتوں تک محدود کر دیا ہے۔

موجودہ دور میں بہت سی جگہ مسجدوں میں خواتین کے لئے نماز کا انتظام ضروری محسوس ہوتا ہے، جیسے بازاروں کی مسجدیں کہ خواتین وہاں آئیں اور نماز کا وقت ہو جائے تو وہ نماز سے محروم نہ رہ جائیں، ریلوے اسٹیشن، بس اسٹینڈ، ایئر پورٹ، کورٹ، ہاسپیٹل کے قریب کی مسجدیں کیوں کہ یہ ایسے مقامات ہیں، جہاں ضرورتاً خواتین کو آنا پڑتا ہے، اگر ان کے لئے نماز کا انتظام ہو تو نماز قضاء نہیں ہوتی، اسی طرح ہائی وے پر جو مسجدیں ہوتی ہیں، ان میں بھی اس انتظام کی ضرورت ہے، رمضان المبارک میں عورتوں کی بڑی تعداد نماز تراویح کا اہتمام نہیں کر پاتی، حافظ قرآن کے پیچھے قرآن سننے کا جذبہ لوگوں میں تراویح کے اہتمام کا محرک بنتا ہے، عام طور پر محلہ میں کئی مسجدیں ہوتی ہیں، اگر ایک مسجد سے متصل خواتین کے لئے ہال بنا دیا جائے؛ تاکہ اڑوس پڑوس کی خواتین یہاں نماز پڑھ لیں تو اس میں بھی کوئی حرج نظر نہیں آتا، اسی طرح تعلیمی اداروں میں مسلمان لڑکیوں کی بھی اچھی خاصی تعداد ہوتی ہے، اگر ان اداروں کے قریب خواتین کے لئے نماز کا مصلی بنا دیا جائے؛ تاکہ وہ ظہر وعصر کی نمازیں یہاں ادا کر لیں، اس طرح وہ نمازیں پڑھیں گی اور ان کو اس کی عادت پڑے گی۔

پھر موجودہ دور میں عموماً مسجدوں کے ساتھ طبعی حاجات کے لئے بھی انتظام ہوتا ہے، یوں تو کسی کا بھی ادھر اُدھر استنجاء کے لئے بیٹھ جانا بہتر بات نہیں؛ لیکن خاص کر خواتین کے لئے یہ زیادہ دشواری کا باعث ہے؛ اس لئے اگر بازار اور ہائی وے وغیرہ کی مسجدوں میں

خواتین کے حصہ میں باتھ روم کا نظم رکھا جائے تو یہ ان کے لئے بے حد سہولت کا باعث ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ نہ یہ درست ہے کہ خواتین کو مسجد جانے کی ترغیب دی جائے اور ہر مسجد میں ان کے لئے نماز کا انتظام ہو اور نہ یہ درست ہے کہ جہاں مسجدوں میں خواتین کے لئے نماز کا انتظام کرنے کی ضرورت ہے، جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا، وہاں بھی اس ضرورت کو نظر انداز کر دیا جائے۔

خلاصۂ مضمون

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات، صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار، دین کے مجموعی مزاج و مذاق اور فقہاء کی تصریحات کو سامنے رکھتے ہوئے خواتین کے مسجد میں جانے اور نماز پڑھنے کے سلسلہ میں جو نکات سامنے آتے ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) اسلام میں عورتوں کو پورا احترام دیا گیا ہے، اور اس احترام کا ایک پہلو یہ ہے کہ خواتین کے مسجد میں داخل ہونے کی ممانعت نہیں ہے، جیسا کہ برادران وطن کے یہاں بعض مندروں میں خواتین نہیں جا سکتیں، حرمین شریفین کو مسجدوں میں بھی ایک خاص حیثیت اور تقدس حاصل ہے، اس کے باوجود مسلمان عورتوں کو وہاں جانے کی اجازت ہے، اور ہمیشہ سے اس کا تعامل رہا ہے۔

(۲) اگر کوئی عورت مسجد میں انفرادی طور پر نماز ادا کر لے جیسے راستہ سے گزرتے ہوئے مسجد ملی اور وہاں ایک کونہ میں نماز پڑھ لی، پردہ کا پورا خیال رکھا، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، فقہاء نے اپنے زمانہ کے حالات کے لحاظ سے عورتوں کو مسجد میں کراہت کے ساتھ اعتکاف تک کی اجازت دی تھی۔ ”روی الحسن عن أبي حنيفة جوازه و کراهته (الاعتکاف) في المسجد“[۱]

عورتوں کے لئے مسجد میں نماز ادا کرنے کے مقابلہ گھر میں نماز ادا کرنا افضل ہے، جیسا

---

(۱) عمدۃ القاری ۱۱ : ۱۴۲

کہ حضرت ام حمیدؓ کی روایت سے واضح ہے؛ اس لئے یہ درست نہیں ہے کہ خواتین کو ترغیب دی جائے کہ وہ مسجد میں جا کر جمعہ وعیدین کی نماز ادا کیا کریں؛ کیوں کہ آپ ﷺ نے ان کے لئے گھر کے ایک کونہ میں نماز پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے۔

مساجد سے متصل خواتین منزل کا نظام ہو

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے یہاں دین کی جو کچھ باتیں کہی جاتی ہیں، ان سے زیادہ تر مرد ہی استفادہ کرتے ہیں، جمعہ کے بیانات ہوں، دعوتی اجتماعات ہوں، سیرت کے جلسے ہوں، مدارس کے پروگرام ہوں، اصلاح معاشرہ کی کانفرنسیں ہوں، ان میں بے چاری خواتین کو شاذ ونادر ہی استفادہ کا موقع ملتا ہے؛ حالاں کہ عورت خاندان کی بنیاد ہوتی ہے اور اسی کی گود بچوں کی پہلی درس گاہ بنتی ہے، اس صورت حال میں کیسے خواتین سے توقع رکھی جاسکتی ہے کہ وہ ایک بہتر معاشرہ کی تعمیر کرسکیں گی؛ اس لئے ضرورت ہے کہ شہر کی بعض مسجدوں سے قریب خواتین کے لئے اجتماع ہال تعمیر کیا جائے اور اس کو مسجد کے مائک سے مربوط کردیا جائے؛ تاکہ جمعہ سے پہلے جو بیان ہو، اسے خواتین بھی سن سکیں، اور اس سے بھی بہتر ہے کہ مسجد سے گھروں کو ایسا کیبل کنکشن دیا جائے کہ خواتین اپنے گھروں میں بیانات کو سن سکیں، میں نے خود برطانیہ میں دیکھا ہے کہ وہاں کثرت سے اس کا رواج ہے، اس قسم کا نظام گجرات کے بعض قصبات وشہروں میں بھی پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ خواتین کچن میں ریڈیو ٹرانس میٹر لگائے رہتی ہیں اور کام کرتے ہوئے بیان سنتی رہتی ہیں، اِس وقت خواتین کی تربیت دونوں پہلوؤں سے ضروری ہے، اس پہلو سے کہ وہ معاشرہ کی اصلاح کریں اور ان کے ذریعہ ایک اچھے سماج کی تشکیل ہو، اور اس لئے بھی کہ عورتوں کو بنیاد بنا کر اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا کی جارہی ہیں، خواتین اس کی حقیقت سے واقف ہوں اور وہ دوسری بہنوں کو اسلام کے بارے میں مطمئن کرسکیں، اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب اصلاحی پروگراموں اور تذکیری خطابات میں خواتین کی شرکت کا نظم کیا جائے۔

عہدِ نبوی میں خواتین کے دینی اجتماعات کی مثال

عورتوں کے لیے مخصوص دینی اجتماعات منعقد کیے جاسکتے ہیں، عہدِ نبوی میں اس کی نظیر ملتی ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یارسوال اللہ! زیادہ تر صرف مرد ہی آپ کی باتیں سنتے ہیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم عورتوں کے لیے ایک دن خاص کر دیجیے، جس میں ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر استفادہ کرسکیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور ان کے لیے ایک دن خاص کر دیا، عورتیں اس دن اکٹھا ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پاس جا کر انھیں وعظ وتلقین کی۔(۱)

خواتین کے یہ اجتماعات مساجد میں بھی کیے جاسکتے ہیں، مگر دیگر مناسب مقامات مثلاً لیکچر ہال، کمیونٹی سنٹر، مسجد سے متصل خواتین منزل وغیرہ میں منعقد کرنا زیادہ بہتر ہے، مذکورہ بالا حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ عورتوں کا مخصوص اجتماع کہاں ہوا تھا؟ حدیث میں ''فی مکان کذا و کذا'' فلاں مقام پر کے الفاظ ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً وہ جگہ مسجد کے علاوہ کوئی اور تھی، لیکن دینی باتیں سننے کے لیے عورتیں مسجد آیا کرتی تھی، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد کا مشہور واقعہ ہے کہ انھوں نے مسجد نبوی میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: لوگو! عورتوں کے مہر بہت زیادہ نہ رکھو۔ اگر یہ کوئی خوبی کی بات ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا ضرور کرتے، حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کسی بیوی یا بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ نہیں رکھا۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس سے زیادہ مہر رکھے گا تو یہ زائد رقم میں اس سے زبردستی لے کر بیت المال میں جمع کرادوں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر عورتوں کی صف سے ایک طویل القامت عورت اٹھی اور اس نے سورۂ نساء کی آیت ۲۰ کا حوالہ دے کر کہا: ''اے امیر المومنین! جب اللہ تعالیٰ نے مہر کی کوئی حد مقرر نہیں کی ہے تو آپ کون ہوتے

(۱) صحیح بخاری، حدیث: ۱۰۱

ہیں؟ یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی بات سے رجوع فرمالیا۔(۱)

دین کا مزاج اجنبی مردوں اور عورتوں کے درمیان اختلاط کو ناپسند کرتا ہے، ساتھ ہی عورتوں کے لیے پردے کے حدود متعین کرتا ہے، جہاں عورتوں کے لیے خصوصی انتظامات نہ ہوں، اختلاط کے مواقع مسدود نہ ہوں، پردہ اور دیگر شرعی حدود و قیود کے رعایت نہ ہو، ان میں جانے سے حتی الامکان احتراز کرنا چاہیے۔

تہجد کی جماعت اور حنفی نقطہ نظر

وضاحت: رمضان میں بعض مساجد میں تہجد کی نماز اور بعض مساجد میں صلاۃ التسبیح جماعت سے پڑھائی جاتی ہے اور اس کو حق سمجھا جاتا ہے اور رمضان میں مسلکی امتیاز ایسے ہی مسائل سے قائم کیا جاتا ہے جو جمہور کی رائے سے ہٹے ہوئے ہوں اور امت میں اختلاف کا سبب بنے ہوئے ہوں، جب کہ قرنِ اول میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے، محدثین اور فقہاء سے کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا، تراویح، استسقاء اور کسوف کے علاوہ دوسری نفلوں کی جماعت اگر بالتداعی (۲) ہو تو بہر صورت مکروہ تحریمی ہے، خواہ وہ نفلیں رمضان میں پڑھی جائیں یا غیر رمضان میں، یہی عام فقہاء و محدثین کا مسلک ہے اور اسی پر سلف صالحین کا فتوی اور تعامل ہے۔

نوافل کی جماعت کے متعلق محقق العصر حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم اور حضرت مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی عمت فیوضھم کے عمدہ رسالے کی تلخیص یہاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جو قبول حق کا مزاج رکھنے والے کے لیے حرفِ آخر

---

(۱) تفسیر ابن کثیر، ۱/ ۳۲۵،۲۲۵

(۲) تداعی کا مطلب یہ کہ لوگوں کو جماعت کے لیے بلانا اور انہیں جمع کرنا اور راجح قول کے مطابق اگر امام کے علاوہ چار یا اس سے زائد مقتدی ہوں، تو یہ تداعی ہے اور اگر اس سے کم ہوں، تو نہیں۔ ”یکرہ ذلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد“ (فتاوی شامی)

ہے، چناں چہ حضرت مفتی شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم رقم فرماتے ہیں:

’’سب سے پہلے ہم تہجد کی نماز کو باجماعت ادا کرنے کے سلسلے میں حنفی نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہیں تاکہ ان کا موقف واضح ہوجائے۔

ان حضرات کا موقف یہ ہے کہ جماعت فرض نمازوں کے لیے مشروع ہے اور کسی خاص وجہ سے بعض اور نمازوں میں بھی مشروع ہے، جیسے تراویح، عیدین، نماز کسوف وغیرہ ان کے علاوہ اور کسی نفل یا سنت نماز کے لیے جماعت مشروع نہیں ہے، بل کہ ان کو تنہا پڑھنا چاہیے۔ جس طرح فرض نماز جماعت سے پڑھنا مشروع طریقہ ہے اسی طرح نفل اور سنت نمازوں کو تنہا تنہا پڑھنا اور ان میں جماعت نہ کرنا ہی مشروع طریقہ ہے اور جیسے فرض نماز کو بغیر جماعت کے ادا کرنا بھی غلط اور نامشروع ہے، ایسے ہی نفل اور سنت نمازوں کو باجماعت ادا کرنا بھی غلط اور نامشروع ہے۔

چناں چہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اعلاء السنن میں فرماتے ہیں کہ:

علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ سنت اور نفل میں گھر میں پڑھنے کا تھا، مگر کوئی عذر ہو تو مسجد میں پڑھتے، جیسے آپ فرائض مسجد میں پڑھتے، لہٰذا سنت و نفل میں تنہا پڑھنا سنت موکدہ ہوگا۔ جیسے فرائض میں جماعت کرنا سنت مؤکدہ ہے؛ لہٰذا نفل کی جماعت سنت مؤکدہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگی۔(۱)

البتہ فقہائے احناف نے بعض قیود و شرائط کے ساتھ نفل کی جماعت کی اجازت دی ہے۔ اس کی تفصیل و توضیح یہ ہے کہ:

(۱) اگر نفل نماز باجماعت بغیر تداعی کے ہو تو جائز ہے۔ اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے اور تداعی کے معنی یہ ہیں کہ امام کے علاوہ چار آدمی مقتدی ہوں۔(۲)

معلوم ہوا کہ امام کے علاوہ اگر چار آدمی مقتدی ہوں تو نفل نماز خواہ وہ تہجد ہو یا کوئی اور

---

(۱) اعلاء السنن: ۷/۷۸

(۲) درمختار مع شامی: ۲/۴۹

رمضان میں ہو یا رمضان کے علاوہ میں مکروہ ہے اور تین مقتدی ہوں تو بعض علماء جائز اور بعض ناجائز فرماتے ہیں اور دو مقتدی ہوں تو جائز ہے۔(۱)

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ نفل کی جماعت اتفاقاً کبھی کرلی جائے تو چار آدمیوں کے ساتھ جائز ہے اور اگر اس کا اہتمام کیا جائے اور ہمیشہ کی عادت بنالی جائے تو باتفاق یہ ناجائز اور مکروہ اور بدعت ہے۔ جیسا کہ علماء کے فتاوی آگے آرہے ہیں ان سے معلوم ہوگا۔

حاصل یہ نکلا کہ نفل کی جماعت اگر اتفاقاً کسی دن میں کرلی تو دو تین آدمیوں کے ساتھ جائز ہے۔ اور اگر اس کا اہتمام کرکے جماعت بنائی جائے یا چار مقتدی ہوگئے تو مکروہ ہے۔ اس طرح اعلان کے ساتھ جماعتِ نفل مکروہ ہے اور اعلان میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی مسجد میں جماعتِ نفل ہونے کی شہرت ہوجائے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ نفل نماز کو باجماعت ان شرطوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں کہ:

(۱) اس کا کسی طرح بھی اعلان وشہرت نہ ہو۔

(۲) اس کا اہتمام نہ کیا جائے جیسے فرائض کا اہتمام ہوتا ہے۔

(۳) اس کا کوئی معمول نہ بنایا جائے بل کہ کبھی اتفاق سے کرلیا جائے۔

(۴) اور امام کے ساتھ چار مقتدی نہ ہوں بل کہ زیادہ سے زیادہ تین ہوں۔

اگر ان شرطوں میں سے کوئی ایک بھی شرط فوت ہوگئی تو نفل نماز جماعت سے پڑھنا مکروہ ہوگا۔ یہ تمام شرائط حضراتِ فقہائے کرام کے کلام سے لی گئی ہیں اور ان فقہاء کا کلام آگے پیش کیا جارہا ہے۔

امام مالک، امام شافعی ودیگر ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے فتاوی

اوپر علمائے احناف کا نقطۂ نظر اور ان کے فتاوی نقل کیے گئے تھے، اب ہم دیگر علماء وائمہ کا مسلک وفتویٰ بھی مختصر طور پر پیش کرتے ہیں۔ امام مالکؒ کا مسلک ان کے شاگرد

---

(۱) شامی: ۲/۴۹

امام ابن وہبؒ نے یہ نقل کیا ہے کہ ”اگر چند افراد نفل کی جماعت کرلیں تو کوئی حرج نہیں، لیکن اگر اس کی شہرت ہوگئی یا اس کے لیے لوگ جمع ہونے لگے تو اجازت نہیں۔(۱)

ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرح الشمائل سے اعلاء السنن میں نقل کیا گیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ: ”ابن حجر ہیثمیؒ شافعیؒ اور شافعی مذہب کے دیگر علماء نے تصریح کی ہے کہ نفل میں جماعت کرنا مشروع نہیں ہے“۔(۲)

نیز ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”فروع میں تصریح کردی گئی ہے کہ جب چار مقتدی ہوں تو نفل کی جماعت تمام فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے“۔(۳)

اس سے ثابت ہوا کہ تداعی واہتمام کے ساتھ جماعتِ نفل کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، تمام علماء وائمہ اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں، اس سے پتہ چلا کہ بعض جاہل لوگوں میں جو یہ مشہور ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نفل کی جماعت جائز ہے، یہ غلط ہے، بل کہ تمام فقہاء کے نزدیک جماعت نفل کا اہتمام مکروہ ہے۔

نوافل کی جماعت کے مکروہ ہونے کی دلائل

حضرات علماء وفقہاء نے اس پر متعدد احادیث سے استدلال کیا ہے، ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو، کیوں کہ سب سے افضل نماز آدمی کی وہ نماز ہے جو گھر میں ہو سوائے فرض نماز کے۔”صلوا أیها الناس فی بیوتکم فإن أفضل الصلاة

---

(۱) فتح الباری: ۳/ ۶۲

۲) اعلاء السنن: ۷/ ۸۳

۳) اعلاء السنن: ۷/ ۸۳

صلاۃ المرء فی بیتہ إلا المکتوبۃ۔‘‘(۱)

(۲) عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے گھر میں نماز پڑھنے اور مسجد میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے پھر بھی میں گھر میں نماز پڑھنے کو مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں، مگر یہ کہ فرض نماز ہو۔ ’’قد تری ما أقرب من بیتی من المسجد، فلأن أصلی فی بیتی أحب الی من أن أصلی فی المسجد إلا أن تکون صلاۃ المکتوبۃ.‘‘(۲)

(۳) حضرت صہیب بن نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی اپنے گھر کی نماز کی فضیلت اس نماز پر جو ایسی جگہ پڑھے، جہاں لوگ اس کو دیکھیں، ایسی ہے جیسے فرض نماز کی فضیلت نفل نماز پر۔(۳)

محدث شہیر وفقیہ جلیل علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ پہلی دو حدیثوں کو پیش کر کے فرماتے ہیں کہ:

’’ان دو حدیثوں میں جیسے اس بات پر دلالت ہے کہ مسجد سے زیادہ گھر میں نفل نماز پڑھنا بہتر وافضل ہے، اسی طرح ان میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ جماعت فرض نماز کے ساتھ خاص ہے، اور نوافل میں اصل اخفاء اور تنہا پڑھنا ہے؛ ورنہ ان کا گھر میں پڑھنا افضل نہ ہوتا، کیوں کہ جس نماز کا مبنی اظہار واجتماع پر ہو اس کا مسجد میں گزارنا افضل ہے، پس ثابت ہوا کہ نوافل میں جماعت خلافِ اصل ہے اور خلافِ اصل طریقے پر ادا کرنا کراہیت سے خالی نہیں ہوتا لہٰذا نوافل میں جماعت مکروہ ہے۔(۴)

---

(۱) نسائی بسند جید وابن خزیمہ، اعلاء السنن: ۷/۷۷

(۲) طحاوی: ۱/۱۶۷، شمائل ترمذی۔ احمد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ

(۳) طبرانی وغیرہ۔ اعلاء السنن: ۷/۸۱

(۴) اعلاء السنن: ۷/۷۸

دوسری دلیل

نفل کی جماعت کے مکروہ ہونے پر فقہاء نے اس طرح بھی استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام ؓ سے یہ ثابت نہیں کہ انھوں نے کبھی نوافل میں جماعت کا اہتمام کیا ہو، بل کہ سنت نمازیں بھی وہ حضرات گھر جا کر تنہا تنہا پڑھتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوافل میں جماعت مشروع نہیں ہے، یہ استدلال ایسا ہی ہے جیسے علماء نے عید کی نماز کے لیے اذان واقامت نہ ہونے پر استدلال کیا ہے کہ آپ نے عید کی نماز کے لیے اذان واقامت نہیں کہی، لہٰذا وہ غیر مشروع ہے، اس لیے نوافل میں جماعت غیر مشروع ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مؤکدہ سنتیں فرائض کے تابع ہونے کی وجہ سے اس بات کے زیادہ مستحق تھے کہ ان میں جماعت مشروع ہوتی، پس جب سنت مؤکدہ میں جماعت مشروع نہیں ہوئی اور کسی بھی حدیث میں یہ وارد نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے سنت نماز میں ایک مرتبہ بھی جماعت کی ہو تو اس کے علاوہ دوسری نمازوں میں اس کا مشروع نہ ہونا زیادہ مناسب ہے۔(۱)

تیسری دلیل

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم رقم فرماتے ہیں کہ ان روایات کے علاوہ درایت بھی اس کی مقتضی ہے کہ نوافل باجماعت رمضان میں بھی جائز نہ ہو، اس لیے کہ تراویح کی جماعت خلافِ قیاس ہے، کیوں کہ تراویح تطوعات میں سے ہے اور تطوعات میں اخفاء مطلوب ہے، برخلاف فرائض کے، اسی لیے تطوعات کو نہ صرف بلا جماعت بل کہ گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ ”صلاۃ المرء فی بیته أفضل من صلاته فی مسجدی هذا إلا

---

(۱) اعلاء السنن: ۷/ ۷۸

المکتوبة'' پس ثابت ہوا کہ تراویح کی جماعت خلاف قیاس ہے اور یہ اصول کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ ''امر خلاف قیاس اپنے مورد پر منحصر رہتا ہے'' اس پر قیاس کر کے کسی دوسرے مسئلے کو اسی کے حکم میں کر دینا جائز نہیں .... پس تہجد اور دیگر نوافل وغیرہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا، اور یہ نمازیں خواہ رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں باجماعت بالتداعی مکروہ تحریمی ہوگی۔(۱)

ایک شبہ کا جواب

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ حدیث میں ایک دو موقعوں پر رسول اللہ ﷺ کا نفل کو جماعت سے پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ بخاری وغیرہ میں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ یہ ثابت ہے اور اسی سے ہمارے علماء نے کبھی کبھی جماعت نفل کی اجازت دی ہے، کیوں کہ آپ نے بھی اتفاقاً ایسا کیا تھا، نیز اس جماعت میں آپ کے پیچھے دو لڑکے حضرت انس ؓ اور یتیم ؓ تھے اور ایک حضرت انس ؓ کی والدہ ام سلیم ؓ تھیں۔ ''صَلَّيْتُ أَنَا وَيَتِيمٌ، فِي بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ، وَأُمِّي أُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا'' (۲)

اس سے ہمارے علماء میں سے بعض نے فرمایا کہ جماعت نفل میں تین مقتدیوں تک کی گنجائش ہے، کیوں کہ آپ کے پیچھے بھی تین ہی افراد تھے اور بعض نے کہا کہ جماعت میں عورت کا وجود و عدم برابر ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا آپ کے پیچھے صرف دو افراد تھے اس لیے مقتدیوں کے ساتھ جماعت نفل جائز ہے اس سے زیادہ نہ ہوں۔ یہیں سے احناف میں یہ اختلاف ہے کہ تین مقتدیوں کے ساتھ جماعت نفل جائز ہے یا نہیں؟

الغرض یہ احادیث جن سے جماعت نفل کا ثبوت ہوتا ہے ان ہی سے یہ اخذ کیا گیا ہے کہ بغیر اہتمام کے کبھی کبھی اور دو تین افراد کے ساتھ نفل کی جماعت کی جائے تو جائز ہے ورنہ

---

(۱) جدید فقہی مقالات: ۲/۳۳، فتاوی عثمانی: ۱/۴۴۵

(۲) بخاری، أبواب صفة الصلاة، باب صلاة النساء خلف الرجال، حدیث: ۸۳۳

خلاف اصل ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

دوسرے شبہ کا جواب

اور اگر یہ شبہ ہو کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے سے گر جانے کی وجہ سے گھر میں تھے اور بعض صحابہ آپ کی عیادت کو گئے اور آپ ﷺ نماز میں مشغول تھے ان صحابہؓ نے بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھی (۲) اور ابن حجرؒ نے اسی سلسلے میں نقل کیا ہے کہ آپ کے پیچھے جن حضرات نے نماز پڑھی، ان میں سے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت جابر اور انس (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے نام بیان کیے گئے ہیں۔(۱) اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے پیچھے چار افراد نے کم از کم پڑھی ہے اور جن کا نام لیا گیا ان کی تعداد معلوم ہے تو پھر احناف نے چار افراد کے ساتھ تہجد کو کیوں مکروہ قرار دیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے گر جانے اور گھر میں رہنے کے زمانے میں ایسا واقعہ صرف ایک دفعہ نہیں بل کہ دو دو دفعہ پیش آیا ہے، ان میں سے ایک دفعہ فرض نماز پڑھنے کا واقعہ پیش آیا۔(۲) اب یہ معلوم نہیں کہ یہ چار صحابہ آپ ﷺ کے پیچھے فرض نماز میں تھے یا نفل میں اس لیے اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ کہ ممکن ہے کہ فرض نماز میں آپ ﷺ کے پیچھے ان چار اصحاب نے نماز پڑھی ہو۔(واللہ اعلم)

الغرض نبی کریم ﷺ سے جتنی بات ثابت تھی احناف نے اسی قدر لے لیا اور جو ثابت نہ تھی اس کو اختیار نہیں کیا، بلکہ احناف ہی نے نہیں جمہور ائمہ وعلماء نے بھی ایسا ہی کیا ہے، جیسا کہ گذر چکا ہے، اب چند فقہاء وعلماء کے فتاوی ملاحظہ فرمالیں:

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی

علمائے احناف میں علامہ ابن عابدین شامیؒ کا جو مقام ومرتبہ ہے اس سے فقہ وفتاوی

---

(۱) فتح الباری: ۲/۱۷۸

(۲) ابوداؤد: ۱/۸۹

سے دل چسپی رکھنے والے ناواقف نہیں، آپ اپنی مایہ ناز کتاب ''رد المحتار'' میں فرماتے ہیں ''ظاہر یہی ہے کہ نفل نماز میں جماعت غیر مستحب ہے پھر اگر کبھی کبھی اتفاقاً کر لی جائے تو مباح ہوگا، (مستحب نہ ہوگا) اور اگر اس پر مواظبت (عادت) کر لی تو یہ بدعت و مکروہ ہوگا، کیوں کہ یہ متوارث طریقے کے خلاف ہے (۱) اس سے یہ دو باتیں ثابت ہوئیں، ایک یہ کہ نفل نماز میں جماعت مستحب و پسندیدہ کسی حال میں نہیں خواہ اتفاقاً کر لی جائے یا اہتمام سے کی جائے، دوسرے یہ کہ اگر اتفاقاً کر لیا تو زیادہ سے زیادہ مباح اور اگر اس پر مواظبت کی جائے تو یہ بدعت و مکروہ ہے، آج کل جن مساجد میں تہجد کی جماعت ہوتی ہے، ان میں یہ اتفاقی بات نہیں ہے، بل کہ اس کا اہتمام کیا جاتا ہے اور ایک دوسرے کو بلایا جاتا ہے، بل کہ بعض جگہ اعلان بھی کیا جاتا ہے، پھر بہت سے لوگ اس میں شرکت کرتے ہیں، اب بتائیے کہ اس کے بدعت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جماعت نوافل کی سوائے ان مواقع کے جو حدیث سے ثابت ہیں، مکروہ تحریمہ ہے، فقہ میں لکھا ہے کہ اگر تداعی ہو اور تداعی سے مراد چار آدمی مقتدی کا ہونا ہے پس جماعت صلاۃ کسوف، تراویح، استسقاء کی درست اور باقی سب مکروہ ہیں۔(۲)

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

محدث عصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

ہمارے نزدیک (نفل نماز) میں جماعت نہیں ہے اور اس کے لیے بلانا مکروہ

---

(۱) رد المحتار شامی: ۲/۴۸

(۲) فتاویٰ رشیدیہ: ۳۵۴

ہے، فقہاء نے کہا کہ نوافل میں جماعت مکروہ ہے سوائے رمضان کے اور بعض غبی لوگوں نے ان کی مراد کو نہیں سمجھا اور اس کو مطلق نفل میں، رمضان میں جماعت کے جواز پر محمول کیا، حالانکہ فقہاء کی مراد اس سے صرف تراویح ہے نہ کہ دوسری نمازیں، اس کو اچھی طرح سمجھ لو کیوں کہ علم بڑی تحقیق کے بعد حاصل ہوتا ہے۔(۱)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ بلا اہتمام نوافل کی جماعت علاوہ تراویح کے جائز ہے یا نہیں اور اس میں آدمیوں کی تعداد شرط ہے یا نہیں؟ حضرت نے اس کا جواب دیا ہے کہ:

صورت مسئلہ میں اگر مقتدی ایک یا دو ہوں تو کراہیت نہیں اور اگر چار ہوں تو مکروہ ہے اور اگر تین ہوں تو اختلاف ہے۔(۲)

جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے کہ یہ بلا اہتمام کبھی اتفاق سے نفل نماز میں جماعت کر لینے کا مسئلہ تھا، جس کا جواب دیا گیا اور اگر اہتمام سے نفل کی جماعت کی جائے تو مسئلہ یہ ہے کہ ہر صورت میں یہ مکروہ ہے، چناں چہ آپ ہی نے شبینہ کا حکم کرتے ہوئے لکھا کہ:

تراویح پڑھ کر جماعت نوافل میں (شبینہ) پڑھیں یہ بے شک مکروہ ہے، کیوں کہ فقہاء نے کہا کہ جماعتِ نفل مکروہ ہے۔(۳)

یہ چوں کہ متعارف شبینہ کا حکم پوچھا گیا تھا جو اہتمام سے ہوتا ہے اس لیے آپ نے بلا کسی شرط کے اس کو مکروہ قرار دیا ہے۔(واللہ اعلم)

---

(۱) فیض الباری: ۲/ ۴۳۲

(۲) امداد الفتاویٰ: ۱/ ۴۸۸

(۳) امداد الفتاویٰ: ۱/ ۴۸۸

حضرت جی مولانا یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

رئیس التبلیغ حضرت جی مولانا یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایۂ ناز کتاب ”امانی الاحبار شرح معانی الآثار“ میں لکھتے ہیں۔

”درمختار میں لکھا ہے کہ رمضان کی وتر میں (جماعت) مستحب ہے اور رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں وتر میں اور نفل نماز میں تداعی کے ساتھ جماعت مکروہ ہے۔(۱)

فقہائے امت کے فتاوی

ان فقہاء کے علاوہ مندرجہ ذیل تمام اہل علم نے نفل کی جماعت کو مکروہ لکھا ہے:

۱۔علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خلاصۃ الفتاوی: ۱/۶۳ میں

۲۔علامہ ابراہیم حلبیؒ نے شرح منیۃ المصلی: ۴۳۲ میں

۳۔ملک العلماء علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے بدائع الصنائع: ۱/۲۹۸ میں

۴۔علامہ ابن البزاز الکردری رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی بزازیہ علی ہامش الہندیہ: ۴/۲۹ میں

۵۔علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ البحر الرائق: ۲/۵۲ میں

۶۔محقق ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فتح القدیر: ۱/۴۳۸ میں

۷۔علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ نے نورالایضاح: ۹۵ میں

۸۔قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے مالابدمنہ: ۷۰ میں

۹۔حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب: ۱۳۱ میں

۱۰۔حضرت الشیخ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بذل المجہود: ۲/۳۳۲ میں

۱۱۔شیخ الحدیث زکریا صاحبؒ نے اوجز المسالک: ۲/۷ میں

۱۲۔اور اپنے اکابر میں حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ نے ”جماعت تہجد در رمضان“ میں

---

(۱) حاشیہ لامع الدراری: ۱/۹۵

۱۳۔حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب فتاوی نے دارالعلوم دیو بند: ۴/ ۲۲۲ میں

۱۴۔علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلاء السنن: ۷/ ۱۸ میں

۱۵۔حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی محمودیہ: ۲/ ۱۶۰ میں

۱۶۔علامہ عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے علم الفقہ: ۲/ ۹۷ میں

۱۷۔علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الاحکام: ۲/ ۲۲۵ میں

اوران اکابر کے علاوہ کئی اہل علم حضرات نے تہجد وغیرہ کی جماعت کومکروہ قرار دیا ہے

بریلوی مسلک کے مشہور و مستند عالم مولانا امجد علی صاحب کا فتوی

بریلوی مسلک کے مشہور و مستند عالم حضرت مولانا حکیم ابو العلاء محمد امجد علی اعظمی رضوی اپنی مشہور کتاب ''بہار شریعت'' میں رقم طراز ہیں کہ

''نوافل اور علاوہ رمضان کے وتر میں اگر تداعی کے طور پر جماعت ہو تو مکروہ ہے، تداعی کے یہ معنی ہیں کہ تین سے زیادہ مقتدی ہوں۔(۱)

علامہ ابن تیمیہؒ کا فتوی

باجماعت نفل نماز کی دو قسمیں ہیں ،ایک یہ کہ اس کے لیے جماعت سنت ہے جیسے نماز کسوف، نماز استسقاء اور تراویح میں، پس یہ قسم وہ ہے جو ہمیشہ جماعت سے ادا کی جائے گی جیسا کہ سنت میں آیا ہے، دوسری قسم وہ نفل جس کے لیے جماعت مسنون نہیں، جیسے رات کی نماز (تہجد) اور سنت موکدہ نمازیں اور چاشت کی نماز، اور تحیۃ المسجد وغیرہ پس ان کو اگر کبھی جماعت سے ادا کرلیا جائے تو جائز ہے، لیکن ان میں مستقل جماعت کرنا، غیر مشروع بلکہ بدعت مکروہہ ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ و تابعینؒ ان نمازوں کے لیے اجتماع و جماعت کی عادت نہیں رکھتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کبھی (اتفاقا) قلیل جماعت کے ساتھ نماز

---

(۱) بہار شریعت حصہ سوم: ۹۷

نفل پڑھی ہے۔(۱)

فائدہ: علامہ ابن تیمیہؒ امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کے تابع ہیں، اور اہل عرب امام ابن تیمیہؒ کو مانتے ہیں اور جو سعودیہ کے دانے پانی سے متاثر ہیں، وہ اہل عرب کا اور ابن تیمیہؒ کا حوالہ دیتے رہتے ہیں تھوڑا انصاف کی نظر سے دیکھ لینا چاہیے کہ ابن تیمیہؒ بھی تہجد کی باجماعت نماز کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔(۲)

شیخ عثیمینؒ کا فتوی

نفل نماز کی جماعت کو عادت بنالینا شرعا مشروع نہیں ہے البتہ کبھی کبھار جماعت کرلے تو گنجائش ہے، جیسے آں حضرت ﷺ سے (کبھی کبھار) نفل کی جماعت کرلینا منقول ہے"إذا كان الإنسان يريد أن يجعل النوافل دائما في جماعة كلما تطوع، فهذا غير مشروع، وأما صلاتها أحياناً في جماعة فإنه لا بأس به لورود ذلك عن النبي صلى الله عليه وسلم كما في صلاة ابن عباس معه في صلاة الليل، وكما صلى معه أنس بن مالك رضي الله عنه واليتيم في بيت أم سليم وما أشبه ذلك"(۳)

شیخ محمد شنقیطیؒ کا فتوی

تحقیق کے بعد محققین کی بات ہی اظہر معلوم ہوتی ہے کہ نفل نماز کی جماعت کی دو صورتیں ہیں، ایک بالقصد نفل کی جماعت بنانا یہ بدعت ہے، دوسری صورت یہ کہ اتفاقا نفل کی جماعت کرلینا یہ جائز ہے، بالقصد جیسے مسجد میں جانے کے بعد کوئی کہتا ہے چلو اٹھو ہم ظہر

---

(۱) مجموعہ فتاوی ابن تیمیہ: ۲۳/ ۴۱۳

(۲) ملخص از: نفائس الفقہ: ۴/ ۱۶۳

(۳) مجموع فتاوی ورسائل الشیخ محمد صالح العثیمین-المجلد الرابع عشر- باب صلاۃ التطوع

کی سنت جماعت سے پڑھ لیتے ہیں، یا کوئی اور نفل مثلارات سوتے وقت نفل جماعت پڑھ کر سو جائیں، یہ دین میں اضافہ و بدعت ہے، البتہ کوئی نماز پڑھ رہا ہے اس کے پیچھے کھڑے ہو کر اقتداء کر لی جائے جس طرح کہ صحابہؓ سے ثابت ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، ابن تیمیہؒ نے بھی اپنے فتاوی میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔"لكن الذي يظهر ما اختاره بعض المحققين من أن الجماعة في النافلة لا تخلو من حالتين:

الحالة الأولى: أن تكون قصدا وهذا من الحدَث الذي ينبغي اتقاؤه

الحالة الثانية: أن تكون اتفاقا فهذا لا حرج فيه لورود السنة به، فالمقصود: أن الجماعة في النافلة إذا كانت قصدا فلا، وأما إذا حصلت اتفاقا دون مواطئة فلا حرج في ذلك لأن النافلة كلما كان الإنسان فيها منفردا ومقتصرا في عبادته بينه وبين ربه كلما كان ذلك أخلص وأقرب إلى الطاعة والقربة والإمتثال لله عز وجل- والله أعلم"۔(۱)

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کی تحقیق

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان فقہی عبارات سے استدلال کیا ہے جن میں "قیامِ رمضان" کا لفظ آیا ہے جیسے فتح القدیر کی عبارت "ويكره صلاة التطوع جماعة ماخلا قيام رمضان وصلاة الكسوف"(۲) فتاوی شامی کی عبارت "ان الجماعة فى التطوع ليست بسنة إلا فى قيام رمضان"(۳) اور قیام رمضان سے محض تراویح مراد نہیں، بلکہ مطلق قیام مراد ہے خواہ تراویح میں ہو یا کسی اور نفل میں، جیسا کہ علامہ عینیؒ اور علامہ عسقلانیؒ کی عبارتوں سے پتہ چلتا ہے "بل المراد من قيام الليل مايحصل به مطلق القيام"

---

(۱) المفتى/فضيلة الشيخ محمد بن محمد الشنقيطي حفظه الله، منتديات قضايادينيه

(۲) فتح القدیر، باب الاستسقاء: ۱/۴۳۸

(۳) شامی: ۱/۵۲۳

(۱)

اب مسئلے کا ثبوت اس طرح ہوگا کہ: نفل کی جماعت قیامِ رمضان کے لیے درست ہے (صغری) اور قیام رمضان تراویح اورغیرِ تراویح سب کو شامل ہے (کبری) پس جماعت تراویح اورغیر تراویح (تہجد،صلاۃ التسبیح) سب کے لیے درست ہے (نتیجہ)۔

(الف) قیام رمضان کا لفظ بیشک عام ہے مگر عام فقہاء اور محدثین کی اصطلاح یہ ہے کہ یہ صرف تراویح کے لیے خاص ہے،اب رہی یہ بات کہ جب "قیام رمضان" سے تراویح ہی مراد ہے تو لفظ "تراویح" ہی کیوں استعمال نہیں کیا گیا؟اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء جن احادیث کو سامنے رکھ کر مسائل کا استنباط کیے ہیں ان میں آں حضرت ﷺ نے تراویح کے لیے "قیام رمضان" کا ہی جملہ استعمال فرمایا ہے،اور فقہاء بھی الفاظ حدیث کی نقل کی برکت حاصل کرنے کے لیے وہی لفظ استعمال کرتے ہیں جو محبوبِ دوعالم ﷺ نے استعمال فرمایا ہے، چنانچہ علامہ بابرتیؒ فرماتے ہیں "و ترجم بقیام رمضان اتباعا للفظ الحدیث قال ﷺ: ان اللہ تعالی فرض علیکم صیامہ و سننت لکم قیامہ" (۲)

(ب) قیام رمضان کا لفظ تراویح کے علاوہ ہر نفل کو شامل ہے یا نہیں اس کے لیے فقہاء ہی کی عبارات دیکھنا زیادہ بہتر وانسب ہے نہ کہ عمدۃ القاری اور فتح الباری۔ چناں چہ صاحب ہدایہ "فصل فی التراویح" کی جگہ "فصل فی قیام رمضان" کا عنوان باندھتے ہیں اور اس فصل میں تراویح کے مسائل بیان کرتے ہیں،اور شارحِ ہدایہ صاحب فتح القدیر محقق ابن الہمام اپنی شرح میں "فصل فی قیام رمضان" ای التراویح جمع ترویحۃ" سے اس فصل کی شرح کرتے ہیں (۳) تفصیل کے لیے مذکورہ کتب و دیگر کتب

---

(۱) فتح الباری: ۴/ ۲۱۵

(۲) عنایہ علی ھامش فتح القدیر: ۱/ ۳۳۳

(۳) فتح القدیر: ۱/ ۳۳۳،اس کے علاوہ "بدائع الصنائع: ۱/ ۲۹۸،مبسوط للسرخسی: ۲/ ۱۴۵،فتاوی قاضی خان علی ہامش الھدایہ: ۱/ ۲۱۶

فقہ بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

(ج) علاوہ ازیں اگر احادیث ہی دیکھے جائیں تو احادیث میں بھی ''قیام رمضان'' کا لفظ تراویح ہی کے لیے استعمال ہے چناں چہ حضرت سلمان فارسیؓ کی طویل حدیث میں ''جعل الله صيامه فريضة وقيامه تطوعا'' سے تراویح ہی مراد ہے ورنہ عام قیام (تہجد وغیرہ) مراد ہوتو پھر تہجد صرف رمضان میں سنت نہیں ہے بل کہ تمام سال سنت ہے اور تراویح کے متعلق حضرت سائب بن یزیدؓ کی روایت ہے ''كانوا يقومون على عهد عمر بعشرين ركعة وعلى عهد عثمان رضي الله عنه وعلى رضي الله عنه مثله'' (۱) یہاں ''كانوا يقومون'' سے تراویح ہی مراد ہے۔محدثین کے ترجمۃ الباب سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے ''باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح''(۲)''باب ماجاء في قيام شهر رمضان اى التراويح ''(۳)باب في قيام شهر رمضان، هذا القيام كان عاما ثم اختص بالتراويح فمطلقه يرادبه التراويح'' (۴)

خلاصہ ان تمام نصوص کا یہ ہوا کہ قیام رمضان سے تراویح ہی مراد ہے نہ کہ مطلق قیام، جب قیامِ رمضان کا عموم ہی باقی نہ رہا تو مسئلے کا مدار بھی باقی نہ رہا، پس جماعت صرف تراویح کے لیے درست ہے، اس کے علاوہ کسی نفل کے لیے درست نہیں ہے۔(۵)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا عمل کی توجیہ

(الف) حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ محترم، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن قدس اللہ

---

(۱) عمدۃ القاری بہ حوالہ بیہقی: ۵/ ۲۶۷

(۲) صحیح مسلم: ۱/ ۲۵۹

(۳) العرف الشذی: ۱/ ۳۲۹

(۴) الکوکب الدری: ۱/ ۲۶۷

(۵) ملخص از: (جدید فقہی مقالات: ۲/ ۳۳، فتاوی عثمانی: ۱/ ۴۴۵)

سرہ العزیز کا عمل شروع میں لا علیٰ سبیل التداعی ایک دو افراد کے ساتھ تہجد کی جماعت کا تھا،لیکن بعد میں جب لوگ زیادہ آنے لگے تو اسی کراہت کی وجہ سے آپ نے ساری رات تراویح کا معمول بنالیا تھا،عموما آٹھ دس پارے تراویح میں جماعت سے پڑھے جاتے تھے اور تراویح ہی سحری کے وقت ختم کی جاتی تھی ۔جن حضرات نے شیخ الہندؒ کی راتیں دیکھی ہیں انھیں اس کا انکار نہ ہوگا،اب اگر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ تہجد کی جماعت کرتے تھے تو ظاہر ہے آپ بھی لا علی التداعی کیے ہوں،جیسا کہ آگے خود آپ کا ارشاد منقول ہے۔

(ب)اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے تھے کہ جب آپ سے کہا جاتا حضرت آپ کے عمل کو لوگ حجت مان کر وہ بھی تہجد باجماعت کرنے لگیں گے،تو فرمایا کہ: میں ہی تو کرتا ہوں،کسی کو کہتا تو نہیں ہوں(۱)

(ج)ہوسکتا ہے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ یہ عمل خانقاہ میں آئے سالکین کی اصلاح وعادت کے پیش نظر کرتے تھے،اور مسلک ومفتی بہ قول وہی سمجھتے تھے جو جمہور کا ہے۔

(د)مشائخ کا عمل اگر غلبہ حال سے ہو تو وہ حجت وقابل عمل نہیں ہے ممکن ہے آپ کا یہ عمل عشق الٰہی میں غلبہ حال کی وجہ سے ہو؛ بھلا بعد والوں کے لیے یہ کیوں کر حجت بنے گا؟

(ھ)اور اگر اس مسئلے کو آپ کا اجتہاد مانا جائے تو یہ اجتہاد صرف آپ کے لیے حجت ہوگا اور جس نے اس مسئلہ کے تمام پہلو پر غور نہ کیا ہو اور جمہور کی رائے کو جاننے کی زحمت ہی نہ کی ہو اور نہ ہی سنجیدگی سے دونوں کے دلائل سامنے رکھا ہو اس کے لیے جمہور کی رائے کو چھوڑ کر حضرت کے اجتہاد کو اپنانے کا کیوں کر اختیار ہوگا؟ کیا کہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس نظریے کو مفتی بہ اور جمہور کی رائے کو غیر مفتی بہ قرار دے کر قاری کو اس نظریے کے اپنانے کی دعوت دی ہے؟

(و)مندرجہ بالا دلائل کا لحاظ کیئے بغیر اور تمام فقہاء کے فتاوی کی طرف اعتناء کیے بغیر اسلاف میں صرف حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہی اس مسئلے میں قابل اتباع ٹھہرے ہیں؟ اگر ایسا ہی

---

(۱)انوار الباری: ۲/۹۱

ہے تو پھر آپ کا معمول تو سارا سال تہجد کے اہتمام کا تھا، جیل میں بھی آپ کی تہجد نہ چھوٹی ،آپ کے عمل کو دلیل بنانے سے قبل ہمیں اپنا عمل دیکھ لینا چاہیے،کہیں ایسا تو نہیں کہ غیر رمضان میں ہماری فجر خطرے میں پڑی رہتی ہو اور رمضان میں تہجد کی جماعت پر بحث کر رہے ہوں۔اللہ اس سے ہماری حفاظت فرمائے (آمین)۔

ایک ضروری گزارش

بندہ یہاں محقق العصر حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی بات پیش کرکے مضمون مکمل کرتا ہے،آپ فرماتے ہیں''آخر میں یہ گزارش ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کی عظمت شان، جلالت قدر اور علمی تبحر کے پیش نظر تو اس مسئلے پر قلم اٹھانے کی جرأت کسی بڑے عالم کو بھی نہیں ہونی چاہیے، چہ جائے کہ مجھ جیسا طفل مکتب اس پر کچھ لکھے،لیکن الحمدللہ جماعت دیوبند کی خصوصیت اور انھیں بزرگوں کی تسلیم وتلقین نے ہمیں یہ صراطِ مستقیم دکھائی کہ مسائل شرعیہ میں آزادانہ اظہار رائے ترک ادب نہیں، بل کہ شاگردوں کا اظہارِ خیال انہی بزرگوں کا معنوی فیض ہوتا ہے، اس لیے بنامِ خدا جو کچھ اس میں تحقیق سے مجھے واضح ہوا وہ لکھ دیا،اور اللہ تعالی کی پناہ مانگتا ہوں کہ بزرگوں کی شان میں ادنی ترک ادب سے بھی محفوظ رکھیں (آمین)(۱)

قضائے عمری کی اہمیت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔''إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى المؤْمِنِين كِتَابًا مَّوْقُوْتًا'' اس لیے اپنے وقت پر نماز کو ادا کرنا ضروری ہے، ہاں اگر کبھی کبھار کسی عذر، بیماری یا کسی مجبوری کی وجہ سے نماز وقت میں ادا نہ کرسکیں بعد میں ادا کر لینا ضروری ہے، وقت پر نماز ادا نہ کرنے پر نادم اور تائب ہوں، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور فقہائے حنفیہ یعنی

---

(۱) جدید فقہی مقالات: ۲/۵٦، زمزم بک ڈپو دیوبند

جمہور علما کے نزدیک قضاء نمازیں ادا کرنا ضروری ہے البتہ قضا نماز پڑھنے میں احناف کے نزدیک اہل وعیال کے لیے معاش کے انتظام اور دوسری حاجتوں کے عذر کی وجہ سے تاخیر کرنا درست ہے۔ "(ویجوز تاخیر الفوائت) وإن وجبت علی الفور (لعذر السعی علی العیال وفی الحوائج علی الأصح) (۱) حافظ ابن تیمیہؒ نے بھی جمہور کی رائے پر ہی فتوی دیا ہے۔ "ومن علیه فائتة فعلیه أن یبادر إلی قضائها علی الفور سواء فاتته عمدا أو سهوا عند جمهور العلماء کمالك وأحمد وأبي حنیفة وغیرهم وکذلك الراجح في مذهب الشافعي"۔ (۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ: جو شخص نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا بھول جائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ جب بھی اس کو یاد آئے کہ اس نے فلاں نماز نہیں پڑھی تو اسے چاہیے کہ وہ نماز پڑھے۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی کفارہ نہیں۔ "من نسی صلاة فلیصل اذا ذکرها لا کفارة لها إلا ذالک"

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے موقع پر چار نمازیں قضا ہو گئیں تو آپ نے انھیں ادا فرمایا ہے، چناں چہ حضرت ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ غزوۂ خندق والے دن مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار نمازیں پڑھنے سے روک دیا تھا، یہاں تک کہ رات کا کچھ حصہ گذر گیا، جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تو انھوں نے اذان دی اور پھر اقامت کہی، پس ظہر کی نماز پڑھی، پھر اقامت کہی تو عصر کی نماز پڑھی، پھر اقامت کہی تو مغرب کی نماز پڑھی، پھر اقامت کہی اور عشاء کی نماز پڑھی۔" قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ إِنَّ الْمُشْرِكِينَ شَغَلُوا رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتَّى ذَهَبَ مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللهُ فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ

---

(۱) فتاوی شامی: ۱/ ۵۴۳

(۲) فتاوی ابن تیمیہ: ۲۳/ ۲۵۹

ثُمَّ أَقَامَ فَصَلیَ الْعِشَاءَ‘‘(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ غزوۂ خیبر سے واپس ہورہے تھے، رات میں چلتے چلتے جب نیند کا غلبہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کے اخیر حصے میں ایک جگہ قیام فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نگہبانی کے لیے متعین فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیٹ گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی سو گئے، جب صبح قریب ہوئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ (تھکان کی وجہ سے) اپنی سواری سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، پس آپ پر نیند غالب ہوئی اور وہ بھی سو گئے اور سب حضرات ایسے سوئے کہ طلوعِ آفتاب تک نہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ کھلی اور نہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی، نہ کسی اور صحابی کی۔ جب سورج طلوع ہوا اور اس کی شعاعیں ان حضرات پر پڑیں تو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے اور گھبرا کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اٹھایا، پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو آگے چلنے کا حکم دیا، صحابۂ کرام اپنی سواریاں لے کر آگے بڑھے اور ایک جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اقامت کہنے کا حکم دیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: جو نماز کو بھول جائے اس کو چاہیے کہ وہ یاد آنے پر اس کو پڑھ لے۔ ’’فَکَانَ رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَوَّلَھُمْ اسْتِیقَاظًا فَفَزِعَ رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ اَیْ بِلَالُ فَقَالَ بِلَالُ اَخَذَ بِنَفْسِی الَّذِیْ اَخَذَ بِنَفْسِکَ قَالَ اقْتَادُوْا فَاقْتَادُوْا رَوَاحِلَھُمْ شَیْئًا ثُمَّ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَاَمَرَ بِلَالًا فَاَقَامَ الصَّلَاۃَ فَصَلّٰی بِھِمُ الصُّبْحَ فَلَمَّا قَضَی الصَّلَاۃَ قَالَ مَنْ نَسِیَ الصَّلَاۃَ فَلْیُصَلِّھَا اِذَا ذَکَرَھَا فَاِنَّ اللہ تَعَالٰی قَالَ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ‘‘(۲)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھولنے والے یا سونے والے پر بھی فوت شدہ نماز کی قضاء کو لازم کیا ہے؛ حالاں کہ یہ دونوں گناہ گار نہیں ہیں تو جان بوجھ کر قضاء کرنے والے پر بدرجۂ اولیٰ

(۱) جامع ترمذی: ۱/ ۴۳

(۲) (سنن ابی داود: ۴۳۵، اس حدیث کی سند صحیح ہے)

نماز قضاء ہونی چاہیے، یہ ایسا ہی ہے، جیسے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ (اپنے والدین کو اف نہ کہو) تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب والدین کو (اف) کہنا بھی جائز نہیں تو ان کو مارنا پیٹنا یا گالی دینا اور بھی برا اور سخت گناہ ہوگا، اسی طرح جب بھولنے اور سو جانے پر قضاء لازم کی گئی تو عمداً ترک نماز پر قضاء اور بھی زیادہ ضروری ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے یا ایک عورت نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں کا انتقال ہوگیا اور اس پر ایک ماہ کے روزے رہ گئے ہیں تو کیا میں ان کی قضاء کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تو اس کو ادا کرتا؟ اس نے کہا کہ ہاں میں ادا کرتا، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا قرض زیادہ مستحق ہے کہ اس کی ادائیگی کی جائے، حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد روزوں کی قضاء کے بارے میں ہے اور ظاہر ہے کہ روزہ اور نماز میں فرض ہونے کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں؛ بلکہ قرآن وحدیث میں نماز پڑھنے کی تاکید سب سے زیادہ وارد ہوئی ہے۔

نیز پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر رمضان کا روزہ ترک کردے تو اس کی قضاء ضروری ہے، اسی طرح اگر کسی شخص نے استطاعت کے باوجود حج ادا نہیں کیا تو اس کے مرنے پر اس کے وارثین پر لازم ہے کہ وراثت کی تقسیم سے قبل اس کے ترکہ میں سے حج بدل کا انتظام کرے۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے قصداً متعدد سالوں سے زکوۃ ادا نہیں کی اور اب اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تو اسے گذشتہ سالوں کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر نماز کسی بھی وجہ سے یہاں تک کہ جہاد جیسے عظیم فریضے کی ادائیگی کے دوران بھی قضاء ہو جائے تب بھی اس کو بعد میں ادا کرنا ضروری ہے، قضاء نمازوں کو بالکل ادا نہ کرنے اور بغیر ادا کے ذمہ ساقط ہو جانے کا نظریہ اور رمضان کے آخری جمعہ میں قضائے عمری کے نام سے چار رکعت پر اکتفا کر لینے کا نظریہ افراط وتفریط پر مشتمل ہے، اور جمہور علماء اور شریعت مطہرہ سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

اور جن بعض علماء نے نماز کے جان بوجھ کر ترک کرنے پر نماز کی قضاء کے واجب نہ ہونے کا جو فیصلہ فرمایا ہے وہ اصل میں اس بنیاد پر ہے کہ ان کے نقطۂ نظر میں جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا شخص کافر ہو جاتا ہے، اب جب کافر ہو گیا تو نماز کی قضاء کا معاملہ ہی نہیں رہا؛ لیکن جمہور علماء کی رائے ہے کہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والا شخص کافر نہیں؛ بل کہ فاسق یعنی گناہ گار ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے ورنہ عصر حاضر میں امت مسلمہ کی ایک بڑی تعداد دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گی۔

احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ فرض نماز کی قضاء کو واجب قرار دیا جائے تا کہ آخرت میں کسی طرح کی کوئی ذلت اٹھانی نہ پڑے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن آدمی کے اعمال میں سب سے پہلے فرض نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر نماز درست ہوئی تو وہ کامیاب و کامران ہوگا، اور اگر نماز درست نہ ہوئی تو وہ ناکام اور خسارے میں ہوگا۔

قضائے عمری کا آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان روزانہ ہر فرض نماز کے ساتھ اسی وقت کی ایک قضاء نماز پڑھ لیا کرے، اس طرح ایک دن میں پانچ نمازیں ادا ہو جائیں گی، البتہ جب موقع ملے اس سے زیادہ بھی پڑھتا رہے، چناں چہ البحر الزخار میں لکھا ہے: اور قضاء نمازوں کی فوری طور پر ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ ہر فرض کے ساتھ ایک فرض پڑھا جائے، کیوں کہ ایک دن میں پانچ سے زیادہ نمازیں اداء میں ضروری نہیں تو قضاء کو بھی اس پر قیاس کر لیا جائے، لیکن اگر کوئی زیادہ نمازیں پڑھے یا پانچ نمازیں اکٹھی پڑھ لے تو اچھا ہے۔ ”وفوره مع كل فرض فرض، إذ لم يجب في اليوم أداء أكثر من خمس، فكذا القضاء، فإن زاد أو جمع الخمس فحسن“۔(۱)

البتہ قضا پڑھنے میں نیت کا خیال رکھے اور واضح طور پر قضا کی نیت کی جائے، مثلاً فجر کی قضا پڑھ رہے ہیں تو نیت کرے کہ میرے ذمے فجر/ظہر/ وغیرہ کی جو سب سے پہلی/ سب سے آخری نماز فرض ہے، اس کی قضاء پڑھ رہا ہوں، وتر کی قضا بھی واجب ہے، قضا نمازیں

(۱) البحر الزخار لاحمد ابن المرتضی: ۱/ ۱۷۳، ط: صنعائی

فجر اور عصر کے بعد بھی مکروہ وقت سے پہلے تک ادا کرنا جائز ہے۔

نوافل پڑھنا افضل ہے یا قضا نمازیں؟

رمضان میں عموماً کثرتِ نوافل کا جذبہ اور شوق ہوتا ہے اور اکثر لوگ قضاء عمری کی نمازیں بھی پڑھتے ہیں، رمضان ہو یا غیر رمضان نوافل کے مقابلے میں قضائے عمری کی نمازیں پڑھنا بہتر ہے، البتہ قضائے عمری کی نمازوں کی وجہ سے سنن مؤکدہ ترک نہیں کیے جائیں گے "الاشتغال بقضاء الفوائت أولى وأهم من النوافل الا سنن المفروضة وصلاة الضحى، وصلاة التسبيح والصلاة التى رويت فيها الاخبار اهاى كتحية المسجد والاربع قبل العصر والست بعد المغرب"(۱)

آن لائن نماز باجماعت کا شرعی حکم

وباء، لاک ڈاؤن یا قانونی پابندی کی وجہ سے اگر مساجد بند ہوں تو آپ گھر میں نماز پڑھ لیں، گھر میں زیادہ افراد ہوں تو جماعت کر لیں، خواہ دو افراد ہی ہوں، ایسے حالات میں اگر اکیلے نماز پڑھ لیں تو بھی "ان شا اللہ" جماعت کا ثواب مل جائے گا، بعض صحابہ بکریوں کے ریوڑ لیے صحرا میں اکیلے ہی تکبیر کہہ کر نماز پڑھ لیتے، ان کے اس عمل پر رسول اللہ ﷺ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی، بلکہ حدیث ہے کہ اگر کوئی اکیلا شخص کسی ویرانے میں اذان کہہ کر نماز پڑھتا ہے تو اللہ خوش ہو کر اس کے لیے مغفرت وجنت کا پروانہ عطا کر دیتے ہیں، ایک روایت میں ایسے شخص کی نماز کا ثواب باجماعت نماز سے بھی دوگنا یعنی پچاس نمازوں کے برابر بتایا گیا ہے، شریعت میں اس آسانی کے دلائل موجود ہیں، کسی نئی اختراعی شکل کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ یہ کہا جائے "صدر مقام یا جامع مسجد یا امام اپنے گھر سے آن لائن جماعت سے نماز پڑھائے لوگ اپنے اپنے گھروں سے سامنے فون وغیرہ رکھ کر اقتداء

---

(۱) شامی: ۲/ ۷۴ باب قضاء الفوائت

کر لیں‘‘۔ یہ شکل بالکل ناجائز اور نماز کے ساتھ ایک بدھا مذاق ہے۔

لاک ڈاؤن یا مساجد بند ہونے کی وجہ سے بے چین ہو کر کہ ہماری نماز، تراویح کا کیا ہوگا؟ ہر گھر میں حافظ میسر نہیں ہیں، اپنے طور پر تروایح پڑھنے کے نئے طریقے تلاش کر رہے کہ بھائی حافظ ہے، مگر گھر سے دور شہر میں ہے مگر گھر سے دور ہے وہ تراویح پڑھائے اور ہم گھر میں اسکائپ کے ذریعہ تراویح پڑھ لیں؟ یا ایسا کیا جائے کہ ایک گھر میں مائک لگا کر تراویح ہو اور آس پاس گھروں کے لوگ اس اقتداء میں نماز پڑھ لیں؟ یا ایک بلڈنگ میں مائک سے نماز ہو اور بازو کی بلڈنگ میں لوگ اس کی اقتداء میں نماز پڑھلیں؟ امام حرم کی ٹیلی ویژن پر نشر ہونے والی تراویح کی اقتداء کرلیں؟ یا مسجد میں تراویح ہو اور نیٹ کے ذریعہ لائیو اس کو چلایا جائے اور لوگ اپنے گھر سے ہی تراویح پڑھ لیں؟

فرض نماز اللہ کے شعائر میں سے، جسے جماعت کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے، عمومی اعلان کے ذریعہ دعوت دی جاتی ہے، تاکہ کسی کے لئے لاعلمی، سستی اور غفلت کا موقع نہ رہے، دن میں پانچ مرتبہ محلے کے لوگوں کو جمع ہونے کا حکم ہے۔

جماعت اور اجتماعیت اسی وقت ممکن ہے جب کہ امام ومقتدی دونوں کسی ایک جگہ جسمانی اعتبار سے اکھٹے ہوں، محلے کے لوگ اپنے گھروں میں رہتے ہوئے لاوڈ اسپیکر کے ذریعے اقتداء کرلیں تو انھیں جماعت میں شامل نہیں مانا جائے گا، اسے اجتماعیت نہیں کہا جائے گا۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانے میں بہت سے صحابہ کرامؓ کے گھر مسجد سے لگے ہوئے تھے بلکہ بعض صحابہ کرامؓ کا دروازہ مسجد میں تھا اس کے باوجود کسی کے بارے میں منقول نہیں ہے کہ وہ اپنے گھر سے اقتداء کرتے ہوں، یا انہیں گھر سے اقتداء کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے ’’جسے اس بات سے خوشی ہو کہ وہ کل قیامت کے دن اللہ تعالی سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملاقات کرے تو وہ پابندی کے ساتھ ان

پانچ نمازوں کو وہیں ادا کرے جہاں سے ان کے لئے ندا دی جاتی ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے ہدایت کے طریقے مشروع کئے ہیں اور یہ نمازیں بھی انھیں میں سے ہیں، اور میرے خیال میں تم میں سے ہر ایک کے گھر میں نماز پڑھنے کے لئے ایک مخصوص جگہ ہے، اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو اور مسجدوں کو چھوڑ دو تو اپنے نبی کے طریقے کو چھوڑنے والے ہو جاؤ گے، اور اگر اپنے نبی ﷺ کے طریقے کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے" مذکورہ حدیث میں بلاتفریق کہ حالات سازگار ہیں یا ناساز ہیں بہر صورت گھروں سے اقتداء کی اجازت نہیں دی گئی۔ "مَن سَرّہ أنْ یَلقی اللهَ غدًا مُسلمًا، فلیُحافِظْ علی ھؤلاء الصَّلَواتِ الخمسِ حیث یُنادی بھنّ؛ فإنّ اللهَ عزّ وجلَّ شرعَ سُنَنَ الھدی لِنَبیّه، وإنّھنَّ مِن سُنَنِ الھدی، وإني لا أحسَبُ منکم أحدًا إلّا له مَسجدٌ یُصلي فیه في بَیتِه، فلو صَلّیتم في بُیوتِکم وترَکتم مساجدَکم، لَترَکتم سُنّةَ نبیّکم ﷺ، ولو ترَکتم سُنّةَ نبیّکم لَضَلَلْتم"(۱)

اقتداء صحیح ہونے کے لئے بنیادی شرط امام اور مقتدی کی جگہ ایک ہو اور اسی طرح جماعت بنائی جائے جس طرح سے رسول اللہ ﷺ اور عہد صحابہ کرام سے تسلسل کے ساتھ آج تک جاری ہے، عقل کے ذریعے کسی طرح کی تبدیلی نہ کی جائے، کیونکہ عبادات میں اصل یہ ہے کہ وہ جس طرح سے ثابت ہے اس کو اسی طرح سے باقی رکھا جائے اور سنت کی پیروی کی جائے۔(۲)

۳۔نماز باجماعت کی تاکیدات پر مفصل احادیث موجود ہیں، گھر کو آگ لگانے تک کی وعید و دھمکی دی گئی ہے، ترک جماعت پر نفاق کی وعید بھی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے: جو کوئی اذان کی آواز سنے اور پھر وہ مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز نہیں ہوگی الا یہ کہ کوئی عذر ہو" اس حدیث میں گھروں سے اقتداء کی اجازت ہوتی تو یہ وعید نہ ہوتی

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث: ۶۵۴، وأبوداود، حدیث: ۵۵۰۔

(۲) مستفاد: للموسوعہ الفقہیہ: ۶/ ۲۵۔

۔"من سمع النداءَ فلم یجبْ فلا صلاۃَ لہُ إلا لعذرٍ "(۱)

۴۔اگرآن لائن اقتداء کی اجازت ہوتی سب سے پہلے مسجد کے پڑوسی کو اجازت ہوتی مگر پڑوسی کے متعلق بطور خاص کہا گیا ہے کہ ان کی نماز مسجد کے بغیر درست نہیں ہوگی۔"لا صلاۃَ لجارِ المسجدِ إلّا في المسجدِ"(۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فتوی

۵۔جماعت کے لئے امام اور مقتدی کی جگہ میں یگانگت ضروری ہے،حضرت عمر فاروق ؓ فرماتے ہیں: اگر کوئی کسی کی امامت میں نماز پڑھنا چاہتا ہے مگر اس کے اور امام کے درمیان کوئی راستہ ، دیوار یا نہر حائل ہے تو وہ اس کی اقتداء نہ کرے ۔"من صلی بصلاۃ الامام و بینھما طریق او جدار او نہر فلا یاتم بہ "(۳)

حضرت عمرؓ کا دوسرا فتوی ہے کہ"جس مقتدی اور امام کے درمیان نہر، راستہ یا عورتوں کی صف ہو تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔" من کان بینہ و بین الامام نہر أو طریق أو صف من النساء فلا صلاۃ لہ "(۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتوی

۶ ۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس شخص کی نماز جمعہ نہیں ہوگی جو مسجد کے پاس کے میدان میں نماز پڑھے۔"لا جمعۃ لمن صلی فی رحبۃ المسجد"۔(۵)

۷۔اجتماعیت کا اس درجہ خیال رکھا گیا کہ ستونوں کے درمیان صف لگانے سے منع کیا

(۱) أبوداود، حدیث: ۵۵۱۔

(۲) إرشاد الفقیہ: ۱/۱۶۷، لا یثبت، والصحیح أنہ من کلام علي رضي اللہ عنہ۔

(۳) المحلی لابن حزم: ۳/۲۸۸۔

(۴) شرح صحیح البخاری لابن بطال ۲/۳۵۱۔

(۵) المحلی لابن حزم: ۳/۲۸۸۔

گیا کہ اس سے صفوں کا اتصال اور اتحاد متاثر ہوتا ہے، جب اتنا انفصال بھی گوارا نہ کیا گیا تو آن لائن کا انفصال کیسے گوارا کیا جائے گا؟ حضرت معاویہ بن قرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں ستونوں کے درمیان صف لگانے سے ہمیں منع کیا جاتا تھا اور ہمیں وہاں سے بھگا دیا جاتا تھا۔ "كنا ننهى ان نصف بين السواري على عهد رسول الله ﷺ و نطرد عنها طردا" (۱)

فقہاء کا اتفاق ہے کہ جگہ ایک ہونے کے ساتھ امام اور مقتدی کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ نہ ہو، اور اس شرط پر فی الجملہ تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ "يشترط لصحة الاقتداء ان لا يكون بين الامام و المقتدى فاصل كبير، و هذا الشرط محل اتفاق بين فقهاء المذاهب فى الجمله" (۲)

۸۔ جماعت کی بنیادی شرط ہے کہ امام آگے کھڑا ہو اور مقتدی پیچھے، امت چودہ سو برس سے اس شرط کی پابندی کر رہی ہے اور یہ حکم امر تعبدی ہے، جسے قیاس یا عقل کی ترازو سے ساقط نہیں کیا جا سکتا، جماعت کی شکل ممکن نہ ہو تو نماز باجماعت کا حکم کا ساقط ہو جائے گا مگر یہ ممکن نہیں کہ امام پیچھے کھڑا ہو اور مقتدی آگے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں تھے آ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوران نماز ہی ان کو ہاتھ سے پکڑ کر داہنی طرف کر دیا، اس تبدیلی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو پیچھے سے لے کر آئے، جبکہ آگے سے کرنا آسان تھا، لیکن امام سے آگے بڑھنا کسی صورت میں درست نہیں۔

۹۔ مغرب کی نماز کو سورج غروب ہونے کے بعد شفق ختم ہونے سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے، سورج غروب ہونے سے چند سیکنڈ پہلے بھی نماز شروع کی گئی تو نماز ادا نہیں ہو گی، اگر مغرب کی نماز صدر مقام سے شروع کی جائے تو ملک کے مختلف علاقوں میں رہنے

---

(۱) اعلاء السنن: ۴/ ۳۸۳۔

(۲) الموسوعہ الفقہیہ: ۶/ ۲۳۔

والے جن کے اوقات الصلاۃ کچھ منٹ سے بدل جاتے ہیں نماز کیسے ہوگی، یہی فرق نماز فجر میں بھی ہوسکتا ہے۔

۱۰۔صف بندی نماز باجماعت کا حصہ ہے، نبی کریم ﷺ نے اگلی صف مکمل کیے بغیر پیچھے کھڑے ہونے والے کو نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم فرمایا کہ" ایسے شخص کی نماز ہی قبول نہیں ہوتی" آن لائن نماز میں کوئی بھی اٹھے گا، ٹی وی یا کمپیوٹر آن کرے گا اور شروع ہو جائے گا، کہاں کی صف اور کہاں کی صف بندی۔

۱۱۔اقتداء کے صحیح ہونے کے لیے علامہ شامی نے اقتداء کی دس شرطیں ذکر کی ہیں:

(۱) مقتدی اقتداء کی نیت کرے کہ میں اس امام کے پیچھے یہ نماز پڑھ رہا ہوں۔

(۲) دونوں کی نماز ایک ہو اگر دونوں کی نماز الگ الگ ہوگی مثلا امام ظہر کی نماز پڑھا رہا ہو اور مقتدی عصر کی نیت کرے یا امام نفل کی نیت کیا اور مقتدی فرض کی نیت کرے تو نماز نہیں ہوگی۔

(۳) مکان متحد ہو۔" و اداء فی مکان متحد بلا حائل"(۱)

(۴) امام کی نماز صحیح ہو۔

(۵) عورت، مرد کے محاذات میں نہ ہو۔

(۶) مقتدی امام سے آگے نہ ہو اگر مقتدی امام سے آگے ہوگیا تو مقتدی کی نماز نہیں ہوگی۔

(۷) مقتدی کو امام کے حرکات وانتقالات کا علم ہو۔

(۸) مقتدی کو امام کے مسافر یا مقیم ہونے کا علم ہو (۹) مقتدی امام کے ارکان میں شریک ہو اگر امام کسی رکن میں ہو اور مقتدی دوسرے رکن میں ہو تو مقتدی کی نماز درست نہیں ہوگی۔

(۱۰) مقتدی امام کے برابر ہو یا اس سے کمتر ہو مثلا اگر تندرست آدمی نے معذور کی

---

(۱) مجمع الانھر :۱/ ۱۱۰۔

اقتداء کی تو نماز درست نہیں ہوگی یا رکوع سجدہ کرنے والا شخص اگر اشارہ سے نماز پڑھنے والے کی اقتداء کرے تو اقتداء درست نہ ہوگی۔"بشروط عشرة :نية المؤتم الاقتداء، واتحاد مكانهما وصلاتهما، وصحة صلاة إمامه، وعدم محاذاة امرأة، وعدم تقدمه عليه بعقبه، وعلمه بانتقالاته وبحاله من إقامة وسفر، ومشاركته في الأركان، وكونه مثله أو دونه فيها، وفي الشرائط كما بسط في البحر، قيل وثبوتها ب "واركعوا مع الراكعين"(۱) ومن حكمها نظام الألفة وتعلم الجاهل من العالم"(۲)

اس میں ایک شرط ہے" امام اور مقتدی کی جگہ کا ایک ہونا ضروری ہے"اور یہ اتحاد مکان حقیقی ہو یا حکمی ہو، مثلاً مسجد میں امام ہے اور اسی مسجد میں مقتدی ہے تو یہ اتحاد مکان حقیقی ہے اور نیچے کی منزل میں امام ہے اور اوپر کی منزل میں مقتدی ہے تو یہ اتحادِ مکان حکمی ہے، اقتداء کی یہ دونوں صورتیں درست ہیں:

۱۔مسجد چونکہ مکان واحد کے حکم میں ہے لہذا مسجد میں دیوار ستون حائل ہو مگر امام کے انتقالات کا علم ہو رہا ہو تو اقتداء درست ہے اگر امام کی حالت مشتبہ ہو تو اقتداء درست نہیں ہے۔

۲۔اگر مقتدی مسجد کی چھت پر ہو یا مسجد سے متصل مکان کی چھت پر ہو اور اس مکان اور مسجد کے درمیان کوئی راستہ وغیرہ حائل نہ ہو تو اقتداء درست ہو جائے گی؛اس لیے کہ اتحاد مکان حکماً موجود ہے۔

۳۔اگر امام مسجد میں تراویح پڑھائے اور آواز گھروں میں آرہی ہو تو اگر گھر مسجد سے متصل ہے اور درمیان میں راستہ وغیرہ کا کوئی فاصلہ نہیں ہے تو اقتداء درست ہے اگر درمیان میں کوئی فاصلہ ہو تو پھر اقتداء درست نہیں ہے کیونکہ مکان مختلف ہے۔

---

(۱)سورۃ البقرۃ:۴۳۔

(۲)رد المحتار، باب الامامۃ ۴:۲۱۰۔

۴۔ایک گھر میں تراویح ہو اور مائک کے ذریعہ دوسرے گھروں میں اقتداء کی جائے تو یہ بھی درست نہیں ہے، اس لیے کہ مکان مختلف ہے۔

۵۔ پیدل چلنے والا سوار کی اقتداء کرنا درست نہیں۔

۶۔دولوگ الگ الگ سواری میں ایک دوسرے کی اقتداء کرنا درست نہیں۔

۷ ۔امام اور مقتدی کے درمیان میں راستہ ہو جس میں لوگ گزرتے ہوں یا نہر ہو جس میں کشتی چلتی ہو، یا بہت بڑی مسجد ہو اور اس میں دو صف کا انقطاع ہو تو ان تمام صورتوں میں اقتداء درست نہیں۔

۸۔تو آن لائن کی تمام صورتیں ناجائز ہیں کیونکہ اقتداء کی بنیادی شرط اتحاد مکان مفقود ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”(والحائل لا يمنع) الاقتداء (إن لم يشتبه حال إمامه) بسماع أو رؤية ولو من باب مشبك يمنع الوصول في الأصح (ولم يختلف المكان) حقيقة كمسجد وبيت في الأصح قنية، ولا حكما عند اتصال الصفوف؛ ولو اقتدى من سطح داره المتصلة بالمسجد لم يجز لاختلاف المكان درر وبحر وغيرهما وأقره المصنف لكن تعقبه في الشرنبلالية ونقل عن البرهان وغيره أن الصحيح اعتبار الاشتباه فقط. قلت :وفي الأشباه وزواهر الجواهر ومفتاح السعادة أنه الأصح. وفي النهر عن الزاد أنه اختيار جماعة من المتأخرين۔(قوله :ولم يختلف المكان) أي مكان المقتدي والإمام. وحاصله أنه اشترط عدم الاشتباه وعدم اختلاف المكان، ومفهومه أنه لو وجد كل من الاشتباه والاختلاف أو أحدهما فقط منع الاقتداء، لكن المنع باختلاف المكان فقط فيه كلام يأتي (قوله :كمسجد وبيت) فإن المسجد مكان واحد، ولذا لم يعتبر فيه الفصل بالخلاء إلا إذا كان المسجد كبيرا جدا وكذا البيت حكمه حكم

المسجد في ذلك لا حكم الصحراء كما قدمناه عن القهستاني. وفي التتارخانية عن المحيط :ذكر السرخسي إذا لم يكن على الحائط العريض باب ولا ثقب؛ ففي رواية يمنع لاشتباه حال الإمام، وفي رواية لا يمنع وعليه عمل الناس بمكة، فإن الإمام يقف في مقام إبراهيم، وبعض الناس وراء الكعبة من الجانب الآخر وبينهم وبين الإمام الكعبة ولم يمنعهم أحد من ذلك"(١)

فائدہ: اور یہ شرط سوائے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ تمام ائمہ کے یہاں ضروری ہے ، چنانچہ مکہ مکرمہ کے ہوٹلوں میں رہ کر حرم شریف کے امام کی اقتداء کرنا سوائے امام مالکؒ کے تمام ائمہ کرام کے یہاں درست نہیں ؛ کیونکہ اقتداء کرنا دراصل امام کے تابع ہونا ہے جس کے لیے اتحاد مکان لازم ہے ، جب مکان مختلف ہوگا تو تابعیت ختم ہو جائے گی ، اور تابعیت ختم ہونے سے اقتداء ختم ہو جائے گی۔

۹۔ حالت جنگ میں جبکہ جان کا خطرہ لاحق ہوتا ہے اللہ رب العزت نے نماز باجماعت کا طریقہ بدل دیا مگر اپنے مورچے پر رہتے ہوئے اقتداء کرنے کی اجازت نہیں دی ، اگر کسی بھی وجہ سے آن لائن جماعت کی اجازت ہوتی جنگ کا موقع ایسا تھا جہاں اجازت دی جانا معقول بات تھی مگر وہاں بھی اس کو گوارا نہیں کیا گیا تو آج اس کی کیسے اجازت ممکن ہے؟

۱۰۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ میں ایک مرتبہ ۵ھ میں گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے زخمی ہو گئے تھے جس کی وجہ سے چلنا دشوار ہو گیا تھا ، دوسری بار مرض الوفات میں کمزوری کی وجہ سے چلا نہیں جارہا تھا ، دو آدمیوں کے سہارے جماعت میں تشریف لاکر جماعت میں شریک ہو رہے تھے ، ایسی حالت میں بیانِ جواز کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارکہ میں سے امامت فرماتے اور صحابہ کرامؓ باہر سے اقتداء کر لیتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا ، اس سے بھی زیادہ ناگزیر حالت کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے ، اور لاک ڈاؤن وغیرہ

---

(۱) (الدر المختار وحاشية ابن عابدين: ۱/۵۸۶)

اس سے کمتر حالت ہے تو ایسی شکل کیونکر جائز ہو سکتی ہے؟۔

۱۱۔سخت بارش اور سردی یا مشکل حالات پر اپنے اپنے گھر میں نماز کا حکم دیا گیا، یہ بھی ممکن تھا اپنے گھروں سے ہی اقتداء کرلو، یا کم ازکم قریب کے مساجد کی اقتداء اپنے گھروں سے کرلو، مگر کبھی ایسا اعلان نہیں فرمایا۔"ألا صلوافی رحالکم""ألاصلوافی بیو تکم"(۱)

مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ آن لائن نما باجماعت درست نہیں ہے۔

آن لائن نماز کی خرابیاں

آن لائن اقتداء کرنے میں بہت سی خرابیاں ہیں:

۱۔نیٹ میں بعض مرتبہ کنکشن کٹ سکتا ہے تو امام کے انتقال کا علم نہیں ہو پائے گا۔

۲۔انٹرنیٹ کے ذریعہ جو آواز آئے گی وہ عکس ہوگی۔

۳۔تصویر کے سامنے نماز پڑھنا لازم آئے گا، عام طور پر لائیو میں بھی پہلے تصویر محفوظ ہوتی ہے پھر ٹیلی کاسٹ ہوتی ہے، جس میں اس بات کا قوی امکان ہے کہ امام رکوع سے واپس آجائے اور لوگ ابھی قیام میں ہی ہوں۔

۴۔اگر اس کی اجازت دی جائے تو کل ضرورت ختم ہونے پر بھی لوگ مسجد میں آنے کے بجائے آن لائن نماز ہی پڑھنا چاہیں گے، جس سے جماعت کے مقاصد اجتماعیت مسجدوں کو آباد کرنا وغیرہ ختم کر ہو جائے گا۔

یہ خرابیاں ہوں یا نہ ہوں بہر صورت آن لائن نماز درست نہیں ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث: ۶۹۷۔۶۹۹

عورت کی امامت کا حکم

شریعت نے عورت پر جماعت کو واجب نہیں رکھا، اذان اور اقامت اور امامت کی ذمہ داری بھی بنیادی طور پر مردوں سے متعلق فرمائی، تاحیات رسول اللہ ﷺ نے خود امامت فرمائی، بعض دفعہ آپ ﷺ کی جگہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے امامت کی، مدینہ کی بعض مسجدوں میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا امامت کرنا ثابت ہے، قبا میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ امامت فرمایا کرتے تھے، اس زمانے میں متعدد اہل علم وفضل خواتین موجود تھیں، خود آپ ﷺ کی ازواج مطہرات، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جیسی باکمال خواتین موجود تھیں، لیکن آپ ﷺ نے انہیں امامت پر مامور نہیں فرمایا، اور عہد نبوی ﷺ سے آج تک یہی توارث چلا آرہا ہے کہ ہمیشہ مردوں نے امامت کی ہے۔

عورتوں کی امامت عورت کرنے کا حکم

عورتوں کی امامت کے دو پہلو ہیں ایک یہ کہ عورت خود عورتوں کی امامت کرے دوسرے یہ کہ عورت مردوں اور عورتوں کی مشترکہ جماعت کی امامت ہو پہلی صورت حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے خواتین کی امامت فرمائی ہے، اس موقع سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آگے کھڑی ہونے کے بجائے سب کے درمیان میں کھڑی ہوئی، علامہ علاؤالدین زیلعی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مستدرک حاکم، مصنف عبد الرزاق، دارقطنی اور مسند ابن ابی شیبہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔(۱) اسی طرح ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھی عورتوں کی امامت کرنا منقول ہے، یہ روایت مصنف عبد الرزاق، دارقطنی اور مسند ابن ابی شیبہ میں منقول ہے

---

(۱) نصب الرایہ: ۲/ ۳۰۔

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔(۱) البتہ خواتین کی مستقل جماعت بھی بہتر نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خواتین کی جماعت میں خیر نہیں، سوائے اس کے کہ مسجد میں ہو۔" لا خیر فی جماعة النساء الا فی مسجد جماعة"(۲)

عورت کا مردوں کی امامت کرنا

دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ عورت صرف مردوں کی امامت کرے یا مردوں اور عورتوں کی امامت کرے، یہ صورت بالاتفاق جائز نہیں ہے، کویت سے شائع ہونے والے فقہی انسائیکلو پیڈیا میں ہے، مردوں کی امامت کے لیے ضروری ہے کہ امام بھی مرد ہو لہذا یہ بات درست نہیں کہ عورت مردوں کی امامت کرے، اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے۔" یشترط لامامة الرجال ان یکون الامام ذکرا فلا تصح امامة المرأة للرجال وهذا متفق علیه بین الفقهاء"(۳)

عدمِ جواز کے دلائل

۱۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے اور صحابہ کے عہد میں یا بعد کے ادوار میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ملتا کہ خواتین کو امام مسجد مقرر کیا گیا ہو اور انہوں نے مردوں کی امامت کی ہو۔

۲۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے اور بدترین صف آخری صف ہے، عورتوں کی بہترین صف آخری صف ہے اور بدترین صف پہلی صف ہے(اور امامت تو پہلی صف سے بھی آگے سے ہوتی ہے یہ عورت کے لیے کیسے جائز ہوسکتی

---

(۱) نصب الرایہ: ۲/ ۳۰۔

(۲) اعلاء السنن: ۴/ ۲۴۳، حدیث ۱۲۱۹۔

(۳) الموسوعۃ الفقہیہ: ۶/ ۲۰۴۔

ہے)۔ ''خیر صفوف النساء اخرھا و شرھا اولھا''(۱)

۳۔حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عورت امامت نہیں کر سکتی ۔''لا تؤم المرأة'' مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ''المدونۃ الکبریٰ'' کے حوالے سے نقل کیا ہے اور بتایا کہ سند کے اعتبار سے صحیح ہے ۔(۲)

۴۔حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کے مرد ہلاک ہو جائیں گے جب وہ عورتوں کی اطاعت کرنے لگیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ جو قوم اپنے معاملے کو عورت کے حوالے کردے وہ فلاح نہیں پا سکتی ۔''لن یفلح قوم ولو امرھم الی امرأة''(۳)

نماز میں مقتدی امام کی کامل اطاعت کرتا ہے ،اپنی تمام نقل وحرکت کو امام کے حوالے کر دیتا ہے تو پھر مرد کے لیے عورت کی اقتدا کیوں کر درست ہو سکتی ہے؟

۵۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز ہی کے سیاق میں خواتین کے بارے میں فرمایا کہ جیسے اللہ تعالی نے ان کا مقام پیچھے رکھا ہے اسی طرح انہیں پیچھے رکھو ۔''اخروھن من حیث اخرھن اللہ ''(۴) اگر عورتیں امامت کرنے لگیں تو ان کی جگہ پیچھے کے بجائے آگے قرار پائے گی۔

۶۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا : عورت مرد کی امامت نہ کرے ۔''لا تؤمن امرأة رجلا''(۵)

۷۔عورت کے آگے کھڑے ہونے ،امامت کرنے اور نقل وحرکت کرنے میں فتنہ اور دل ونگاہ کی بے عفتی کا بھی اندیشہ ہے ،کیونکہ نماز کی بعض حالتیں ایسی ہیں جن میں اعضاء کی

---

(۱) صحیح مسلم ،حدیث :۴۴۰ ،باب تسویۃ الصفوف ۔

(۲) اعلاء السنن: ۴/ ۲۵۰،حدیث: ۱۲۳۳۔

(۳) پہلی روایت مسند احمد اور مستدرک حاکم میں اور دوسری روایت بخاری میں نقل کی گئی ۔(اعلاء السنن: ۴/ ۲۵۱،حدیث ۱۲۳۴۔

(۴) مصنف عبدالرزاق: ۳/ ۱۴۹۔

(۵) ابن ماجہ،حدیث: ۱۰۸۱،باب في فرض الجمعة۔

ساخت نمایاں ہوتی ہے اور نماز کے اکثر افعال کو انجام دینے میں کولہے کی ہڈی متحرک ہوتی ہے، یہ امور عورت کے احترام کے خلاف ہے۔

ام ورقہ رضی اللہ عنہما کی حدیث کا مطلب

ام ورقہ رضی اللہ عنہا کے واقعے سے استدلال کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے اہل خانہ کی امامت کی اجازت دی تھی۔ ''وامرھا ان تؤم اھل دارھا'' (۱) درست نہیں، کیونکہ حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا ان لوگوں میں سے تھی جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کیا تھا، یہ عبادت اور ریاضت کا بڑا ذوق رکھتی تھی، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ قرآن بھی تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خصوصی مقام کی رعایت کرتے ہوئے انہیں امامت کی اجازت دی تھی، لیکن یہ اجازت گھر کی خواتین کے لیے تھی نہ کہ مردوں کی امامت کی، چنانچہ دارقطنی کی روایت میں صراحت موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں صرف خواتین کی امامت کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ ''اذن لھا ان تؤم نسائھا'' (۲) جن حدیثوں میں ''اھل دار'' کا لفظ آیا ہے وہاں بھی ''اھل'' سے عورتیں ہی مراد ہیں۔

کسی مذہب میں عورت کو مذہبی قیادت حاصل نہیں ہے

امامت کا مسئلہ کچھ اسلام ہی پر موقوف نہیں بلکہ دوسرے مذاہب میں بھی مذہبی قیادت خواتین کے حصے میں نہیں رکھی گئی، یہودیوں کے یہاں کوئی خاتون ''ربی'' نہیں ہوتی، عیسائیوں کے ہاں خاتون ''پادری'' یا ''پوپ'' کا تصور نہیں، ہندوؤں کے یہاں کوئی ''شنکر اچاریہ'' یا ''پروہت'' خاتون نہیں دیکھی گئی، گویا تمام مذہبی اقدار اور روایات اس بات پر متفق ہیں کہ مذہبی قیادت اور امامت عورتوں کے لیے مناسب حال نہیں، جہاں کہیں عورتوں کو مذہبی اداروں میں داخل کیا گیا جسے عیسائیوں کے یہاں ''راہبات'' ہندو کی یہاں

---

(۱) سنن ابی داؤد، حدیث: ۵۹۱

(۲) دارقطنی: ۱/ ۹۷ [illegible] مقام۔

''دیوداسیاں'' وہاں عورتوں کا استحصال ہوا ہے، اس کی وجہ سے اخلاقی برائیوں نے جنم لیا ہے، اسی لیے ان ذمہ داریوں سے عورتوں کو سبکدوش رکھ کر اسلام نے ان کے لیے سہولت پیدا کی اور ان کو مردوں کی استحصال سے بچایا ہے۔

کیا امامت سے عورت کے مسائل حل ہوں گے؟

اگر بالفرض عورت امامت کرنے لگے تو اس سے خواتین کو کیا فوائد حاصل ہوں گے؟ اور ان کے کیا مسائل حل ہوں گے، خواتین کے لیے اس وقت اصل مسئلہ یہ ہے کہ مغرب میں عورتوں کا استحصال ہو رہا ہے، نکاح کی شرح کم سے کمتر ہوتی جا رہی ہے، مرد ایک عورت سے اس وقت تک تعلق رکھتا ہے جب تک اس کے لیے اس کے وجود میں کشش ہو، جونہی یہ کشش ختم ہو جاتی ہے وہ اپنے لیے ایک نیا لباس تلاش کر لیتا ہے، اس عورت نے اپنی زندگی کا بہترین قیمتی وقت اس کے لیے قربان کیا، اسے پلٹ کر بھی نہیں دیکھتا اور جب بڑھاپا شروع ہو جاتا ہے تو مظلوم عورتیں تنہا اپنے گناہ کا بوجھ اٹھائے پھرتی ہیں اور خاندانی نظام کے نہ ہونے کی وجہ سے کسمپرسی کی حالت میں اپنا وقت کاٹنے پر مجبور ہوتی ہے، اصل میں اس مرض کے علاج کی ضرورت ہے، عورتوں کی بھلائی اس میں ہے کہ نکاح کے قانونی تعلق پر اکتفاء کرنے کا ماحول بنایا جائے، سماج کے غیر قانونی رشتوں سے بچایا جائے، خاندانی نظام کو مستحکم کیا جائے، عورتوں پر جو بیک وقت ماں اور باپ دونوں کی ذمہ داریوں کا بوجھ رکھ دیا گیا ہے، امور خانہ داری کو بھی انجام دے گھر سے باہر مردانہ فرائض کو بھی پورا کرے اس استحصال سے صنف نازک کو بچایا جائے، یہی عورتوں کے حقیقی مسائل ہیں کاش لوگ حقیقت پسندانہ جذبے کے ساتھ اس مسئلے پر غور کریں!(۱)

---

(۱) شمع فروزاں: ۱/ ۲۴۰۔

بارھواں باب

زکوۃ کے احکام ومسائل

اس باب میں زکوۃ کی شرعی حیثیت، چندہ میں افراط وتفریط، زکوۃ کے جدید مسائل، مدارس کو زکوۃ دینا، سادات کو زکوۃ دینے کی تحقیق اور منکرات زکوۃ ذکر کیے گئے ہیں۔

زکوۃ کی شرعی حیثیت

اسلام ایک دین فطرت ہے تمام جاہلی رسومات و بدعات سے پاک ومنزہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی معتبر ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے "ان الدین عند اللہ الاسلام"۔

اسلام کی عمارت جن ستونوں پر قائم ہے، ان میں سے ایک اہم ترین ستون زکوۃ ہے، اسلام نے زکوۃ کی شکل میں ہمدردی وغمخواری اور مساوات و برابری کا نظام پیش کیا، جن کی نظیر دیگر ادیان میں نہیں پائی جاتی، مال اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے اس کا صحیح مصرف اور منصفانہ تقسیم کا زکوۃ میں بے مثال پیغام ہے، قرآن کریم میں ستر سے زائد مرتبہ نماز کے ساتھ زکوۃ کا حکم دیا گیا، زکوۃ سے بے شمار فوائد و برکات بندہ حاصل کرتا ہے اور مومن کی روحانی اور اخلاقی تربیت ہوتی ہے، دنیوی واخروی اعتبار سے بندے کو اس کے ثمرات ملتے ہیں۔

عربی زبان میں زکوۃ کے معنی ہیں کسی بھی چیز کو گندگی وآلائشوں اور نجاست سے پاک کرنا، زکوۃ کو بھی زکوۃ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کے مال کو پاک کردیتی ہے، جس مال کی زکوۃ نہ دی جائے وہ مال گندا ہے اور ناپاک ہے، زکوۃ کا اصل مقصد تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے؛ لیکن اس کے فائدے بے شمار ہیں ایک تو یہ کہ جو بندہ زکوۃ ادا کرتا ہے اللہ پاک اس کو مال کی محبت سے محفوظ رکھتا ہے، دوسرے یہ کہ اس کے ذریعے بے شمار غرباء کو فائدہ پہنچتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں تاکید کے ساتھ زکوۃ کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا، چنانچہ قرآن میں ہے "اقیموا الصلوۃ واٰتوا الزکاۃ وارکعوا مع الراکعین"۔

اور تم لوگ نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ زکوۃ کو نماز کے ساتھ اس لیے ذکر فرمایا کہ جس طرح نماز اہم ترین عبادت ہے اسی طرح زکوۃ بھی اہم ترین عبادت ہے، جس طرح نماز کا انکار کرنے والا کافر ہے اسی طرح زکوۃ کا انکار کرنے والا بھی کافر ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے:

”وما آتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلایربوا عنداللہ وماأتیتم من زکوۃ تریدون وجہ اللہ فالئک ھم المضعفون“اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ سود بن کر لوگوں کے مال میں بڑھوتری کا سبب بنے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو کچھ زکوۃ (وغیرہ) دوگے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو تو ایسے لوگ اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کے پاس بڑھاتے ہیں۔

اسی لیے خرچ کرنے والوں کو بہت اہتمام سے اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ کسی پر خرچ کرنے کی صورت میں ہرگز ان سے کسی قسم کے بدلے یا شکریے کا امیدوار نہ رہنا چاہیے، یہ اور بات ہے کہ لینے والے کا فرض ہے کہ وہ احسان مند ہو اور اس کا شکر ادا کرے لیکن دینے والا اگر اس کی نیت کرے گا، تو وہ اللہ کے واسطے سے نکل کر دنیا کے واسطے میں داخل ہو جائے گا، بالخصوص زکوۃ میں تو اس کا واہمہ بھی نہ ہونا چاہیے کہ اس میں وہ خود اپنا فرض ادا کر رہا ہے اس میں کسی پر کیا احسان؟ اسی لیے آیت شریفہ میں زکوۃ کو اللہ کی رضا کے لیے دینے کے ساتھ مقید کیا ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے رب کا تقوی اختیار کرو اور اپنے مالوں کی زکوۃ ادا کرو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے“۔ ”عن سلیم بن عامر قال سمعت أبا أمامة یقول :سمعت رسول ﷺ یخطب فی حجة الوداع فقال :اتقوا ربکم، وأدوا زکاة أموالکم تدخلوا جنة ربکم“۔(۱)

کیا زکوۃ واجب ہونے کے لیے ایک سال گذرنا شرط ہے؟

جی ہاں! وجوب زکوۃ کے لیے سال گذرنا شرط ہے (۱) حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں جب تمہارے پاس دوسو درہم ہوں اور ان پر سال گذر جائے تو پانچ

---

(۱) سنن الترمذی/ باب ما ذکر في فضل الصلاۃ رقم: ۶۱۶، التعلیقات علی الهدایة: ۳/۲ مکتبہ البشریٰ کراچی۔

درہم زکوۃ ادا کرو اور سونا بیس دینار سے کم ہو تو زکوۃ واجب نہیں ہے، اور جب بیس دینار ہوجائے اور ایک سال گذر جائے تو آدھا دینار واجب ہے اور دینار جب زیادہ ہو اس کے بقدر زکوۃ واجب ہے۔

”عن علی عن النبیﷺ ببعض أول الحديث، قال فإذا كانت لک مائتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم وليس عليک شئی يعنی فی الذهب حتی تكون لک عشرون ديناراً، فإذا كانت عشرون دينارا وحال عليها الحول ففيها نصف دينار فما زاد فبحساب ذلک“ (۱)

(۲) حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے ”مال میں زکوۃ واجب نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر سال گذر جائے، امام محمدؒ فرماتے ہیں یہی ہمارا مسلک ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے؛ البتہ اگر درمیانی سال کچھ مال آجائے تو اصل مال کے ساتھ ضم کردیا جائے گا (مال مستفاد پر مستقل سال گذرنا شرط نہیں ہے) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: لا تجب فی مالٍ زكاة حتی يحول عليه الحول قال محمد: وبهذا نأخذ وهو قول أبی حنيفة إلا أن يكتسب مالا فيجمعه فی مال عنده مما يزكی، فإذا وجبت الزكاة فی الأول زكی الثانی معه، وهو قول أبی حنيفة، وابراهيم النخعی رحمهما الله تعالىٰ۔ (۲)

موجودہ دور میں سونے اور چاندی کا نصاب

سونے میں زکوۃ کا نصاب موجودہ اوزان کے اعتبار سے ۸۷ گرام، ۴۸۰ ملی گرام ہے اور موجودہ دس گرام کے تولے کے حساب سے آٹھ تولہ سات گرام ۴۸۰ ملی گرام سونا ہوتا ہے، اور چاندی میں زکات کا نصاب موجودہ اوزان کے اعتبار سے ۶۱۲/ چھ سو بارہ گرام

(۱) سنن أبی داود: الزکوۃ، باب فی زکاۃ السائمۃ: ۱/ ۲۲۱

(۲) موطا امام محمد: کتاب الزکاۃ باب المال متی تجب فیہ الزکاۃ: ۱/ ۱۷۳، ۱۷۴، حدیث: ۳۲۶

اور ۳۶۰ر تین سو ساٹھ ملی گرام ہے اور موجودہ دس گرام کے تولے کے حساب سے ۶۱ر تولہ دو گرام اور ۳۶۰ ملی گرام چاندی ہوتی ہے پس سونا یا چاندی مذکورہ نصاب کے بقدر ہوں یا ان کی قیمت کے برابر نقد روپیہ ہو تو زکوۃ فرض ہے(۱) حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے آں حضرت ﷺ نے فرمایا پانچ اونٹ سے کم میں زکوۃ نہیں ہے، پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوۃ نہیں ہے، پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہیں "عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: لیس فی مادون خمس ذود صدقة من الإبل، ولیس فی مادون خمس أواق صدقة، ولیس فی مادون خمسة أوسق صدقة"۔(۲)

زکوۃ قمری تاریخ سے ادا کریں یا شمسی تاریخ سے؟

زکوۃ قمری سال کے حساب سے نکالی جائے گی، شمسی (انگریزی) کے حساب سے نہیں؛ اس لیے کہ قمری حساب سے سال ۳۵۴ر دن کا ہوتا ہے، اور شمسی سال کبھی ۳۶۵ر دن کا ہوتا ہے اور کبھی ایک دن اس سے زیادہ بھی ہوتا ہے، اور اگر شمسی سال کا اعتبار کرنا ہی کسی وجہ سے ضروری ہو جائے تو دس دن کی زکوۃ مزید ادا کرنی ہوگی۔(۳)

"سئل الحسن بن علي رضی اللہ عنہ عن الحول في الزكاة أقمري أم شمسي؟ فقال: قمري"۔(۴)

---

(۱) فتاویٰ قاسمیہ: باب زکوۃ الذہب ۱۰ر ۳۸۴ مستفاد از: ایضاح المسائل: ۱۰۲، کتاب المسائل: ۲ر ۱۳۵

(۲) صحیح البخاری: کتاب الزکوۃ، باب زکات الورق: ۱ر ۱۹۴ حدیث: ۱۴۲۷

(۳) مسائل زکوۃ: ۵۷، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳ر ۳۶۲، امداد الفتاویٰ: ۲ر ۳۱، کفایت المفتی: ۴ر ۲۸۴

(۴) الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳ر ۱۳۴ رقم: ۳۹۳۷ ط: زکریا، البحر الرائق: ۲ر ۲۰۳، طحطاوی علی الدر المختار: ۱ر ۳۸۹، الفتاویٰ الهندیة: ۱ر ۱۷۵، شامی: ۳ر ۱۷۵ ط: زکریا

زیوروغیرہ کی بازاری قیمت سے زکات ادا کرے

زکوۃ کی ادائیگی میں ادائیگی کے وقت بازاری بھاؤ کا اعتبار ہوتا ہے،خرید کے بھاؤ کا اعتبار نہیں ہوتا،چناں چہ تین لاکھ میں خریدی ہوئی چیزاگرسال گذرنے پرتیس لاکھ کی ہوجائے تو تیس لاکھ کی زکات نکالی جائے گی۔"يعتبر يوم الأداء بالإجماع وهو الأصح...، ويقوم في البلد الذي المال فيه"۔(۱)

تھوڑے تھوڑے پیسے جمع ہوں تو زکوۃ کا حکم

اگر پہلے سے بقدرنصاب مال موجود ہے،اور پھر درمیان میں ایک لاکھ کی رقم تھوڑی تھوڑی کرکے جمع ہوئی ہے،تو پہلے سے موجود مال پر جب سال پورا ہوگا،تواس ایک لاکھ کی رقم پربھی زکوۃ واجب ہوگی،اس لیے کہ ہرجمع شدہ رقم پرسال کا گذرنا شرط نہیں ہے،بلکہ نصاب کے بقدر ملکیت کے وقت ہی سے سال کی ابتداء شمار ہوگی،اوراگر پہلے سے بقدرنصاب مال موجود نہ ہو،روپیہ رفتہ رفتہ جمع ہوئے ہوں،تو جس دن بقدرنصاب روپے ملکیت میں آئے ہیں،اسی دن سے سال کی ابتداء ہوگی،اورسال پورا ہونے سے پہلے زکوۃ کا وجوب نہ ہوگا۔ "عن المغيرة بن شعبة رضي الله عنه قال: تحل عليه الزكاة من يوم ملك مائتي درهم ثم يحول عليه الحول۔(۲)"وشرط كمال النصاب ولو سائمة في طرفي الحول في الابتداء للانعقاد، وفي الانتهاء للوجوب فلايضر نقصانه بينهما"۔(۳)

---

(۱)شامی:۳/۲۱۱ط:زکریا،فتاوی محمودیہ:۱۷/۱۱۰،کفایت المفتی:۴/۲۸۲

(۲)المصنف لابن أبی شیبۃ:۲/۲۵۵رقم:۹۸۴۶ط:دارالکتب العلمیۃ

(۳)درمختارمع الشامی:۳/۲۳۳ط:زکریا

مقروض شوہر کی صاحب نصاب بیوی پر زکوۃ فرض ہے

اگر یہ جمع شدہ رقم نصاب کے بقدر ہے اور اس پر ایک سال گذر چکا ہے، تو اس کی زکوۃ مثلاً زینب پر واجب ہے، شوہر کے مقروض ہونے کی وجہ سے زکوۃ کے حکم میں کوئی فرق نہ ہوگا؛ کیوں کہ دونوں کی ملکیت الگ الگ ہے، عرف میں اگر چہ دونوں کی ملکیت ایک ہی شمار ہوتی ہے؛ مگر شریعت میں دونوں کی ملکیت مستقل شمار ہوتی ہے، آج بہت سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ میرے پاس پندرہ تولے سونا ہے اور پانچ لاکھ کا قرضہ ہے، تو کیا زکوۃ فرض ہوگی؟ تو مفتی صاحب یہی کہیں گے کہ: قرضہ سونے کی رقم کے برابر ہے تو زکوۃ فرض نہیں ہوگی، کیونکہ مقروض پر زکوۃ نہیں ہے، جب کہ سونا بیوی کے پاس ہوتا ہے اور قرضہ شوہر کا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے زکوۃ ادا نہیں کی جاتی اور فرض ادا نہ کرنے کا گناہ لازم آتا ہے۔ ”عن علي رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: إذا كانت لک مائتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم، وليس عليک شيء يعني في الذهب حتى تكون لک عشرون دينارا“۔ (۱)

رہن رکھے ہوئے زیور پر زکوۃ کا حکم؟

بعض وہ حضرات جن کو کہیں سے قرض نہیں ملتا، وہ اپنا زیور مسلم فنڈ، یا بیت المال میں رکھ کر قرض لے لیتے ہیں، مثلاً زیور پچاس ہزار روپے کا ہے، تو اس زیور کو رہن رکھ کر ہمیں پچیس ہزار روپیہ قرض کے مل جاتے ہیں، معلوم رہے کہ جو زیور رہن میں رکھا ہوا ہے، اس کی زکوۃ نہ تو راہن پر ہے اور نہ مرتہن پر؛ اس لیے کہ مرتہن اس کا مالک نہیں اور راہن کا اس پر قبضہ نہیں؛ لہٰذا اس میں سر دست تصرف کرنے یا اپنی مرضی سے واپس لینے کا حق نہیں رکھتا، تو جب تک زیور گروی رکھا رہے گا اس کی زکوۃ ادا نہیں کی جائے گی، اور راہن نے جو قرض لیا

---

(۱) سنن أبی داود، الزکاۃ/باب في زكاة السائمة: ۱/۲۲۱

ہے اس کو اصل مال سے منہا کر کے زکوۃ ادا کرے گا؛ کیوں کہ قرض بہر حال قرض ہے، خواہ رہن کے بدلے میں ہو یا بلا رہن۔ "عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال :زکوا زكاة أموالكم حولا إلى حول، وما كان من دين ثقة فزكه، وإن كان من دين مظنون فلا زكاة فيه، حتى يقبضه صاحبه"۔(۱)

چنانچہ کتاب المسائل میں ہے کہ "اگر کوئی چیز (زیور ہو یا کوئی اور سامان) قرض کے بدلہ میں گروی رکھی ہوئی ہے تو جب تک وہ مرتہن کے قبضہ میں رہے گی اس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، نہ راہن پر (قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے) اور نہ مرتہن پر (ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے) اور راہن اگر قرض ادا کر کے اس کو چھڑالے تب بھی اس کی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ اس پر واجب نہ ہوگی۔" ولا في مرهون بعد قبضه (درمختار) أي لا على المرتهن لعدم ملك الرقبة ولا على الراهن لعدم اليد وإذا استرده الراهن لايزكى عن السنين الماضية، وهو معنى قول الشارح "بعد قبضه" ويدل عليه قول البحر: ومن موانع الوجوب الرهن، وظاهره ولو كان الرهن ازيد من الدين"۔(۲)

نوٹ: یہاں بعض حضرات نے یہ رائے اپنائی ہے کہ اگر شئ مرہون کی قیمت قرض کی رقم سے زائد ہو تو مثلاً قرض ایک لاکھ ہو اور رہن والا زیور دو لاکھ کا ہو تو راہن پر ایک لاکھ کی زکوٰۃ واجب ہوگی؛ کیوں کہ وہ حصہ امانت ہے؛ لہٰذا رہن واپسی کے بعد سابقہ سالوں کی زکوٰۃ بھی اسے ادا کرنی ہوگی؛ لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اور البحر الرائق کی عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرض کی رقم خواہ شئ مرہون کی قیمت سے کم ہو یا زیادہ ہو، بہر حال راہن یا مرتہن پر سابقہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ "قال الشامي بحثاً :ظاهره أنه لا فرق في الرهن

---

(۱) المصنف لابن أبي شيبة، الزكاة/ في زكاة الدين: ۴/ ۴۸۵ رقم :۱۰۳۵۱، السنن الكبرى للبيهقي: ۴/ ۲۵۲ رقم :۷۶۲۴، دار الكتب العلمية بيروت، بحوالہ کتاب النوازل: ۶/ ۴۴۰)

(۲) شامی زکریا ۳/ ۱۸۰، ومثلہ فی البحر الرائق ۲/ ۳۵۵، تبیین الحقائق ۲/ ۲۷

بين السائمة والدراهم فليتأمل "۔(۱)" وقال الرافعي:قوله وظاهره أنه لا فرق...فان ماذكره من العلة دال على أن الدراهم الرهن لا تجب زكوتها بعدالاسترداد"۔(۲)

نوٹ :اوراگر بیوی کی ملکیت کا زیور رہن پر رکھا ہے تو گویا کہ یہ شوہر نے بیوی سے قرض لیا ہے، اور یہ دین قوی کے درجہ میں ہے؛اس لیے بیوی پر زکوۃ واجب ہوگی چاہے تو وہ بروقت ادا کردے، اور اگر بروقت ادا نہ کیا تو زیور کے چھڑانے کے بعد گذشتہ تمام سالوں کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی، اور مال دار لوگ بغرض حفاظت جو زیور رکھتے ہیں وہ امانت ہے، ان سب پر زکوۃ حسب دستور واجب ہوگی۔(۳)

عورت کے استعمالی زیور میں زکوۃ حدیث سے ثابت ہے؟

احناف کے نزدیک عورت کے استعمالی زیور پر زکوۃ فرض ہے، یہاں پر تین حدیثیں پیش کی جاتی ہیں جو صراحتاً فرضیتِ زکوۃ پر دلالت کرتی ہیں:

(۱) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: اللہ کے نبی ﷺ میرے پاس آئے، اور مجھے اپنے ہاتھوں میں چاندی کے چھلے پہنے دیکھا تو دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا یہ آپ ﷺ کو خوش کرنے کے لیے پہنی ہوں! آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: اس کی زکوۃ دیتی ہو؟ میں نے کہا: نہیں! جہنم کی آگ میں لے جانے کے لیے یہ کافی ہے۔
"دخل علی رسول اللهﷺ فرای فی یدی فتخات من ورق فقال:ماهذا یاعائشه؟ فقلت :صنعتهن أتزين لک یارسو ل اللهﷺ! فقال :أتؤدين

---

(۱) شامی زکریا ۳؍۱۸۰۔
(۲) تقریرات الرافعی ۳؍۱۲۷،بحوالہ: کتاب المسائل:۲؍۲۲۹۔
(۳) شامی :۳؍۱۸۰،ط: زکریا ، شامی :۲؍۲۶۳ ط: کراچی، کذا فی البحر الرائق :۲؍۲۰۳ ط: کوئٹہ، الفتاویٰ الہندیۃ:۱؍۱۷۲،ط :داراحیاء التارث العربی بیروت

زکاتهن ؟قلت :لا!اوماشاءالله،قال:هی حسبک من النار"(۱)

(۲)عمرو بن یعلی ثقفیؓ اپنے باپ دادا سے نقل فرماتے ہیں میں آں حضرت ﷺ کے پاس آیا،میرے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی تھی،آپ ﷺ نے پوچھا اس کی زکاۃ ادا کرتے ہو؟ میں نے پوچھا کیا اس میں بھی زکوۃ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:ہاں!یہ بہت بڑا انگارہ ہے،روای کہتے ہیں میں نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا انگوٹھی کی زکوۃ کیسے نکالی جائے گی جبکہ اس کی مقدار ایک مثقال سے بھی کم ہے؟ سفیان ثوری فرمانے لگے اپنے دوسرے مال کے ساتھ ملا کر زکات ادا کرو۔"عن عمر بن یعلیٰ الطائفی الثقفی عن أبیه عن جده قال:أتیت النبی ﷺ وفی إصبعی خاتم من ذهب فقال:"أتؤد زکاة هذا"فقلت:یارسول الله! وهل فی هذازکاة ؟قال نعم! جمرة عظیمة،قال الولید:فقلت لسفیان:کیف تؤدزکاة خاتم وإنما قدره مثقال أو نحوه؟قال :تضیفه إلی ماتملک فیمایجب فی وزنه زکاةثم تزکیه"(۲)

اس حدیث سے زیور میں زکوۃ واجب ہونا بھی پتہ چلا اور بقدر نصاب نہ ہو تو ضم کرنا بھی ثابت ہوا،یہ شبہ نہ ہو کہ مرد کے لیے سونا حرام ہے تو ان صحابی نے کیوں پہنا؟ کیوں کہ مرد کے لیے سونے کی حرمت علیحدہ حدیث سے ثابت ہے۔

(۳)عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ کے پاس دو عورتیں آئیں،جن کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے،آپ نے پوچھا:اس کی زکات ادا کرتی ہو؟ وہ عورتیں کہنے لگیں،نہیں! آپ نے فرمایا : کیا تم پسند کرتی ہو کہ اس کے بدلے اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کے کنگن بنا کر ڈالے؟ کہنے لگیں،نہیں یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا زکات ادا کرو۔

---

(۱)مستدرک حاکم:۱/۳۸۹ امام حاکم کہتے ہیں اس کی سند صحیحین کی شرط پر ہے،درس ترمذی:۲/۴۵۵
(۲)السنن الکبری للبیہقی :باب تحریم تحلی الرجال بالذهب :۴/۴۲۱ حدیث :۷۵۸۵ دارالحدیث القاہرہ

”عمر و بن شعیب رضی اللہ عنہ ،عن أبیه عن جده أن امر أتین أتتا رسول الله ﷺ وفی أیدهما سواران من ذهب ،فقال لهما :أتؤ دیان زکاته؟ قالتا :لا! قال :فقال لهما رسول الله ﷺ :أتحبان أن یسور کما الله بسوارین من نار؟ قالتا :لا ،قال :فأدیاز کاته“ (۱)

تنبیہ: زیورات پر زکوۃ نہ ہونے پر کوئی صحیح صریح حدیث نہیں ہے۔(۲) حضرت مفتی سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: زیورات کی زکوۃ کے سلسلے میں مرفوع روایات میں تو کوئی تعارض نہیں ،کیوں کہ عدم وجوب کی صرف ایک مرفوع روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”زیورات میں زکوۃ نہیں“ مگر بیہقی نے معرفۃ السنن میں فرمایا ہے کہ یہ روایت باطل ہے،اس کی کچھ اصل نہیں ،اور وجوبِ زکوۃ کی زیلعیؒ نے سات روایتیں ذکر کی ہیں ،ان میں سے ایک روایت میں جو ابو داود میں ہے کوئی خاص کلام نہیں ،باقی روایات میں کلام ہے مگر سب مل کر قوت حاصل کر لیتی ہیں ،البتہ صحابہؓ میں اختلاف تھا امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ پانچ صحابہؓ سے عدم وجوب کا قول ثابت ہے (۳) یعنی حضرت انسؓ ،حضرت جابرؓ ،حضرت ابن عمرؓ ،حضرت عائشہؓ ،اور حضرت اسماءؓ ،مذکورہ اصحاب خمسہ کے علاوہ تمام اکابر صحابہؓ وجوب کے قائل تھے ،پس احتیاط زکوۃ نکالنے میں ہے۔

حضرت مولانا منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں کہ: اس مسئلے میں صحابہ کرامؓ کی رائے بھی مختلف رہی ہے ،لیکن احادیث سے زیادہ تائید امام ابو حنیفہؒ ہی کے مسلک کی ہوتی ہے ،اسی لیے بعض شافعی المسلک علماء محققین نے بھی اس مسئلے میں حنفی مسلک کو ترجیح دی ہے ،چناں چہ تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے یہی رویہ اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ظاہر نصوص اسی کی تائید کرتے

---

(۱) سنن الترمذی : کتاب الزکا قباب ما جا فی زکاۃ الحلی: ۱/ ۱۳۸

(۲) درس ترمذی: ۲/ ۴۵۵

(۳) مغنی: ۲/ ۶۰۲

ہیں، واللہ اعلم۔(۱)

عورتیں اپنے زیورات کی زکوۃ نکالیں

صاحبِ نصاب لوگ اگر ان وعیدوں کو پیش نظر رکھیں تو پھر وہ زکوۃ کی ادائیگی میں جی نہیں چرائیں گے، پھر گھر کی عورتیں جن کے پاس طرح طرح کے زیور رکھے ہوتے ہیں جن پر سال بھی گذر جاتا ہے اور زکوۃ بھی فرض ہو چکی ہوتی ہے، پھر بھی زکوۃ کی ادائیگی میں کوتاہیاں کرتی رہتی ہیں، اگر انھیں بھی اس سلسلے کی سخت ترین وعیدیں اور حدیثیں سنائی جائیں تو یہ غفلت بھی ختم ہو جائے گی، چناں چہ حدیث میں فرمایا گیا ہے۔

”عن أسماء بنت يزيد أن رسول الله ﷺ قال: أيما امرأة تقلدت قلادة من ذهب قلدت في عنقها مثلها من النار يوم القيامة و أيما امرأة جعلت في أذنها خرصا من ذهب جعل في أذنها مثله من النار“(۲)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت اپنے گلے میں سونے کا ہار ڈالے گی، اس کے گلے میں اسی طرح کا آگ کا ہار قیامت کے دن ڈالا جائے گا اور جو عورت اپنے کان میں سونے کی بالی ڈالے گی، اس کے کان میں اسی جیسی آگ کی بالی قیامت کے دن ڈالی جائے گی۔

اس حدیث سے عورتوں کے لیے بھی سونے کا پہننا ناجائز اور حرام معلوم ہوتا ہے اسی وجہ سے بعض علماء نے اس کو ابتدائے اسلام پر محمول کیا ہے، اس لیے کہ سب علماء کے نزدیک دوسری احادیث کی بنا پر عورتوں کے لیے سونے چاندی کا زیور جائز ہے؛ لیکن بعض علماء نے اس حدیث کو اور اس جیسی احادیث کو زکوۃ ادا کرنے پر محمول فرمایا اور بعض روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے، چناں چہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ہی کی روایت ہے کہ میں اور میری خالہ

---

(۱) معارف الحدیث: ۴/ ۴۰

(۲) سنن ابوداود: باب ما جاء في الذهب للنساء حدیث: ۴۲۳۸، اس حدیث کی سند ضعیف ہے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ہمارے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ان کی زکوۃ ادا کرتی ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تم اس بات سے نہیں ڈرتیں کہ اللہ تعالیٰ تمھیں آگ کے کنگن پہنائیں؛ لہٰذا تم ان کی زکوۃ ادا کیا کرو، یہ روایت اس مضمون میں صاف اور واضح ہے کہ جہنم کی آگ اس کے بدلے میں پہننا اس صورت میں ہے جب کہ ان کی زکوۃ ادا نہ کی جائے، عورتوں کو اس کا بہت خیال رکھنا چاہیے کہ جو زیور آج بدن کی زینت بن رہا ہے وہ زکوۃ ادا نہ کرنے کی صورت میں کل کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ بن کر بدن کا عذاب بنے گا۔

کیا مالِ تجارت پر زکوۃ کی فرضیت حدیث سے ثابت ہے؟

جس طرح سونے اور چاندی میں زکوٰۃ کا حکم منصوص ہے، اسی طرح مال تجارت میں بھی زکوٰۃ کا حکم منصوص ہے، اور مال تجارت سے مراد وہ مال ہے جس مال کو بیچنے ہی کی نیت سے خریدا گیا ہو، اور جو چیز اپنے استعمال میں رکھنے کی نیت سے خریدی گئی ہو، مگر ذہن میں یہ بات ہے کہ کبھی ضرورت پڑی تو فروخت کردیں گے، تو یہ مال تجارت نہیں ہے۔

(۱) قرآن مجید میں اس متعلق مطلق ارشادِ باری ہے۔ ”خذ من اموالھم صدقة تطھرھم وتزکیھم بھا“ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ ان کے مال سے زکوٰۃ لیں اور اس سے آپ ان کو پاک صاف کریں، اس میں مال تجارت اور مالِ غیر تجارت کے حکم کا استثناء نہیں ہے۔

(۲) آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے : جب تم نے اپنے مال (خواہ وہ مال کسی قسم کا ہو) کی زکوٰۃ ادا کردی تو تم نے اپنے اوپر کا حق ادا کردیا ”عن أبی ھریرة عن النبی ﷺ قال: اذا ادیت زکاة مالک فقد قضیت ماعلیک (۱) امام ترمذیؒ اس حدیث کے تحت ”لیس علی المسلم فی فرسه وعبده صدقة الخ“ مسلمان پر گھوڑے اور

(۱) ترمذی شریف: ۲/۶ حدیث: ۶۱۸، یہ حدیث حسن درجے کی ہے۔

غلام میں زکوٰۃ نہیں ہے“۔

فرماتے ہیں! اسی پر عمل ہے کہ چرنے والے گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں اور اسی طرح غلام میں بھی زکوٰۃ نہیں؛ مگر یہ اس وقت ہے جب یہ خدمت کے لیے ہوں؛ لیکن اگر تجارت کے لیے ہوں گے تو اس کی قیمت لگا کر حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ دینا فرض ہے۔

(۳) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس مال سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرماتے تھے جو مال ہم تجارت کے لیے رکھتے تھے ”عن سمرة بن جندب قال: أما بعد! فإن رسول الله ﷺ كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع“(۱)

(۴) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سامان پر زکوٰۃ نہیں ہے، مگر یہ کہ تجارت کے لیے ہو (تو پھر زکوٰۃ واجب ہے) ”عن ابن عمر رضي الله عنه قال ليس فى العروض زكاة الا ما كان للتجارة“(۲)

البتہ سونے چاندی کا نصاب الگ الگ طور پر منصوص ہے اور اموال تجارت کا نصاب مستقل طور پر منصوص نہیں ہے، بل کہ اس کو سونے اور چاندی کے نصاب کے ساتھ ملانے کا حکم ہے اور اسی سے کرنسی کا نصاب بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

(۵) حضرت حماس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گذرے اور فرمایا اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو، میں نے کہا: میرے پاس سوائے موزے اور چمڑے کے کچھ نہیں ہے (جو تجارت کے لیے تھے) آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کی قیمت لگاؤ اور زکوٰۃ ادا کرو۔ ”عن حماس رحمه الله قال مر علىّ عمرُ رضي الله عنه فقال أدّ زكاة مالك قال قلت: مالى مال أزكيه إلا فى الخفاف والأدم قال قوّمه وأدّ زكاته“(۳)

---

(۱) ابوداود: کتاب الزکاۃ، باب العروض إذا کانت للتجارۃ: ۱/ ۲۱۸

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی: ۶/ ۶۴ حدیث: ۷۶۹۸، ط: دار الفکر بیروت

(۳) مصنف عبدالرزاق، المجلس العلمی: ۴/ ۹۶، رقم: ۷۰۹۹

خلافِ حدیث مسلک

خاں صاحب بھوپالی فرماتے ہیں: یہیں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ تجارت کے مال میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ’’واز ینجا ایں دریافت شد کہ وجوبِ زکوٰۃ در اموال تجارت نیست۔‘‘(۱)

اور نواب حیدرآبادی فرماتے ہیں: ان کے سوا سامانوں اور جواہرات میں زکوٰۃ نہیں اگر چہ تجارت کے لیے ہوں ’’ولا شئی فی غیر ھا من الجواھر والعروض و لو کانت للتجارۃ‘‘(۲)

لیکن غیر مقلدین کا یہ مذہب کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ ائمہ فقہ وحدیث اور اجماع امت کے خلاف ہے، کتاب وسنت تو آپ نے ابھی پڑھ لیا اب علمائے امت کے فتاوی ملاحظہ فرمالیں:

(۱) حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں: جتنے سامان ہیں، گھر غلام، کپڑے، برتن اور استعمال کی چیزیں چوپائے و دیگر حیوانات اور سامان، ان میں زکوٰۃ نہیں ہے؛ مگر یہ کہ ان کو تجارت کے لیے خریدا جائے (یہ سامان اگر تجارت کے لیے ہوں گے تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی)‘‘ وأما العروض کلها من الدور والرقیق والثیاب وأنواع المتاع والدواب وسائر الحیوان والعروض فلا زکاۃ فی شئی منها إلا أن تبتاع للتجارۃ‘‘(۳)

(۲) المغنی میں حافظ ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں: سامانِ تجارت نفع کے لیے ہوتا ہے، جیسے ثمن (سونا چاندی وغیرہ) اس لیے اس میں (زکوٰۃ کے لیے) سال بھر گذرنے کا اعتبار کیا گیا ’’وعروض التجارۃ مرصدۃ للربح وکذلک الأثمان فاعتبر له الحول‘‘۔

---

(۱) عرف الجادی: ۶۵

(۲) کنز: ۴۵ بہ حوالہ: مسائل غیر مقلدین ابوبکر غازی پوریؒ: ۹۰

(۳) الکافی: ۲/ ۲۹۸

(۳) علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: جن چیزوں میں تجارت ہوتی ہے ممکن ہے کہ ان کی زکوٰۃ سامان کی قیمت لگا کر درہموں سے نکالی جائے "والأصناف التی یتجر فیہا یجوز أن یخرج عنہا جمیعا دراہم بالقیمۃ"(۱)

(۴) ابن منذرؒ نے کہا ہے کہ اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو سامان تجارت کے لیے ہوں گے ان میں حولانِ حول کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی، اس کو حضرت عمرؓ اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا گیا ہے، اور یہی حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے اور یہی مذہب فقہائے سبعہ کا بھی ہے، اور حضرت حسن بصریؒ، جابر بن زیدؒ، میمون بن مہرانؒ، طاؤسؒ، نخعیؒ، امام ثوریؒ، امام اَوزاعیؒ، امام اَبوحنیفہؒ، امام اَحمدؒ، اسحٰقؒ اور اَبوعبیدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (۲)

(۵) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: تجارت کی زکوٰۃ اجماعاً ثابت ہے۔ " إن زکاۃ التجارۃ ثابتۃ بالاجماع"(۳)

ان تمام دلائل کے بعد بھی یہ کہنا کہ سامانِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، خلاف حقیقت اور خلاف واقعہ ہے، اگر عورت کے استعمالی زیورات میں زکوٰۃ نہ ہو اور مالِ تجارت میں زکوٰۃ نہ ہو تو آخر کونسا مال باقی رہ جاتا ہے کہ اس کی زکوٰۃ نکالی جائے۔

مالِ مستفاد اصل مال سے ملحق کرنا حدیث سے ثابت ہے؟

اگر کسی شخص کے پاس سال کے درمیان اصل مال میں نفع حاصل ہو تو اس مال کو اصل مال کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ نکالی جائے گی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس شخص کے متعلق فرماتے ہیں جسے مال مستفاد حاصل ہو کہ" جب وہ مال حاصل ہو جائے زکوٰۃ ادا کر دے"

---

(۲) فتاوی شیخ الاسلام: ۲۵/۸۰

(۲) فتاوی شیخ الاسلام: ۲۵/۱۵

(۳) تحفۃ الاحوذی: ۲/۷

(سال گذرنا شرط نہیں ہے) ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہ :فی الرجل یستفید مالاً؟ قال :یزکیه حین یستفیده۔“(۱)

مسئلۂ ضم حدیث سے ثابت ہے؟

سونا، چاندی جب نصاب سے کم ہو تو دونوں کی قیمت لگا کر نصاب بنالیا جائے اور جب دونوں مل کر چاندی کے نصاب کو پہنچیں تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے،مثلاً: پانچ تولہ سونا اور تین تولہ سونے کے بقدر روپئے ہیں تو زکوٰۃ واجب ہے،اس لیے کہ روپئے کو چاندی کے درجے میں مان لیا گیا ہے، لہٰذا دونوں چیزیں ملا کر چاندی کا نصاب مکمل ہوا،جس طرح سونے چاندی کو ملایا جاتا ہے،اسی طرح سونے اور روپئے کو یا روپئے اور چاندی کو ملایا جائے گا۔

(۱) حضرت عبید اللہ بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مکحولؒ سے پوچھا اے ابوعبید اللہ! میرے پاس ایک تلوار ہے،جس میں ۱۵۰/درہم کی چاندی ہے تو میں کیسے زکوٰۃ نکالوں؟ آپؒ نے فرمایا: تمہارے پاس جو دوسرا سونا چاندی وغیرہ ہے اس کے ساتھ ملا لو،اگر سب کی قیمت دوسو درہم کو پہنچ جاتی ہے تو تم پر زکوٰۃ واجب ہے۔”عن عبید الله بن جبیر قال قلت لمکحول علیہ الرحمۃ :یا أبا عبید الله إن لی سیفا فیه خمسون و مئة درهم فهل علیّ فیه زکاة؟ قال:أضف إلیه ما کان لک من ذهب و فضة فإذا بلغ مائتی درهم ذهب و فضة فعلیک فیه الزکاة۔“(۲)

(۲) حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں اگر کسی کے پاس ۳۰/دینار اور سو درہم ہوں تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے،آپؒ دینار و درہم سب کو ایک شمار کرتے تھے۔(سب کو ملالیا جائے گا)”عن الحسن علیہ الرحمۃ أنه کان یقول:إذا کانت له ثلاثون دینارا و مئة درهم

---

(۱) المصنف لابن أبی شیبہ، کتاب الزکاۃ، باب فی المال المستفاده: ۶/۴۷۱/حدیث :۱۰۳۲۶،مؤسسہ علوم القرآن جدید
(۲) المصنف لا بن أبی شیبہ،مؤسسہ علوم القرآن:۶/ ۳۹۳

[illegible]"(۱)

(۳)"عن عبيدة رحمة الله علیه قال: سألت إبراهيم رحمة الله علیه عن رجل له [illegible] کی من [illegible] دينار، قال وسألت الشعبي فقال: يحمل الأكثر على الأقل ،أو قال :ألأقل على الأكثر،فإذا بلغت فيه الزكاة زكاهٔ۔(۲)

فکس ڈپازٹ رقم پر زکوٰۃ؟

بینک میں بطور فکس ڈپازٹ جمع کرنا دین قوی کے درجے میں ہے، جب مدتِ معینہ گذرنے پر پوری رقم ملے گی تو اصل جمع کی ہوئی رقم پر ہر سال زکوٰۃ واجب ہوگی؛ لیکن جو رقم بڑھ کر ملے گی وہ سود ہے اور قطعاً حرام ہے،اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔"فتجب زكاتها إذا تم نصاباً وحال الحول؛لكن لا فوراً؛بل عند قبض أربعين درہما من الدين القوي كقرض"۔(۳)

شادی یاحج کے لیے رکھی رقم پر زکوٰۃ

شادی کے واسطے یاحج کے واسطے یا خریداری مکان وتعمیر کے واسطے جو پیسے رکھا ہے اوراس پر سال گذرگیا ہے، یا مالِ تجارت گودام میں پڑا ہے اور سال گذرگیا،تو اس کی زکوٰۃ مالیت کا حساب لگا کر ڈھائی روپیے سیکڑہ کے حساب سے ادا کی جائے،ان سب اموال پر

---

(۱)المصنف لابن أبی شیبه :کتاب الزکاة،فی الرجل تکون عنده مئة درہم وعشرة دنانیر:۶/ ۳۹۳، ۳۹۴حدیث:۹۹۸۰،مؤسسہ علوم القرآن جدید

(۲)کتاب الزکاة فی الرجل تکون عنده مئة درہم وعشرة دنانیز :۳۹۳/۶حدیث: ۹۹۷۸مؤسسه علوم القرآن

(۳)شامی ،الزکاۃ/ باب زکاۃ المال:۲۳۶/۳،ط:زکریا،خانیۃ:۲۵۳/۱،الفتاویٰ الہندیۃ:۱۷۵/۱، بدائع الصنائع:۹۰/۲

زکوٰۃ واجب ہے۔ "ومنها کون المال نصاباً"۔(۱)

مکان کے کرایہ پر زکوٰۃ؟

مکان کی آمدنی جوکہ کرایہ کی شکل میں آتی ہے، اس کو دیگر ذرائع آمدنی میں شامل کرلیا جائے گا اور اگر وہ سب مال زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

"وقیمة العرض للتجارۃ تضم إلی الثمنین لأن الکل للتجارۃ وضعاً وجعلاً"(۲)

مکان بنا کر بیچنے کی غرض سے خریدی ہوئی زمین کا حکم

فلیٹ بنا کر بیچنے کے ارادے سے زمین خریدا تو مکمل زمین اور اس میں تعمیر شدہ مکانات خواہ مکمل ہوں یا نامکمل، سب سامان تجارت میں شامل ہیں، اور سال مکمل ہونے پر جس قدر بھی زمین اور جتنے فلیٹ ملکیت میں ہوں گے، ان سب کی اس وقت فروختگی کی قیمت لگا کر زکوٰۃ نکالنی ضروری ہوگی، اور جو فلیٹ اور پلاٹ فروخت ہو چکے ہیں، ان کی رقم جس قدر اس وقت جمع ہو اس پر بھی حسب ضابطہ زکات واجب ہوگی۔(۳)

"عن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال :أما بعد فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمرنا أن نخرج الصدقة من الذى نعد للبيع"۔(۴)

PF پرائیویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا حکم

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة: ۱/ ۱۷۳، احسن الفتاویٰ: ۴/ ۲۶۴، فتاویٰ دارالعلوم: ۶/ ۶۴، انوار مناسک: ۱۶۰، فتاوی محمودیہ: ۹/ ۳۳۹، ط: ڈابھیل

(۲) الدر المختار علی ہامش رد المحتار/ باب زکاۃ المال: ۳/ ۲۳۴، ط: زکریا، فتاویٰ دارالعلوم: ۶/ ۱۳۳

(۳) مستفاد از: کفایت المفتی: ۴/ ۲۵۰

(۴) السنن الکبریٰ للبیہقی: ۴/ ۲۴۷ رقم: ۷۵۹۷، سنن أبی داود: ۲۹۱ رقم: ۱۵۶۲، ط: دار الفکر بیروت

سرکاری ملازموں کی تنخواہ سے جو رقم پرائیویڈٹ فنڈ کے نام سے کاٹی جاتی ہے، دورانِ ملازمت پرائیویڈٹ فنڈ پر ملازم کی ملکیت نہیں ہوتی ہے؛ بل کہ اس فنڈ کے ضابطے کے اعتبار سے ملازمت ختم ہونے پر ہی پورا فنڈ ملازم کو ملتا ہے، رہا ملازم جب چاہے اپنا فنڈ نکال سکتا ہے، تو یہ نکالنا مالکانہ حیثیت سے نہیں ہوتا؛ بل کہ ملازم کو پرائیویڈٹ فنڈ کی بنیاد پر مذکورہ رقم بطور قرض دی جاتی ہے اور پھر اس کی حسبِ ضابطہ قسطیں باندھ دی جاتی ہیں، جنھیں ماہ بہ ماہ ملازم کی تنخواہ سے پورا کیا جاتا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اختتامِ ملازمت سے قبل پرائیویڈٹ فنڈ پر ملازم کو مالکانہ تصرف کا اختیار نہیں ہے؛ لہٰذا ابھی اس پر فنڈ میں موجود رقم کی زکوٰۃ دینی واجب نہیں ہے، اس کے برخلاف بینک میں جمع شدہ رقم پر مالک کا مکمل اختیار ہوتا ہے؛ اس لیے اس رقم میں زکوٰۃ کے وجوب میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

”و روى ابن سماعة عن أبي يوسف عن أبي حنيفة رحمهم الله أنه لا زكاة فيه حتى يقبض المائتين ويحول عليه الحول من وقت القبض وهو أصح الروايتين عنه“۔(۱)

L.I.C فنڈ کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟

ایل آئی سی (زندگی بیمہ) کی جو رقم مالک کی اجازت اور رضامندی سے وضع ہوتی ہے، اس میں ہر سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی؛ اس لیے کہ یہ ملازم کی ملکیت ہے، اور وہ جب چاہے اسے لے سکتا ہے، یہ رقم بینک میں رکھے ہوئے روپئے کے مانند ہے اور اس بیمہ پر جو زائد رقم ملے گی وہ حرام ہے، اس حرام رقم سے اگر حج کرے گا تو فریضہ گو کہ ساقط ہو جائے گا؛ لیکن ثواب سے محروم رہے گی۔ ”واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوي و متوسط و ضعيف: فتجب زكاتها إذا تم نصاباً وحال الحول لكن لا فوراً بل عند قبض أربعين درهماً من الدين القوى كقرض وبدل مال تجارة،

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۹۰، امداد الفتاویٰ: ۲/۴۸

فکلما قبض أربعين درهما يلزمه درهم“۔(۱)

نابالغ کے مال پر زکوٰۃ نہیں

نابالغ پر زکوٰۃ واجب نہیں، اگرچہ اس کے پاس کتنا ہی مال ہو، اور نہ اس کے والدین کو اس کے مال سے زکات نکالنے کا اختیار ہے۔ ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: لا يجب على مال الصغير زكاة حتى تجب عليه الصلاة“۔(۲)

نابالغ کو زکوۃ دینے کا حکم

[۱] اگر نابالغ بچے کے والد باحیات ہیں اور صاحب نصاب نہیں ہیں، تو نابالغ بچے کو زکوۃ دینا درست ہے [۲] نابالغ بچہ اگر یتیم ہو اور مالدار ہو، تو اُس کو زکوۃ دینا درست نہیں [۳] اگر نابالغ بچہ مستحق زکوۃ ہو، عقل مند اور سمجھ دار ہو، مال پر قبضہ اور ملکیت کو سمجھتا ہو تو اس کو زکوۃ دینا جائز ہے، اور اگر قبضے کو نہ سمجھتا ہو اور لین دین کے قابل نہ ہو تو ایسے بچہ کو زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی، تاہم اگر چھوٹا بچہ مستحق زکوۃ ہو اور بچے کا ولی (بھائی، چچا وغیرہ) اس کی طرف سے قبضہ کرے تو ادا ہو جائے گی۔ ”(و) لا إلى (طفله) بخلاف ولده الكبير وأبيه وامرأته الفقراء وطفل الغنية فيجوز لانتفاء المانع.(قوله : ولا إلى طفله) أي الغني فيصرف إلى البالغ ولو ذكرا صحيحا قهستاني، فأفاد أن المراد بالطفل غير البالغ ذكرا كان أو أنثى في عيال أبيه أو لا على الأصح لما عنده أنه يعد غنيا بغناه نهر“۔(۳)

قرض لے کر کھولی گئی دکان کی زکوٰۃ کس طرح نکالے؟

---

(۱) درمختار مع الشامی: ۳/۲۳۶ زکریا
(۲) سنن الدارقطنی: ۲/۹۷ رقم: ۱۹۶۲
(۳) الدر المختار مع رد المحتار ۲/۳۵۰: ط: دار الفکر، بیروت

اگرکوئی شخص روپیے قرض لے کر دکان کھولی اور ایک سال پورا ہوگیا،لیکن قرض پورا باقی ہے، اوراس دوران جو اس دکان سے منافع ہوتے ہیں، اس کو یا تو اپنی ضروریات میں خرچ کرلیایا اسی کا سامان خرید کر دکان میں لگا دیا ہے، تو حکم یہ ہے کہ دکان کی پوری مالیت سے قرض نکالنے کے بعد اگر نصاب کے برابر مالیت بچتی ہے،تو اس بچت کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے، اور اگر قرض نکالنے کے بعد بقدر نصاب مالیت نہیں بچتی تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ ”عن السائب بن يزيد أن عثمان بن عفان رضي الله عنه كان يقول: هٰذا شهر زكاتكم، فمن كان عليه دين فليؤد دينه، حتى تحصل أموالكم فتؤدوا منها الزكاة“۔(۱)

بینک سے ملنے والی اضافی رقم سے زکوٰۃ ادا کرنا؟

بینک سے ملنے والی اضافی رقم سے زکوٰۃ ادا کرنا جائز نہیں ہے، اس سے فریضہ ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، اور مالِ حرام سے زکوٰۃ ادا کرنے کا گناہ الگ سے ذمہ میں لازم ہوگا، اصل حلال روپیے سے زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔ ”عن أبي المليح عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم: لا يقبل الله عز وجل صدقة من غلول ... الخ“۔(۲)

زکوٰۃ کی وصول یابی کے لیے کسی کو کمیشن پر رکھنا؟

جو لوگ زکوٰۃ لینے کے حق دار ہیں اور وہ لوگ نابینا، معذور یا اپاہج ہیں، انھیں کمیشن پر زکوٰۃ وصول کرنا قطعاً ناجائز ہے، اور انفرادی ضرورت کے لیے تنخواہ دار ملازم رکھنا بھی دیگر فقراء کی حق تلفی کی بنا پر ممنوع ہے، صرف اجتماعی ضرورت کے لیے ہی ایسا نظام بنایا جاسکتا

---

(۱) رواہ الامام محمد فی الموطا: ۱۲۸

(۲) سنن أبی داود: ۹/۱، حدیث: ۵۹، صحیح مسلم، حدیث: ۲۲۴، سنن نسائی، حدیث: ۱۳۹

ہے۔(۱)

دکان یا مکان وغیرہ کے کرایہ میں ڈپازٹ کی رقم پر زکوٰۃ

آج کل بڑے شہروں میں دکان یا مکان کی کرایہ داری میں مالک مکان یا دکان ڈپازٹ کے نام سے بڑی رقمیں لیتا ہے، جنہیں دکان یا مکان کے خالی کرنے کے وقت واپس کر دیا جاتا ہے، تو یہاں بحث یہ ہے کہ اس ڈپازٹ کی رقم کی زکوٰۃ کون ادا کرے؟ کرایہ دار یا مالک؟ تو بظاہر اس کی حیثیت رہن کی معلوم ہوتی ہے اس بناء پر اس کی زکوٰۃ شئ مرہون کے ضابطہ کے اعتبار سے نہ تو مالک پر واجب ہونی چاہئے اور نہ کرایہ دار پر۔(۲)

نوٹ: ڈپازٹ کی رقم کو رہن ماننے کی صورت میں اصل حکم شرعی یہ ہوگا کہ یہ ڈپازٹ کی رقم مالک اپنے تصرف میں بالکل نہ لائے؛ بلکہ بطور امانت محفوظ رکھے؛ لیکن عمل اس کے برخلاف ہے، کیوں کہ کوئی بھی مالک مکان، کرایہ دار سے اس رقم کو لے کر محفوظ نہیں رکھتا؛ بلکہ بلا تکلف اپنے ذاتی استعمال میں لاتا ہے۔ الا ما شاء اللہ۔ لہٰذا مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ شئ مرہون میں تصرف کر لینے کی بنا پر اسے رہن کے بجائے دین مضمون کے درجہ میں رکھا جائے، یعنی یہ رقم گویا کہ مالک پر کرایہ دار کی طرف سے دین ہے؛ لہٰذا اس کی زکوٰۃ مالک دکان یا مکان پر واجب نہیں ہوگی؛ بلکہ کرایہ دار پر واجب ہوگی جو اس رقم کا اصل مالک ہے، چناں چہ علامہ شامیؒ نے بیع الوفاء کی ثمن کے متعلق بحث کرتے ہوئے جو رائے ظاہر فرمائی ہے اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، موصوف فرماتے ہیں: قلت: ینبغی لزومها علی المشتری فقط علی القول الذی علیه العمل الآن من ان بیع

---

(۱) مستفاد: احسن الفتاوی: ۲۷۶/۷، ایضاح المسائل: ۱۲۲

(۲) مستفاد: محمود الفتاویٰ ۲۶/۲، ۴۶۱/۲، نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے ۵۴، کتاب الفتاویٰ ۲۷۸/۳۔

الوفاء منزل منزلة الرهن وعلیه فیکون الثمن دینا علی البائع ۔(۱)

تاہم اس بارے میں یہ تفصیل مناسب ہے کہ اگر کرایہ داری معاہدہ میں مکان یا دکان خالی کرنے کا کوئی قریبی وقت مقرر ہے تو یہ ڈپازٹ کی رقم ''دین قوی'' کے درجہ میں ہوگی، اور جب مقررہ وقت پر کرایہ دار دکان یا مکان خالی کرکے اپنی رقم واپس وصول کرلے گا تو سابقہ سالوں کی زکوٰۃ بھی ادا کرنی واجب ہوگی، اور اگر کرایہ کے معاہدہ میں مکان یا دکان خالی کرنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے تو یہ دین متوسط یا دین ضعیف کے درجہ میں ہے، یعنی کرایہ دار رقم وصول کرنے کے بعد سابقہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کا مامور نہ ہوگا؛ بلکہ جب رقم اس کے قبضہ میں آجائے گی اسی وقت سے زکوٰۃ کا حساب شروع ہوگا، واللہ اعلم ۔(۲)

طویل المیعاد قرضے مانع زکوٰۃ ہیں یا نہیں؟

آج کل کاروباری لوگ بینکوں سے بڑی بڑی رقومات بطور قرض لے لیتے ہیں، یہ رقومات بسا اوقات اتنی کثیر ہوتی ہیں کہ ان کو اگر مانع زکوٰۃ قرار دیا جائے، تو بڑے بڑے سرمایہ داروں پر زکوٰۃ واجب ہی نہ ہو، اس لئے ان کاروباری قرضوں کے بارے میں محتاط رائے یہی ہے کہ ہر سال جتنی قسط کی رقم واجب الاداء ہوتی ہے، بس اسی قدر روپیہ اصل سرمایہ سے منہا کیا جائے، اور بقیہ کل مالیت کا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے شوہر پر بیوی کا دین مہر مؤجل اس کے لئے مانع زکوٰۃ نہیں ہوتا، پس اسی طرح یہ طویل المیعاد قرضہ بھی مانع نہ ہوگا ۔(۳)

گذشتہ سال کی زکوٰۃ کی رقم منہا کرکے حساب لگایا جائے

---

(۱) شامی بیروت ۳/۱۶۶ ۔

(۲) کتاب المسائل: ۲/۲۲۲ ۔

(۳) مستفاد : فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۶/۴۶، فتاویٰ حقانیہ ۳/۵۱۰، آئینہ رمضان ۴۲۳ ۔

اگر کسی شخص نے ایک سال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تا آں کہ دوسرا سال آگیا تو پہلے سال جو زکوٰۃ کی رقم واجب ہوئی تھی وہ چوں کہ اس کے ذمہ دین ہے اس لئے اس رقم کو الگ کر کے زکوٰۃ کا حساب لگایا جائے گا، اور سابقہ واجب شدہ رقم بہر حال الگ سے ادا کرنی ہوگی۔ سواء کان لله کز کاۃ۔(۱)

حقوق اللہ سے متعلق کون سے مطالبات مانع زکوٰۃ نہیں

ہر ایسا دین جس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو اور کسی انسان کی طرف سے اس کا مطالبہ نہ ہو، مثلاً نذر، کفارات، صدقۃ الفطر اور حج کا وجوب تو ان کی رقومات کو اصل سرمایہ سے منہا نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ اگر ان امور کے لئے رقم رکھی ہو اور سال پورا ہونے کا وقت آجائے تو اس پوری رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی، مثلاً کسی شخص نے حج کا ارادہ کیا ہے اور رمضان میں اس کا زکوٰۃ کا سال پورا ہوتا ہے، اور اس نے حج کے لئے جو رقم جمع کر رکھی ہے وہ سال پورا ہونے کے وقت اس کے پاس موجود رہے تو کل رقم پر زکوٰۃ فرض ہوگی حج کی رقم کو منہا نہیں کیا جائے گا۔" وکل دین لا مطالب له من جهة العباد کدیون الله تعالی من النذور والکفارات وصدقة الفطر ووجوب الحج لا یمنع"۔(۲)

زکوٰۃ خوش دلی سے دی جائے

اہل ثروت حضرات کو ہمیشہ خوش دلی اور بشاشت کے ساتھ زکوٰۃ نکالنی چاہئے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے اس عبادت کو انجام دینے کی توفیق عطا فرمائی، اور کبھی بھی زکوٰۃ دیتے ہوئے دل تنگ نہ ہوں، اور نہ اسے اپنے اوپر بوجھ سمجھیں، زکوٰۃ کو بوجھ سمجھنا یہ قیامت کی علامات میں سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: جب امت میں پندرہ خصلتیں

---

(۱) درمختار مع الشامی زکریا ۱۷۶/۳ الطحطاوی علی المراقی دار الکتاب دیوبند ۷۱۴۔

(۲) عالمگیری ۱۷۳/۱، شامی زکریا ۱۷۷/۳، ومثله فی البدائع ۸۵/۲، ہدایۃ ۲۰۲/۱، تبیین الحقائق ۲۴/۲، البحر الرائق ۳۵۷/۲، بحوالہ: کتاب المسائل: ۲۲۶/۲۔

عام ہوجائیں گی تو ان پر پے در پے مصائب اور بلاؤں کا نزول ہوگا، ان باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھنے لگیں گے۔ ''والزکوۃ مغرما''۔(۱) اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ جو شخص جتنی خوش دلی سے زکوٰۃ ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اتنا ہی اسے کاروباری برکت سے نوازتے ہیں اور نقصانات سے حفاظت رہتی ہے۔

سوتیلی ماں، بہو یا داماد کو زکوٰۃ دینا

آدمی اپنی سوتیلی ماں، بہو (بیٹے کی بیوی) یا داماد (بیٹی کے شوہر) کو زکوٰۃ دے سکتا ہے، جب کہ وہ مستحق زکوٰۃ ہوں۔ ''ویجوز دفعها الزوجة ابيه وابنه وزوج ابنته''۔(۲)

زکوٰۃ کی رقم سے تبلیغی جماعت میں جانا

کوئی شخص اپنی ذاتی زکوٰۃ کی رقم سے تبلیغی جماعت یا کسی بھی دینی سفر میں نہیں جاسکتا (البتہ کسی غریب مستحق شخص کو زکوٰۃ کی رقم ملی اور وہ اس کے ذریعہ جماعت میں چلا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے)

رفاہی ہسپتال میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا

ہسپتال کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم لگانا جائز نہیں ہے؛ البتہ زکوٰۃ کی رقم سے دوائیں خرید کر غرباء اور مستحق لوگوں کو دینا شرعاً درست ہے؛ لیکن غیر مستحق لوگوں کو زکوٰۃ کی رقم سے خریدی گئی دوائیں دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، نیز مالِ زکوۃ پر مریض کا قبضہ ضروری ہے، راست ڈاکٹر کے حوالے کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ ''ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً

---

(۱) ترمذی شریف ۲/ ۴۵

(۲) شامی زکریا ۳/ ۲۹۳، تاتارخانیۃ زکریا ۳/ ۲۱۱، فتاوی محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۵۳۹-۵۴۰

لا اباحۃً"۔(۱)

تملیک اور حیلۂ تملیک

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے غریب مستحق کو مالک بنانا شرط ہے، اور جہاں تملیک نہ پائی جائے (مثلاً تعمیرات یا رفاہی امور) وہاں زکوٰۃ کی ادائیگی درست نہ ہوگی، اصل مسئلہ یہی ہے؛ لیکن فقہاء نے ضرورت کے موقع پر حیلۂ تملیک کی گنجائش دی ہے۔ من علیه الزکوٰۃ إذا أراد أن یکفن میتاً عن زکوٰۃ ماله لا یجوز، فالحیلة أن یتصدق بها علی فقیر من أهل المیت ثم هو یکفن به المیت فیکون له ثواب الصدقة ولأهل المیت ثواب التکفین، وکذٰلک فی جمیع أبواب البر الذی لا یقع به التملیک کعمارة المساجد وبناء القناطر والرباطات لا یجوز صرف الزکوٰۃ إلی هذه الوجوه۔ والحیلة أن یتصدق بمقدار زکوٰۃ علی فقیر ثم یأمره بعد ذٰلک بالصرف الی هٰذه الوجوه فیکون للمتصدق ثواب الصدقة ولذٰلک الفقیر ثواب بناء المسجد والقنطرة۔ (۲)

تنبیہ : یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حیلہ اصل قانون کا درجہ نہیں رکھتا؛ بلکہ واقعی ضرورت کی تکمیل اور قانون کے حدود کی حفاظت کے لئے حیلہ اختیار کرنے کی اجازت مجبوراً دی جاتی ہے، اور حیلہ کے بارے میں بنیادی اصول یہ ہے کہ اگر شریعت پر عمل کے لئے حیلہ کیا جائے تو بلا کراہت اس کی گنجائش ہوتی ہے، اور اگر مقاصد شریعت کو نظر انداز کر کے حیلہ کیا جائے تو ایسا حیلہ سخت مکروہ ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص اپنے اوپر زکوٰۃ کے وجوب کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرے تو اس کی اجازت نہ ہوگی؛ البتہ اگر دینی ضرورت کی تکمیل کے

---

(۱) درمختار مع الشامی بیروت ۳/ ۲۶۳، فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۴/ ۲۴۶، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/ ۴۰۵

(۲) تاتارخانیۃ زکریا ۱۰/ ۳۱۸

لئے حیلہ کیا جائے جب کہ اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ ہو تو یہ بلا کراہت درست ہوگا۔ مثلاً کسی جگہ دینی پسماندگی کی وجہ سے مسلم آبادی کا دین وایمان خطرہ میں ہے اور زکوٰۃ کے علاوہ امدادی رقوم سے وہاں دینی تعلیم کا نظام قائم کرنا مشکل ہے، تو اس طرح کی سخت ضرورتوں کے مواقع پر حیلۂ تملیک کی گنجائش ہوتی ہے، اور جہاں حیلہ کے بغیر ضرورت پوری ہو سکتی ہو تو وہاں حیلۂ تملیک جائز نہ ہوگا۔'' فذهب علماء نا رحمهم الله تعالىٰ أن كل حيلة يحتال بها الرجل لابطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة، وفي العيون وفي جامع الفتاوىٰ لا يسعه ذٰلك۔ وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام او ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة''۔(۱)

آج کل حیلۂ تملیک اپنانے میں بہت لاپرواہی برتی جاتی ہے، اور عام طور پر حیلہ ہی کو قانون کا درجہ دے دیا گیا ہے، چناں چہ زکوٰۃ کی رقومات بے تکلف حیلۂ تملیک کے بعد غیر مصارف میں صرف کی جاتی ہیں، اور اس بے احتیاطی کا کوئی احساس تک نہیں ہوتا، حالاں کہ یہ معاملہ بہت نازک ہے، مبتلا بہ شخص کو'' فی ما بینه وبین الله'' دیانۃً فیصلہ کرنا چاہئے کہ آیا واقعۃً حیلۂ تملیک کی ضرورت ہے یا نہیں، اگر ضمیر مطمئن ہو تو اس کا اقدام کیا جائے ورنہ اس سے احتراز لازم ہے۔(۲)

حیلۂ تملیک کی کئی صورتیں

(۱) فقیر کو زکوٰۃ کے مال کا بالکلیہ مالک بنادیا جائے، پھر اس سے کہا جائے کہ فلاں جگہ پر خرچ کی ضرورت ہے، تم اپنی طرف سے وہاں خرچ کردو، تو اگر وہ برضا ورغبت اس جگہ خرچ کردے گا تو اس عمل کا اسے ثواب ملے گا، اور زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی۔

---

(۱) تاتارخانیۃ زکریا ۱۰/ ۳۱۳، کفایت المفتی ۴/ ۲۸۵

(۲) مستفاد: محمود الفتاویٰ ۳/ ۴۸-۵۶ مفتی احمد خانپوری مدظلہ

وا [illegible] إلى هذه الوجوه فيكون [illegible] ثواب الصدقة ولذلك الفقير ثواب الصرف۔(۱)

(۲) فقیر سے کہا جائے کہ تم اپنے طور پر قرض لے کر فلاں ضرورت میں خرچ کر دو، اور خرچ کے بعد فقیر کے قرض کی ادائیگی زکوٰۃ کی رقم سے کر دی جائے، تو ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ ”والدفع إلى من عليه الدين أولى من الدفع إلى الفقير“۔(۲)

(۳) مدرسہ کا جتنا ماہانہ خرچ بشمول مطبخ، تعلیم وتنخواہ مدرسین آتا ہو اس کو طلبہ کی تعداد پر تقسیم کر کے جو حاصل آئے اتنی رقم ہر طالب علم پر بطور فیس مقرر کر دی جائے، اور ہر مہینے فیس کے بقدر رقم بطور وظیفہ طالب علم کو دیکر اس سے بطور فیس واپس لے لی جائے، تو فیس کی شکل میں جو رقم واپس آئے گی اس کو مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے۔(۳)

داخلہ فارم پر لکھا ہوا وکالت نامہ اور حیلۂ تملیک

آج کل بعض مدارس میں طلبہ سے فارم داخلہ پر لکھوالیا جاتا ہے کہ: ”میں مہتمم صاحب کو اپنی طرف سے مدرسہ کے فنڈ میں سے زکوٰۃ وصول کر کے ضروریات میں خرچ کرنے کا اختیار دیتا ہوں“ اور محض اس اجازت کو حیلۂ تملیک کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے، حالاں کہ یہ محض کاغذی کارروائی ہوتی ہے اس میں عملاً قبضہ وغیرہ کچھ نہیں ہوتا، بریں بنا اس توکیل کو معتبر ماننے میں بعض اکابر مفتیانِ عظام نے بجا طور پر تردد ظاہر کیا ہے۔(۴)

تاہم یہ حیلہ اسی وقت درست ہوسکتا ہے جب کہ ہر طالب علم کے نام کھاتہ کھول کر ایک خاص رقم اس کی طرف اس طرح منتقل کی جائے کہ وہ اس میں خود تصرف کرنے کا مجاز ہو، اس کے بعد وہ مہتمم مدرسہ کو اپنے کھاتے سے رقم نکالنے کی اجازت دے تو یہ اجازت معتبر

---

(۱) تاتارخانیۃ زکریا ۳/ ۲۰۸، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۵۰۵

(۲) ہندیۃ ۱/ ۱۸۸

(۳) فتاویٰ رحیمیہ ۵/ ۱۵۰، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۶۰۳، محمود الفتاویٰ ۲/ ۴۷

(۴) دیکھئے: محمود الفتاویٰ ۲/ ۴۲-۴۳

مانی جائے گی، اس کے برخلاف جہاں اصل پر طالب علم کا کچھ اختیار نہیں ہے وہاں توکیل کا کیا مطلب ہے؟(۱)

زکوٰۃ سے دنیاوی مقاصد کا حصول

بعض لوگ زکوٰۃ سے دنیوی اغراض نکالنا چاہتے ہیں، جوکہ خلوص کے خلاف ہے، مثلاً اپنے نوکروں کو زکوٰۃ اس خیال سے دیتے ہیں کہ یہ ہم سے زیادہ دب کر رہیں گے اور کام خوب کریں گے اور بعض زبان سے بھی جتلانے لگتے ہیں کہ نمک حرام تجھ کو اتنی تنخواہ دیتے ہیں، زکوٰۃ بھی؛ مگر تو ایسا احسان فراموش ہے وغیرہ، اس عمل سے زکوٰۃ تو ادا ہو جائے گی؛ لیکن ثواب اکارت ہو جائے گا۔

حرام مال مخلوط ہو جانے کا عذر

بعض یہ عذر کرتے ہیں کہ ہمارا مال حلال نہیں، زکات نکال کر کیا فائدہ؟ پس سمجھ لینا چاہیے کہ حرام مال جب اپنے مال میں مل گیا وہ مِلک میں داخل ہو گیا، گو ملک خبیث ہی ہو اور وجوب زکوٰۃ کے لیے ملک ہونا شرط ہے، طیب ہونا شرط نہیں، طیّب ہونا مقبولیت کی شرط ہے، زکوٰۃ تو واجب ہوگی گو مقبول نہ ہوگی، پھر دینے سے کیا فائدہ؟ جواب یہ ہے کہ نہ دینے سے جو عذاب ہوتا اس سے محفوظ رہے گا اور قبول نہ ہونے سے عذاب نہیں ہوتا ثواب سے محرومی ہوتی ہے۔

دعوت کے ذریعے زکوٰۃ کا حکم

بعض لوگ زکوٰۃ کے روپیے کا غلہ یا کھانا مساکین کو کھلا دیتے ہیں، اگر کھانا پکا کر ان کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور ان کو اختیار ہو لے جانے کا یا بیٹھ کر کھا لینے کا اور اس کی ان کو اطلاع بھی کر دی جائے اور وہ کھانا قیمت میں اس قدر ہو جتنی زکوٰۃ اس کے ذمہ تھی تب

---

(۱) کتاب المسائل: ۲/۲۷۴

تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور اگر لے جانے کا اختیار نہ ہو بل کہ بٹھلا کر کھلایا جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، یہی حکم کپڑوں کا ہے، اگر زکوٰۃ کی رقم کا کپڑا خریدا اور سلوایا اور وہ کپڑا سلنے کے بعد وہ اتنی رقم کا ہے جتنی زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب ہے، اگر کسی وجہ سے اس کی قیمت گھٹ گئی، یا کپڑا ناواقفی سے مہنگا خریدا، یا سلوانے میں بگڑ گیا، تو بقدر گھٹنے کے اور زکوٰۃ دینا پڑے گا۔

قرض میں زکوٰۃ دینے کا حکم

بعض آدمی سمجھتے ہیں کہ ہمیں ہزار روپیے زکوٰۃ میں دینا ہے اور چوں کہ خود کے ہزار روپیے فلاں غریب آدمی کے ذمہ ہے اس کو زکوٰۃ میں شمار کرلیں گے، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ میں تملیک کامل شرط ہے، البتہ ایک طریقہ ہے کہ اول اس شخص کو ہزار روپے بہ نیت زکوٰۃ دیں اور جب وہ اس روپیے پر مالک اور قابض ہو جائے تب اس سے اپنا قرضہ مانگے اور اگر وہ نہ دے تو جبراً چھین لینا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

غریب لڑکی کی شادی میں زکوٰۃ دینا

رمضان میں بعض لوگ غریب لڑکی کی شادی کے انتظام کے لیے زکوٰۃ کا مطالبہ کرتے ہیں، اور لوگ ایسے موقع پر جلد آمدہ بھی ہو جاتے ہیں، اور حسب استطاعت حدود شرع کی رعایت کرتے ہوئے تعاون کرنا بھی ضروری ہے، مگر مسئلہ بھی جان لیں کہ کہیں دوسرے کی دنیا بسانے اپنی آخرت خراب نہ ہو جائے کہ زکوٰۃ ادا نہ ہو پائے، ایسے موقع پر زکوٰۃ سے زیادہ اپنا ذاتی مال پیش کرنا اخلاقی فریضہ ہے، لوگ سارا کام زکوٰۃ زکات ہی سے نکالنا چاہتے ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ لڑکی غریب و مستحق زکوٰۃ ہے یعنی صاحب نصاب نہیں ہے تو زکوٰۃ کے پیسوں سے اس کی شادی کا سامان خرید کر اسے دینا جائز ہے، لیکن صاحب نصاب ہونے سے پہلے پہلے، اور جب وہ صاحب نصاب ہو جائے گی تو اسے زکوٰۃ کے پیسوں سے مزید کوئی سامان خرید کر دینا درست نہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اور اگر اس کے لیے پہلے ہی سے زکوٰۃ

کے پیسوں سے سامان خرید کر رکھیں گے، ابھی اسے مالک نہیں بنائیں گے تو جب مالک بنائیں گے، اس وقت اس کے صاحب نصاب ہونے، نہ ہونے کا اعتبار ہوگا اور زکوٰۃ کی ادائیگی بھی اسی وقت ہوگی۔

اگر جہیز وغیرہ کوئی غریب قصداً نہیں دیتا ہے بلکہ مجبوراً دیتا ہے کہ نہ دے تو لڑکی کی شادی نہیں ہوگی، تو ایسے غریب کو شادی کے لیے زکوٰۃ کے پیسے دینا بھی ثواب ہے، بشرطیکہ ابھی لڑکی صاحب نصاب نہ بنی ہو۔

کتاب المسائل میں ہے کہ ”اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ جو شخص غریب اور فقیر ہو اسے زکوٰۃ دینا درست ہے؛ لیکن آج کل غریب بچیوں کی شادی کے نام پر جو باقاعدہ چندہ کیا جاتا ہے اس میں یہ شرعی خرابی پیش آتی ہے کہ اولاً دو ایک اصحابِ خیر کے تعاون سے نصاب کے بقدر رقم جمع ہو جاتی ہے؛ لیکن واہی تباہی رسومات اور لمبی چوڑی دعوتوں کے انتظام کے لئے مزید رقم کا سوال جاری رہتا ہے، تو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ بقدر نصاب مال حاصل ہونے کے بعد مزید زکوٰۃ کی رقم لینا ہرگز جائز نہیں ہے، اور دینے والے کو اگر اصل صورتِ حال معلوم ہو تو اس کے لئے دینا بھی درست نہیں ہے“۔(۱) اس لئے ایسی جگہوں پر اگر خرچ ناگزیر ہو تو امدادی رقم سے تعاون کیا جائے، زکوٰۃ نہ دی جائے، احوط یہی ہے۔ ”لا یحل ان یسأل شیئاً من القوت من له قوت یومه بالفعل او بالقوة کالصحیح المکتسب ویأثم معطیه ان علم بحاله لإعانته علی المحرم“۔(۲) ”وفي الشامي: لٰکنه یجعل هبة وبالهبة للغني اولمن لا یکون محتاجاً إلیه لا یکون أثماً الخ“۔(۳)

اگر اس کے ماں باپ غریب و مستحق زکوٰۃ ہوں تو انھیں زکوٰۃ دینا درست ہے، ورنہ نہیں۔ ”ولا إلی غني یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلیة من أي

(۱) فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۹/ ۵۲۹۔

(۲) درمختار زکریا ۳/ ۳۰۶، ومثلہ فی الہندیہ ۱/ ۱۸۸۔

(۳) شامی زکریا ۳/ ۳۰۶۔

مال کان"الخ (۱)

حج کے پیسے پر زکوۃ کا حکم

(۱) حج کی نیت سے رقم الگ کی گئی لیکن کسی بینک یا ایجنٹ کو نہیں دی گئی ہے، یا سرکاری اسکیم میں جمع کرائی ہے اور ابھی تک قرعہ اندازی نہیں ہوئی تو سال گزرنے پر اس رقم کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔

(۲) اسی طرح سرکاری اسکیم میں حج یا عمرہ کے لیے منظوری آگئی مگر رقم جمع نہیں کی ہے تو زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔

(۳) اسی طرح اگر مکمل رقم جمع کرنے کے بجائے ڈاؤن پیمنٹ کے طور پر کچھ رقم جمع کی ہے، اور بقیہ رقم بعد میں ادا کرنے کی نیت سے اپنے پاس رکھ رکھی ہے، اور وہ مال نصاب تک پہونچتا ہے اور اس پر سال بھی گذر گیا ہے، تو مابقیہ رقم پر زکوٰۃ واجب ہے۔

(۴) بینک کی طرف سے اکثر حاجیوں کو ایئر پورٹ یا وہاں پہنچنے پر کچھ رقم خرچ کرنے کے لیے واپس کر دی جاتی ہے، اس پر دین قوی ہونے کے اعتبار سے زکوٰۃ واجب ہے جتنی رقم واپس ملے گی اس وقت اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ "إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول، وقد بقي معه منه نصاب فإنه يزكي ذلك الباقي، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضا في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول"(۲)

(۵) حج کمیٹی یا پرائیویٹ ٹور میں حج یا عمرہ اسی طرح دیگر تفریحی سفر کے لیے کچھ رقم جمع کر دی ہے تو اس رقم پر زکات واجب نہ ہوگی، اس لئے کہ یہاں اگر چہ مال پر ملکیت باقی ہے لیکن قبضہ جو زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرط ہے نہ ہونے کی وجہ سے اس مال پر زکوٰۃ

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف: ۳/ ۲۹۵، ۲۹۶، ط: مکتبۃ زکریا دیوبند۔

(۲) شامی، كتاب الزكوة مطلب في زكوة ثمن المبيع وفاءً زکریا: ۳/ ۱۷۹، کراچی ۲/ ۲۶۲۔

واجب نہیں ہوگی۔

(۶) اسی طرح اگر پرائیویٹ ٹور والوں کو نصف رقم دیدی ہے اور بقیہ نصف رقم دینی باقی ہے، اور پرائیویٹ ٹور والوں نے ان کے ٹکٹ اور ہوٹل بکنگ وغیرہ کروادیئے ہیں تو مابقیہ رقم حاجی یا سیاح پر قرض ہوگی جس کا اسے پرائیویٹ ٹور والوں کو ادا کرنا لازم اور ضروری ہے، اس لئے اس بقیہ رقم پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ "ومنها الملك التام هو ما اجتمع فيه الملك واليد وأما إذا وجد الملك دون اليد كالصداق قبل القبض أو وجد اليد دون الملك كملك المكاتب والمديون لا تجب فيه الزكوٰة الخ"۔(۱)

زکوٰۃ کی رقم سے حج کروانا

(۱) زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کا مقصد لوگوں کو حج اور عمرے کرانا نہیں ہے، بل کہ مستحقین کی حاجات اصلیہ کو پورا کرنا ہے، چنانچہ اگر کوئی فقیر ومسکین بے گھر ہے اور کوئی شخص زکوٰۃ کی رقم سے مکان خرید کر اسے اس کا مالک بنائے تو زکوٰۃ بلا کراہت ادا ہوجائے گی، خواہ مکان کی قیمت نصابِ زکوٰۃ سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ مکان انسان کی حاجت اصلیہ میں ہے، حج وعمرہ انسان کی حاجت اصلیہ میں نہیں ہے۔

(۲) زکوٰۃ کے پیسے مستحق زکوٰۃ کو دے کر مالک بنادینا ضروری ہے پھر اس مستحق کو اختیار ہے، چاہے جس مصرف میں خرچ کرے اور کسی غریب وفقیر کو زکوٰۃ کی اتنی مقدار دینا مکروہ ہے کہ جس سے وہ خود صاحب نصاب بن جائے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے، لیکن اگر دیدی جائے تو ادا ہوجائے گی۔

(۳) اگر کسی صالح مستحق زکوٰۃ شخص کو حج کرانے کا شوق ہے تو اپنے اصل مال میں سے یہ سعادت حاصل کرنی چاہئے، اسے رقم کا مالک بنادیا جائے تا کہ وہ صاحب استطاعت ہوکر بطور فرض حج ادا کرے، اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی رقم سے ہی کسی شرعی فقیر کو حج کرانا چاہتا ہے

---

(۱) فتاویٰ [illegible]: ۱/ ۲۳۳۔

تو اتنی رقم اس کی ملکیت کر دے،اس کے بعد اس شخص کی مرضی ہے کہ وہ اس رقم سے حج کرے یا اپنی اور کوئی ضرورت پوری کرے،اسے حج یا عمرہ پر مجبور کرنا درست نہیں ہے۔

نوٹ: اگر زکوٰۃ کی رقم اس کی ملکیت میں دینے کے بجائے اس کے حج کے اخراجات گورنمنٹ یا کسی پرائیویٹ حج گروپ آرگنائزر کے حوالے کرکے اس شخص کو حج پر روانہ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

پیشہ ور فقیر کو زکوۃ دینا

جس آدمی کے پاس ایک دن کا کھانا ہو اور ستر ڈھانکنے کے لیے کپڑا ہو اس کے لیے لوگوں سے مانگنا جائز نہیں ہے،اسی طرح جو آدمی کمانے پر قادر ہو اس کے لیے بھی سوال کرنا جائز نہیں،البتہ اگر کسی آدمی پر فاقہ ہو یا واقعی کوئی سخت ضرورت پیش آگئی ہو جس کی وجہ سے وہ انتہائی مجبوری کی بنا پر سوال کرے تو اس کی گنجائش ہے،لیکن مانگنے کو عادت اور پیشہ بنالینا بالکل بھی جائز نہیں ہے،حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص بلا ضرورت مانگتا ہے،قیامت کے دن اس کا یہ مانگنا اس کے چہرے پر زخم بن کر ظاہر ہوگا۔

جن کے بارے میں علم ہو کہ یہ پیشہ ور بھکاری ہیں تو ایسے افراد کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے، تاہم اس میں متکبرانہ انداز اختیار نہ کیا جائے،انہیں جھڑکا نہ جائے،بلکہ مناسب طریقہ سے معذرت کرلی جائے،البتہ اگر کسی نے ان کو بھیک دیدی تو وہ گناہ گار نہ ہوگا،لینے والا گنہگار ہوگا، البتہ ایسے افراد کو زکات یا صدقاتِ واجبہ نہ دیا جائے۔فقط واللہ اعلم۔(۱)

اگر بھکاری زکوٰۃ کا مستحق ہے یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا اسکی قیمت یا مال تجارت نہیں رکھتا ہے تو یہ شرعی اعتبار سے زکوٰۃ کا مستحق ہے اسکو زکوٰۃ دینا جائز ہے،لیکن دور حاضر کے بھکاری اکثر صاحب نصاب ہوتے ہیں جو مانگنے کا پیشہ بنائے ہوئے ہوتے ہیں انہیں زکوٰۃ دینا تو دور کی بات بھیک بھی نہ دی جائے،جب بھی زکوٰۃ دیں تو تحقیق کے بعد ہی کاسی کو

---

(۱)دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن فتوی نمبر :144207200943

دیں۔

زکوٰۃ مستحق تک پہنچائیے

لوگ پریشان ہوتے ہیں کہ خیرات کسی مستحق کو دینا چاہیے مگر لے دے کے رمضان کی آمد کے ساتھ ہی سڑکوں مسجدوں کے باہر، اور گلیوں میں امنڈ آنے والے بھکاریوں کے کوئی اور مستحق ملتا ہی نہیں، یعنی ان کو ڈھونڈنا مشکل ہے حقیقت یہ ہے کہ ہم صدقہ وخیرات کو سر سے بوجھ کی طرح اتار پھینکنا چاہتے ہیں، اور کم سے کم فاصلے پر کم سے کم وقت میں یہ فرض ادا ہوجائے، یہی کافی ہے، اگر واقعی آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی خیرات کسی مستحق کے کام آئے تو کچھ ہمت کیجیے، انکو ڈھونڈیے، ان تک خود جائیے اور ذرا شرمندگی سے نظر جھکا کر امداد کا تھیلا پکڑا کر الٹے قدم لوٹ آئیے! مستحق کون ہیں؟ جو نہیں مانگتے مگر پیٹ کاٹتے ہیں، جن کے بچے حسرت سے، فروٹس وحلیم اور سموسوں کو دیکھتے ہیں، جو گھر میں ہمسایوں سے آنے والی خوشبو سے بے چین ہوجاتے ہیں، مگر تھوک نگل کر رات والا سالن کھالیتے ہیں، جن سے مسجد میں پوچھیں کہ کیا حال ہے تو وہ مصنوعی ڈکار مار کر کہتے ہیں، اللہ کا شکر، اتنا کھایا، بدہضمی ہونے والی ہے، پہلے حق تو جاننے والوں میں مستحقین کا ہے یقین کریں وہ رشتے دار جو غریب ہیں؛ مگر آپ سے ان کی بنتی نہیں، ان کی مدد کرنا دہرے ثواب کا باعث ہوگا۔

اپنے علاقے کے پرائیویٹ اسکولوں سے رابطہ کیجیے، یہاں جو بچیاں پڑھاتی ہیں، ان میں دس میں سے نو کے گھر میں برے حالات ہیں، وہ مجبوری میں چار پانچ ہزار کی جاب کے لیے سارا دن کام کرتی ہیں، ان سفید پوش گھرانوں میں راشن یا نقدی بھیجیے، چھوٹی گلیوں میں دکاندار کے پاس جائیے، عصر کے بعد، آپ کو ضرور کچھ لوگ ملیں گے جو ادھار لیتے ہوں گے انکا ادھار چکا دیجیے، ہوسکے تو دکاندار سے پوچھ کر کسی لمبے ادھار والے مستحق کو بلا کر اس کا ادھار چکانے کا انتظام کردیجیے، چھوٹے تندوروں پر روٹی لگانے والے، ویٹر اور صفائی والے سب

اتنا ہی کماتے ہیں کہ انکے گھر فاقوں سے بچ سکیں، ان کو بھی آپ کی خیرات کی ضرورت ہے، ان میں سے اکثر خیرات لینے سے انکار کر دیں گے، ان کی ٹھوڑی پکڑ لیجیے، منت کر کے تحفے کے طور پر دے دیجیے، مسجدوں میں بوڑھوں کے لباس سے اندازہ ہو جائے گا، جاتے ہوئے سلام کر کے معتد بہ رقم تحفتہً ان کو تھما دیجیے، وہ بچوں کے لیے ضرور کچھ ایسا لے جائیں گے، جن کی ان کو ضرورت ہے، بازاروں میں ریڑھیوں یا ہاتھوں پر سودا بیچتے ہوئے معمر لوگوں کو دیجیے، مگر جو نہیں مانگ پاتے، ان کو دینا بہتر ہے، آپ خود بھی ایسے ہی مزید طریقوں سے لوگوں کو پہچان سکتے ہیں کہ جن کو مدد کی ضرورت ہے مگر وہ اپنی غیرت کے ہاتھوں محنت کے علاوہ کوئی مدد قبول نہیں کرتے، ان کو اصرار کر کے دیجیے، بس نظر نیچی رہے، اور لہجہ شرمندہ۔ (منقول)

زکوٰۃ صحیح مصرف میں ادا کریں

بعض آدمی زکوٰۃ نکال کر مصرف شرعی پر ادا نہیں کرتے، مثلاً اپنے پیروں کو دیتے ہیں، گو وہ صاحبِ نصاب ہوں، ائمہ ومؤذنین کی تنخواہ میں دیتے ہیں، بعض چندہ مدارس میں دیتے ہیں اور مہتمم کو اطلاع نہیں دیتے اور وہ اسے تعمیر یا فرش یا تنخواہِ مدرسین یا خریدی کتب میں صرف کرتا ہے، بعض مردے کے کفن پر خرچ کرتے ہیں، بعض کفار کو دیدیتے ہیں، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض فقہاء سے نقل کیا ہے کہ اگر لینے والے کو اطلاع ہو جائے کہ یہ زکوٰۃ ہے تو لینا بھی حرام ہے اور اگر ان کو قرائن سے معلوم ہو کہ دینے والے کو ہمارا غیر مصرف ہونا معلوم نہیں تو اطلاع کرنا واجب ہے اور اخفاء یا سکوت بالاتفاق حرام ہے اور اگر لے لیا تو واپس کرنا واجب اور اگر غیر مستحق کو دیدیا تو دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

فائدہ: امام ومؤذن اگر ضرورت مند ہو تو زکوٰۃ دینا مستحب ہے، اور دوگنا ثواب ہے، ایک ادائے زکوٰۃ کا دوسرا خدمتِ دین کا۔

جس مہتمم یا سفیر پر اعتماد ہو کہ وہ صحیح مصرف میں خرچ کرے گا، ادا دینا جائز ہے اور جس

مہتمم یا سفیر پر اعتماد نہ ہو، یا وہ مسائل سے واقف نہ ہو، تو اسے زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں ہے۔

مصرف تلاش نہ کرنے کا نقصان

حضرت جی مولانا الیاس صاحبؒ فرمایا کرتے تھے: کہ زکوٰۃ دینے پر تفقدِ مصرف لازم ہے، جیسے نماز پڑھنے والے پر پاک پانی کا تلاش کرنا لازم ہے اور صحیح مصرف زکوٰۃ وہ ہے جس میں زکوٰۃ کا روپیہ لینے سے طمع مال پیدا نہ ہو، شریعت کا زکوٰۃ فرض کرنے سے یہ ہرگز مقصود نہیں کہ غریب مسلمانوں میں مال کی حرص وطمع پیدا ہو جائے کہ لوگوں کی خیرات و زکوٰۃ کے منتظر رہا کریں، پس جو شخص اللہ پر بھروسہ کر کے صبر اختیار کرتا ہے، جس قدر وہ صبر و توکل کرے گا، اسی قدر اہلِ اموال پر بقدر اس کے صبر کے اس کی امداد لازم ہوتی ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ”إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالمسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالمؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ“(۱)

توصحیح مصرفِ زکوٰۃ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور صبر سے اللہ پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں، کسی سے سوال نہیں کرتے نہ کسی سے طمع رکھتے ہیں؛ مگر آج کل اہلِ اموال پیشہ ور سائلوں کو زکات دے کر سمجھ لیتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا ہوگئی؛ (حالاں کہ وہ تو پہلی زکوٰۃ کو بھی کھو دیتی ہے) یہی وجہ ہے کہ آج کل زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اموال میں برکت نہیں، حالاں کہ قطعی وعدہ ہے کہ زکوٰۃ سے مال میں برکت ہوتی ہے، پس جو لوگ زکوٰۃ کے بعد اپنے مال میں برکت کا مشاہدہ نہ کریں اُن کو سمجھ لینا چاہئے کہ زکوٰۃ مصرف میں نہیں دی گئی اور انھوں نے مصرف کا تفقد نہیں کیا۔(۲)

---

(۱) (سورۃ البقرۃ:۶۰)

(۲) ملفوظات مولانا الیاس صاحب: ۳۹

ویلفیئر (WELFARE) ادارے کو زکوٰۃ دینا

زکوٰۃ جمع کرنے والے ویلفیئر ادارے عام طور پر زکوٰۃ ادا کرنے والوں کی طرف سے وکیل ہوتے ہیں، لہذا جب تک مستحقین زکوٰۃ کو رقم کی ادائیگی اور مالک بنانا نہیں پایا جائے گا اس وقت تک صرف اس ویلفیئر ادارے کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اس لیے ان ویلفیئر اداروں پر یہ لازم ہے کہ وصول کردہ رقم جلد از جلد مستحقین تک پہنچائیں کیوں کہ زکوٰۃ دینے والوں نے ان کو یہ رقم مستحقین تک پہنچانے کے لیے دی ہوتی ہے، بینک میں جمع کرنے کے لیے نہیں دی ہوتی، اگر کوئی ویلفیئر ادارہ زکوٰۃ کی رقم ایک سال سے زائد اپنے اکاؤنٹ میں جمع رکھتا ہے اور اس کے بعد مستحقین زکوٰۃ کو دیتا ہے تو زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا تو ہو جائے گی لیکن تاخیر کا گناہ دونوں پر لازم آئے گا، جب کہ زکوٰۃ دینے والوں کو ویلفیئر کی حرکت کا پتہ ہے، اور بینک میں جمع کر کے زائد رقم حاصل کرنا حرام ہے، زکوٰۃ دینے والوں کا یہ سمجھ لینا کہ ہم نے سال پورا ہونے پر کسی ویلفیئر یا ادارے کو زکوٰۃ دے دی تو اب ہم بری الذمہ ہیں ہماری زکوٰۃ ادا ہوگئی درست نہیں، لہذا مال دار اور صاحب ثروت لوگوں کو چاہیے کہ اپنی زکوٰۃ اپنے ہاتھوں سے مستحقین تک پہنچائیں یا کسی ایسے ویلفیئر یا ادارہ کو دیں جو فوری طور پر زکوٰۃ کی رقم مستحق تک پہنچا دے۔

کسی ایسی ویلفیئر یا فلاحی تنظیم یا ادارے کو زکوٰۃ کا مال دینا جس میں غالب گمان یہ ہو کہ میری زکوٰۃ فوری طور پر مستحق زکوٰۃ تک نہیں پہنچائیں گے، تو دینا جائز نہیں ہے کیوں کہ ایسی صورتِ حال میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر یقینی ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں بلا عذر شرعی تاخیر کرنا گناہ ہے، فتاوی عالمگیری میں ہے: جب سال تمام ہونے پر زکوٰۃ واجب الادا ہو جائے تو فوراً ادا کرنا لازم ہے حتی کہ بغیر عذر شرعی کے تاخیر کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔ ”وتجب علی الفور عند تمام الحول حتی یأثم بتاخیرہ من غیر عذر“۔ (۱)

---

(۱) فتاوی عالمگیری: ۱/ ۱۸۸

بعض ویلفیئر ادارے اپنے بینک بیلنس کو بھرنے کے لیے حیلہ شرعی کا سہارا لیتے ہیں اور بعض ویلفیئر کے ذمہ داران خود ہی اپنے آپ کو شرعی فقیر تصور کرتے ہوئے اپنی ہی ذات سے زکوٰۃ کا حیلۂ شرعی کر لیتے ہیں، ان کا یہ حیلہ کرنا باطل ہے کیوں کہ زکوٰۃ دینے والوں نے ان کو زکوٰۃ تقسیم کرنے کا وکیل بنایا ہے خود اپنی ذات کے لیے زکوٰۃ رکھنے کا اختیار نہیں دیا ہے۔

زکوٰۃ تقسیم کرنے والے وکیل کے لیے اپنی (بالغ) فقیر اولاد اور زوجہ کو دینا جائز ہے لیکن خود زکوٰۃ کی رقم نہیں رکھ سکتا، جب تک زکوٰۃ دینے والے نے اس کی اجازت نہ دی ہو۔

"وللوکیل أن یدفع لولده الفقیر وزوجته لا لنفسه الا اذا قال ربها"(۱)

اور بعض ویلفیئر اپنے ہی کسی ملازم - جو ان کے دباؤ میں ہوتا ہے - اسے زکوٰۃ کا حیلہ کر کے کروڑوں اربوں روپے اپنے بینکوں میں جمع کر لیتے ہیں اور اپنی صواب دید پر اس طرح خرچ کرتے ہیں گویا وہ اس رقم کے مالک ہیں، اس طرح حیلہ کرنا بھی جائز نہیں ہے کیوں کہ حیلۂ شرعی صرف انتہائی ضرورت کے وقت جائز قرار دیا گیا ہے اور یہاں کوئی ایسی ضرورت موجود نہیں ہے، ہزاروں مستحقین موجود ہیں جن کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے تو پھر حیلہ کر کے بینک بیلنس بڑھانے میں کونسی ضرورت شرعی ہے؟ بغیر ضرورت کے حیلہ کرنا جائز نہیں ہے کہ اس میں فقراء اور مستحق زکوٰۃ لوگوں کا حق مارنا اور باطل کرنا ہے۔ جو کہ حرام ہے۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے: حیلہ یہ ہے کہ جائز طریقے سے کسی مقصود تک پہنچا جائے اور علماء کے نزدیک حیلہ کرنے والے کے اعتبار سے اس کی کئی اقسام ہیں: اگر جائز طریقے سے غیر کے حق کو باطل یا باطل چیز کو حاصل کرنے کے لئے حیلہ کیا جائے تو حرام ہے۔

"هی مایتوصل به إلی مقصود بطریق خفی وهی عند العلماء علی أقسام بحسب الحامل علیها، فإن توصل بها بطریق مباح إلی إبطال حق أو إثبات فهی حرام"(۲)

---

(۱) الدر المختار: ۳/ ۲۲۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

(۲) فتح الباری، شرح صحیح بخاری: ۱۲/ ۴۰۴

بعض ویلفیئر یا ادارے سالانہ جمع ہونے والی زکوٰۃ اور فطرہ کی رقم کئی سالوں تک جمع رکھ کر بینک بیلنس بنانے میں لگے رہتے ہیں اور سائلین کو فنڈ نہیں ہے کا لقمہ دے کر ٹرخا دیتے ہیں اور اگر تقسیم کرتے بھی ہیں تو انداز نامناسب ہوتا ہے کہ اس کی چھان پھٹک کرنے کی غرض سے کہ مستحق زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اس کے گھر جا کر گلی محلے میں رہنے والے لوگوں سے اس کے بارے میں تفتیش کر کے رسوا کیا جاتا ہے، سینکڑوں لوگوں کو اپنی آفس کے سامنے لمبی لمبی لائینوں میں لگائے رکھتے ہیں، کسی ایک ، دو کو تفتیش میں پاس کر کے کچھ رقم دے دی جاتی ہے، بعض مرتبہ مستحق زکوٰۃ ہونے کے باوجود کچھ نہیں ملتا کیوں کہ ان کی کوئی جان پہچان یا سفارشی نہیں ہوتا ہے۔

زکوٰۃ غریبوں کا حق ہے، خیرات نہیں

زکوٰۃ دیتے وقت اس بات کا بھی خاص خیال رکھیں کہ سامنے والے انسان کو کس چیز کی زیادہ ضرورت ہے، کپڑے، اناج یا پیسے اور ان کی ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے زکوٰۃ کا فریضہ ادا کریں، دیکھا گیا ہے کہ زکوٰۃ دیے گئے کپڑے اور اناج غریب لوگ دکانداروں کو آدھی قیمت میں بیچ دیتے ہیں، جس کو خریدنے والے زیادہ تر مارواڑی، ہندو ہوتے ہیں، کیوں کہ مسلمان دکاندار کو فروخت کرنے کی ہمت نہیں ہوتی، اور اس میں غریبوں کی کوئی غلطی نہیں ہے؛ کیوں کہ جب ایک غریب کو 10 سے 15 جوڑے کپڑے ملیں گے تو وہ بیچارے بھوکے پیٹ میں کتنے کپڑے پہنیں گے، زکوٰۃ کے نام پہ جب صرف کپڑے ہی ملتے رہیں گے تو غریب اپنی باقی ضرورتیں کیسے پوری کر پائیں گے؟

زکوٰۃ رمضان ہی میں ادا کرنا غلط ہے

۹۰ / نود فیصد لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ رمضان ہی میں ادا کرتے ہیں، اگرچہ سال رجب یا شعبان میں مکمل ہوگیا ہو، اس کے متعلق حضرت تھانویؒ کا کلام ملاحظہ فرمالیں :

حدیث شریف میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو رمضان میں نفل کام کرے تو اس کو اور دنوں کے فرض کے برابر ثواب ملے گا اور جو رمضان میں فرض ادا کرے اس کو اور دنوں کے ستر فرضوں کے برابر ثواب ملے گا، اس حدیث سے بعض لوگوں نے کیسا الٹا مطلب سمجھا ہے کہ بعض لوگ رمضان سے پہلے بعض نیک کاموں کو روکے رکھتے ہیں، مثلاً کسی کی زکوۃ کا سال شعبان میں پورا ہوگیا اور اب وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا، رمضان کے انتظار میں روکے رکھتا ہے، چاہے رمضان میں اس کو توفیق ہی نہ ہو، یا روپیہ چوری ہو جائے یا رمضان کے انتظار میں محتاج غریب آدمی کا فلیتہ ہو جائے (دیوالیہ نکل جائے)۔

یاد رکھو! شارع کا اس ترغیب سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رمضان کے انتظار میں نیک کاموں کو روکا جائے، بل کہ شارع کا مقصود یہ ہے کہ رمضان سے تاخیر نہ کی جائے اگر رمضان تک کسی کو توفیق نہ ہوئی تو رمضان میں ہرگز دیر نہ کرے، جو کرنا ہو کر ڈالے، رمضان سے پہلے عمل کرنے سے روکنا مقصود نہیں، دونوں میں بڑا فرق ہے۔

مگر کم فہمی نے یہ نتیجہ پیدا کیا کہ لوگ رمضان میں خرچ کرنے کے فضائل اور ثواب سن کر اس کے انتظار میں طاعات کو روکنے لگتے ہیں۔

☆اگر کوئی ضرورت مند اپنی ضرورت کے لیے یا مدرسہ ومسجد کے لیے شعبان میں چندہ کرنے لگے، تو اس کو اس وجہ سے دینے سے رکتے ہیں کہ ثواب کم ملے گا، حالاں کہ یہ غلطی ہے خوب سمجھ لو کہ تعجیل بالخیر یعنی نیک کام جلدی کرنے میں خود بہت بڑا ثواب ہے اور وہ اتنا بڑا ثواب ہے کہ رمضان سے پہلے جو تم خرچ کرو گے اس میں اگر چہ باعتبار کمیت کے یعنی شمار کرنے کے اعتبار سے رمضان میں خرچ کرنے سے ثواب کم ہو، مگر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کیفیت میں اور اللہ کا قرب ہونے میں وہ تعجیل یعنی جلدی خرچ کرنا بہتر ہے، اور اس درجے میں اس کا ثواب رمضان کے ثواب سے بڑھ جائے گا، آخر مجھے کوئی تو اطمینان ہے جو میں شرح صدر کے ساتھ اس مضمون کو بیان کر رہا ہوں، پس قسم سے زیادہ اطمینان دلانے کا ذریعہ میرے پاس کوئی نہیں، تمھیں کیا خبر ہے کہ شعبان میں اگر تم کسی غریب کو زکوٰۃ دیتے تو

اس وقت اس کے دل سے کیسی دعا نکلتی، جس کے سامنے ستر رمضان بھی ہیچ ہیں!! یہی بات تو لوگوں کو معلوم نہیں۔

یاد رکھو! جب زکات کا سال پورا ہوجائے، اس کے بعد تاخیر کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اس تاخیر سے گناہ ہوتا ہے یا نہیں؟ بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ زکوٰۃ فوراً ادا کرنا واجب ہے، ان کے نزدیک تاخیر سے گناہ ہوتا ہے، اور بعض کے نزدیک فوراً ادا کرنا واجب نہیں، ان کے نزدیک گناہ نہیں ہوتا، پس احتیاط اسی میں ہے کہ زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد دیر نہ کی جائے، تاکہ سب کے نزدیک گناہ سے محفوظ رہے، پھر اگر رمضان کے انتظار میں صدقات کا روکنا ثواب کا موجب ہوتا، تو شریعت نے کہیں تو کہا ہوتا کہ رمضان سے اتنے دن پہلے صدقات کو روک لو، جب شریعت نے کہیں یہ نہیں کہا تو ہمارا ایسا کرنا دین میں زیادتی اور بدعت ہے کہ جس کام کے لیے شریعت نے ثواب بیان نہیں کیا تم اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہو، یہ شرعی حکم کا مقابلہ ہے، مگر چوں کہ اب تک معلوم نہ تھا اس لیے امید ہے کہ گنہگار نہ ہوں گے، ہاں! اب جو لوگ ایسا کریں گے وہ گنہگار ہوں گے۔(۱)

خلاصہ یہ کہ جس وقت سال پورا ہوا اسی وقت مستحقین کو تلاش کرکے زکوٰۃ دے دی جائے، اگر زیادہ ثواب کی خواہش ہے تو رمضان شریف تک حساب لگائیں، یہ مشکل ہو تو ہر سال پیشگی زکوٰۃ رمضان کے مہینے میں ادا کیا کریں۔

☆ اگر کسی کا زکاۃ کا سال پہلے پورا ہو رہا ہے، لیکن اس وقت زکوٰۃ ادا کئے بغیر رمضان کے انتظار میں رہتا ہے، بالفرض رمضان المبارک کے آنے سے پہلے فوت ہوجاتا ہے، تو وہ گنہگار ہوکر فوت ہوگا اور اس کے ذمہ زکوٰۃ کا فریضہ باقی رہے گا۔

☆ اگر زکوٰۃ کا سال پہلے پورا ہو رہا ہے، لیکن اس وقت زکوٰۃ ادا نہیں کی اور رمضان کے مہینے میں اس کا مال کسی اختیاری عمل کے نتیجے میں کم ہوگیا، مثلاً اس نے خرچ کرلیا، اور پھر جب رمضان میں حساب کرکے زکوٰۃ ادا کی تو کم مال کی زکوٰۃ ادا کی اور جتنا مال سال پورا

---

(۱) احکام رمضان المبارک: ۵۴ بہ حوالہ برکاتِ رمضان: ۶۸

ہونے کے بعد خرچ کرلیا، اس کی زکوٰۃ ذمے میں باقی رہی، اسی طرح اگر مال میں اضافہ ہوگیا تو زیادہ مال کی زکوٰۃ دینی پڑے گی، جوکہ اس کے ذمہ واجب نہیں تھی، اور اگر کوئی ہمیشہ اسی طرح کرتا رہا تو اس خرابی کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ چلتا رہے گا۔

☆ ہر عبادت کو اس کے صحیح وقت پر ادا کرنے کا جو ثواب ہے اس سے محرومی ہوتی ہے اور شرعاً ہر عبادت کو اس کے صحیح وقت پر ادا کرنے کا عظیم ثواب ہے، اور جب سال پورا ہونے کی بجائے اس کو کسی دوسرے مہینے کے لیے مؤخر کیا جائے گا، تو اس فضیلت سے محرومی ہوگی۔

جب سب لوگ رمضان میں زکوٰۃ ادا کریں گے اور دوسرے دنوں میں ادا نہیں کریں گے تو سال کے گیارہ مہینے غریبوں کو اپنی ضروریات کا پورا کرنا مشکل ہوگا اور سال کے گیارہ مہینوں میں ان کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔

☆ رمضان المبارک کو زکات کے لیے خاص کر لینے کی وجہ سے ایک خرابی یہ لازم آتی ہے کہ ہر شخص کو رمضان ہی میں جلد از جلد اپنی زکات ادا کرنے کی فکر ہوتی ہے اور جب کوئی صحیح مصرف سامنے نہیں آتا تو کسی نہ کسی کو زکات دے کر جان چھڑانے کی کوشش کی جاتی ہے، خواہ وہ صحیح مستحق بھی نہ ہو۔

☆ اس مہینے میں رسمی غریبوں اور بھکاریوں کا ایک سیلاب اُمنڈ آتا ہے اور پھر مستحق لوگ ان ہی پیشہ وروں کی وجہ سے محروم رہتے ہیں۔(۱)

اس کے علاوہ سال بھر میں مستحقوں کو تلاش کرنا بھی آسان ہے اور صحیح وقت پر ادائیگی کا ثواب بھی حاصل ہو جاتا ہے، اور جب ہر شخص اپنے اپنے سال کے پورا ہونے کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کرے گا، تو سارا سال غریبوں کی ضروریات کا لحاظ ہوتا رہے گا۔

لہٰذا زکوٰۃ کے لیے ہر شخص کا رمضان یا رجب کی تخصیص کرنا غلط ہے، اور ہر شخص کو اپنا سال پورا ہونے پر زکوٰۃ صحیح صحیح مصرف میں خرچ کرنی چاہیے، اور اپنا سال پورا ہونے کی

---

(۱) اشرف الجواب ص: ۲۶ للتھانوی رحمۃ

قمری تاریخ کو محفوظ رکھنا چاہیے، البتہ اگر کسی کا سال رمضان ہی میں پورا ہو رہا ہو تو پھر رمضان میں دینے میں بھی کوئی حرج نہیں، بہتر یہ ہے کہ اس سلسلے میں اپنے تفصیلی حالات اہل علم کے سامنے رکھ کر شرعی حکم معلوم کرلیا جائے۔(۱)

چندہ کرنے والوں کے ساتھ برتاؤ

بعض لوگوں کے قلم وزبان صرف رمضان میں اُن لوگوں کو دیکھ کر حرکت میں آتے ہیں جو لوگ پراگندہ بال لیے، اپنا گھر بار چھوڑ کر اپنے مدارس کے لیے چندہ اکھٹا کرتے گھومتے ہیں، مدارس اور علماء دشمن کچھ لکھاری ہیں، جن کا کام ہی مدارس اور علماء اور ایسے لوگوں کے خلاف بکواس کرنا ہے، اس بات سے کسی کو انکار نہیں کہ بعض لوگ اس کا غلط فائدہ اُٹھاتے ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ تمام مدارس کو اور اس کے مہتمم و منتظمین کو اور اساتذہ کو نشانہ بنائیں، آج اگر برصغیر میں یہ مساجد وغیرہ میں رونقیں دیکھنے کو مل رہی ہیں تو وہ اِن ہی مدارس ومکاتب کی وجہ سے ہے، ملکوں میں جو امن وامان ہے وہ انہیں مدارس کے فارغین خطباء وائمہ کے پرامن بیانات کی وجہ سے ہے، بصورتِ دیگر جو حالات برصغیر کے بن رہے ہیں اور جس انداز میں توحید اور ہمارے بنیادی اسلامی عقائد پر شبخوں مارنے کی کوششیں ہیں اس میں اپنے ایمان کو بچانا مشکل مسئلہ بن گیا ہے، یہ تو ان پراگندہ بال والے، جن کی ٹوپی کہیں کھسکی ہوئی ہے تو ازار کا ایک پائچہ اوپر اور نیچے ہے، کبھی مسجد کی پھٹی چٹائی پر سو کر رمضان گزار دی تو کبھی سحری ملی تو کرلی کبھی نہیں اور پھر دن بھر مدرسہ اور مدرسہ کے طلبہ کی فکر میں، سارا سال مدرسے کو چلانے اور بے سہارا بچوں کی فکر میں گزار دیتے ہیں، افطاری کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں، نہ سحری کا، عید واپسی کے لیے ٹکٹ ملی ملی، نہیں ملی تو چالو ٹکٹ پر بیٹھ کر کوئی دو دن کا کوئی تین دن کا کوئی چار دن کا سفر کرتا ہے، ایسے لوگ جن کی دانشوری صرف رمضان میں علماء کو دیکھ کر جوش مارنے لگتی ہے اور اُمت کے تئیں ہمدری

---

(۱) ماخوذ بتغیر: ماہ رمضان کے فضائل واحکام، مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی

اور غمخواری میں اُبال آتا ہے، پتہ نہیں پورے گیارہ مہینے ان کی ہمدردی اور غمخواری کو کیا ہوا ہوتا ہے، اے دانشورو، تعلیم یافتہ لوگو! جو اپنی تحریر وتقریر سے علماء کو اور مدارس کو نشانہ بناتے ہیں وہ ہوش میں آئیں، اپنی دانشوری اپنے پاس رکھیں، یا پھر مدارس کو چلانے کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لیں تب جا کر پتہ چلے گا کہ دال چاول کا بھاؤ کیا ہوتا ہے۔

اپنے مال کی زکوٰۃ نکالنا خود ہمارے ذمے فرض ہے اور اس کی ادئیگی کے لیے فقیر ومحتاج کی تلاش میں نکلنا ہمارے ذمے ہے اور جو محتاج ہماری زکوٰۃ لے لے تو وہ ہمارا محسن ہے، مگر ہمارا اپنے محسنوں کے ساتھ کیا رویہ ہوتا ہے ملاحظہ ہو:

''رمضان کا زمانہ ہے، ایک مال دار اپنی فرم کے ''کیبن'' میں پورے امیرانہ غرور کے ساتھ موجود ہے، گھنٹی بجتی ہے، چپراسی اندر آتا ہے اور خبر دیتا ہے، سر! ایک مولوی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں، مال دار کی پیشانی پر تکدر کی سلوٹیں پڑ جاتی ہیں، کچھ سوچ کر اور کچھ بڑبڑا کر نہایت ترش انداز میں کہتا ہے: ''بلالو'' مولوی صاحب ہاتھ میں بیگ لیے ہوئے کیبن میں پہنچتے ہیں، ابھی وہ اپنے حواس بجا نہیں کر پاتے کہ مال دار کی کرخت آواز بلند ہوتی ہے، آپ لوگوں کو کسی کے وقت کی قیمت کا قطعاً احساس نہیں، جب چاہا منہ اٹھا کر چلے آئے، چندہ کے علاوہ آپ لوگوں کا کوئی کام بھی ہے؟ مجھے اس وقت بات کرنے کی فرصت نہیں ہے، کسی اور وقت آئیے گا''۔ مولوی صاحب انا للہ پڑھ کر واپس ہوجاتے ہیں، دوسرے وقت پھر حاضر ہوتے ہیں، مگر محرومی ہی رہتی ہے، حتی کہ تیسری اور چوتھی مرتبہ میں زکوٰۃ کی معمولی رقم دے کر ان پر احسان جتایا جاتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ چندہ اپنی ذات کے لیے مانگا جاتا تو اس ذلت آمیز سلوک پر مولوی صاحب قیامت کی صبح تک بھی اس کے سامنے دوبارہ ہاتھ پھیلا کر اپنی ذلت ورسوائی مول نہ لیتے، لیکن آج ایک نہیں سیکڑوں مولوی محض اللہ کے دین کی بقا اور رسول اللہ ﷺ کی علمی وروحانی امانت کی حفاظت کے لیے اپنی انا کو قربان کر چکے ہیں اور اس کے برخلاف جو مالدار انھیں حقیر یا ذلیل سمجھتے ہیں، یا بار بار چکر کٹوا کر انھیں ہراساں اور پریشان کرتے ہیں

وہ علم کی بے قدری کر کے اپنی عاقبت خود خراب کرتے ہیں۔

مالداروں کو تو ان مدارس اور ان کے نمائندوں کا احسان مند ہونا چاہیے کہ جو ان کے لیے خیرات میں حصہ لینے کا ذریعہ اور آخرت کی فلاح کا وسیلہ بنتے ہیں، آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ ”صدقہ خیرات کیا کرو، اس لیے کہ عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ ایک شخص اپنی زکوٰۃ لے کر نکلے گا تو جسے زکوٰۃ دی جائے گی وہ کہے گا کہ اگر آپ کل گذشتہ یہ رقم لاتے تو میں قبول کر لیتا اب تو مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، تو وہ مالدار کسی ایسے شخص کو نہ پائے گا جو اس کے صدقے کو قبول کر لے“۔(۱)

معلوم ہوا کہ چندہ دینا مدرسہ یا مولوی پر احسان نہیں؛ بل کہ درحقیقت یہ اپنی ذات پر احسان ہے، کاش ہمیں اس حقیقت کے اعتراف کی توفیق ہو سکے۔(۲)

اہل چندہ سے گذارش

عام طور پر چندے کا اعلان اس طرح کیا جاتا ہے۔”مدرسے میں یتیم اور غریب بچے پڑھتے ہیں اور مدرسہ ہی ان کی جملہ ضروریات کا کفیل ہوتا ہے.. جو آپ جیسے اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا کیا جاتا ہے، لہذا زکوٰۃ، صدقات، عطیات، فطرات، اور چرم قربانی سے اللہ کے لیے مدرسے کا تعاون فرما کر ثواب دارین حاصل کریں“ بجائے اس طرح اعلان کرنے کے اس طرح اعلان کرنا موزوں اور بہتر ہے کہ ”یہ مدارس دنیا میں دین وعلم کی بقا و اشاعت اور مسلمانوں کی دینی وشرعی ضرورتوں کے مراکز اور سب سے بڑھ کر ملت اسلامیہ کی شان ہیں، مدارس کی بقا گویا اسلام کی بقا ہے، اس لیے مدارس کے تحفظ و بقا میں حصہ لینا اہل اسلام کی اجتماعی ذمہ داری ہے، اس بے نیازی کے ساتھ کہ جس کو اسلام کی اشاعت و بقا میں حصہ لینا ہو وہ تعاون کرے“ یا ایسا اعلان ہو جس میں دینی درسگاہوں، مہمان رسول، اور

---

(۱) مسلم شریف: ۱/ ۳۲۵

(۲) تحفۂ رمضان: ۱۵۳

خدام دین کی شانِ استغناء باقی رہے، ایسا نہ ہو کہ ہمارا طرزِ عمل لوگوں کو یہ سوچنے پر مجبور کردے کہ مدارس میں غریب اور یتیم بچے رہتے ہیں جو ہماری زکوٰۃ اور صدقات پر پلتے ہیں... جس سے یہ ذہنیت پروان چڑھتی ہے کہ مدارس مالداروں کے بچوں کے لیے نہیں اور مدرسے میں اپنے بچے کو بھیجنا ایک امیر کبیر اپنی توہین سمجھتا ہے، چنانچہ مشاہدہ بھی ہے کہ اس وقت دوطرح کا طبقہ مدارس میں اپنی اولاد کو داخل کرنے تیار نہیں ہے ایک اہلِ غیرت دوسرے اہل ثروت، اسلئے اپنا اعلان بدلیں اور استغناء کے ساتھ اعلان کریں، اور حقیقت میں مدرسہ کسی چیز کا محتاج نہیں بلکہ ہم لوگ علمِ دین کے ضرورت مند ہیں، ہم محتاج ہیں رضائے الٰہی کے، اس لیے جس کو اللہ کی رضا اور اسلام کی حفاظت مطلوب ہو، اور ان سے جتنی خدمت حفاظتِ دین کے لیے ہوسکتی ہو، حصہ لیتے جائیں، ظاہر ہے اس سے دین کی بھی شان ہے اور مدارس کی اہمیت بھی لوگوں کے اندر باقی رہتی ہے، اور امید ہے کہ اس طرح کی شانِ بے نیازی میں چندہ بھی زیادہ ہوگا۔ (منقول)

مدارس کو زکوٰۃ دینا وقت کا اہم تقاضا ہے

موجودہ دور میں باطل کی مدارس سے دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، شاید کسی دن کا انگریزی اخبار مدارس وعلماء کی مذمت اور انھیں دہشت گردوں کے اڈے قرار دے کر بند کرنے کی افواہوں سے خالی رہتا ہو، جب یہ افواہیں کامیاب نہ ہوتی ہیں تو مدارس کی روح ختم کرنے کے لیے مدارس کے نصاب پر طعنہ زنی کی جاتی ہے، اور تبدیلی در تبدیلی کے مطالبے کیے جاتے ہیں، جب یہاں بھی شرمندگی کا سامنا ہوتا ہے تو مدارس کی امداد کا مسئلہ چھیڑا جاتا ہے کہ مدارس حکومت کا تعاون کیوں نہیں لیتے، ظاہر ہے حکومت کا عمل دخل جب مدارس میں ہوگا تو کوئی مدرسہ پھر مدرسہ نہ رہے، ان حالات میں مسلمان اپنے ان دینی قلعوں سے دلی وابستگی کو اپنی دینی ذمہ داری نہ سمجھیں اور ان مالی تعاون کو اپنے لیے ذریعۂ آخرت نہ جانیں تو کیا انجام ہوگا اندازہ کریں، البتہ زکوٰۃ کا مال صحیح مصرف میں لگنے کے لیے

صحیح اور معیاری مدرسہ کی تلاش خود ہمارے ذمہ ہے، نماز کے لئے پاک جگہ کھڑے ہونا، اور دیگر شرائط کا اہتمام کرنا خود مصلی کی ذمہ داری ہے اسی طرح اس فریضۂ زکوٰۃ کے لیے صحیح اور معیاری مدرسہ تلاش کرنا زکوٰۃ دینے والے کی ذمہ داری ہے، ہر مدرسے میں امانت نہیں ہے، اور نہ ہی ہر مدرسہ خیانت کرتا ہے، یہ کیسی سادہ لوحی ہے کہ ہر آنے والے پر اعتماد کرلیا جائے اور یہ کیسی ناقدری ہے کہ معیاری، منظم اور بافیض مدارس کا تعاون نہ کیا جائے، مدرسہ جائیں، نظامِ مدرسہ دیکھیں، حالات دریافت کریں، اپنائیت کا اظہار کرتے ہوئے مدرسے کا تعلیمی معیار معلوم کریں، مدرسے کی ضروریات اسی اپنائیت سے پوچھ کر تعاون میں حصہ لیں، مدرسے سے صرف چندہ دینے کا تعلق نہ ہو، بلکہ مدارس کو قومی ادارہ سمجھیں، کسی مستند عالم ربانی سے مشورہ کرکے اپنی زکوٰۃ وصدقات ادا کریں، اگر ہماری نیت درست ہے اور مال پاک ہے تو پروردگارِ عالم کا نظام ہے کہ ایسے مال کو وہ صحیح مصرف تک پہنچادیں گے اور اگر زکوٰۃ غلط جگہ پر پہنچ جائے تو اس غلط کار کو توبہ کی توفیق دے دیتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (بنی اسرائیل کے) ایک آدمی نے اپنے دل میں کہا کہ آج رات کو چپکے سے صدقہ کروں گا، چناں چہ رات کو چپکے سے ایک آدمی کے ہاتھ میں مال دے کر چلا آیا، صبح لوگوں میں آپس میں چرچا ہوا کہ رات کو ایک شخص چور کو صدقہ دے گیا، اس صدقہ کرنے والے نے کہا یا اللہ! چور پر صدقہ کرنے میں بھی تیری ہی تعریف ہے (کہ اس سے بھی زیادہ بدحال کو دیا جاتا تو میں کیا کرسکتا تھا) پھر اس نے دوبارہ ٹھانی کہ آج رات کو پھر صدقہ کروں گا، (پہلا تو ضائع ہوگیا) چنانچے رات صدقے کا مال لے کر نکلا اور ایک عورت کو دے آیا (یہ خیال کیا ہوگا کہ یہ چوری کیا کرے گی) صبح کو چرچا ہوا کہ رات کوئی شخص فلاں بدکار عورت کو صدقہ دے گیا، اس نے کہا یا اللہ! تیرے ہی لیے تعریف ہے زنا کرنے والی عورت پر بھی (کہ میرا مال تو اس سے بھی کم درجے کے قابل تھا) پھر تیسری مرتبہ ارادہ کیا کہ آج رات ضرور صدقہ کروں گا، چناں چہ رات کو صدقہ لے کر گیا اور ایک شخص کو دے دیا جو مال دار تھا، صبح چرچا ہوا کہ رات ایک مال دار کو صدقہ دے دیا

گیا،اس صدقہ دینے والے نے کہایااللہ! تیرے ہی لیے تعریف ہے چور پر بھی، زنا کرنے والی پر بھی،اور غنی پر بھی، رات کواس نے خواب میں دیکھا کہ اللہ جل شانہ نے تیرے تینوں صدقے قبول کرلیے، وہ عورت فاحشہ تھی؛ناداری کی وجہ سے اس نے یہ فعل اختیار کررکھا تھا، جب سے تونے اسے مال دیا ہے اس نے یہ برا کام چھوڑ دیا، دوسرا شخص چور تھااور وہ بھی تنگدستی کی وجہ سے چوری کرتا تھا تیرے مال دینے پراس نے چوری سے علیحدگی اختیار کرلی، تیسرا شخص مال دار ہے اور کبھی صدقہ نہ کرتا تھا، تیرے صدقہ کرنے سے اس کوعبرت ہوئی کہ میں اس سے زیادہ مال دار ہوں، اس لیے اس سے زیادہ صدقہ کرنے کا مستحق ہوں، اب اس کو صدقے کی توفیق ہوگئی۔ ”فأتی فقیل له أما صدقتک علی سارق فلعله أن یستعف عن سرقته وأما الزانیة فلعلها أن تستعف عن زناها وأما الغنی فلعله یعتبر فلینفق مما أعطاه الله“(۱)

فائدہ: اس حدیث شریف سے یہ بات واضح ہوئی کہ اگر صدقہ کرنے والے کی نیت اخلاص کی ہواوراس کے باوجود وہ بے محل پہنچ جائے تو اس میں اللہ جل شانہ کی کوئی حکمت ہوتی ہے،اس سے رنجیدہ نہ ہونا چاہیے، آدمی کا اپنا کام یہ ہے کہ اپنی نیت اخلاص کی رکھے کہ اصل چیز اپنا ہی ارادہ اور فعل ہے اوران صدقہ کرنے والے بزرگ کی فضیلت بھی ظاہر ہے کہ باوجود اپنی کوشش کے جب صدقہ بے محل صرف ہوگیا تو اس کی وجہ سے بددل ہوکر صدقہ کرنے کا ارادہ ترک نہیں کیا، بل کہ دوبارہ سہ بارہ صدقے کو صحیح مصرف پر خرچ کرنے کی کوشش کرتے رہے، یہی وہ ان کا اخلاص اور نیک نیتی تھی جس کی برکت سے تینوں صدقے قبول بھی ہوگئے اور قبولیت کی بشارت بھی خواب میں ظاہر ہوگئی، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر صدقہ ظاہر کے اعتبار سے اپنے محل پر خرچ نہ ہوا ہو تو اس کو دوبارہ ادا کرنا مستحب ہے

---

(۱) بخاری شریف: باب اذا تصدق علی غنی وهو لا یعلم: ۱۴۲۱،مسلم شریف،حدیث: ۱۰۲۲

اوردوبارہ ادا کرنے سے اکتانا نہیں چاہیے جیسا کہ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ ’’خدمت کو قطع نہ کرا گرچہ عدمِ قبول کے آثار ہوں‘ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ شانہ آدمی کی نیک نیتی کا بدلہ ضرورعطاءفرماتے ہیں اس لیے کہ ان صدقہ کرنے والوں نے خالص اللہ کے واسطے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تھا ،(اسی لئے رات کو چھپا کر دیا تھا) تو حق تعالی شانہ نے اس کو قبول فرمایا اور بے محل خرچ ہوجانے کی وجہ سے مردود نہیں ہوا۔ (۱)

زکوٰۃ اس طرح بھی ادا ہوسکتی ہے

فرض کریں کہ آپ جس معاشرے میں رہتے ہیں اس میں سو گھر غریبوں کے ہیں اور آپ ہر سال ایک لاکھ روپے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں آپ زکوٰۃ دو طرح سے ادا کر سکتے ہیں:

ایک یہ کہ آپ سو گھروں کو ہزار ہزار روپے دے دیں، آپ کی زکوٰۃ تو ادا ہو جائے گی؛ لیکن آئندہ سال بھی یہی سو گھر آپ کی زکوٰۃ کے منتظر رہیں گے؛ کیوں کہ آپ کے ہزار روپے نے ان کی وقتی ضرورت تو پوری کر دی تھی؛ لیکن سال گذرتے گذرتے یہ ضرورت پھر سے لوٹ آئی، اس طرح اگر آپ دس سال کیا پچاس سال بھی زکوٰۃ ادا کرتے رہیں تو آپ کے معاشرے سے غربت کا خاتمہ نہیں ہو پائے گا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ ایک لاکھ کی زکوٰۃ کو دس ہزار کے حساب سے صرف دس گھروں کو دیں اور وہ بھی اس طرح دیں کہ وہ لوگ ان پیسوں کے ذریعے خود اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں، یعنی وہ ان پیسوں کے ذریعے مستقل آمدنی کے لیے کوئی کاروبار کرلیں، تو آئندہ سال آپ کے معاشرے سے دس غریب گھر کم ہو جائیں گے اور آنے والے دس سال میں پورے معاشرے سے غربت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

---

(۱) فضائل صدقات: ۶۴

ہمارا مقصد صرف زکوٰۃ ادا کرنا نہ ہو؛ بلکہ اس طرح ادا کرنا ہو کہ ”آج کا زکوٰۃ لینے والا کل کا زکوٰۃ دینے والا بن جائے“ اب فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ آپ کو صرف زکوٰۃ ادا کرنی ہے یا پھر زکوٰۃ ادا کرنے کے ساتھ غربت کا خاتمہ بھی کرنا ہے۔

زوجین کا آپس میں زکوٰۃ دینا

زوجین کے ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینے کے مسئلے میں فقہائے کرام کے نزیک کچھ تفصیل ہے، چناں چہ شوہر کا اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے نکاح میں موجود بیوی کو دینا تو فقہائے کرامؒ کے نزدیک بالاتفاق جائز نہیں، الا یہ کہ اس عورت کو طلاق دے دی ہو، اور عدت بھی گذر گئی ہو، اور بیوی کے اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے نکاح میں موجود شوہر کو دینے کے بارے میں فقہائے کرامؒ کا اختلاف ہے، چناں چہ امام شافعیؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک، امام احمدؒ اور امام مالکؒ کی ایک روایت کے مطابق بیوی کا اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے شوہر کو دینا جائز ہے، جب کہ اس کا شوہر مال دار نہ ہو، بلکہ غریب ہو، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور امام احمدؒ کی ایک روایت کے مطابق بیوی کا اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے نکاح میں موجود شوہر کو دینا جائز نہیں، مگر یہ کہ شوہر نے اپنی اس بیوی کو طلاق دے دی ہو، اور اس کی عدت بھی ختم ہوگئی ہو، اور حنفیہ کی عام کتب فقہ وفتاویٰ میں اسی کے مطابق حکم مذکور ہے۔

مفتی رضوان صاحب راولپنڈی لکھتے ہیں: ”علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے اپنی کتاب ”المغنی“ میں امام احمدؒ کی اسی روایت کی طرف اپنا رجحان ظاہر فرمایا ہے، اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اور ہمارا ذاتی رجحان بھی اسی موقف کی طرف ہے، جس کے حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ بھی قائل ہیں، بالخصوص جب کہ اس کی ضرورت بھی لاحق ہو، مثلاً بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی عورت کی ملکیت میں زکوٰۃ کے نصاب کے بقدر سونے، چاندی کا زیور ہوتا ہے اور اس کا شوہر غریب، ضرورت مند، بلکہ بعض اوقات مقروض ہوتا ہے، ایسی صورت میں بہت سی عورتیں اپنے زیور اور مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتیں، اور اگر ان کو یہ

بتلایا جائے کہ وہ اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے شوہر کو دے سکتی ہیں تو بہت سی عورتیں زکوٰۃ دینے پر آمادہ ہو جائیں، اور کسی کے نزدیک بھی زکوٰۃ کا فریضہ ادا نہ ہونا بنسبت بعض کے نزدیک ادا ہونے کے سنگین ہے۔ واللہ اعلم۔

"وأما أعطاء المرأة زوجها زكاة مالها فقد اختلف فيه :فذهب الشافعي وصاحبابی حنفية وهو رواية عن احمد و اختيارإبن المنذر الى جواز ذلک لحديث زينب زوجة عبدالله بن مسعود عنهماإلخ"(۱)

مرتب کی رائے یہ ہے کہ مجبوری کی صورت میں بہتر یہی ہے کہ تملیک کی شکل اختیار کر لی جائے تاکہ ضرورت بھی پوری ہو جائے اور خروج عن المسلک یا مذہب کے غیر مُفتیٰ بہ قول پر فتوی یا عمل کرنا لازم نہ آئے۔

بنو ہاشم اور سید کو زکوٰۃ دینے کا حکم

"بنو ہاشم نسب کے متعدد افراد اور ہاشمی، سید، عباسی، علوی وغیرہ کے نسب سے مشہور بے شمار خواتین وحضرات ایسے ہیں کہ جو بہت غریب اور پس ماندہ وخستہ حالت میں زندگی گزار رہے ہیں، اور نسب کے سلسلے میں فقہائے کرام نے شہرت کو کافی قرار دیا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح کے لوگوں کو بنو ہاشم یا ہاشمی قرار دیا جائے، اور جب زکوٰۃ یا واجب صدقات سے ایسے خستہ حال اور پس ماندہ خواتین وحضرات کی اعانت ومدد کا سوال پیش آتا ہے تو اہلِ علم حضرات ان کو زکوٰۃ اور واجب صدقات دینے سے منع کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ بنو ہاشم کو زکوٰۃ اور واجب صدقات دینا جائز نہیں، اور جب اس کے بجائے لوگوں کو نفلی صدقات یا عطیات وغیرہ کے ذریعے ایسے حضرات کی ضیافت یا اعانت کی تلقین کی جاتی ہے تو عوام اس کے لیے تیار نہیں ہوتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کی گنجائش نہیں ہے۔

ایسے حالات میں ہاشمی نسب رکھنے والے یہ حضرات انتہائی کسمپرسی کے عالم میں زندگی

(۱) الموسوعة الفقهية الكوتية: ۲۳/ ۳۲۷، مادۃ زکاۃ، بہ حوالہ زکات کے فضائل واحکام: ۵۰۰

گزارنے پر مجبو ہوتے ہیں، اور طرح طرح سے کوفت وتکلیف اٹھاتے ہیں، تو اس قسم کے ناگفتہ بہ مخصوص حالات میں اہلِ علم حضرات کو کیا اس مسئلے میں گنجائش یعنی بنوہاشم یا ہاشمی حضرات کے لیے زکوٰۃ وصدقات کے جائز ہونے کا راستہ نکالنا چاہیے یا نہیں؟۔(۱)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صدقہ قبول نہیں فرماتے تھے

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدیہ کو قبول فرمالیا کرتے تھے، اور صدقے کو قبول نہیں فرمایا کرتے تھے۔ "انه كان يقبل الهدية ولايقبل الصدقة"(۲)

تملیک کے بعد صدقہ قبول کرنا

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، اور فرمایا: کچھ کھانا ہے؟ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ نہیں ہے! بخدا! یارسول اللہ! ہمارے پاس اس بکری کے گوشت کی ہڈی کے سوا کچھ نہیں جو میری آزاد کردہ باندی کو صدقے میں ملی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسی کو لے آؤ، کیونکہ وہ صدقہ اپنے محل پر پہنچ چکا ہے۔ "ان رسول الله ﷺ دخل عليها فقال هل من طعام؟ قالت: لا والله، يارسول الله! ماعندنا طعام إلا عظم من شدة أعطيته مولاتي من الصدقة، فقال: قربيه، فقد بلغت محلها"(۳)

بنوہاشم کو زکوٰۃ دینے کے جواز سے متعلق اہلِ علم کے اقوال

دیگر فقہائے کرام اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہر الروایۃ کے مطابق بھی عام حالات میں

---

(۱) الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۳/۳۲۷، مادة زكاة، بہ حوالہ زکات کے فضائل واحکام: ۵۰۰

(۲) مسند احمد، حدیث: ۸۷۱۴

(۳) صحیح مسلم، حدیث: ۱۰۷۳

نبی کریم ﷺ کے مخصوص رشتے داروں یعنی بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، جن کو ہاشمی کہا جاتا ہے، اور فقہ حنفی وشافعی وغیرہ کی بہت سی کتب میں اسی قول کو راجح قرار دیا گیا ہے، اور اسی کے مطابق فتوی دیا جاتا ہے۔

البتہ اگر زکوٰۃ کا مال کسی غیر ہاشمی غریب کو مالک بنا کر دے دیا جائے اور پھر وہ مالک بننے کے بعد اپنی خوش دلی سے وہ مال کسی ہاشمی کو فروخت یا ہبہ کر دے، یا اس کو کھلائے پلائے، تو جائز ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ موجودہ زمانے میں بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، کیونکہ نبی ﷺ کے زمانہ میں غریب اور تنگدست بنو ہاشم کی ضرورت کیلیے مالِ غنیمت اور مالِ فیئ میں سے مستقل حصہ دیا جاتا تھا، اور اب مالِ غنیمت وغیرہ سے ان کیلیے عملی طور پر اس کا انتظام نہیں اس لیے اب ان کو زکاۃ دینا جائز ہے اور بعض حنفیہ کا رجحان اسی طرف ہے۔

جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور بعض حضرات کے بقول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق بنو ہاشم کا ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

اور یہی قول بعض شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ اور علامہ ابن تیمیہؒ کا بھی ہے، اور ان کے متبعین میں سے کئی جلیل القدر مشائخ اہلِ علم حضرات کا فتویٰ بھی آج کے دور میں جب کہ بنو ہاشم کے لیے خمس کا انتظام نہیں، اسی کے مطابق ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت وفتویٰ

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں کہ: اور امام طحاویؒ نے امام ابو یوسفؒ کے ''امالی'' سے نقل کیا ہے کہ خمس نہ پائے جانے کے وقت نبی کریم ﷺ کی آل کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، کیونکہ خمس میں ان کا حق تھا، جب وہ نہیں پایا گیا تو زکوٰۃ کو ان کی طرف خرچ کرنا صحیح ہو گیا، اور بحر میں محمد بن شجاع ثلجیؒ سے امام ابوحنیفہؒ کی روایت بھی جواز کی

ہے،اور''عقدالجید'' میں ہے کہ امام رازیؒ نے بھی اس کے جائز ہونے کافتویٰ دیا ہے، میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک زکوٰۃ کو لینا زیادہ ہلکا ہے، بنسبت سوال کرنے (بھیک مانگنے) کے تو میں بھی اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیتا ہوں۔ ''ونقل الطحاوی رحمہ اللہ عن أمالی ابی یوسف أنه جاز دفع الزکاة إلی آل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عندفقدان الخمس، فإن فی الخمس حقهم فاذالم یوجد، صح صرفها إلیهم، وفی البحر عن محمد بن شجاع الثلجی رحمہ اللہ عن أبی حنیفة رحمہ اللہ أیضا جوازه، وفی عقدا لجید أن الرازی أیضا أفتی بجوازه، قلت: أخذ الزکاة عندی أسهل من السوال فأفتی به أیضاً''(۱)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جب بنوہاشم کے لیے مالِ غنیمت اور مالِ فئی کی شکل میں اعانت کا انتظام نہ ہو، تو ضرورت وتنگدستی دور کرنے کے لیے بنوہاشم کو زکوٰۃ لینے کے جائز ہونے پر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی فتوی دیا کرتے تھے، اور وہ تنگ دست بنوہاشم کے سوال کرنے اور کسی کے سامنے مانگنے اور ہاتھ پھیلانے کو زیادہ سخت چیز سمجھتے تھے، بنسبت اس کے کہ ان کو زکوٰۃ دی جائے۔

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ قول پر بعض حضرات نے چار قسم کے اعتراضات کیے ہیں۔

[۱] ایک یہ کہ آپؒ کا یہ قول جمہور کے خلاف ہے [۲] دوسرے صحیح احادیث کے خلاف ہے [۳] تیسرے یہ قیاس ہے نص کے مقابلے میں [۴] چوتھے یہ کہ بعض صورتوں میں سوال جائز ہے اور یہ صدقات کی حرمت بنوہاشم پر بوجہ اوساخ الناس ہونے کے کسی صورت میں بھی جائز نہیں اور اس کی علت مؤبدہ ہے، لہٰذا ان کا یہ فتویٰ درست نہیں۔

جہاں تک پہلے شبہ کا تعلق ہے تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ اس سلسلے میں علامہ کشمیری تنہا نہیں ہے، بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت اور حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی

---

(۱) الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۳/۲۷،۳۲۲، مادة زكاة، بحوالہ زکوٰۃ کے فضائل واحکام: ۵۰۰

سلسلے کے متعدد مشائخ اور جلیل القدر اہلِ علم حضرات بھی اس کے قائل ہیں، علاوہ ازیں اگر کوئی مسئلہ علت سے یا عرف ورواج کی تبدیلی کی وجہ سے حکم کے بدلنے کا متقاضی ہو، تو اس میں جمہور کی مخالفت کا حکم لگنا زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہوتا۔

اور جہاں تک اس موقف کے صحیح احادیث کے خلاف ہونے کا تعلق ہے، تو اس سلسلے میں صاحب ''الاختیار'' وغیرہ کا یہ قول ہے کہ احادیث کا یہ حکم اس وقت لاگو ہوتا ہے، جب کہ زکوٰۃ کے عوض میں مالِ غنیمت سے بنوہاشم کو حصہ حاصل ہوتا ہو، ورنہ کوئی تعارض ومعارضہ نہیں اور ایسی حالت میں آیت اپنے اطلاق پر جاری رہے گی۔

اور جہاں تک نص کے مقابلے میں قیاس کا تعلق ہے تو یہ بھی تسلیم نہیں؛ کیونکہ نصوص سے ہی مالِ غنیمت کے عوض کی تعلیل ثابت ہے اور جب کوئی نص کسی علت کے ساتھ معلل ہو، تو علت کے ارتفاع سے حکم کا ارتفاع ہو جاتا ہے۔

اور جہاں تک چوتھی بات کا تعلق ہے تو اس کے متعلق عرض ہے کہ اگر بنوہاشم کو زکوٰۃ لینے میں ان کو ذلت سے بچانے کی حکمت مضمر ہو، تو سوال کرنے میں یہ حکمت زیادہ شدت کے ساتھ متأثر ہوتی ہے، جس میں شک نہیں، یہی وجہ ہے کہ بعض دیگر جلیل القدر فقہاء ومشائخ نے جواز کا فتوی دیا ہے۔

مفتی محمود الحسن صاحبؒ کا فتوی

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''سادات کا اکرام واحترام لازم ہے، اس لیے ان کو زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ دینے سے احتراز کا حکم ہے، کیونکہ ایسا مال اوساخ الناس کہلاتا ہے، لیکن جو سادات اس قدر حاجتمند ہوں کہ گزارے کے لیے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں، ان کے حق میں حنفیہ میں امام طحاوی اور شافعیہ میں سے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے زکوٰۃ کو درست قرار دیا ہے کہ زکوٰۃ لینے میں جس قدر

انکے احترام پرزد پڑتی ہے،اس سے زیادہ تر بھیک مانگنے میں ہے،یہ سب کی نگاہوں میں بڑی ذلت ہے،اس بڑی ذلت سے بچانے کے لیے اگران کو زکوٰۃ دیدی جائے تو یہ اَہون ہے،اگرچہ یہ ظاہرالروایہ نہیں ہے،اور عامۃً اس کو فتوے کے لیے اختیار نہیں کیا جاتا،لیکن سخت مجبوری اور محتاجگی کی حالت میں اس پر عمل کرنے کی دیگر اکابر کے کلام میں گنجائش معلوم ہوتی ہے،حضرت مولانا انورشاہ صاحب کے کلام کا خلاصہ فیض الباری اور العرف الشذی میں منقول ہے"(۱)

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی رائے

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: "امام طحاویؒ کے نزدیک ہاشمی عامل کی اجرت،زکوٰۃ سے دی جاسکتی ہے،بلکہ ابوعصمہؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت اس کی نقل کی ہے کہ بیت المال کا خمس ختم ہونے کے بعد بنوہاشم کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے،امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "عن محمد عن ابی یوسف" کے طریق سے ایک روایت یہی نقل کی ہے،بعض شافعیہ اور بعض مالکیہ کا بھی یہی قول ہے،امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امالی ابی یوسف سے یہی قول نقل کرکے اسی کو اختیار کیا ہے،شافعیہ میں سے امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

ایک غورطلب امر: ہمارے زمانے کے فقہاء کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ کیا اس دور میں بنوہاشم میں فقر کی کثرت کو دیکھتے ہوئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا روایت پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟(۲)

فائدہ: معلوم ہوا کہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم بھی موجودہ دور میں بنوہاشم کیلیے زکوٰۃ کے جواز پر فتوے کے لیے غور کرنے کے قائل ہیں،اور موجودہ دور کے کئی

---

(۱)الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۳/۳۲۷،مادۃ زکاۃ،بحوالہ زکوٰۃ کے فضائل واحکام:۵۰۰

(۲)درس ترمذی: ۲/۴۷۹ ابواب الزکوٰۃ

اہلِ علم وفقہ حضرات کے غور وفکر کے نتیجے میں اس کی طرف رجحان وفتویٰ موجود ہے۔

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کا فتویٰ

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: ''موجودہ دور میں کسی ہاشمی کو جو فقیر ہو زکوٰۃ دینا میرے نزدیک جائز ہے، اس بارے میں اصل مسلک تمام ہی علماء کا یہی ہے کہ زکوٰۃ ہاشمی کو نہیں دی جاسکتی ہے، لیکن ظاہر الروایہ اور مشہور مسلک سے الگ ہو کر ایک قول امام ابو یوسفؒ کا یہ منقول ہے کہ ہاشمی کی زکوٰۃ ہاشمی کو دی جاسکتی ہے، امام ابوحنیفہؒ سے ابوعصمہؒ کی روایت یہ ہے کہ امام صاحب سادات کے لیے علی الاطلاق جواز کے قائل ہیں، خواہ زکوٰۃ ہاشمی کے مال کی ہو یا غیر ہاشمی کے مال کی، امام صاحبؒ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ خمس الخمس جو اہلِ قرابتِ رسول اللہ ﷺ کے لیے تھا، اب وہ انھیں نہیں ملتا، زکوٰۃ ان پر حرام قرار کردی گئی، لیکن اس کا بدل خمس الخمس مقرر کیا گیا تھا اب جبکہ وہ بدل ختم ہو گیا تو اصل یعنی زکوٰۃ ان کے لیے حلال ہوگی، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، شوافع میں امام اصطخریؒ اور بعض حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے، متاخرین علمائے ہند میں حضرت انور شاہ کشمیریؒ کے بارے میں ''فیض الباری'' میں نقل کیا گیا ہے کہ سادات کو مجبور ہو کر بھیک مانگنے کے مقابلے میں زکوٰۃ کھانا آسان تر ہے، لہٰذا میں بھی یہی فتویٰ دیتا ہوں، کفایت المفتی میں مفتی عتیق الرحمن عثمانی کا فتویٰ جواز ہی کا نقل کیا گیا ہے، اگرچہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کو اس سے اتفاق نہیں تھا۔

بہر حال قولِ امام مختلف ہے، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر علماء نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، اختلاف دلائل وبراہین کا نہیں؛ بلکہ بدلتے ہوئے حالات اور زمانے کا ہے، اس لیے اپنے دور کے حالات کے اعتبار سے اس روایتِ غیر مشہورہ پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے، موجودہ حالات یہی ہیں کہ خمس الخمس سادات کو ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، عطایا و ہدایا کے ذریعے سادات کی خدمت کا جذبہ مفقود ہوتا جارہا ہے، لہٰذا میں پوری طمانیتِ قلب کے ساتھ یہ

رائے رکھتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ ضرورت مند سادات کو زکوٰۃ شرعاً دی جاسکتی ہے۔ (مجلہ بحث ونظر) (۱)

شیخ عبداللہ بن صالح عثیمین صاحب ؒ کی رائے

عرب کے مشہور عالم شیخ عبداللہ بن صالح بن محمد العثیمین ؒ فرماتے ہیں کہ: بعض اہل علم حضرات نے فرمایا کہ بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، جب خمس موجود نہ ہو، یا موجود تو ہو لیکن ان کو وہ خمس حاصل نہ ہو.. پس جب ان کو خمس حاصل نہ ہو یا خمس موجود نہ ہو، جیسا کہ ہمارے اس وقت کی حالت ہے تو پھر بے شک ان کو زکوٰۃ دی جائے گی، ان کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے، جب کہ وہ فقیر (غریب) ہوں اور ان کے پاس کمائی کا کوئی ذریعہ نہ ہو، اور یہی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ کا اختیار کردہ قول ہے، اور یہی صحیح ہے۔

”وقال بعض اهل العلم :يجوز ان يعطوا من الزكاة إذالم يكن خمس أووُجِدَ وَمُنِعُوا منه ... فاذا منعوا أولم يوجد خمس، كما هو الشان فى وقتنا هذا فإنهم يعطون من الزكاة دفعا لضرورتهم إذا كانوا فقراء، وليس عندهم عمل، وهذا اختيار شيخ الإسلام ابن تيميه، وهو الصحيح“(۲)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم کی رائے

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم نے بھی اس موضوع پر قدرے مفصل کلام کیا ہے، اور موجودہ دور میں جواز کے پہلوؤں کی طرف اپنا رجحان ومیلان ظاہر کیا ہے، کہ

---

(۱) بعنوان ”سادات کو زکوٰۃ دینا“ ص :۱۰۰، ۱۹۹۰ء پٹنہ بھارت، ماخوذ از ”فتاوی دارالعلوم زکریا: ۳/ ۲۴۶، کتاب الزکاۃ، مطبوعہ؛ زمزم پبلیشرز، کراچی، تاریخِ اشاعت: نومبر ۲۰۰۹ء، وسہ ماہی مجلہ ”الباحث الاسلامیہ“ جلد: ۴، شمارہ: ۳، ۱۵/ستمبر ۲۰۰۶ء صفحہ: ۱۲۰، مضمون ”سادات خاندان کو زکوٰۃ دینے کی شرعی حیثیت“ از مولانا مفتی مختار اللہ حقانی۔

(۲) الشرح الممتع على زاد المستقنع: ۶/ ۸۸، كتاب الزكوٰة

اس مسئلے میں علماء کے چار قول ہیں، چناں چہ وہ اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

(اکثر فقہاء کا قول) سادات وبنو ہاشم کے لیے مطلقاً زکوٰۃ حرام ہے، دوسرا قول: بعض حضرات مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں (جو محلِ نظر ہے) تیسرا قول: بنو ہاشم کے لیے بنو ہاشم کی زکوٰۃ لینا درست ہے، جس کے قائل امام ابو یوسفؒ بھی ہیں، چوتھی رائے: یہ ہے کہ اصولی طور پر تو سادات کے لیے زکوٰۃ جائز نہیں ہے، لیکن ایسے حالات میں کہ بیتُ المال کو مالِ غنیمت وغیرہ سے حاصل ہونے والی آمدنی سے ایک خمس (پانچویں حصہ) کا مد باقی نہیں رہا، تو ان کے لیے زکوٰۃ لینی جائز ہے، جیسا کہ مذکور ہوا، ائمہ اربعہ کے متبعین میں مختلف اجلۂ فقہاء کی یہی رائے ہے اور خود امام ابو حنیفہؒ کا ایک قول اس طرح کا موجود ہے، ان کے پیشِ نظر یہ بات ہے کہ سادات کے لیے زکوٰۃ کی حرمت کی حکمت یا علت ''خمس'' میں ان کا استحقاق ہے، آپ نے فرمایا: تم اہلِ بیت کے لیے صدقات حلال نہیں کہ یہ ہاتھوں کا میل ہے اور تمھارے لیے مالِ غنیمت (حصہ بیت المال) کا خمس (ذوی القربی کا حصہ) ہے، جو تم کو اس سے بے نیاز کر دے گا۔ ''لَایَحِلُّ لَکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ مِنَ الصَّدَقَاتِ شَیٔ ءٌ إِنَّماھِیَ غُسَالَۃُ الْأَیْدِیْ وإِنَّ لَکُمْ فِیْ خمسِ الخمسِ لمایُغْنِیکُمْ'' (۱)

لہٰذا اب جب کہ یہ مخصوص مد باقی نہیں رہا، سادات کو اس سے بھی محروم رکھنا قرین انصاف نہ ہوگا۔

قولِ ضعیف پر فتویٰ: ہر چند کہ اس دلیل پر کافی کلام کی گنجائش ہے اور بنیادی اہمیت اس بات کی ہے کہ ''خمس'' کا ''عوض'' ہونے کی حیثیت محض حکمت ومصلحت کی ہے، جس کو فقہاء احکام کا مدار نہیں بناتے، یا ''علت'' کی ہے، جس پر حکم کا مدار ہوا کرتا ہے؟ (۲)

---

(۱) طبرانی عن ابن عباس، الدرایۃ علی الھدایۃ: ۲/ ۲۰۲، وعوضکم منھا الخمس، کالفظ جو معروف ہے، وہ صحیح طور پر ثابت نہیں ''فتح القدیر: ۲/ ۲۱۲''

(۲) بعض اہلِ علم حضرات جو خمس کے زکوٰۃ کا بدل ہونے کی علت قرار دیتے ہیں، خود امام ابو حنیفہؒ کی غیر ظاہر الروایۃ کے متعدد اہلِ علم حضرات نے اسی علت کو مؤثر مانا ہے، (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

آگے لکھتے ہیں: ”خلاصۂ بحث : پس حاصل یہ ہے کہ:

اول: دوسری مدات سے سادات کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور رسول اللہ ﷺ سے ان کی قربت کا خیال کرکے ان کے حق میں فراخ دلی کا برتاؤ کرنا چاہیے۔

دوسرے: اگر سادات کو بالواسطہ زکوٰۃ کی رقم پہنچائی جاسکتی ہو تو یہ راستہ اختیار کرنا چاہیے ،مثلاً شوہر و بیوی میں سے ایک سید ہو، دوسرا نہ ہو، تو جو سید نہ ہو، اس کو زکوٰۃ دی جائے، ماں سادات میں سے ہو، اولاد نہ ہو تو اولاد کو، اور اولاد سید ہو، ماں سید نہ ہو تو ماں کو زکوٰۃ سے مدد کی جائے۔

تیسرے: اگر کسی دوسری مَد سے اعانت کی گنجائش نہ ہو تو بالواسطہ زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ، قاضی ابو یوسف، امام طحاوی، علامہ ابہری مالکی، اصطخری، شافعی ،امام رازی، علامہ ابن تیمیہ رحمہم اللہ اور ایک قول کے مطابق امام مالکؒ اور اکابر علمائے ہند میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے۔(۱)

اگرچہ بعض حضرات اوساخ الناس کو بھی علت سمجھتے ہیں، لیکن اگر اوساخ لناس کو علت قرار دیا جائے، اور اس علت کو عام قرار دیا جائے، خواہ وہ وسخ کسی بنوہاشم کا مال ہو، جیسا کہ یہ حضرات فرماتے ہیں، تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ غیر بنوہاشم کے لیے بھی زکوٰۃ جائز نہ ہو، اس لیے ہمیں یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اوساخ الناس نجاست کے وجہ کی چیز نہیں، بلکہ میل کچیل کے درجہ کی چیز ہے، جس کو حکمت قرار دیا جانا زیادہ مناسب ہے۔واللہ اعلم۔تاہم فی زماننا سادات کے لیے زکوٰۃ کا دروازہ کھول کر ہی مقصدِ شریعت کہ سادات کو ذلت سے بچایا جائے کی تکمیل کی جاسکتی ہے، کیونکہ اب سادات کی اعانت کا جذبہ مفقود ہے، اب ان کو زکوٰۃ سے محروم کرکے ایک طرف زکوٰۃ کی ذلت بچایا جارہا ہے، لیکن دوری طرف اس سے بڑی ذلت پر وہ مجبور ہیں کہ دوسروں کے سامنے سوال کا ہاتھ دراز کریں اور دینی مدارس میں تعلیم کا دروازہ ان کے لیے بند کردیا جائے اور ہمیشہ علم سے محروم اور پست رہنے پر مجبور کردیا جائے، پس اب سادات کے لیے زکوٰۃ کی اجازت ایک ضرورت بن گئی ہے اور ضرورت کی بناء پر قول ضعیف پر بھی فتویٰ دیا جاسکتا ہے“(زکاۃ کے فضائل واحکام:۱۵۱)

(۱) جدید فقہی مسائل: ۲/ ۱۳۹ تا ۱۴۴

کیااوساخ الناس لینادرست ہے؟

جوحضرات جواز کے قائل ہیں،ان پر یہ اشکال عائد ہوتا ہے کہ مسلم شریف کی روایت میں ہے: صدقات لوگوں کا میل کچیل ہیں،محمد ﷺ اور آپ کے آل کے لیے حلال نہیں ہیں ”إنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ إنّماهِیَ أوْسَاخُ النَّاسِ،وَإنّهَالَاتحلُّ لمحَمّدٍوَلَالِآلِ محمّدٍﷺ“(۱)

جواز میں اس حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے،سواس حدیث کی تاویل ان کے نزدیک یہ ہوسکتی ہے کہ حلِ کامل نہیں،یعنی مناسب نہیں،بہت سے موقع میں”لاتحل“کا مطلب علماء نے نامناسب لکھا ہے،مثلاً سنن ابی داود،ترمذی وغیرہ میں یہ حدیث مذکور ہے:

”لَاتحلُّ الصَّدَقَةُلِغَنِیٍّ وَلَالِذِیْ مِرَّةٍسَوِیٍّ“

علماء نے اس حدیث میں لفظ”لاتحل“کی تاویل فرمائی ہے،یعنی یہ مطلب نہیں کہ حلال نہیں،بل کہ اس کے معنیٰ ہے،مناسب نہیں یا کامل حلال نہیں،چنانچہ ابوداود کے حاشیہ میں ہے:”لاتحلُّ حِلاًّ کَامِلاً“(۲)اور مرقاۃ میں ہے:”فِیْهِ نَفْیُ کَمَالِ الحلِّ لَا نَفْسِ الحلِّ“(۳) بلکہ ایک حدیث میں الفاظ”لاتنبغی“کے ہیں،”ثم قال إنَ الصدقة لاتنبغی لآل محمد،إنماهی أوساخ الناس“(۴)

نیز جولوگ اپنے آپ کو بنوہاشم کہتے ہیں،وہ کروڑوں کی تعداد میں ہیں،اوران میں بےشمار حاجت مند فقراء ہیں،اورلوگوں کی عادت یہ ہے کہ نفلی صدقات بہت کم دیتے ہیں، لہذااس ضرورت کی بناء پرعلماء نے زکوٰۃ کی رقم بنوہاشم کو دیناجائز قرار دیا ہے،ورنہ سوال کی

---

(۱) صحیح مسلم۱/ ۳۴۵

(۲) حاشیۂ ابوداوٗدشریف:۱/ ۳۲۱

(۳) مرقاۃ،۴/ ۱۶۹

(۴) صحیح مسلم،حدیث:۱۰۷

ذلت اس سے زیادہ سخت اور اہانت کا باعث ہے۔(۱)

مرتب کی رائے یہ ہے کہ حتی الامکان زکوۃ کی رقم دینے سے احتیاط برتی جائے، مجبوری کی صورت میں تملیک کے ذریعہ زکوۃ کی رقم دی جائے کہ پہلے کسی عقلمند محتاج کے حوالے زکوۃ کی رقم دیکر کچھ اسے ہدیہ کر دیا جائے اور اسے اپنا منشاء بتادیا جائے، ترغیب دی جائے کہ سادات کی خدمت کتنی عظیم سعادت ہے اور اسے اپنی طرف سے سادات کو دینے پر آمادہ کیا جائے۔

---

(۱) فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۳؍ ۲۲۵ بحوالہ زکوٰۃ کے فضائل واحکام: ۲۳۷، طبع ادارہ غفران، راولپنڈی

تیرھواں باب

صدقۂ فطر کے احکام ومسائل

اس باب میں صدقۂ فطر کے ضروری مسائل، حکمت ومقصد، صدقۂ فطر میں عمومی کوتاہی گیہوں کو ہی بنیاد بنانے کا ذکر کیا گیا ہے۔

صدقۂ فطر کس پر واجب ہے؟

صدقۂ فطر ہر اس صاحب نصاب پر واجب ہے جس کے پاس مال ضروریاتِ اصلیہ سے زائد ہے خواہ وہ مال نامی یا غیر نامی ہو ”صدقة الفطر تجب علی کل حر مسلم مالک نصاب فاضلا عن حاجته الأصلیه وإن کان غیر نام“ (۱)

موجودہ نصاب کے اعتبار سے جس کے پاس ۸۷/گرام، ۴۸۰/ملی گرام سونا، یا ۶۱۲/گرام، ۳۶۰/ملی گرام چاندی ہو یا اس کے بقدر ضروریاتِ اصلیہ سے زائد مال ہو تو اس پر صدقہ فطر واجب ہے۔ (۲)

صدقۂ فطر واجب ہونے کے لیے صاحبِ نصاب ہونے کی شرط فقہائے احناف کے نزدیک ہے، جب کہ دیگر فقہاء کے نزدیک صدقۂ فطر ہر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس اپنی ذات کے اور جن لوگوں کا نان ونفقہ اس کے ذمہ واجب ہے ان کے علاوہ ایک رات اور ایک دن کی خوراک کا بندوبست ہو، تاہم اگر کوئی غیر صاحب نصاب بھی بہ خوشی ادا کردے تو اس کو ثواب ملنے سے فقہائے احناف بھی انکار نہیں کرتے ہیں۔

صدقۂ فطر کی مقدار

کھجور، جو، کشمش، اور پنیر سے دیا جائے تو ایک صاع (ساڑھے تین کلو) دیا جائے، گیہوں سے دیا جائے تو آدھا صاع (ایک کلو ۶۳۵/گرام، ۸۲۷/ملی گرام) دیا جائے، لیکن صاحب حیثیت لوگوں کو چاہیے کہ وہ گیہوں میں سے بھی ایک ہی صاع دے دیا کریں۔

نوٹ: احتیاطا بہتر ہے کہ ایک کلو ۷۵۰ گرام یعنی پونے دو کلو دے دیا جاوے۔

---

(۱) تحفۃ الملوک: ۱/۱۳۱

(۲) فتاوی قاسمیہ: ۱۰/۲۸۹

صدقۂ فطر کی حیثیت

حضرت وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: صدقۂ فطر رمضان کے لیے ایسا ہے جیسا کہ نماز کے لیے سجدۂ سہو ہے، کہ صدقۂ فطر روزے کی کمی کوتاہی کی اس طرح تلافی کردیتا ہے جس طرح سجدۂ سہو نماز کے نقصان کی اور کمی کوتاہی کی تلافی کردیتا ہے۔ ”زكاة الفطر لشهر رمضان كسجدتي السهو للصلاة ،تجبر نقصان الصوم كما تجبر السهو نقصان الصلاة“(۱)

صدقۂ فطر کی حکمت

صدقۂ فطر کی یوم الفطر میں تعیین کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں، چنانچہ رحمۃ اللہ الواسعۃ میں حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(۱) یوم الفطر کو صدقہ ادا کرنے سے ایک اسلامی شعار کی تکمیل ہوتی ہے یعنی عید الفطر خوشی کی ایک اسلامی تقریب ہے، اس میں دوگانہ عید ادا کی جاتی ہے، پس اس کی شان اسی وقت بلند ہوسکتی ہے جب ہر مسلمان اس تقریب (عبادت) میں شریک ہو، اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے کہ مساکین اس دن فکر معاش سے فارغ ہوں، اس لیے یوم الفطر کو فطرہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ غرباء فارغ البال ہوکر خوشی خوشی فریضہ عید کی ادائیگی میں شریک ہوں۔

(۲) یوم الفطر میں صدقہ کرنے سے روزے داروں کی تطہیر اور روزوں کی تکمیل مقصود ہے، یعنی روزوں میں جو بے ہودہ باتیں اور برا کلام صادر ہوگیا ہے اس کا گناہ صدقہ سے دھل جاتا ہے، اور اس کی نظیر نمازوں میں سنن مؤکدہ ہیں، ان سے بھی نماز کی تکمیل

---

(۱) تاریخ بغداد: ۱۰/ ۲۸۲، دار الکتب العلمیہ

ہوتی ہے۔(۱)

مجمع الانہر میں عبد الرحمن بن الشیخ محمد شیخی زادہ نے اور محمد بن اسماعیل الطحطاوی نے حاشیۃ الطحطاوی میں یہ عبارت لکھی ہے کہ:

”قالو فی صدقة الفطر ثلاثه أشياء قبول الصوم و الفلاح و النجاة من سكرات الموت و عذاب القبر“(۲)

علماء نے فرمایا کہ صدقہ فطر میں تین چیزیں ہیں[۱] ایک اس کے ذریعے سے روزے کا قبول ہونا[۲] دوسرے کامیابی کا حاصل ہونا[۳] تیسرے موت کی سختی اور قبر کے عذاب سے نجات کا حاصل ہونا۔

صدقۂ فطر روزوں کو پاک صاف کرنے کا ذریعے ہے، روزے کی حالت میں جو فضول، بیہودہ باتیں زبان سے نکلیں، صدقۂ فطر کے ذریعہ روزے ان چیزوں سے پاک ہوجاتے ہیں اور صدقۂ فطر سے عید کے دن ناداروں اور مسکینوں کی خوراک کا انتظام ہوجاتا ہے اور عید کی خوشیوں ومسرتوں میں غریبوں کو شامل کرلیا جاتا ہے، اسی لیے عید کی نماز کو جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم ہے، اسی طرح صدقۂ فطر سے اللہ تعالیٰ مال اور رزق میں برکت عطا فرماتے ہیں، اس کی ادائیگی سے انسان کو کامیابی ملتی ہے، اور نفس کا تزکیہ ہوتا ہے، اندازہ کیجیے کتنا آسان نسخہ ہے کہ صرف صدقۂ فطر کی تھوڑی سی مقدار دینے سے پورے مہینے کے روزوں کی صفائی ہوجاتی ہے اور لایعنی اور گندی باتوں کی روزے میں جو ملاوٹ ہوگئی اس کے اثرات سے روزے پاک ہوجاتے ہیں، گویا صدقۂ فطر ادا کردینے سے روزوں کی قبولیت کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والی چیزیں باقی نہیں رہتیں، اس لیے بہتر تو یہی ہے کہ ہر مسلمان امیر وغریب صدقۂ فطر ادا کرکے صدقۂ فطر کے فضائل وفوائد سے مستفید ہو، اسی لیے اگر مسئلے کی رو سے کسی پر صدقۂ فطر واجب نہ ہو اور اس کو صدقۂ فطر ادا کرنے کی وسعت ہو،

---

(۱) رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۶۶/۴

(۲) مجمع الانہر: ۲۲۶/۱۔

تب بھی اس کو صدقۂ فطر ادا کرنا بہتر ہے، تا کہ سب کے نزدیک وہ بریٔ الذمہ ہو جائے، اور اس کے فوائد و منافع سے بھی مستفید ہو جائے، بالخصوص جب کہ اس سے مال میں بھی کمی نہیں آتی؛ بل کہ برکت ہوتی ہے، اور یہ ظاہر بات ہے کہ غریب کو بھی اپنے روزوں کو پاک کرنے کی ضرورت ہے، خرچ بہت معمولی ہے اور نفع بہت بڑا ہے، یہ بھی ملحوظ رہے کہ مندرجہ بالا فوائد پر صدقۂ فطر واجب ہونے نہ ہونے کا دارو مدار نہیں، بل کہ وہ حکمت و مصلحت کے درجے میں ہیں اور ہر حکمت و مصلحت کا ہر وقت ہر شخص کے حق میں پایا جانا ضروری نہیں ہے اور اصل بنیاد اس پر ہے کہ یہ شریعت کا ایک حکم ہے، صدقۂ فطر واجب ہونے کے لیے صاحب نصاب ہونے کی شرط فقہائے احناف کے نزدیک ہے، جب کہ دیگر فقہاء کے نزدیک صدقۂ فطر ہر اس شخص کو ادا کرنے کا حکم ہے جس کے پاس اپنی ذات اور جن لوگوں کا اپنے ذمہ نان ونفقہ واجب ہے، ان کے علاوہ ایک رات اور ایک دن کی خوراک کا بندوبست ہو، تاہم اگر کوئی غیر صاحب نصاب بھی بہ خوشی ادا کرے تو اس کے کارِ ثواب ہونے سے فقہائے احناف کو بھی انکار نہیں۔

صدقۂ فطر میں قابل توجہ پہلو

حدیث پاک میں صدقۂ فطر گیہوں، کشمش، کھجور، وغیرہ سے دیے جانے کا تذکرہ ہے ہندوستان میں چوں کہ گیہوں عام طور سے دستیاب ہو جاتا ہے (رمضان میں عمدہ کھجور اور کشمش بھی بغیر کسی پریشانی کے مہیا ہونا ممکن ہے) اس لیے فقہاء نے سہولت کے لئے گیہوں کے حساب سے دینے کا تذکرہ کیا ہے؛ لیکن صدقۂ فطر کا مقصد موجودہ زمانے میں گیہوں سے ادا کرنے کی صورت میں بالکل ادا نہیں ہوتا، صدقۂ فطر کا مقصد عید کے دن غریب کے گھر کا انتظام بہ سہولت ہو سکے، مگر گیہوں کا حساب لگا کر ۶۰/۷۰ روپیہ دیا جائے تو دودھ بھی بہ مشکل آتا ہے، چہ جائے کہ غریب کے گھر کا دیگر انتظام ہو پائے، اس لیے صاحب ثروت حضرات کو کشمش اور کھجور سے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیے، اور نہایت ادب سے ہمارے

علماء وخطبائے کرام سے درخواست ہے کہ صدقۂ فطر کی مقدار محض گیہوں کی بتانے پر اکتفانہ کریں؛ بل کہ کھجور اور کشمش کی بھی بیان کرکے غرباء کا جس میں فائدہ ہو اس کی ترغیب دیں، صحابہ کرامؓ سے کھجور وکشمش سے صدقۂ فطر دینا ثابت ہے۔ "عن عیاض بن عبداللہ بن سعید بن إبی سرح العامری أنه سمع أبا سعید الخدری رضی اللہ عنہ یقول کنا نخرج زکاة الفطر صاعا من طعام أو صاعا من شعیر أو صاعا من تمر أو صاعا من اقط أو صاعا من زبیب۔"(۱)

مفتی سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم لکھتے ہیں: آج کل نصف صاع کے اعتبار سے ایک صدقۂ فطر کی مقدار (بہت کم بیٹھتی ہے، جو بڑے مال داروں کے لیے کوئی حیثیت اور وقعت نہیں رکھتی، اس لیے ایسے لکھ پتی اور کروڑ پتی سرمایہ دار حضرات کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لیے نصف صاع گیہوں کی قیمت لگانے کی بجائے ایک صاع (تین کلو ڈیڑھ سو گرام) کھجور یا کشمش کا حساب لگایا کریں، اس میں ان کو ثواب زیادہ ملے گا اور فقراء کا نفع زیادہ ہوگا، روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کھجور یا جو یا آدھا صاع گیہوں کا صدقہ ضروری قرار دیا ہے، جو ہر آزاد، غلام، عورت، چھوٹے اور بڑے پر لازم ہے، لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے اور یہ دیکھا کہ گیہوں کا بازاری بھاؤ سستا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی نے تمہارے اوپر وسعت فرمائی ہے؛ اس لیے اگر تم صدقۂ فطر ہر چیز کا ایک صاع کے حساب سے نکالو، تو زیادہ بہتر ہے۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ وسعت رکھنے والے صاحب حیثیت لوگوں کو اضافے کے ساتھ صدقۂ فطر نکالنا چاہیے۔ قال فی البذل: قوله" صاعا من کل شیئ أی من الحنطة

---

(۱) صحیح البخاری: ۱/۲۰۴ حدیث: ۱۴۸۴

(۲) سنن ابوداود: ۱/۲۲۹ حدیث: ۱۶۲۲

وغیرھا لکان أحسن"۔(۱)

گیہوں پونے دوکلومقرر کرنے کی وجہ

گیہوں سے نصف صاع صدقۂ فطر مقرر کرنے کی حکمت میں غور کیا جائے تو موجودہ دور میں گیہوں سے صدقۂ فطر دینا صدقۂ فطر کے مقصد کو فوت کر دیتا ہے، چناں چہ احقر کے استاذِ محترم حضرت مفتی سعید صاحب رحمہ اللہ "رحمۃ اللہ الواسعۃ" میں لکھتے ہیں: گندم دورِ اول میں گراں تھا، امراء ہی اس کو کھاتے تھے، مساکین کو وہ نصیب نہیں ہوتا تھا۔

خاندانِ بنوابیرق کے بشیر نامی منافق نے جو چوری کی تھی اس واقعے میں حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ نے یہ بات بیان کی ہے کہ جب شام سے کوئی تاجر میدہ لاتا تو متمول (مال دار) آدمی اس کو خرید لیتا، اور اپنے لئے خاص کر لیتا، اور بال بچے کھجور اور جو کھاتے (۲)

چنانچہ بعض روایت میں نصف صاع گندم کو ایک صاع جو پر محمول کیا گیا ہے، یعنی اس زمانے میں نصف صاع گندم کی قیمت ایک صاع جو کی قیمت کے برابر ہوتی تھی، اس لیے نصف صاع گندم صدقۂ فطر میں نکالنا کافی قرار دیا گیا، مگر بعد میں گندم سستا ہو گیا، پس اس کا بھی ایک ہی صاع نکالنا چاہیے، جیسے کپڑوں میں تنگی تھی تو ایک کپڑے میں نماز کو جائز قرار دیا تھا، مگر جب اللہ نے کپڑوں میں گنجائش کر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم بھی گنجائش کرو یعنی اب دو کپڑوں میں نماز پڑھو، یہی افضل ہے، اسی طرح جب گندم سستا ہو گیا تو اس کا بھی ایک صاع نکالنا چاہیے۔(۳)

صدقۂ فطر میں دو قابلِ توجہ پہلو

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) بذل المجہود: ۶/ ۴۵۴ تحفۂ رمضان: ۲۸۳

(۲) ترمذی: کتاب التفسیر سورۃ النساء: ۲/ ۱۲۸

(۳) رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۴/ ۶۶

نے صدقۃ الفطر کے لئے چند چیزوں کو معیار بنایا ہے: کھجور، جو، کشمش، پنیر(۱) ان میں سے کھجور، جو، کشمش اور کھانے کی دوسری چیزوں کے بارے میں اتفاق ہے کہ قدیم پیمانے کے لحاظ سے ایک صاع نکالنا واجب ہے، گیہوں کے سلسلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصف صاع گیہوں کا نکالنا کافی ہے؛ کیوں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ایک صاع کھجور یا جَو اور نصف صاع گیہوں کا تذکرہ آیا ہے(۲) دیگر فقہاء امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک گیہوں میں بھی صدقۃ الفطر ایک صاع ہی واجب ہوتا ہے؛ کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے عید الفطر سے ایک دو دنوں پہلے ہی صدقۃ الفطر ادا کرنے کی تلقین فرمائی اور اس میں ایک صاع گیہوں کا تذکرہ کیا(۳) اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ کوئی بھی کھانے کی چیز ہو، ہم لوگ اس میں ایک صاع صدقۃ الفطر کے طور پر نکالا کرتے تھے۔(۴)

احناف کے بشمول بہت سے فقہاء نے صدقۃ الفطر میں غلہ کے بجائے اس کی قیمت نکالنے کی اجازت دی ہے؛ کیوں کہ صدقۃ الفطر کا مقصد غرباء کی ضرورت پورا کرنا ہے، اور یہ ضرورت بمقابلہ سامان کے پیسوں سے زیادہ بہتر طور پر پوری ہوسکتی ہے اور ہندوستان میں اسی طور پر صدقۃ الفطر ادا کرنے کا رواج ہے، معمولی آمدنی کے حامل لوگ ہوں یا بڑے صاحب ثروت ہوں، سبھی حضرات پونے دو کیلو گیہوں بطور صدقۃ الفطر کے ادا کر دیتے ہیں، اب اس میں دو باتیں قابل توجہ ہیں: اول یہ کہ پونے دو کیلو گیہوں احناف کے نزدیک کافی ہے، دوسرے فقہاء کے نزدیک کافی نہیں، ان کے یہاں ساڑھے تین کیلو گیہوں سے

---

(۱) نیل الاوطار، عن ابی سعید خدری ۴ :۱۷۹/۔
(۲) مصنف ابن ابی شیبہ، عن ابن عباسؓ، حدیث نمبر :۱۰۳۳۴۔
(۳) نصب الرایہ ۲ :۴۰۶/
(۴) بخاری، حدیث نمبر :۱۵۰۶۔

صدقۃ الفطر ادا ہوگا، جن مسائل میں اختلاف ہو، ان میں ایک اہم اُصول یہ ہے کہ احتیاط کے پہلو کو اختیار کیا جائے اور ایسا عمل کیا جائے جو تمام دلیلوں اور فقہی رایوں کے مطابق درست ہو جائے، تو اگر ساڑھے تین کیلو گیہوں کے لحاظ سے فطرہ ادا کیا جائے تو یہ زیادہ محتاط عمل ہوگا، اور تمام فقہاء کے اقوال پر صدقۃ الفطر ادا ہو جائے گا۔

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے گیہوں کو صدقۃ الفطر کا معیار مقرر کیا ہے، اسی طرح جو، کھجور، کشمش اور پنیر کو بھی صدقۃ الفطر کے لئے معیار بنایا ہے، (۱) دورِ نبوی میں ان تمام چیزوں میں سب سے قیمتی شئے گیہوں تھی؛ کیوں کہ حجاز میں گیہوں کی پیداوار نہیں ہوتی تھی، گیہوں شام یا یمن سے انمپورٹ کیا جاتا تھا؛ اس لئے جن غذائی اشیاء کو صدقۃ الفطر کا معیار بنایا گیا تھا، ان میں گیہوں ہی سب سے قیمتی چیز تھی؛ اس لئے دوسری چیزیں ایک صاع کی مقدار میں واجب قرار دی گئیں اور گیہوں نصف صاع، اب صورت حال یہ ہے کہ اگر کشمش کے لحاظ سے صدقۃ الفطر ادا کیا جائے تو اس وقت اوسط درجے کی کشمش دو سو روپئے ہے اور اوسط درجے کی کھجور بھی اسی قیمت میں ہے، اس لحاظ سے ایک شخص کا صدقۃ الفطر سات سو ہوتا ہے اور اگر ان حدیثوں اور زیادہ تر فقہاء کے اقوال کی بنیاد پر ایک صاع گیہوں صدقۃ الفطر کے طور پر نکالا جائے تو فی کس ساڑھے تین کیلو گیہوں ہو جاتا ہے؛ اس لئے اگر چہ پونے دو کیلو گیہوں سے فطرہ ادا ہو جاتا ہے؛ لیکن تمام لوگوں کا اسی پر قانع ہو جانا شریعت کی روح کے خلاف ہے۔

اس لئے اس حقیر کا مشورہ ہے کہ جن لوگوں پر صدقۃ الفطر واجب ہے، ان میں جو بڑے تاجر اور اصحابِ ثروت ہیں، ان کو کھجور اور کشمش کی قیمت سے صدقۃ الفطر ادا کرنا چاہئے، جو لوگ معاشی لحاظ سے ان سے کم درجے کے ہوں، ان کو پونے دو کیلو کے بجائے ساڑھے تین کیلو گیہوں کے لحاظ سے صدقۃ الفطر ادا کرنا چاہئے؛ تاکہ تمام حدیثوں پر عمل ہو جائے، اور جو معاشی اعتبار سے اُن سے بھی کم درجہ کے ہوں، وہ پونے دو کیلو گیہوں کے لحاظ سے صدقۃ

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۱۵۰۶۔

الفطر ادا کریں، اس میں غرباء کا فائدہ ہے اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کی تمام سنتوں پر عمل ہو جائے گا اور اگر گیہوں ہی کے ذریعہ صدقہ ادا کرنا ہو تو گیہوں کی قیمت کے بجائے بہتر ہے کہ خود گیہوں مستحقین کو دے دیں؛ کیوں کہ اگر پونے دو کیلو گیہوں کی قیمت بطورِ فطرہ ادا کی جائے تو وہ حضور ﷺ کے قائم کیے ہوئے دوسرے معیارات کشمش اور کھجور کے اعتبار سے نامکمل ہوگا''۔

دوسرے ملک میں مقیم کا صدقۂ فطر کس حساب سے نکالیں؟

اگر کوئی غیر ملکی شخص مثلاً ہندوستان میں اپنا صدقۂ فطر ادا کرنا چاہے تو اسے ہندوستان کی نہیں، بل کہ اپنے ملک کی قیمت کا اعتبار کرنا ہوگا (مثلاً ہندوستان کا کوئی شخص ملازمت کے لیے دوسرے ملک گیا ہوا ہے اور وہ وہاں سے اپنے گھر والوں کو فون کرتا ہے کہ اس کا صدقۂ فطر وطن میں ادا کر دیا جائے، تو وہ جس ملک میں مقیم ہے وہاں نصف صاع گیہوں کی جو قیمت بنتی ہے اسی اعتبار سے اس کی طرف سے صدقۂ فطر نکالا جائے گا، ہندوستان کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا۔ ''ویعتبر مکانہ لنفسہ الخ وعلیہ الفتوی''(۱)

صدقۂ فطر میں (Control Rate) کا اعتبار نہیں

شہروں میں حکومت کی طرف سے کنٹرول ریٹ (Control Rate) پر لوگوں کی سہولت کے لیے اناج غلہ دیا جاتا ہے اور اس سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جو راشن کارڈ (Ration Card) اپنے پاس رکھتے ہیں، کنٹرول ریٹ پر دیا جانے والا اناج وغلہ بازاری عام قیمت کے لحاظ سے بہت ارزاں وسستا ہوتا ہے، اس لیے صدقۂ فطر میں عام بازاری قیمت کا اعتبار ہوگا، کنٹرول ریٹ (راشن) کا کوئی اعتبار نہیں؛ کیونکہ شریعت کا مقصود یہ ہے کہ نصف صاع (یعنی پونے دو کلو) گیہوں مسکین کو پہنچ جائے یا اگر قیمت دی

---

(۱) الدر المنتقی: ۱/۲۲۶، الولوالجیۃ: ۱/۲۴۴ بہ حوالہ تحفۂ رمضان: ۲۸۶

جائے،تو اس قیمت سے وہ بازار سے اگر چاہے،تو اتنی گیہوں خرید سکے اور یہ ظاہر ہے کہ راشن کارڈ، ہر کسی کے پاس ہونا تو ضروری نہیں؛ لہٰذا بازار سے خریدنے کے لیے عام بازاری قیمت دینا چاہیے۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے : ’’قیمت ادا کرنی ہو،تو بازاری دام سے ادا کرنی ہوگی،کنٹرول (راشن) کی قیمت معتبر نہیں،فقیر کے ہاتھ میں اتنی رقم پہنچنی چاہیے کہ اگر وہ اس کے عوض گیہوں خریدنا چاہے،تو پونے دو کلو گیہوں بازار میں مل جائیں،کنٹرول (راشن) کے حساب سے قیمت دی جائے گی،تو بازار سے اتنی گیہوں نہیں ملے گی‘‘۔(۱) ہاں کوئی گیہوں ہی دینا چاہے تو اختیار ہے کہ وہ خواہ بازار سے خرید کر دے یا راشن کارڈ کے ذریعے خرید کر دے،اس میں کوئی حرج نہیں؛ کیوں کہ فقیر کے ہاتھ خود گیہوں پہنچ گئی ہے۔

چاول وغیرہ سے صدقۂ فطر ادا کرنا

اگر منصوص اشیاء(گیہوں، جو، کھجور، کشمش) کے علاوہ غلہ جات مثلاً چاول کے ذریعہ صدقۂ فطر ادا کیا جائے تو اس میں وزن کا نہیں؛ بلکہ قیمت کا اعتبار ہوتا ہے،یعنی نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو وغیرہ کی جو قیمت بازار میں ہو اس کے بقدر چاول لے کر اسے صدقہ کر دیا جائے۔’’ومالم ینص علیه کذرة وخبز یعتبر فیه القیمة‘‘۔(۲)

صدقۂ فطر کے چند ضروری مسائل

(۱) صدقۂ فطر عید الفطر کی صبح صادق پر واجب ہوتا ہے،لہٰذا جو شخص اس وقت موجود ہو اس پر واجب ہے،اور جو عید الفطر کی صبح صادق سے قبل وفات پا گیا اس پر واجب نہیں ہے،اور جو بچہ صبح صادق سے قبل پیدا ہو گیا اس کا صدقۂ فطر والد پر واجب ہوگا،اور جو بچہ صبح

---

(۱) فتاوی رحیمیہ : ۵/ ۱۷۳

(۲) درمختار کراچی ۲/ ۳۶۴،فتاویٰ محمودیہ میرٹھ ۱۴/ ۳۸۳،مرغوب الفتاویٰ ۳/ ۳۸۴

صادق کے بعد پیدا ہوا اس پر صدقہ فطر واجب نہیں ہے۔(۱)

(۲) ہر مسلمان پر صدقۂ فطر واجب ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، بچہ ہو یا بوڑھا۔(۲)

(۳) صدقۂ فطر کے واجب ہونے میں مال پر ایک سال گذرنا شرط نہیں ہے، بل کہ اگر عید کے دن صبح صادق سے پہلے وہ نصاب کا مالک ہو تو اس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے، اسی طرح اس مال کا مالِ نامی ہونا شرط نہیں ہے۔(۳)

(۴) بچے کا اگر مال ہے تو صدقۂ فطر اس کے مال سے نکالا جائے گا، اگر اس کا مال نہیں ہے تو باپ اپنے مال سے بچے کا صدقۂ فطر ادا کرے گا۔(۴)

(۵) بالغ اولاد کا صدقۂ فطر خود انھیں پر واجب ہے، باپ پر ان کا صدقۂ فطر واجب نہیں ہے، اگر بالغ اولاد مال دار نہیں ہے تو ان کا صدقۂ فطر نہ باپ پر واجب ہے نہ خود ان پر واجب ہے۔(۵)

(۷) عورت کا صدقۂ فطر خود اسی پر واجب ہے، شوہر پر واجب نہیں ہے، اگر کوئی شوہر بیوی کی اجازت سے اس کا بھی صدقۂ فطر ادا کر دے تو جائز ہے، اگر بلا اجازت ادا کرے تو جائز نہیں ہے، البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس صورت میں بھی استحساناً ادا ہو جائے گا کیوں کہ عادتاً شوہر بیوی کا بھی صدقۂ فطر دے دیتا ہے۔(۶)

---

(۱) المبسوط: ۳/۱۰۸، الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۶۷، تحفۃ الفقہاء: ۱/۳۳۹

(۲) صحیح بخاری: ۱/۲۰۴

(۳) الدر المختار: ۲/۲۶۰

(۴) مراقی الفلاح: ۲۶۹

(۵) مراقی الفلاح: ۲/۴۷۵

(۶) المبسوط: ۳/۱۰۵

(۸) صدقۂ فطر انھیں لوگوں کو دیا جائے جن کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔(۱)

(۹) صدقۂ فطر کافر کو یا سید کو دینا درست نہیں۔

(۱۰) ایک شخص کا صدقۂ فطر کئی لوگوں پر تقسیم کرنا بھی درست ہے، اور کئی لوگوں کا صدقۂ فطر ایک فقیر کو دینا بھی درست ہے۔(۲)

(۱۱) ان لوگوں کو صدقۂ فطر دینا افضل ہے، اپنے محتاج بھائی بہن کو، بھائی اور بہنوں کی اولاد کو، اپنے محتاج چچا اور تایا کو، اپنے محتاج ماموں اور خالہ اور ان کی اولاد کو، پڑوسی کو، اہل محلہ کو، اہل شہر کو۔(۳)

(۱۲) صدقۂ فطر نماز عید کے لیے جانے سے قبل ادا کر دیا جائے، اور بہتر ہے رمضان ہی میں عید سے دو چار دن قبل ہی ادا کر دیا جائے، اگر رمضان سے پہلے بھی ادا کرے گا تو ادا ہو جائے گا۔(۴)

(۱۳) عید گاہ جانے تک اگر صدقۂ فطر ادا نہ کیا ہو تو بعد میں ادا کرنا واجب ہے، اگر موت تک ادا نہ کیا تو موت پر وصیت کرنا واجب ہے۔

(۱۴) صدقۂ فطر ادا نہ کرنے پر گناہ ہو گا مگر روزہ آسمان پر لٹکا ہوا نہیں رہے گا۔

نوٹ : صدقۂ فطر مستقل عبادت ہے خواہ رمضان کے روزے رکھا ہو یا نہ رکھا ہو، یہ خیال کرنا کہ صدقۂ فطر صرف اس پر فرض ہے جس نے روزہ رکھا ہے اور جس نے روزہ نہیں رکھا اس پر واجب نہیں، یہ غلط اور جاہلانہ خیال ہے۔(۵)

(۱۵) احادیث میں بیان کردہ اشیاء کے علاوہ کسی اور چیز مثلاً چاول، کپڑے وغیرہ سے

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۶۹، البحر الرائق: ۲/۲۷۵

(۲) الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۶۷، البحر الرائق: ۲/۲۷۵

(۳) البحر الرائق: ۲/۲۷۵

(۴) الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۶۷، البحر الرائق: ۲/۲۷۵

(۵) بدائع الصنائع: ۲/۰۷، فتاوی شامی: ۲/۲۶۱

صدقۂ فطر ادا کرنا چاہے تو اتنی مالیت کی چیز سے ادا کرے کہ اس کی مقدار احادیث میں بیان کردہ چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی مالیت کے برابر ہو جائے۔ ”و مال لم ینص علیه كذرة و خيز تعتبر فيه القيمة و صدقة الفطر كالزكاة فى المصارف۔“(۱)

صدقۂ فطر امام یا مؤذن کو دینا

بعض بھولے مسلمان صدقۂ فطر مسجد کے امام صاحب، مؤذن صاحب، یا حافظ صاحب کو لا کر دے دیتے ہیں، یاد رہے کہ صدقۂ فطر کا وہی مستحق ہے جو زکوٰۃ کا مستحق ہے، اگر یہ حضرات مستحق زکوۃ نہیں ہیں تو انھیں صدقۂ فطر دینا درست نہیں، اور احتیاطاً ایسے پر موقع پر معلوم کر لینا چاہیے کہ کس مال سے دیا جا رہا ہے، اگر غیر مستحق کو دیا گیا ہے تو صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا اور دوبارہ دینا واجب ہوگا۔ اسی طرح اجرت کے طور پر دیا جا رہا ہے تو بھی درست نہیں ہے، دوبارہ ادا کرنا واجب ہوگا۔(۲)

اسی طرح بعض لوگ صدقۂ فطر سحر میں اٹھانے کے لیے جو شخص آواز لگاتے پھرتا ہے اور عید کے قریب اپنا معاوضہ لینے گھروں پر آتا ہے تو اس شخص کو بہ طورِ اجرت کے دے دیتے ہیں، یہ سراسر غلط ہے اس سے صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا دوبارہ ادا کرنا واجب ہوگا، صدقاتِ واجبہ کو بہ طورِ اجرت دینا جائز نہیں ہے، اور صدقۂ فطر صدقاتِ واجبہ میں سے ہے۔

فائدہ: مذکورہ تفصیل کے بعد مختلف شہروں میں مخصوص احباب کا متفقہ طور پر یہ فیصلہ جاری کرنا کہ ”امسال صدقۂ فطر ۶۰ / ۷۰ روپیہ طے پایا ہے“ اسی طرح اوقاتِ سحر و افطار کے کارڈ میں نصف صاع اور صاع کی وضاحت لکھے بغیر مطلقاً نصف صاع والی بات ہی عام کرنا، کس قدر قابل اصلاح عمل ہے، جبکہ کسی حدیث میں آپ ﷺ نے صرف نصف پر اکتفاء نہیں فرمایا، فقہاء کرام نے صاع کا بھی ذکر کیا ہے۔

---

(۱) رد المحتار: ۲ / ۳۶۵، باب صدقۃ الفطر
(۲) ملخص از: احکام اعتکاف تھانویؒ: ۷۷

چودھواں باب

اعتکاف کے فضائل ومسائل

اعتکاف کی حکمتیں، اعتکاف کی اہمیت، اعتکاف اہم یا جماعت میں جانا؟ خانقاہی اعتکاف، مفسدات، مکروہات ومنکراتِ اعتکاف، عورت کا مسجد میں اعتکاف، اعتکاف کی قضاء وغیرہ کے احکام۔

اعتکاف کی فضیلت

(۱) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ (اعتکاف کی وجہ سے اور مسجد میں مقید ہو جانے کی وجہ سے) گناہوں سے بچا رہتا ہے، اور اس کی نیکیوں کا حساب ساری نیکیاں کرنے والے بندے کی طرح جاری رہتا ہے۔ "وهو يعتكف الذنوب ويجري له من الحسنات كعامل الحسنات كلها" (۱)

حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت رقم فرماتے ہیں کہ: جب بندہ اعتکاف کی نیت سے اپنے کو مسجد میں مقید کر دیتا ہے، تو اگرچہ وہ عبادت اور ذکر وتلاوت وغیرہ کے راستے سے اپنی نیکیوں میں خوب اضافہ کرتا ہے؛ لیکن بعض بہت بڑی نیکیوں سے وہ مجبور بھی ہو جاتا ہے، مثلاً وہ بیماروں کی عیادت اور خدمت نہیں کر سکتا جو بہت بڑے ثواب کے کام ہیں، کسی لاچار، مسکین، یتیم اور بیوہ کی مدد کے لیے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتا، کسی میت کو غسل نہیں دے سکتا، جو اگرچہ ثواب کے لیے اور اخلاص کے ساتھ ہو تو بہت بڑے اجر کے کام ہیں، اسی طرح نماز جنازہ کی شرکت کے لئے نہیں نکل سکتا، میت کے ساتھ قبرستان نہیں جا سکتا، جس کے ایک ایک قدم پر گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکیاں لکھی جاتی ہیں؛ لیکن اس حدیث میں اعتکاف والے کو بشارت سنائی گئی ہے کہ اس کے حساب اور اس کے صحیفۂ اعمال میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ سب نیکیاں بھی لکھی جاتی ہیں جن کے کرنے سے وہ اعتکاف کی وجہ سے مجبور ہو جاتا ہے، اور جن کا وہ عادی تھا۔ (۲)

؎ کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

(۲) جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ایک دن کا اعتکاف کرے گا اللہ تعالیٰ اس

---

(۱) سنن ابن ماجہ: باب فی ثواب الاعتکاف: ۱/ ۵۶۷ حدیث: ۱۷۸۱، اس حدیث کی سند ضعیف ہے
(۲) معارف الحدیث: ۴/ ۱۲۲

کے اور جہنم کے درمیان خندقوں کو آڑ بنادیں گے، جن کی مسافت آسمان وزمین کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ چوڑی ہوگی۔ ”من اعتکف یوما ابتغاء وجه الله عز وجل بین الخافتین“(۱)

معتکف کو اس قدر ثواب کیوں دیا جاتا ہے اس کی وجہ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں: اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اعتکاف میں عبدیت زیادہ ہے کہ اور لوگ تو کھانے کمانے اور سیر وتفریح (بیوی بچوں اور دوست واحباب) میں مشغول ہیں اور معتکف ان کے دروازہ پر پڑا ہے اور زبان حال سے یوں کہہ رہا ہے:

خسرو غریب است وگدا افتادہ درکوے شما
شاید کہ ازبہر خدا سوئے غریباں بنگری

خسرو پردیسی بھی ہے اور فقیر بھی (محض اس امید پر) آپ کی گلی میں آکر پڑ گیا کہ شاید خدا کے واسطے غریبوں کی طرف نگاہِ کرم فرمالیں، اگر معتکفین اس شعر کے مضمون کو مستحضر رکھیں تو اعتکاف میں ان کو خاص کیفیت حاصل ہوگی، بل کہ کبھی کبھی اس شعر کو پڑھ لیا کریں تو اور اچھا ہے۔ (ورنہ مضمون ہی کو ذہن میں تازہ کرلیا کریں)(۲)

اعتکاف کی حکمتیں

شریعت کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں، اگر چہ اس حکمت کا بندے کو علم نہ ہو؛ مگر جب کبھی احکام کی حکمت معلوم ہوتی ہے تو عمل پر آمادگی جلدی ہوجاتی ہے، اعتکاف وہ عمل ہے جو کئی حکمتوں پر مشتمل ہے، چند حکمتیں ملاحظہ ہوں:

(۱) اگر صرف یوں کہہ دیا جاتا کہ بالکل ایک طرف ایسی جگہ پر دس دن گزارو جہاں پرندہ پر نہ مار سکے، تو ظاہر ہے کہ تنہائی ویکسوئی زیادہ ملتی لیکن کیا فائدہ ایسی تنہائی سے کہ انسان

---

(۱) کنز العمال، حدیث: ۱۳۶

(۲) احکام اعتکاف: ۲۳ مرتب محمد زید مظاہری ندوی دامت برکاتہم

بجائے انسان کے ایک وحشی جانور بن جائے اور بری صحبتوں سے بچنے کے شوق میں اچھی صحبتوں سے بھی محروم ہو جائے، اس لیے خدائے حکیم نے اعتکاف کے لیے مسجد کو مقرر فرمایا؛ کیوں کہ بیہودہ اور غلط قسم کے لوگ تو مسجد میں آئیں گے نہیں، جن کی صحبت مضر ہو، ہمیشہ نمازی پرہیزگار اور تہجد گزار لوگوں ہی سے سابقہ پڑے گا، ان ہی سے میل جول بات چیت ہوگی، جن کی صحبت بے حد مفید اور کارآمد ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ایسی مسجد کا حکم دیا کہ جہاں پانچوں وقت نماز ہوتی ہو کیوں کہ اگر ایسی ویران مسجد میں اعتکاف کیا جائے جہاں آدمی کا دور دور تک نشان نہ ہو تو فائدے سے زیادہ نقصان ہوگا، نہ جماعت کی نماز ملے گی اور نہ نیک صحبتیں نصیب ہوں گی۔

(۲) اعتکاف میں انسان کو یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے اور دل دنیا کی فکروں سے خالی ہو جاتا ہے، انسان کی توجہ کو خدا سے ہٹانے والی چیزیں چاہے وہ انسان کے اپنے اندر ہوں یا باہر، جب انسان تنہائی میں رہے گا تو آہستہ آہستہ سب ختم ہو جائیں گے، اور دل پوری طرح دنیا کے خیالات سے فارغ ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور اس میں عبادتوں کے انوار و برکات حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔

(۳) لوگوں کے ملنے جلنے اور کاروبار کی مشغولیتوں میں جو انسان سے چھوٹے موٹے بہت سے گناہ ہو جاتے ہیں، اعتکاف میں ان سے حفاظت رہتی ہے۔

(۴) خدائے پاک فرماتا ہے کہ جو شخص مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے، میں اس سے دو ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور جو میری طرف چل کر آتا ہے میں دوڑ کر اسے اپنا لیتا ہوں‘‘ اور اعتکاف کرنے والا اپنا گھر در چھوڑ کر صرف قریب ہی نہیں؛ بلکہ خدا کے در پر آ کر پڑ جاتا ہے، تو اب آپ اندازہ لگائیے کہ خدائے پاک کتنا قریب ہوگا اور اس پر کتنا زیادہ مہربان ہوگا۔

(۵) شریف لوگ اپنے گھر پر آئے ہوئے مہمان کی عزت اور خاطر تواضع کیا کرتے ہیں، تو کریموں کا کریم اور داتاؤں کا داتا اپنے گھر پر آئے ہوئے مہمان کی کیا کچھ نہ عزت

واکرام کرے گا!!

(۶) شیطان انسان کا قدیمی دشمن ہے؛ لیکن جب انسان خدا کے گھر میں ہے تو گویا مضبوط قلعے میں ہے، شیطان اب اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

(۷) فرشتے ہر وقت خدا کی عبادت اور اس کی یاد میں رہتے ہیں، مومن بندہ بھی اعتکاف میں بیٹھ کر ہر وقت خدا کی یاد میں ہے اور فرشتوں سے مشابہت پیدا کر رہا ہے، اور فرشتے چوں کہ اللہ کے قریب ہیں اس لیے یہ بندہ بھی اللہ کا قرب اور اس کی نزدیکی حاصل کر رہا ہے۔

(۸) نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تک آدمی نماز کے انتظار میں رہتا ہے اسے نماز ہی کا ثواب ملتا ہے، اعتکاف میں یہ ثواب بھی حاصل ہوتا ہے۔

(۹) جب تک آدمی اعتکاف میں رہتا ہے اسے عبادت کا ثواب ملتا رہتا ہے خواہ وہ خاموش بیٹھا رہے یا سوتا رہے یا اپنے کسی اور کام میں مشغول رہے۔

(۱۰) اعتکاف کرنے والا ہر ہر منٹ عبادت میں ہے، تو شب قدر حاصل کرنے کا بھی اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں، کیوں کہ جب بھی شب قدر آئے گی یہ بہتر حال (عبادت) میں ہوگا۔(۱)

اعتکاف کمالِ محبت کی دلیل ہے

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ ’’انسان کا رشتہ اپنے خالق سے یہ ہے کہ خدا مالک ہے اور انسان اس کا مملوک، خدا معبود ہے اور انسان اس کا عبد، خدا آقا ہے اور انسان اس کا بندہ اور غلام بے دام، غلام کا کمال یہ ہے کہ اس کا آقا اس سے خوش ہو، مملوک کے لئے سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ اسے مالک کی خوشنودی حاصل رہے، عاشق کو اپنے معشوق کی راہ میں لٹ کر بھی ایک لطف آتا ہے اور محب اپنے محبوب کے لئے کھو کر

---

(۱) رمضان کیا ہے: ۱۴۶ بحوالہ مسائل رفعت: ۵/ ۱۴

بھی پانے کی لذت محسوس کرتا ہے، اسی محبت اور غلامی و بندگی کے احساس کو عملی پیکر دینے کے لئے عبادت کے طریقے مقرر کیے گئے اور ان کو انسان کا اصل مقصدِ وجود قرار دیا گیا :"وَمَا خَلَقْتُ الجِنَّ وَالإِنْسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُوْنَ "اسلام میں عبادت کے جو طریقے مقرر کیے گئے ہیں، ان میں قدم قدم پر اپنی بندگی، نیستی اور خدا کے ساتھ محبت اور شیفتگی کا اظہار ہے، نماز کی کیفیت کو دیکھئے کہ غلام اپنے آقا کے سامنے نگاہ نیچی کیے ہوئے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہے، بار بار اپنے خدا کی کبریائی کا نعرہ لگاتا ہے، کبھی کمر تک جھکتا ہے، کبھی نگاہ جھکائے دوزانو بیٹھتا ہے اور کبھی اپنی پیشانی زمین پر رگڑتا ہے، زکوٰۃ دینا اپنی ذات اور اپنے مال پر خدا کی حکومت کا اعتراف کرنا ہے، روزہ اور حج بھی خدا کی بندگی ہے، لیکن اس میں خوف سے زیادہ اپنے مالک کی محبت کا اظہار ہے، روزہ دار کو دیکھئے ! بھوکا ہے، پیاسا ہے، دھوپ کی تمازت اور موسم کی شدت ہے، لیکن خدا کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لئے سب کچھ گوارا ہے، روزہ گویا اللہ تعالیٰ سے کمالِ محبت اور تمام علائق سے رشتہ توڑنے سے عبارت ہے؛ لیکن بھوکے پیاسے رہنے کے باوجود روزہ کی حالت میں گھر سے، کاروبار سے اور لوگوں سے تعلق باقی رہتا ہے، محبت کا اوجِ کمال یہ ہے کہ آدمی ان تعلقات کو بھی خدا کے تعلق کے سامنے قربان کردے ، اس کے لئے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ایک اور عبادت رکھی گئی ہے، جسے" اعتکاف" کہتے ہیں۔

حضور ﷺ کا اعتکاف اور اس کی اہمیت

نبی کریم ﷺ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ رمضان کے اخیر عشرے میں اعتکاف فرماتے تھے، جہاں رمضان کا اخیر عشرہ آتا تو آپ ﷺ کے لیے مسجد نبوی میں ایک جگہ مخصوص کردی جاتی اور وہاں آپ ﷺ کے لیے پردہ، چٹائی وغیرہ کا ڈال دیا جاتا یا کوئی چھوٹا سا خیمہ نصب ہو جاتا اور بیسویں تاریخ کو فجر کی نماز پڑھ کر آپ ﷺ وہاں چلے جاتے تھے اور عید کا چاند دیکھ کر وہاں سے باہر تشریف لاتے تھے، اس درمیان میں آپ ﷺ برابر وہیں کھانا پینا

فرماتے اور وہیں آرام فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات میں جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت مقصود ہوتی وہیں چلی جاتیں اور تھوڑی دیر بیٹھ کر چلی آتیں بغیر کسی شدید ضرورت کے آپ وہاں سے باہر نہ تشریف لاتے، ایک مرتبہ آپ کو سر صاف کرانا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایام معمولہ (حیض) سے تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر مبارک کھڑکی سے باہر کر دیا اور ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے ہاتھ سے صاف کر دیا۔(۱)

اعتکاف کی اہمیت کا اس بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ آنے کے بعد سے کسی سال کا اعتکاف ترک نہیں فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ماہ، بیس دن، اور دس دن کا بھی اعتکاف فرمایا، چوں کہ شبِ قدر کی تلاش تھی پھر فرمایا: مجھے بتایا گیا کہ شبِ قدر اخیر عشرے میں ہے، اور ایک سال ازواج مطہرات نے بھی مسجد میں خیمہ لگا لینے کی وجہ سے اپنا اعتکاف بھی ترک فرمادیا؛ لیکن اس کی قضاء شوال کے مہینے میں کر لی، اور ایک مرتبہ سفر کی وجہ سے اعتکاف نہ ہوسکا تو شوال میں بیس روز کا اعتکاف فرمایا۔(۲)

اکابرِ صحابہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کسی روایت میں اعتکاف کا تذکرہ نہیں ملتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اکابر صحابہ اعتکاف کا اہتمام نہیں کرتے تھے، اگر نہ بھی کرتے ہوں تو ظاہر ہے کہ حاکم وقت کو سلطنت کی مصروفیات رعایا کے حق میں بہت اہم ہوتی ہیں، اس لیے اس سے اعتکاف کی اہمیت کم نہیں ہو جاتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پابندی سے اعتکاف کرتے تھے۔

اعتکاف کا حکم

رمضان شریف کے آخری عشرہ ہے کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے، صرف ایک دن کے اعتکاف سے سنت ادا نہ ہوگی، بل کہ وہ اعتکاف نفل ہو جائے گا، اگر محلے میں سے

---

(۱) علم الفقہ: ۳/ ۴۵ بہ الہ مسائل رفعت: ۵/ ۱۷

(۲) صحیح بخاری: باب الاعتکاف فی الشوال، نیل الاوطار: ۴/ ۲۶۴، ملخص بہ حوالہ احکام اعتکاف: ۸

ایک شخص بھی اعتکاف نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر ایک بھی اعتکاف کرلے تو کافی ہوگا، اور جہاں پنج وقتہ نماز اور تراویح ہوتی ہو اس مسجد میں اعتکاف سنت ہے، مصلے میں بھی اعتکاف درست ہے۔ ”وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان أي سنة كفاية كما في البرهان۔“(۱)

اعتکاف سے بے رغبتی

اعتکاف جیسی عظیم عبادت ادا کرنے میں معاشرہ پھر بھی بہت بے رغبتی اور کوتاہی کا شکار ہے، حضرت مفتی سلمان منصور پوری دامت برکاتہم لکھتے ہیں :

آخری عشرہ شروع ہو چکا ہے، رمضان کی مقدس ومبارک ساعتیں تیزی سے اختتام کو پہنچ رہی ہیں، رات کے وقت مسجد میں جائیں تو عموماً مسجدیں خالی نظر آئیں گی اور اگر کوئی دکھائی بھی دے گا تو ایسا بوڑھا شخص جو اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا ہو، ایسا کیوں؟ کیا ان دنوں میں اعتکاف سنت موکدہ بالکفایہ نہیں؟ کیا شہنشاہِ عالم کے دربار میں برابر حاضری اہل ایمان کو محبوب نہیں؟ کیا ماہِ مبارک کی برکتیں لوٹنے کا ان میں ولولہ نہیں؟ ہاں! ضرور ہے؛ مگر صرف زبان کی حد تک، جب بات وقت کی قربانی اور عیش وآرام کو چھوڑنے کی آتی ہے تو یہ ولولہ اور جذبہ یکسر کافور ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اعتکاف کا مطلب دوسرے لفظوں میں کاروبار کا نقصان اور دنیوی مصروفیتوں میں دخل اندازی بھی ہے، جسے برداشت کرنے کا ہم حوصلہ نہیں رکھتے، اللہ اکبر! کاروبار چھوڑنے پر نقصان کا احساس اس قدر، اور رزاق حقیقی پروردگار عالم کی رحمتوں سے محرومی پر نہ کوئی افسوس اور نہ اس کی تلافی کا کوئی جذبہ! آخر اس بے حسی کی کوئی حد ہے؟

اعتکاف کی وہ عبادت جس کا ہمارے محبوب سرور کائنات فخر دوعالم ﷺ نے حکم ملنے

---

(۱) الدر المختار کتاب الصوم باب الاعتکاف : ۳/ ۴۳۰، عمدۃ الفقہ: ۳/ ۳۱۳، کتاب المسائل: ۲/ ۲۰۱، مسائل رفعت: ۵/ ۳۲

کے بعد کبھی ناغہ نہیں فرمایا اور جس کے متعلق کتب حدیث میں آپ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ ’’جس شخص نے رمضان کے دس دن کا اعتکاف کیا اس کو دو حج اور دو عمرے کا ثواب عطا کیا جائے گا‘‘۔(۱)

ایسی مہتم بالشان عبادت آج ہمارے اوپر بوجھ بن چکی ہے، کتنی ہی مسجدیں اور بستیاں اس اہم سنت سے محروم رہتی ہیں اور پورا علاقہ سنت کفایہ چھوڑنے کا گناہ اپنے سر لیتا ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اس عظیم عبادت کی انجام دہی کی سعادت سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین۔(۲)

اعتکاف افضل یا جماعت میں جانا؟

اس مسئلے کو حل کرنے سے پہلے چند امور ملاحظہ فرمالیں، جس سے حدِ اعتدال قائم ہوسکے، اور کسی ایک طرف جھکاؤ کی بدگمانی یا افراط وتفریط کا شکار نہ ہوں، یہ امور آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے مختلف فتاوی سے جمع کیے گئے ہیں :

(۱) دعوت وتبلیغ کا مقصد یہ ہے کہ داعی کے اندر دین پر عمل کرنے کا شوق وجذبہ پیدا ہوجائے گویا دعوت کا مقصد عبادت ہے، دعوت عبادت پر آنے کا ذریعہ ہے، دعوت برائے دعوت نہیں ہے، بل کہ دعوت برائے عبادت ہے، اسی لیے جس داعی کی زندگی عبادت سے خالی ہوگی، اس کی دعوت میں تاثیر ختم ہوجائے گی، قرآن کریم میں بھی دعوت اور عبادت کو جمع کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، ارشادِ باری ہے ’’وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا‘‘ اس شخص سے اچھا دین کس کا ہوگا جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے اور خود بھی اعمالِ صالحہ کا پابند ہو‘‘ دعوت اور عبادت میں تقابل قائم کرکے تفاضل کی بات کرنا دعوت کے مقصد سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

---

(۱) الترغیب والترہیب: ۲/ ۹۲، شعب الایمان: ۳/ ۴۲۵

(۲) تحفۂ رمضان: ۱۵۳

(۲) ہر شخص پر اپنی اصلاح واجب ہے، جس شخص کو کوئی دوسری صورت میسر نہ ہو اس کو اپنی اِصلاح کے لیے اصول وآداب کے ساتھ تبلیغی جماعت کا کام کرنا بہت مفید ہے، اس کام کے ذریعے دین پر عمل کرنے کا شوق، آخرت کا استحضار اور دین کے لیے محنت ومشقت کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

(۳) دعوت وتبلیغ کی محنت کا مقصد ذاتی نہیں، بل کہ مسجدوں کی آبادی ہے اور یہ شرعاً مطلوب ہے، اس لیے مساجد کو آباد کرنے کے لیے ان حضرات کی کاوشوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے اور موافقت ممکن نہ ہو تو مخالفت سے بھی حتیٰ الامکان گریز کیا جائے۔

(۴) غلو اور افراط سے بچتے ہوئے جماعت میں نکلنے کی دعوت دینا صحیح ہے، مگر اس کے لیے حد سے زیادہ اصرار کرنا اور سامنے والے کا کوئی بھی عذر نہ سننا غلو اور افراط کا حصہ ہے، اس سے احتراز کرنا چاہیے، صاحب عذر کا عذر سننا اور ماننا معقول امر ہے (جب کہ عذر شرعی، طبعی یا عقلی ہو) اور بلا دلیل شرعی محض ظن وتخمین سے معذرت پیش کرنے کو بہانہ بازی نہ سمجھنا چاہیے۔

(۵) رمضان کے اخیر عشرے میں اعتکاف کرنا سنت ہے اور تبلیغی جماعت میں جانا، ایک مباح ومستحسن کام ہے، ظاہر ہے کہ سنت کو ترجیح دی جائے گی، جماعت میں جانے کے لیے پورا سال اللہ نے عطا کیا ہے، جب چاہیں جا سکتے ہیں۔

(۶) موجودہ تبلیغ کو فتح مکہ کے غزوے پر قیاس کرنا جو رمضان کے مہینے میں ہوا تھا اور اس کی وجہ سے آپ ﷺ کا اعتکاف چھوٹا تھا قیاسی اصول سے ناواقفیت ہے، وہاں غزوے میں خود صاحب شرع شریک تھے، جنھیں عمل کی افضلیت کا علم تھا کہ اس وقت کونسا امر افضل واہم ہے، اور اس سال کے اعتکاف کے چھوٹنے سے بعد میں آپ ﷺ نے بیس دن اعتکاف کی قضا فرمائی جیسا کہ گذر چکا ہے، جب کہ اعتکاف کے ساتھ یہ رویہ قیاس کرنے والوں کا نہیں ہوتا ہے۔

(۷) رہی یہ بات کہ اعتکاف سنتِ کفایہ ہے کوئی ایک بھی کرلے گا تو ذمہ سے ساقط

ہوجائے گا بالکل صحیح ہے، لیکن خود اس سنت سے ہمیشہ محروم رہنا ہمیشہ کی محرومی ہے، نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک دو آدمی ہی جنازے کی نماز پڑھیں، باقی لوگوں کو عین نماز جنازہ کے وقت دوسرے عمل کی ترغیب دی جائے، وہی ذات جس نے دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری امت کو سونپی ہے پابندی سے اعتکاف کرتی رہی، افضل البشر اور داعیٔ اکبر کا معمول بھی رمضان میں اعتکاف ہی کا تھا، ایک باعمل داعی کو چاہیے کہ نبی کی سنتِ دعوت اور سنتِ اعتکاف دونوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

ان تمام امور کے پیش نظر دو باتیں ہمیں سمجھ میں آتی ہیں:

(۱) اگر یہ صورت ممکن ہو کہ عشرۂ اخیرہ سے پہلے جماعت میں جا کر واپس آجائیں اور پھر اخیر عشرے کا مسنون اعتکاف بھی مکمل کرلیں تو یہ بہت بہتر ہے۔

(۲) تبلیغ بھی اہم ہے اور قرآن سننا بھی اہم ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ پہلے دو عشروں میں تبلیغ والے اپنے ساتھ ایک حافظ کو رکھیں جو ہر جگہ ان کی ترتیب کے اعتبار سے انھیں تراویح پڑھائے تاکہ تراویح میں ایک قرآن مکمل سننے کی سنت نہ رہ جائے، یا پھر ایک جگہ پورا قرآنِ کریم سن کر تبلیغ میں جائیں۔

(۳) اور اگر عشرۂ اخیرہ سے پہلے جماعت میں نکلنے اور واپس ہونے کی صورت نہ بن پائے یا پورا قرآن سننے کی سنت فوت ہوجاتی ہو تو اچھا یہ ہے کہ جماعت میں نکلنے کا نظام رمضان کے بعد رکھ لیا جائے اور رمضان کے اخیر عشرے کا اعتکاف پورا کرلیا جائے، چونکہ یہ اعتکافِ مسنون ہے اور اس کی بڑی فضیلت ہے۔(۱)

مسجدِ شرعی کے حدود

(۱) حدودِ مسجد کا علم نہیں ہوتا تو لوگ مسجد کی دیواروں اور دروازوں تک بھی آتے جاتے رہتے ہیں جب کہ اس سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے اور پتہ بھی نہیں چلتا، عموماً مسجد

---

(۱) مستفاد: آن لائن دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند۔

بنانے والا واقف ساری زمین مسجد کے لیے وقف کرتا ہے مگر نماز کے لیے جو حصہ بنایا جائے اس کے علاوہ کا حصہ - گو کہ مسجد کی ضروریات ہی کے لیے ہو- مسجد میں داخل نہیں ہے، اعتکاف کے لیے مسجد شرعی ضروری ہے اور مسجدِ شرعی سے مراد زمین کا وہ خاص حصہ مراد ہے جو نماز کے لیے تیار کیا گیا ہو یعنی اندر کا کمرہ، محراب اور صحن، باقی جو حصہ اس سے خارج ہو وہ مسجد شرعی کے حکم میں داخل نہیں ہے، خواہ وہ حصہ ضروریاتِ مسجد کے لیے وقف کیا گیا ہو، جیسے امام صاحب کا کمرہ، مسجد سے ملحق مدرسہ، جنازہ گاہ، وضوخانہ، غسل خانہ، استنجاء خانہ، گودام، اذان کا کمرہ، جماعتِ تبلیغ کا کمرہ، یہ تمام جگہیں مسجد سے خارج ہیں، ان جگہوں میں حالت جنابت میں آنا جائز ہے، اگر معتکف بلا ضرورت ان جگہوں میں قدم رکھا تو اعتکاف ٹوٹ جائیگا اگر مسجد کا نچلا حصہ مسجد کی نیت سے تعمیر نہ کیا گیا ہو تو وہ مسجدِ شرعی میں داخل نہیں ہے، اور اوپر کا حصہ مسجد کی نیت سے تعمیر کیا گیا ہے تو وہ مسجدِ شرعی میں داخل ہے، مسجد شرعی کے حدود میں رہنے کے متعلق اکثر معتکفین کی کوتاہی ہوتی ہے، بلا ضرورت وضوخانے میں بیٹھے باتیں کرتے رہتے ہیں، امام صاحب کے کمرے میں رات گزار لیتے ہیں، فون پر بات کرنے کے لیے ان جگہوں میں چلے جاتے ہیں، مسجد کے اوپری حصے (جو مسجد شرعی ہے) سے نچلے حصے (جو مسجد شرعی نہیں ہے) میں آتے جاتے ہیں، جس سے اعتکاف ختم ہو جاتا ہے۔

(۲) بعض جگہ مسجدِ شرعی کے حدود پر نشان رہتا ہے اور اکثر جگہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ اصل مسجد کہاں تک ہے اور مسجد سے ملحق حصہ کہاں سے ہے، یاد رہے کہ [۱] وضوخانہ مسجد شرعی میں داخل نہیں ہے [۲] مسجد کی سیڑھیاں مسجد میں داخل نہیں ہیں [۳] مسجد کے صحن میں بنا ہوا حوض مسجد شرعی میں داخل نہیں ہے [۴] مسجد میں جنازہ پڑھنے کی جگہ مسجد شرعی میں داخل نہیں ہے [۵] امام کی رہائش کا کمرہ جب کہ بانی مسجد نے اسے مسجد شرعی ہونے کی نیت نہ کی ہو [۶] بچوں کو پڑھانے کا مکتب [۷] دریاں، چٹائیاں مسجد کا ضروری سامان رکھنے کی جگہ [۸] گاڑی پارک کرنے کی جگہ [۹] احاطۂ مسجد، یہ سب مسجدِ شرعی میں داخل نہیں ہیں، اس لیے معتکفین کو چاہیے کہ اعتکاف بیٹھنے سے پہلے متولی صاحبان سے مسجدِ شرعی کی حد

معلوم کرلے اور متولی اور واقف رمضان کے شروع میں ہی مسجد شرعی کے حدود پر کوئی بورڈ لٹکا دیا کریں اور بیس رمضان کو علی الاعلان زبانی سنا دیا جائے تا کہ اعتکاف کرنے والوں کو سہولت ہو۔(۱)

اعتکاف میں پردے لٹکانا

معتکف کا یکسوئی کے لیے پردہ لٹکانا جائز ہے،اور بہ وقت نماز یہ پردے گرادیں، آنحضرت ﷺ نے اپنا خیمہ لگوایا تھا،مگر خیال رہے کہ ضرورت سے زیادہ جگہ نہ گھیرے ،نمازیوں کو تکلیف پہنچنے کا سبب نہ بنے،صفوں کی درستگی میں مخل نہ بنے۔

(۱)معتکف مسجد کا سامان بجلی بلب اپنے مقررہ وقت میں جل رہے ہیں تو استعمال کر سکتا ہے،مقررہ وقت کے بعد جلائے تو اس کا بل اندازے سے ادا کردے،اسی طرح مسجد کے لیے وقف کیا ہوا بستر استعمال کرسکتا ہے اور اگر مسجد کے پیسوں سے چادریں خریدی گئی ہیں تو استعمال درست نہیں۔(۲)

(۲)معتکف مسجد میں بہ وقتِ ضرورت پلنگ پر سو سکتا ہے۔(۳)

اعتکافِ مسنون وواجب کے شرائط

مسلمان ہونا،عاقل و بالغ ہونا،نیتِ اعتکاف ہونا،مرد کا اعتکاف پنج وقتہ نماز والی مسجد میں ہونا،معتکف کا روزے دار ہونا،معتکف کا جنابت سے(عورت ہوتو)حیض ونفاس سے پاک ہونا"أما شرطه فمنها النية الخ."(۴)

---

(۱)مستفاد از:امداد الفتاوی:۲/۶۸۳،احکام اعتکاف:۳۵

(۲)فتاوی رحیمیہ:۵/۲۰۴

(۳)مسائل رفعت:۵/۲۷،

(۴)البحر الرائق:۲/۲۹۹،فتاوی عالمگیری:۱/۲۱۱

اعتکافِ مسنون کب سے شروع ہوتا ہے

مسنون اعتکاف کا وقت ۲۰؍رمضان کو غروب آفتاب سے ہے، جو شخص مسنون اعتکاف کرنا چاہے اسے چاہیے کہ ۲۰؍رمضان کے دن غروب سے قبل مسجد میں داخل ہو اور ساتھ ہی اعتکاف کی نیت کرلے، اور اگر مسجد میں داخل ہوا یا پہلے سے مسجد میں تھا، لیکن نیت غروب کے بعد کیا تو یہ اعتکاف مسنون نہیں ہوگا بل کہ نفل ہو جائے گا۔(۱) نفل اعتکاف کے لیے نہ وقت کی قید ہے اور نہ ہی جگہ کی قید ہے اور نہ کبھی فاسد ہوگا کہ قضا لازم ہو۔

کیا اعتکافِ مسنون میں خروج کا استثناء درست ہے؟

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ: آج کل یہ بات کافی مشہور ہوگئی ہے کہ اگر اعتکافِ مسنون کے لیے بیٹھتے وقت شروع ہی میں نیت کرلی جائے کہ میں عیادت کے لیے باہر جایا کروں گا پھر اعتکاف کے دوران ان اغراض کے لیے باہر جانا جائز ہو جاتا ہے؛ لیکن اس مسئلے میں دو غلط فہمیاں عموماً پائی جاتی ہیں (۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ مسئلہ اعتکافِ منذور کے بارے میں تو درست ہے کہ نذر کے وقت "إن شاء" کا استثناء معتبر ہوتا ہے لیکن اعتکافِ مسنون کے بارے میں یہ استثناء درست معلوم نہیں ہوتا، جہاں تک احقر نے تلاش کیا، استثناء کا جزیہ صرف فتاوی عالمگیری میں ملتا ہے کسی اور متداول کتاب میں موجود نہیں ہے، اور فتاوی عالمگیری کی یہ عبارت ہے "ولو شرط وقت النذر والتزام أن يخرج إلى عيادة المريض وصلاة الجنازة وحضور مجلس العلم يجوز له ذلك كذا فى التاتارخانيه ناقلا عن الحجة "(۲) اس عبارت میں "وقت النذر" کا لفظ بتا رہا ہے کہ مراد اعتکافِ منذرو ہے، نیز آگے دو تین مسائل بیان

---

(۱) امداد الفتاوی: ۲/ ۱۵۴، جواہر الفقہ: ۱/ ۳۸۳

(۲) عالمگیریہ: الباب السابع فی الاعتکاف: ۱/ ۲۱۲

کرنے کے بعد لکھا ہے ”وھذا کلہ فی الاعتکاف الواجب، أما فی النفل فلا باس بان یخرج بعذر وغیرہ“(۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ مسئلہ اعتکاف واجب سے متعلق ہے، اور اعتکافِ مسنون کا حکم یہاں بیان نہیں کیا گیا اور چوں کہ آنحضرت ﷺ سے اس قسم کا کوئی استثناء ثابت نہیں ہے، اس لیے اعتکاف مسنون میں صحتِ استثناء کے لیے مستقل دلیل چاہیے جو مفقود ہے، لہٰذا اعتکاف کو علی الوجہ المسنون ادا کرنے کے لیے استثناء کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی، ظاہر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اعتکاف مسنون شروع کرتے وقت یہ نیت کرلے تو پھر اس کا اعتکاف مسنون نہ رہے گا بل کہ نفلی بن جائے گا، اور جتنی دیر مسجد سے باہر رہے گا اتنی دیر اعتکاف شمار نہیں ہوگا لیکن چونکہ شروع ہی میں نیت مسنون کے بجائے نفل کی ہوگئی تھی اس لیے نکلنے سے قضا بھی واجب نہیں ہوگی، البتہ فرق یہ پڑے گا کہ اگر مسجد کے تمام معتکفین اسی نیت سے اعتکاف میں بیٹھیں گے تو سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ادا نہیں ہوگی، غور کرنے سے احقر کو اس مسئلے کی حقیقت یہ سمجھ میں آئی ہے، اور اسی کے مطابق رسالے کے متن میں مسئلہ لکھ دیا ہے، اس مسئلے میں دوسرے علماء سے رجوع کرلیا جائے تو بہتر ہے، اور اگر کسی اہلِ علم کو اعتکاف مسنون میں استثناء کی دلیل معلوم ہو تو احقر کو بھی مطلع فرمادیں ممنون ہوں گا۔(۲)

ایک محلے میں کئی مساجد ہوں تو......؟

تراویح مسجد میں ادا کرنا جس طرح سنت کفایہ ہے اسی طرح اعتکاف بھی سنت کفایہ ہے، اور تراویح کے متعلق فقہاء کے تین اقوال ہیں (۱) شہر کی ایک مسجد میں بھی تراویح قائم کرلی گئی تو سنت ادا ہوجائے گی یہ علامہ طحطاوی ؒ کا قول ہے (۳) علامہ حصکفی ؒ نے فرمایا کہ شہر

---

(۱) عالمگیریہ: الباب السابع فی الاعتکاف: ۱/ ۲۱۳

(۲) احکامِ اعتکاف: ۶۶

(۳) ملخص از: کتاب الفتاوی: ۳/ ۴۵۴

کی ہر مسجد میں تراویح قائم کرنا ضروری ہے ورنہ سنت ادا نہ ہوگی۔(۱)

خاتم الفقہاء علامہ شامیؒ نے محلے کی ایک مسجد میں تراویح کو کافی قرار دیا ہے، پس تراویح اور اعتکاف دونوں کا ایک ہی حکم ہے یعنی اگر ایک محلے میں کئی مسجدیں ہوں تو یہ کہ ہر مسجد میں اعتکاف بیٹھنا سنت ہے، لیکن اگر ایک مسجد میں بھی اعتکاف کرلیا جائے تو پورے محلے کے لوگ ترکِ سنت کے گناہ سے ان شاء اللہ بری ہو جائیں گے۔(۲)

زنجیری اعتکاف

مسنون اعتکاف میں ایک ہی شخص ۲۰؍رمضان کے غروب آفتاب سے قبل مسجد میں داخل ہو کر عید الفطر کا چاند طلوع ہونے تک حالت اعتکاف میں رہے، مختلف دنوں میں مختلف لوگ باری باری بدل بدل کر اعتکاف بیٹھیں تو یہ اعتکافِ مسنون نہیں ہوگا؛ بل کہ یہ اعتکافِ نفل ہو جائے گا، اور ادائے سنت کی ذمہ داری اہل محلہ پر باقی رہے گی۔(۳)

اجرت دے کر اعتکاف کروانا

اجرت دے کر اعتکاف کرانا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اعتکاف عبادت ہے اور عبادت پر اجرت لینا اور دینا دونوں ناجائز ہے، ہاں اگر بغیر اجرت مقرر کیے اعتکاف کرایا گیا جب کہ اعتکاف پر اجرت دینے کا عرف بھی نہیں ہے اور اعتکاف ختم ہونے پر کچھ ہدیہ پیش کر دیا گیا تو جائز ہے، بل کہ یہ امر بالمعروف میں داخل ہوگا(۴)

---

(۱) مستفاد از: کتاب الفتاوی: ۳؍۴۵۲

(۲) کتاب الفتاویٰ: ۳؍۴۵۴

(۳) کتاب الفتاویٰ: ۳؍۴۵۲

(۴) فتاوی دار العلوم: ۶؍۵۱۲ بہ حوالہ فتاوی شامی: باب صلاۃ الجنائز: ۱؍۸۰۴

معتکف کن اعذار سے باہر نکل سکتا ہے؟

طبعی ضرورت: مثلاً بول و براز کے لیے، ریح اگر بد بودار ہو تو نکلنے کی اجازت ہے اگر بدبودار نہیں ہے تو مسجد میں رہتے ہوئے بھی اخراج ریح کی گنجائش ہے، تھوک بلغم ڈالنے، ناک صاف کرنے کے لیے نکلنا درست نہیں ہے یہ ضرورت مسجد میں اگالدان رکھنے سے پوری ہوسکتی ہے، اگر کھانے کا نظم کرنے والا کوئی نہیں تو غروب کے بعد گھر جا کر کھانا لے کر فوراً آجائے اور مسجد میں کھائے گھر جانے کے بعد پتہ چلا کے کھانا بن رہا ہے تو انتظار کر لینا جائز ہے، اسی طرح حرم میں معتکف کو کھانا مسجد میں لانے نہیں دیا جاتا ہے تو قریب کی کسی ہوٹل میں معتکف کھانا کھانے جاسکتا ہے۔(۱)

شرعی ضرورت: مثلاً ادائے جمعہ کے لیے، غسلِ جنابت کے لیے، وضو کے لیے۔

اضطراری ضرورت: مثلاً مسجد منہدم ہو رہی ہے، یا ظالم نے زبردستی نکال دیا، کوئی ظالم گرفتار کر کے لے گیا، مسجد کے آس پاس کی آبادی ختم ہوگئی اور نمازِ پنج گانہ موقوف ہوگئی۔

اعتکاف میں کرنے کے کام

قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرنا چوں کہ رمضان کو قرآن سے خصوصی تعلق ہے ،حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ رمضان میں دن میں ایک قرآن اور رات میں ایک قرآن پڑھتے تھے۔(۲)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتکاف میں ''قصد السبیل'' اور ''الفتوح فیما یتعلق بالروح'' کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔(۳)

---

(۱) احسن الفتاوی: ۴/ ۵۱۷، کتاب المسائل: ۲/ ۱۸۸

(۲) المستطرف: ۲۳، الفتاوی الحدیثیہ: ۷۲

(۳) معمولاتِ اشرفی: ۴۶

مستند علمی کتابوں کا مطالعہ کرنا،کوئی صاحب علم ہے تو مخصوص سورتوں کو بنیاد بنا کر درسِ قرآن ،درسِ حدیث کا حلقہ قائم کرنا،مخصوص سورتیں حفظ کرلینا ،سیرتِ طیبہ اورسلف صالحین کے واقعات وملفوظات پڑھنا،معتبر علمائے دین سے وقت لے کران سے اصلاحی بیانات کروانا،قضاءعمری کی نمازوں میں مشغول رہنا خصوصا رات کے اوقات میں ،نماز کے بعد مصلیوں سے ملاقات کر کے ان کی تشکیل کرنا کہ اپنی آخرت کی فکر کریں اور دین سیکھنے کے لیے وقت فارغ کریں ہو سکے تو عید کے بعد ان کی جماعت بنا کر خود لے کر چلنا یا مرکز کے حوالے کر دینا،درود کی کثرت کرنا کم ازکم روزانہ سکون سے پانچ ہزار مرتبہ،نوافل کااہتمام کرنا (تہجد، اشراق،چاشت،اوابین،تحیۃ الوضو،تحیۃ المسجد،صلاۃ التسبیح،صبح و شام کی تسبیحات کی پابندی کرنا،طاق راتیں بہرصورت عبادت میں گزارنا،آپس میں خدمت میں پہل کرنا خاص طور پر کمزوروں اورضعفاء کی خدمت کرنا،قبولیت کے اوقات میں دعاؤں کااہتمام کرنا،ان سب کاموں کے لیے مشورہ سے اپنے ۲۴ر گھنٹے کا نظام طے ہونے اور مشورہ کے مطابق ایک دوسرے کا تعاون کر کے اجتماعی وانفرادی اعمال کے لیے جمع ہوجانا،بل کہ کسی عالم کی نگرانی میں اپنے ۲۴ر گھنٹے کے معمولات لکھ کر(روزنامچہ) دکھانا بہتر ہے،اعتکاف کو اصلاحی کورس سمجھیں،سوتے رہنے کا کورس نہیں،غیر معتکفین کی طرح صرف چند اعمال پر اکتفا کرلینے سے جیسا کہ آج کل کے معتکفین سے ہوتا ہے،ہرگز اعتکاف کی روح حاصل نہیں ہوتی،اعتکاف کی روح روحانی اعمال سے حاصل ہوتی ہے لایعنی اعمال سے حاصل نہیں ہوتی،باربار نیتِ اعتکاف کا استحضار کرتے رہیں کیوں کہ مسجد میں رہتے رہتے آدابِ مسجد سے غفلت ہوجاتی ہے اور مسجد کا قیام بھی ایک عادت بن جاتی ہے استحضار سے عادت عبادت بن جائے گی ان باتوں کا لحاظ نہ کرنے پر اعتکاف کی روح متاثر ہوگی اورعام لوگوں پر اس کا غلط اثر پڑے گا۔

مکروہاتِ اعتکاف

فون کا بلاضرورت استعمال کرنا،خاموش بیٹھے،لیٹے ہوئے، سستی وکاہلی سے دن گزار

دینا،مسجد کے باہر جوکام حرام یا مکروہ ہیں وہ مسجد میں کرنا گناہ کی مذمت کومزید بڑھادیتا ہے مثلاً غیبت، چغلی ،عیب جوئی ،گالی گلوج ،بیڑی، سگریٹ پینا،فون میں تصویریں یاویڈیوز دیکھنا، ذکر کے بغیر خاموش رہنا۔

مباحاتِ اعتکاف

معتکف کااپنی جگہ بدلنا، مثلاً ایک کنارے سے دوسرے کنارے میں اعتکاف کرلینا جائز ہے(۱) بہ وقت ضرورت مسجد میں ٹہلنا،مریض کا حال دیکھ کر دوائی لکھ کر دیدینا،اپنے بال خود بنالینا یاحجام سے بلاعوض بنانا،بوقتِ ضرورت اپنے کپڑے دھونا یاسینا،بشرطیکہ پانی مسجد میں نہ گرے۔(۲)

معتکف کا اخبار پڑھنا مکروہ ہے کیوں کہ کوئی اخبار تصویر سے خالی نہیں ہوتا اور بلاضرورت تصویر مسجد میں لانا مکروہ ہے۔

مباح کلام اگرچہ درست ہے؛مگر یہ ممنوع کلام تک پہنچادیتا ہے،اس لیے مباح کلام بوقت ضرورت اور بہ قدرِ ضرورت ہو۔

اعتکاف میں کسی سے نئی دوستی نہ کرے اور نہ پرانی دوستی کے لیے زیادہ وقت دے آج کل دوستی سے نفع کم نقصان زیادہ ہوتا ہے۔

مفسداتِ اعتکاف

مسجدِ شرعی کے حدود سے نکلنا خواہ ایک لمحہ کے لیے ہو،عمداً،سہواً،جبراً،البتہ جبر کی صورت میں گناہ گار نہیں ہوگا،اور مسجد سے باہر نکلنا اس وقت متحقق ہوگا جب دونوں پیر باہر

---

(۱)فتاوی دارالعلوم دیوبند:۶/ ۵۰۲

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ :۳/ ۹۴،احسن الفتاوی :۴/ ۵۱۱،فتاوی رشیدیہ :۷۸ ۳فتاوی دارالعلوم :۶/ ۵۰۲

نکال دے اور دیکھنے والے کو لگے کہ یہ مسجد کے باہر ہے، ایک پیر مسجد سے باہر نکالنے سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔(۱)

معتکف کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کے لیے مسجد سے (وضوخانہ) نہیں جائے گا اور اگر گیا تو اعتکاف جاتا رہے گا، اس لیے برتن میں دھولے اور جب وضو کے لیے جائے تو برتن دھولے۔ (۲)

طبعی یا شرعی ضرورت پوری ہونے کے بعد فوراً مسجد میں نہیں آیا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔(۳)

روزہ ٹوٹ گیا تو اعتکاف بھی ٹوٹ جائے گا۔(۴)

وضوخانے میں کھڑے ہو کر وضو کے بعد اعضاء پوچھتے رہنے سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔(۵) الحاصل ضرورتِ طبعی، شرعی، اضطراری سے فارغ ہونے کے بعد ایک لمحہ بھی رکا رہا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

کسی خاص مسجد میں اعتکاف کے لیے اعلان کرنا

اگر بلا تداعی کہیں لوگ اعتکاف کے لیے جمع ہو جاتے ہوں تو جائز ہے، تداعی وتشہیر ناجائز ہے، اسی طرح یہ اعلانات کرانا کہ ہمارے یہاں معتکفین کو کھانے کا نظم رہے گا، اور معتکفین کو واپسی میں انعامات دیے جاتے ہوں کہ اگلے سال بھی آپ ہمارے یہاں اعتکاف کریں یہ خود ساختہ عمل ہے جو عموماً ریا وسمعہ پر مشتمل ہوتا ہے ”والتطوع بالجماعة

---

(۱) البحر الرائق: ۲/ ۳۰۳

(۲) احسن الفتاوی: ۴/ ۵۱۷

(۳) فتاوی عالمگیری: ۱/ ۲۱۲

(۴) بدائع الصنائع: ۲/ ۱۱۶، فتاوی شامی: ۲/ ۴۵۰

(۵) احسن الفتاوی: ۴/ ۵۰۸

اذا کان علی سبیل التداعی تکرہ"(۱)

اعتکاف کے لئے سفر کرنا

اعتکاف وعبادت کے لیے سفر کرنا صرف چار مساجد کے لیے جائز ہے باقی مساجد میں اعتکاف کیلیے سفر کرنا درست نہیں ۔(۱) مسجد حرام (۲) مسجد نبوی (۳) مسجد اقصی (۴) اپنے علاقے کی جامع مسجد۔ "لا تشدالرحال إلا إلی ثلاثة مساجد، مسجد الحرام، و مسجدی هذا، و مسجد الاقصی"(۲)

خانقاہی اعتکاف

البتہ اگر شیخ سے اصلاحی تعلق ہے، بغرضِ اصلاح سفر کیا جا رہا ہو (بشرطیکہ یہ عمل محض رسمی نہ ہو بلکہ واقعةً دینی فائدہ ہو) اور اسی کے ضمن میں اعتکاف کیا جا رہا ہو تو جائز ہے، آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ ؓ بھی اعتکاف بیٹھتے تھے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے شبِ قدر کی تلاش میں پہلے اور دوسرے عشرے میں اعتکاف بیٹھا تھا، جب ان دونوں عشروں میں شبِ قدر نہیں ملی تو آپ ﷺ نے تیسرے عشرے کا اعتکاف شروع کرلیا اور فرمایا: جو میرے ساتھ اعتکاف کر چکے ہیں وہ اب چاہیں تو میرے ساتھ آخری عشرے کا بھی اعتکاف کرلیں "فی حدیث ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال ﷺ: من کان اعتکف معی فلیعتکف العشر الاواخر الخ" اور اپنے اکابر حضرت رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت رائے پوریؒ، شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ، حضرت شیخ الحدیثؒ، حضرت مولانا عبید اللہ بلیاویؒ، حضرت

(۱) الدر المختار: ۲/ ۲۸۸، فتاوی ہندیہ کتاب الصلاة: ۱/ ۱۴۱، بحوالہ فتاوی قاسمیہ: ۱۳/ ۵۴۸
(۲) ترمذی، باب ماجاء فی ای المساجد افضل: ۱/ ۷۵

مولانا الیاس صاحبؒ، سب خانقاہی اعتکاف فرماتے تھے۔(۱)

دوسری منزل پر اعتکاف کرنا

اگر مسجد دو، تین منزلہ ہو تو تیسری ، چوتھی منزل پر اعتکاف کرنا درست ہے،اسی طرح مسجد کے تہہ خانے میں بھی اعتکاف کرنا درست ہے،اور اوپر اعتکاف کرنے والا نیچے اور نیچے اعتکاف کرنے والا اوپر جانا بھی درست ہے، اگرچہ وہاں پنج وقت نماز نہ ہوتی ہو جب کہ واقف نے دونوں منزلہ عمارت مسجدِ شرعی کی نیت سے تعمیر کیا ہو، کیوں کہ مسجد ثریٰ سے ثریا تک مسجد ہی ہے،تہہ خانہ،اوپری منازل سب مسجد ہی ہیں"وکرہ تحریما الوطء فوقہ، والبول والتغوط لانہ مسجد الی عنان السماء، وکذا إلی تحت الثری"(۲)

البتہ اگر مسجد کے اوپر اور نیچے جانے کا راستہ مسجد کے باہر سے ہے تو پھر اعتکاف ٹوٹ جائے گا،ہاں اگر مسجد کے اوپر جانے کا راستہ مسجد کے اندر ہی سے ہے تو معتکف کا اوپر سے نیچے نماز کے لیے یا کسی اور ضرورت کے لیے آنا درست ہے۔

معتکف اگر اسی مسجد کا مؤذن ہے اور اذان دینے کے لیے مسجد کے باہر جانا پڑتا ہو تو بلا کراہت جانا درست ہے،اس سے اس کا اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔"ولو کان المؤذن ھو المعتکف فصعد الماذنة للأذان لا یفسد اعتکافه ولو کان بابها خارج المسجد"(۳)

اسی طرح اگر مسجد کے مؤذن کے علاوہ کوئی دوسرا معتکف اذان دینے کے لیے مسجد سے باہر جاتا ہے تو بھی یہی حکم ہے،یعنی اس کا بھی اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔"والصحیح

---

(۱) صحیح بخاری: ۱/۱۷۲،صحیح مسلم: ۱/۱۷۳،ملفوظاتِ فقیہ الامت: ۳/۴۶،مسائل اعتکاف: ۵۶،بہ حوالہ : کتاب المسائل: ۲/۱۹۸،فتاوی قاسمیہ: ۱۳/۵۵۸

(۲) الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۲۸

(۳) الجوہرۃ النیرۃ: ۱/۲۱۳

انه لا فرق بين المؤذن وغيره "(۱)

غسلِ جمعہ وغسلِ تبرید کے لیے مسجد سے نکلنا

معتکف کے لیے غسلِ جمعہ یا غسلِ تبرید (گرمی میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے) مسجد سے نکلنا درست نہیں ہے، اگر غسلِ واجب کا انتظام بھی مسجد میں کسی ٹب یا لگن میں مسجد ملوث نہ ہوتی ہو تو مسجد ہی میں غسل کرنا ضروری ہے "وحرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبيعية كبول أوغائط وغسل لو احتلم ولا يمكنه الاغتسال فى المسجد فلو امكنه من غير أن يتلوث المسجد فلاباس به أى بان كان فيه بركة ماء أوموضع معد للطهارة اواغتسل فى إناء بحيث لايصيب المسجد الماء المستعمل "(۲)

حضراتِ فقہاء نے حاجتِ طبعیہ کی تعریف یہ کی ہے کہ:

"الطبيعية ما لا بدمنها وما لا يقضى في المسجد"۔حاجتِ طبعیہ وہ ہے، جس کے بغیر چارہ نہ ہو اور اس کو مسجد میں پورا نہ کیا جاسکتا ہو، اور غسل جمعہ، غسل تبرید نہ ضرورت شرعی میں سے ہے اور نہ ہی ضرورتِ طبعی میں سے ہے، غسل جمعہ نہ فرض ہے نہ واجب، ضرورتِ طبعیہ وہ جس کے بغیر چارہ نہ ہو اور وہ مسجد میں پوری نہ کی جاسکتی ہو، اور غسل تبرید کے بغیر بھی رہا جاسکتا ہے اور گرمی کے لیے پنکھا اور ٹھنڈا کپڑا استعمال کیا جاسکتا ہے، اور اگر قضائے حاجت کو جائے اور پہلے سے کسی نے معتکف کے علم کے بغیر انتظام کر دیا ہو معتکف قضائے حاجت کے ضمن میں غسل کرلے، اسی طرح اعتکاف کے وقت ہی غسل تبرید وغسل جمعہ کے لیے نکلنے کی نیت کرلے تو اس کی گنجائش ہے، لیکن خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے اعتکاف سنت ختم ہو جائے گا۔

---

(۱) البحر الرائق: ۲/۵۲۹

(۲) الدر المختار مع الشامی: کتاب الصوم باب الاعتکاف: ۳/۴۳۴

نیز نبی کریم ﷺ نے تقریبا ہر سال مسجد میں اعتکاف فرمایا، اور ہر اعتکاف میں جمعہ بھی لازماً آتا تھا؛ لیکن کہیں ثابت نہیں کہ آپ ﷺ غسلِ جمعہ کے لیے اعتکاف سے باہر تشریف لے گئے ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتادیا کہ آپ ﷺ اپنا سر اقدس حجرہ کی طرف جھکا دیا کرتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہا اندر سے کنگھی کر دیا کرتی تھیں؛ لیکن غسل جمعہ کے لیے نکلنے کا کہیں ذکر نہیں، اگر کبھی غسلِ جمعہ کے لیے نکلے ہوتے تو ضرور منقول ہوتا۔(۱)

غسلِ جمعہ اور غسلِ تبرید کے لئے نکلنا منع ہونے کے متعلق ان تمام اکابر کے فتاوی ہے۔ ا۔فتاوی رحیمیہ: ۴/ ۲۴۳۔مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ

۲۔فتاوی محمودیہ: ۱۵/ ۲۷۹۔مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ

۳۔فتاوی قاسمیہ: ۱۳/ ۵۷۰۔مفتی شبیر صاحب قاسمی وشاہی دامت برکاتہم

۴۔احکام اِعتکاف: ۶۴۔مفتی تقی عثمانی برکاتہم

۵۔احکام رمضان: ۱۷۔حکیم الامت تھانویؒ

۶۔درس ترمذی: ۲/ ۶۴۸ پر آپؒ لکھتے ہیں ”البتہ غسلِ جمعہ اور غسلِ تبرید اس میں داخل نہیں، کیوں کہ وہ کوئی ناگزیر ضرورت نہیں، البتہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ”اشعۃ اللمعات“ ۲/ ۱۲۰ میں غسل جمعہ کو بھی حاجات میں شمار کر کے اس کے لیے نکلنے کو جائز قرار دیا ہے، لیکن فقہاء کے کلام میں اس کا کوئی ماخذ احقر کو نہیں ملا۔

خود صاحب ”اشعۃ اللمعات“ نے بھی اس کے لیے کوئی فقہی دلیل یا فقہاء کا کوئی قول نقل نہیں فرمایا، تمام فقہاء صرف غسل جنابت کے لیے خروج کو جائز کہتے ہیں اور فقہاء کے کلام میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے، اس لیے دوسری قسم کے غسل اس میں داخل نہ ہوں گے لہٰذا معتکف کو غسلِ جمعہ کے لیے مسجد سے نکلنا نہ چاہیے“۔

۷۔احسن الفتاوی: ۴/ ۴۹۷ پر غسلِ تبرید کو مفسد اعتکاف لکھا ہے اور غسلِ جمعہ کے لیے سنت ہونے کی وجہ سے مسجد سے نکلنا درست لکھا ہے۔

---

(۱) درسِ ترمذی: ۲/ ۶۴۸

ان تمام اکابر کے فتاوی امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہیں، البتہ صاحبینؒ کے نزدیک تھوڑی دیر کے لیے باہر نکلے تو اعتکاف نہیں ٹوٹے گا، اس قول کے اعتبار سے اگر کسی کو ہر روز غسل کی عادت ہو یا رمضان گرمی کے موسم میں ہو جس کو غسل کے بغیر چین نہ آتا ہو، یا پسینے کی بو سے دیگر مصلیوں کو تکلیف ہوتی ہو تو غسلِ تبرید کے لیے نکلنے کی گنجائش ہونی چاہیے، چنانچہ حضرت مولانا مظفر احمد صاحب عثمانی نے ''احکام القرآن: ۱/ ۱۹۰، میں حضرت مولانا محمد ہاشم ٹھٹھویؒ کی کنز العباد کے حوالے سے جواز نقل کیا ہے۔(۱)

حضرت مفتی سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم نے کتاب المسائل: ۲/ ۱۸۷ میں اور حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم نے کتاب الفتاوی: ۳/ ۵۴ ۴ میں غسل جمعہ کے لیے نکلنا درست قرار دیا ہے، اسی طرح غسل جمعہ کے متعلق نکلنا منع ہونا عام فقہی عبارات کا حاصل ہے، البتہ بعض فقہی عبارات سے غسل جمعہ کے لیے نکلنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، بہ وقت ضرورت اس روایت پر عمل کرنے کی گنجائش ہے ''وقال فی التاتارخانیة: ویخرج للوضوء والاغتسال فرضا کان أو نفلا''۔(۲)

جنبی معتکف کا غسل جنابت

اگر معتکف جنبی ہو جائے تو فوراً تیمم کر کے مسجد کی عظمت کا خیال رکھتے ہوئے مسجد سے باہر نکل جائے اور جلدی سے غسل کر کے واپس آجائے۔ ''إن احتلم فی المسجد تیمم للخروج الخ''(۳)

غسل کے بعد ضمناً اپنے میلے کپڑے دھولینا درست ہے، جب کہ مسجد سے نکلنا بہ نیتِ

---

(۱) حاشیہ درسِ ترمذی: ۲/ ۶۴۸

(۲) تاتارخانیة: ۳/ ۴۴۶، احسن الفتاوی: ۴/ ۵۰۲، بہ حوالہ کتاب المسائل: ۲/ ۱۸۷

(۳) شامی باب التیمم: ۱/ ۳۱۹

غسل نہیں تھا۔(۱)

معتکف اگر حجامت بنوانا چاہے تو مسجد ہی میں حجامت بنوائے اور بلا اجرت حجامت بنوائے تو جائز ہے، (کیوں کہ مسجد میں اجرت والا کام جائز نہیں ہے) اگر مسجد سے باہر یا مسجد ہی میں حجام کو اجرت دے کر بنوائے تو درست نہیں ہے، اور اگر معتکف مسجد میں اور حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت کرے تو اجرت سے بھی درست ہے، اور اگر خود حجامت بنوالے تو بھی درست ہے۔(۲)

اعتکاف کی حالت میں بیڑی سگریٹ تمباکو وغیرہ کھانا درست نہیں ہے اور یہ کھانے کے لیے مسجد سے باہر جانا بھی جائز نہیں ہے اگر کسی کو اس کی عادت ہو تو اعتکاف کے ایام میں ترک کر دینا چاہیے، اگر اس کے بغیر نہ رہ سکتا ہو تو جب بیت الخلاء جائے تو یہ ضرورت بھی پوری کرلے۔(۳)

معتکف کا اگر اعتکافِ سنت ٹوٹ جائے تو اجازت ہے کہ گھر آجائے، دوبارہ نیت کر کے اعتکاف کرنا ضروری نہیں۔(۴)

حرمین شریفین میں معتکفین کا کھانے کے لئے باہر نکلنا

حرمین شریفین میں کھانے کا سامان اندر لانے کی اجازت نہیں ہوتی؛ لہٰذا رمضان المبارک میں وہاں اعتکاف کی سعادت حاصل کرنے والے حضرات اگر مغرب کے بعد قریبی ہوٹل پر جا کر کھانا کھا آئیں یا باہری صحن میں نکل کر کھانا کھائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ طبعی ضرورت میں داخل ہے؛ البتہ کھانے کے بعد وہاں بیٹھے نہ رہیں؛ بلکہ فارغ ہوتے ہی فوراً مسجد میں آجائیں۔" وقیل:یخرج بعد الغروب للاکل

---

(۱) کفایت المفتی: ۴/ ۲۳۴

(۲) احسن الفتاوی: ۴/ ۵۱۶ (۳) فتاوی رحیمیہ: ۴/ ۲۴۵

(۴) فتاوی قاسمیہ: ۱۳/ ۵۶۴

والشرب۔ قال فی البحر :ینبغی حمله علی ما إذا لم یجد من یاتی لهٔ فحینئذ یکون من الحوائج الضروریة“۔(۱)

مسجدِ نبوی کے معتکف کا سلام پیش کرنے کیلئے مسجد سے نکلنا

مسجد نبوی میں بھیڑ کے اوقات میں حکومت کی طرف سے صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے لئے یہ نظام رہتا ہے کہ لوگ باب السلام سے داخل ہوتے ہیں، اور باب البقیع سے باہر نکلتے ہیں، اور اس وقت اس نظام کی خلاف ورزی کسی کے لئے ممکن نہیں رہتی؛ لہٰذا مسجد نبوی کے معتکفین پر لازم ہے کہ وہ صلوٰۃ وسلام کے لئے مسجد کی حدود سے باہر نہ جائیں؛ بلکہ ایسے وقت میں سلام کے لئے حاضری کا اہتمام رکھیں، جب کہ مسجد سے باہر نہ جانا پڑے، جیسے اشراق کے بعد، یا عصر کے ایک گھنٹہ کے بعد یا تراویح کے ایک گھنٹے کے بعد، وغیرہ۔ ”فإذا خرج من المسجد ولو ناسیاً ساعةً بلا عذر، فسد اعتکافه عند الامام؛ لوجود المنافی ولو قلیلا“۔(۲)

معتکف کا ڈاکٹر کو دکھانے کے لئے جانا

اگر معتکف شخص بیمار ہو اور اسے مسجد سے باہر جا کر ڈاکٹر کو دکھانے کی ضرورت ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس مقصد سے مسجد سے باہر جانے سے اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا؛ لیکن عذر کی بنا پر گناہ نہ ہوگا۔ ”إذا خرج ساعة بعذر المرض فسد اعتکافه“۔ (۳) ”وعلل فی الخانیة المرض لانه لا یغلب وقوعه فلم یصر مستثنی عن

---

(۱) طحطاوی علی المراقی ۳۸۴، البحر الرائق ۲/ ۳۰۳، شامی زکریا ۳/ ۴۴۰، تاتارخانیۃ زکریا ۳/ ۴۴۵، آئینہ رمضان ۲۹۹۔

(۲) طحطاوی علی المراقی ۳۸۴، البحر الرائق ۲/ ۳۰۳، شامی زکریا ۳/ ۴۴۰، بحوالہ: کتاب المسائل ۲/ ۱۸۶۔

(۳) ہندیۃ ۱/ ۲۱۲۔

الایجاب فافاد الفساد فی الکل..الا أنه لا یأثم کما فی المرض الخ"۔(۱)
"وکذا إذا خرج ساعة بعذر المرض إلا أنه لا یأثم"۔(۲)

اضطراری حالات میں مسجد سے باہر نکلنا

اگر درج ذیل حادثات پیش آجائیں تو معتکف کے لئے اضطراری طور پر مسجد سے نکلنا درست ہے، ایسی صورت میں وہ فوراً دوسری مسجد کی طرف منتقل ہو جائے، اس سے اس کا اعتکاف بدستور باقی رہے گا، وہ امور یہ ہیں:

(۱) مسجد کی عمارت منہدم ہونے لگے۔

(۲) مسجد کے اردگرد آباد لوگ سب وہاں سے چلے جائیں اور مسجد میں باجماعت نماز موقوف ہو جائے۔

(۳) کوئی زورآور شخص معتکف کو زبردستی مسجد سے نکال دے۔

(۴) کوئی ظالم معتکف کو گرفتار کرلے۔

(۵) اس مسجد میں رہتے ہوئے اپنی جان یا مال کا دشمنوں کی طرف سے سخت خطرہ ہو۔"یجوز له ان یتحول الی مسجد اخر فی خمسة اشیاء :احدها :ان ینهدم مسجده، الثانی :ان یتفرق اهله فلا یجتمعون فیه، الثالث :ان یخرجه منه سلطان، الرابع :ان یأخذه ظالم، الخامس :ان یخاف علی نفسه وماله من المکابرین"۔(۳)

معتکف کا عدالت کی تاریخ پر حاضر ہونا وغیرہ

---

(۱) شامی زکریا ۳/ ۴۳۸۔

(۲) تاتارخانیۃ زکریا ۳/ ۴۴۶۔

(۳) بنایۃ ۴/ ۱۲۸ـــ ۱۲۹، مراقی الفلاح ۳۸۳، تاتارخانیۃ، زکریا ۳/ ۴۴۵، ہندیۃ ۱/ ۲۱۲۔

اگر معتکف کا کوئی مقدمہ عدالت میں زیرِ سماعت ہو، اور دورانِ اعتکاف عدالت میں حاضری کی تاریخ پیش آجائے اور حاضر نہ ہونے کی شکل میں سخت نقصان کا اندیشہ ہو، یا کسی مقدمہ میں گواہی کی ضرورت ہو اور معتکف کے علاوہ کوئی گواہ موجود نہ ہو اور عدالت میں حاضر نہ ہونے کی صورت میں صاحبِ حق کا حق ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں ضرورۃً صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے ایسے معتکف کے لئے مسجد سے باہر جانے کی گنجائش ہے۔" ومن الضرورة اداء الشهادة"۔ (۱) "ولا يخرج منه إلا لحاجة شرعية... وأداء شهادة تعينت عليه۔ قال الطحطاوی رحمہ اللہ :فيه ان هٰذا من الحوائج الشرعية"۔(۲)

نوٹ: اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ شہادت دینے کے لئے معتکف کا مسجد سے باہر آنا بہرحال مفسدِ اعتکاف ہے، یہ الگ بات ہے کہ ضرورت کی بنا پر اس اقدام کی وجہ سے وہ گنہگار نہ ہوگا۔(۳)

اعتکافِ مسنون کی قضاء

رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف مسنون ہے، واجب یا فرض نہیں ہے اور جب یہ ٹوٹ جائے تو اعتکافِ مسنون اعتکافِ نفل ہو جاتا ہے، اب بقیہ دنوں کا اعتکاف کرلے تو نفل اعتکاف ہوگا اور نفل اعتکاف کی قضاء نہیں ہے، اس لیے اگر عذرِ شرعی سے یا بلاعذرِ شرعی ٹوٹ جائے تو اس کی قضاء نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے بہ قول جس دن کا اعتکاف ٹوٹا صرف اس دن کی قضاء کرلے، البتہ امام ابویوسفؒ کے بقول اعتکافِ مسنون کی بھی قضاء واجب ہے، اور پورے دس دن کی قضاء واجب ہے، مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

---

(۱) الدر المنتقی ۱/۳۷۸۔

(۲) مراقی الفلاح مع الطحطاوی ۳۸۳۔

(۳) فتح القدیر ۲/۳۹۶، بحوالہ: کتاب المسائل: ۲/۱۹۰۔

نے درس ترمذی میں لکھا ہے ”مفتی بہ قول یہ ہے کہ جس دن اعتکاف توڑا ہے صرف اسی دن کی قضا واجب ہوگی پورے عشرے کی نہیں، یہی امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مسلک ہے “(۱) نیز عقلاً بھی صرف اسی دن کی قضاء لازم ہوتی ہے جس دن کا اعتکاف ٹوٹا ہے؛ کیوں کہ ہر دن کا اعتکاف مستقل حیثیت رکھتا ہے، پورا عشرہ مل کر ایک اعتکاف نہیں ہے۔ ”وترک الاعتکاف فی شهر رمضان حتی اعتکف فی العشر الأول من شوال وتحته فی فتح الملهم، قال عیاض فعل ذلک قضاء یعنی بالقضاء الاتیان بمثل الفائت استدراکا لفضله لا القضاء حقیقة الخ“(۲)

”وفی فتح القدیر :فلا یلزم القضاء إلا فی منذور أفسده قبل إتمامه“(۳)”لوشرع فی المسنون أعنی العشر الأواخر بنیته ثم أفسده أن یجب قضاءه تخریجا علی قول ابی یوسف (الی قوله) یلزمه قضاء العشر“(۴)

عورتوں کے اعتکاف کے مسائل

اعتکاف جس طرح مردوں کے لیے سنت ہے اسی طرح حسبِ سہولت عورتوں کے لئے بھی سنت ہے، لیکن عورتوں کے اعتکاف سے مردوں کے ذمہ سے سنیت ادا نہیں ہوگی، مگر آج کل عورتوں کے اعتکاف کی طرف کم توجہ دی جاتی ہے، حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں: عورتوں کا اعتکاف بہ نسبت مردوں کے زیادہ سہل ہے، گھر میں بیٹھے بیٹھے کاروبار (گھر کا کام وغیرہ) بھی گھر کی لڑکیوں سے لیتی رہیں اور مفت کا ثواب بھی حاصل کرتی رہیں، مگر اس کے باوجود

---

(۱) درس ترمذی: ۲/ ۶۴۵

(۲) فتح الملہم: ۳/ ۱۹۹، بہ حوالہ فتاوی قاسمیہ: ۱۳/ ۵۶۵

(۳) فتح القدیر باب الاعتکاف: ۳/ ۴۳۷

(۴) فتاوی شامی: باب الاعتکاف: ۳/ ۴۳۴ بہ حوالہ فتاوی قاسمیہ: ۱۳/ ۵۸۶، کتاب المسائل: ۲/ ۱۹۸، احسن الفتاوی: ۴/ ۵۰۱، کتاب النوازل: ۶/ ۴۲۱

عورتیں اس سنت سے گویا بالکل محروم رہتی ہیں۔(۱)

عورت گھر کی مسجد (یعنی نماز کی مخصوص جگہ) میں اعتکاف کرے اور یہ جگہ اس کے حق میں بہ منزلہ مسجد کے ہوگی، یعنی کھانا پینا لیٹنا اسی جگہ ہوگا اور کسی طبعی یا شرعی ضرورت کے بغیر اس جگہ سے باہر ہونے پر اعتکاف ٹوٹ جائے گا، اس گھر میں پہلے سے نماز کی مخصوص جگہ موجود ہو تو اسی میں اعتکاف کرے، اس سے ہٹ کر گھر میں دوسری جگہ اعتکاف کرنا جائز نہیں اور پہلے سے کوئی جگہ نماز کے لیے مخصوص نہیں ہے تو اب مخصوص کر لے اور اسی میں اعتکاف کرے گھر کے بجائے مسجد میں اعتکاف کرنا عورت کے لیے مکروہ ہے۔

عورت کو اعتکاف بیٹھنے کے لیے خاوند کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے، اور خاوند اعتکاف سے منع بھی کر سکتا ہے، لیکن اجازت دینے کے بعد جب اعتکاف شروع ہو جائے تو اب منع نہیں کر سکتا، اور غیر شادی شدہ لڑکی اپنے والدین کی اجازت سے اعتکاف بیٹھے۔(۲)

عورت کو اعتکاف کی منت ماننے کے لیے خاوند کی اجازت ضروری ہے، بلا اجازت منت مان لے تو منت منعقد ہو جائے گی، اور اس کو پورا کرنے کے لیے بھی خاوند کی اجازت ضروری ہے، اور اعتکاف کی منت میں روزہ رکھنا شرط ہے، خواہ اعتکاف کے ساتھ روزہ نہ رکھنے کی منت مانی ہو، البتہ اعتکافِ منت رمضان میں پورا کرے تو رمضان کے روزے ہی کافی ہیں۔

حالت اعتکاف میں خاوند کا معتکفہ سے ہم بستری، بوس وکنار کرنا جائز نہیں اگر کرے گا تو معتکفہ کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

عورت بلا ضرورت اپنے اعتکاف گاہ سے صحنِ گھر میں آجائے تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

---

(۱) فضائل رمضان: ۵۱

(۲) بدائع الصنائع: ۲/۱۱۶، البحر الرائق: ۲/۲۰۱، فتاوی محمودیہ: ۱۰/۲۷۸، آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۶۲۸، چار سو اہم مسائل: ۲۳۲

”فلو خرجت منه ولو الی بیتها بطل اعتکافها لو واجبا“(۱)

عورت اپنے اعتکاف گاہ میں بیٹھے بیٹھے گھریلو کام کرسکتی ہے،البتہ بہتر ہے کہ زیادہ وقت عبادت میں گزارے۔(۲)

عورت اعتکاف کے لیے گولیاں کھا کر حیض روک سکتی ہے،مگر یہ اچھا نہیں ہے اس سے صحت خراب ہوسکتی ہے،اوراگرگولی کھا کرروک لے تو جائز ہے۔

دورانِ اعتکاف اگر حیض آجائے تو اعتکاف ختم کردے،ایام حیض میں اعتکاف جائز نہیں ہے اور جتنے روزے چھوٹ گئے ہیں جب ان کی قضاء کرے تو اس وقت اعتکاف کی بھی قضاء کرلے،پورے دس دن کے اعتکاف کی قضاء کرنا ضروری نہیں”والحائض والنفساء لیسا بأهل للصلاة ای فلا یصح اعتکافها“(۳)

عورت کا مسجد میں اعتکاف

ابتدائے اسلام میں حکم یہ تھا کہ اگرکوئی شخص روزہ افطار کرنے کے بعد ذرا سا بھی سوجائے تو اس کے بعد اس کے لیے رات میں کھانا اور صحبت کرنا ناجائز ہوجاتا،بعض حضرات سے اس کی خلاف ورزی سرزد ہوئی اور انھوں نے رات کے وقت اپنی بیوی سے صحبت کرلی۔ یہ آیت اسی خلاف ورزی کی طرف اشارہ کررہی ہے اور ساتھ ہی جن حضرات سے یہ غلطی ہوئی تھی ان کی معافی کا اعلان کرکے آئندہ کے لیے یہ پابندی اٹھائی جارہی ہے کہ اب رات میں جب چاہو اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرسکتے ہو،البتہ اگر تم نے مسجد میں اعتکاف کرلیا ہے تو پھر رات میں بھی صحبت کرنا ناجائز ہوگا اس آیت میں صرف یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رمضان کی رات میں صحبت کرنا جائز ہے؛لیکن اعتکاف کرنے والوں کے لیے رات

---

(۱)فتاوی شامی:۳۸۷/۳

(۲)فتاوی محمودیہ:۳۳۴/۱۵بہ حوالہ کتاب المسائل:۲۰۰/۲

(۳)فتاوی شامی:۴۴۱/۲،بہ حوالہ کتاب المسائل:۲۰۱/۲

میں بھی صحبت کرنا ناجائز ہے۔اس آیت میں اس نوعیت کی کوئی وضاحت نہیں ہے کہ خواتین مسجد کے علاوہ اپنے گھر میں اعتکاف نہیں کرسکتی ہیں۔

اگرچہ کتابوں میں عورتوں کے مسجد میں اعتکاف کے بارے میں کراہت تنزیہی کا قول منقول ہے لیکن علامہ طحطاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اعتکاف کے مسئلے کو بھی نماز کے مسئلے پر قیاس کیا جائے یعنی جس طرح عورتوں کا نماز کیلئے مسجد میں آنا مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح اعتکاف کے لیے بھی مسجد میں آنا مکروہ تحریمی ہے تاکہ عورتوں کا مسجد میں اعتکاف کے مسئلے میں کوئی تردد باقی نہ رہے، نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے بھی عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا ہے، اس لیے علمائے کرام نے عورتوں کے مسجد میں آنے کے بارے میں (خواہ نماز پڑھنے کے لیے ہو یا اعتکاف وغیرہ کے لیے ہو) ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

جب نماز کے لیے آنا منع ہے تو اعتکاف کیلیے تو بدرجہ اولیٰ منع ہوگا، کیوں کہ موجودہ زمانہ خیر القرون کے زمانہ سے زیادہ فتنوں پر مشتمل ہے، اس لیے عورت اپنے ہی گھر میں اعتکاف کا اہتمام کرے، اگر عورت کا اعتکاف مسجد میں کرنا ضروری یا افضل ہوتا تو اجازت کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل بیت کو مسجد میں اعتکاف کیوں نہ کرنے دیا؟ اور خیمے لگ جانے کے بعد اکھاڑنے کا حکم کیوں دیا؟ اور اپنے اعتکاف کو بھی آخر ختم کیوں کر دیا؟ اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد پوری تاریخ اسلام میں کوئی واقعہ ایسا پیش آیا ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی نے مسجد میں اعتکاف کیا ہو؟ یا خیر القرون کے علماء نے مسجد میں عورت کے اعتکاف کی ترغیب دی ہو؟ ظاہر ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ازواجِ مطہرات کے خیمے مسجد سے اٹھوا دیے تو کیا امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسجد میں اعتکاف کریں جہاں اعتکاف سے عورتوں کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار فرمایا ہو، اور ازواجِ مطہرات کا مسجد میں اعتکاف بالفرض ثابت بھی مان لیں تو وہ دور خیر القرون کا تھا جو فتنوں سے پاک تھا اور آج کا دور پرفتن

ہونے کو سمجھنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ عورتوں کو مسجد لانے پر اصرار کیا جائے اور انھیں گھر میں اعتکاف کرنے کو بدعت قرار دیا جائے، اور تمام مکاتب فکر کا اس پر اتفاق ہے کہ مسجد میں عورت کے لیے جب تک مخصوص ومحفوظ جگہ نہ ہو کہ وہ مردوں کی نگاہ سے محفوظ رہے اور فتنے کا اندیشہ نہ ہو تب تک اسے مسجد میں اعتکاف بیٹھنا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں مسجد حرام اور مسجد نبوی کے علاوہ پوری دنیا میں ایسی کوئی مسجد نہیں ہے جہاں خواتین کے لیے اعتکاف کا انتظام کیا جاتا ہو، سعودی عرب جیسے پرامن ملک میں کوئی بھی ایک مسجد ایسی نہیں ہے جہاں خواتین کے اعتکاف کا انتظام کیا جاتا ہو تو ہندو پاک کا کیا پوچھنا، اگر بالفرض تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ اعتکاف مسنون نہیں ہے، لیکن کیا یہ کچھ کم ہے کہ عورت نے تنہائی میں دس دن اللہ تعالیٰ سے راز ونیاز قرب کی کوشش میں لگی رہی اور شب قدر کی عبادت حاصل کرلی، دوسری طرف عورت کے اعتکاف کے لیے مسجد کی شرط لگا کر نہ مسجد میں اعتکاف کرواتے ہیں اور نہ گھر میں اعتکاف کی اجازت دیتے ہیں جس سے وہ عبادت سے محروم رہتی ہیں، بل کہ اس مسئلے میں شدت کی وجہ سے بعض مرتبہ خواتین تو دور مرد حضرات بھی اعتکاف سے محروم رہ جاتے ہیں، اور کوئی مصر ہے تو شوق سے اپنی عورت کو مسجد میں اعتکاف کرائے باقی نتیجے کا اللہ مالک ہے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

عورتوں کے مسجد میں آنے کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں عورتوں نے نبی کریم ﷺ کے بعد جو کچھ کرنا شروع کردیا اس کو نبی کریم ﷺ اگر اپنی زندگی میں دیکھ لیتے تو خود ہی ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے، جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روکا گیا "لو أدرک رسول االله ﷺ ما أحدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل (۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس دور کی بات کررہی ہیں، جو خیر القرون کا زمانہ تھا صحابہ کرامؓ کی کافی تعداد موجود تھی، معاشرہ برائیوں سے پاک تھا، اس وقت کے حالات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نظر میں اس قابل تھے کہ

---

(۱)(صحیح بخاری:۱/۱۲۰)

عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا جائے، موجودہ دورتو اس دور سے بہت مختلف ہے، اب تو ہرطرف بدامنی، فحاشی، عریانی پھیلی ہوئی ہے آج کل تو بدرجہ اولیٰ ان کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے نیز اگرچہ کتابوں میں عورتوں کے مسجد میں اعتکاف کے بارے میں کراہت تنزیہی کا قول منقول ہے لیکن علامہ طحطاوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اعتکاف کے مسئلے کو بھی نماز کے مسئلے پر قیاس کیا جائے (جس طرح عورتوں کا نماز کے لیے مسجد میں آنا مکروہ تحریمی ہے اسی طرح اعتکاف کے لیے بھی مسجد میں آنا مکروہ تحریمی ہے) مفسر قرآن ابوبکر الجصاص رحمہ اللہ نے اس آیت "وانتم عاکفون فی المساجد" {البقرہ} کے تحت لکھا ہے کہ مسجد میں اعتکاف کرنے کا حکم صرف مردوں کو ہے نہ کہ عورتوں کو۔ابوبکر رازی ؒ نے بھی یہی لکھا ہے۔"قال الشيخ أبوبكر الرازي رحمه الله، وقد ورد في الحديث المرفوع أن صلاة المرأة في دارها أفضل من صلاتها في مسجدها، وصلاتها في بيتها أفضل من صلاتها في دارها، وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها، فلما كانت صلاتها في بيتها أفضل من صلاتها في المسجد كان اعتكافها كذلك قال: وإنما كره ذلك للمرأة في المسجد؛ لأنها تصير لابثة مع الرجال في المسجد، وذلك مكروه لها، سواء كانت معتكفة أو غير معتكفة"۔(۱) اوراحادیث رسول ﷺ میں بھی کسی عورت کا عملاً مسجد میں اعتکاف کرنا یا پیغمبر ﷺ کا حکم دینا کہ عورت مسجد میں اعتکاف کرے کسی صحیح، صریح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ علامہ ابن نجیم ؒ علامہ کاسانی ؒ کی بدائع الصنائع کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں۔"عورت کا مسجدِ جماعت میں اعتکاف بیٹھنا درست ہے۔اس میں ہمارے ائمہ احناف کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔"ان اعتكافها فی مسجد الجماعة صحيح بلا

(۱) فتح الملهم شرح الصحيح لمسلم ۳/۱۹۸

خلاف بین اصحابنا"(۱) علامہ ابن عابدین شامیؒ "ردالمحتار" میں عورت کے مسجد میں اعتکاف بیٹھنے کو مکروہ تنزیہی قرار دیتے ہیں ساتھ ہی بدائع الصنائع کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ: علامہ کاسانیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ مسجد میں عورت کا اعتکاف بیٹھنا خلافِ افضل ہے۔ "صرح فی البدائع بأنه خلاف الأفضل"(۲)

خلاصہ یہ کہ مستورات کا عام مسجدوں میں جا کر اعتکاف کرنا سخت فتنے کا سبب ہے، اگر وہاں پردے کا معقول انتظام ہو پھر بھی عورتوں کو اعتکاف سے منع کیا جائے گا اور جن مساجد میں پردے کا انتظام ہی نہ ہو وہاں بدرجہ اولیٰ ممانعت ہوگی؛ اِس لیے اس سلسلے میں حکمتِ عملی کے ساتھ روکنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ واعلم۔

کیا مرد گھر میں اعتکاف کرسکتا ہے؟

لاک ڈاؤن یا کسی اور سرکاری یا غیر سرکاری وجہ ہو بہرصورت مردوں کے لئے مسجد میں ہی اعتکاف کرنے کا حکم ہے، خود قرآن مجید میں اس کا اشارہ موجود ہے۔(۳) اور اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ مردوں کا اعتکاف مسجد ہی میں ہوسکتا ہے "أجمع العلماء علی أن الاعتکاف لا یکون الا فی المسجد"(۴)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی مسجد ہی میں اعتکاف کرنے کو لازم قرار دیا ہے: و لا اعتکاف الا فی مسجد جامع "(۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدعت سب سے مبغوض عمل ہے، اور گھروں کی مسجد یعنی گھر میں نماز کے لئے جو جگہ متعین کی گئی ہو،

---

(۱) البحر الرائق، باب الاعتکاف: ۲/ ۳۲۴

(۲) فتاوی شامی، باب الاعتکاف۔

(۳) بقرہ ۱۸۷:، حج: ۲۶ (۴) التفسیر المنیر للزحیلی ۲: ۱۶۱/

(۴) سنن ابی داؤد، حدیث: ۲۴۷۳

اس میں اعتکاف کرنا بدعت ہے :وان من البدع الاعتکاف فی المساجد التی فی الدور (۱)

اس لئے مردوں کا گھر میں اعتکاف کی نیت سے بیٹھنا درست نہیں ہے، ہاں عورتیں گھر میں اعتکاف کریں گی؛ البتہ محلہ کی مسجد میں ایک یا دو صحت مند افراد اعتکاف کرلیں ، یہ پورے محلہ کی طرف سے کافی ہو جائے گا، بقیہ حضرات اپنے گھروں میں زیادہ سے زیادہ تلاوت، ذکر اور دعاء کا اہتمام کریں؛ اگرچہ یہ اعتکاف نہیں ہوگا؛ لیکن اعتکاف کا اصل مقصد عبادت کے ساتھ شب قدر کا استقبال حاصل ہو جائے گا۔

طاق راتوں کا پروگرام

رمضان المبارک کے آخری عشرے میں پانچ طاق راتیں ہیں، ان پانچ راتوں میں سے کسی میں شب قدر کا احتمال غالب ہے، جس کو اللہ تعالی نے اس لیے مبہم رکھا ہے کہ مسلمان اس کی تلاش و جستجو کے شوق میں پانچ راتوں میں خصوصا اللہ تعالی کی عبادت میں منہمک ہوں، سلف صالحین میں شب بیداری کا اہتمام انفرادی طور پر ہوتا تھا، ہر شخص اپنے طور پر قیام اور تلاوت کرتا، شب بیداری کی مروجہ اجتماعی صورتیں خیر القرون میں نہیں تھیں ، چناں چہ چھٹی صدی ہجری کے مالکی امام ابو بکر محمد بن الولید طرطوشیؒ لکھتے ہیں : محدثین نے ایسی کوئی روایت بیان نہیں کی کہ رمضان میں ختم قرآن کے موقع پر وعظ کیے جائیں اور اس کے بعد بلند آواز سے لمبی لمبی دعائیں کی جائیں؛ بل کہ ائمہ سلف سے تو ان چیزوں کی ممانعت منقول ہے... کہ مدینہ میں بغیر وعظ اور مروجہ دعاؤں کے صرف نماز کا معمول تھا۔" لم یرووا فی شیئ من ذلک أحدثه الناس من هذه البدع من نصب المنابر عند ختم القرآن و القصص و الدعاء بل قد حفظ النهی عن ذلک...ان الامر المعمول به فی المدینة إنما هو الصلاة من غير قصص و

---

(۱) السنن الکبری للبیہقی : ۸۵۷۳۔

لادعاء۔"(۱)

امام مالکؒ کے شاگرد امام ابن القاسمؒ لکھتے ہیں: اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا ایسا کرنے والا گناہ گار ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی مجلسیں شور وشغب اور مرد وزن کے بے پردہ اجتماع سے پاک ہوں اور شعائر اللہ کی بے حرمتی بھی ان میں نہ ہو تو اس بدعت کو امام مالکؒ نے مکروہ بتایا ہے۔ "ان قیل فهل یا ثم فاعل ذلک، فالجواب ان یقال اما ان کان ذلک علی وجد السلامة من اللغط ولم یکن الا الرجال أو الرجال و النساء منفردین بعضهم عن بعض یستمعون الذکر ولم ینتهک فیه شعائر الرحمن فهذه البدعة التی کرهها مالک"۔(۲)

چھٹی صدی ہجری میں (آج سے آٹھ سو سال قبل) اندلس کے قیروان شہر میں ختم قرآن پر اجتماع ہوتا تھا تو اس وقت کے محقق علماء نے اسے بدعت قرار دیا، چنانچہ شیخ ابو شامہ شافعیؒ لکھتے ہیں: امام طرطوشیؒ نے اہل قیروان کی اس بات پر سخت نکیر کی کہ وہ رمضان میں ختمِ قرآن والی رات میں وعظ وتقریر کے لیے جمع ہوتے ہیں اور اسے انھوں نے بدعت قرار دیا۔ "وقد أنکر الإمام الطرطوشی علی أهل القیروان اجتماعهم لیلة الختم فی صلاة التراویح فی شهر رمضان ونصب المنابر وبین أنه بدعة ومنکر وأن مالکا رحمه الله تعالی کرهه"۔(۳)

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: رمضان المبارک کی طاق راتوں میں عبادت کے لیے اجتماع کا اہتمام والتزام کرنا شرعاً بدعت ہے۔ "ویحصل القیام بالصلاة نفلاً فرادی من غیر عدد مخصوص أشار بقوله فرادی إلی ما ذکره في متنه من قوله: ویکره الاجتماع علی إحیاء لیلة من هذه اللیالي في المساجد وصرح بکراهة ذلک

(۱) کتاب الحوادث والبدع: ۵۲، المدونة الکبری: ۱۹۴، طبع مصر ۱۳۱۲ھ

(۲) المدونة الکبری: ۶۸

(۳) الباعث علی انکار البدع والحوادث: ۲۵ طبع مصر

في الحاوی القدسی"(۱)

آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا فتوی

اجتماعی طور پر عبادت، دعاء، بیان ذکر وتلاوت وغیرہ کا اہتمام والتزام کرنا درست نہیں، ان راتوں میں انفرادی طور پر کثرت سے عبادت کرنی چاہیے، کیوں کہ یہ اعمال از قبیل نوافل ہیں، رسول اللہ ﷺ ان نمازوں کے علاوہ جن کا باجماعت ادا کرنا ثابت ہے، دیگر عبادات نوافل وغیرہ سخت مجبوری کے باوجود گھر میں ادا کرتے تھے، البتہ اگر مسجد میں عبادت، تلاوت وغیرہ کا اہتمام نہیں کیا گیا، بل کہ اتفاقاً لوگ مسجد میں آکر تلاوت قرآن، نماز اور ذکر کرنے لگے تو اس کی گنجائش ہے، البتہ گھر میں ان اعمال کا کرنا زیادہ ثواب کا کام ہے... اجتماعی دعا کے لیے مدعو کرنا مناسب نہیں، ہر شخص اپنے اپنے مقام پر رہ کر نماز، ذکر، تلاوت اور دعاء کا اہتمام کرے اور بہ وقتِ دعاء موجود لوگ بھی اتفاقاً شریک ہوجائیں، جب کہ ان کو جمع کرنے اور بلانے کا کچھ اہتمام نہ کیا گیا ہو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ اجتماعی دعاء کرلیں۔(۲)

سورۃ القدر میں شبِ قدر کی عبادت کو ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر بتایا گیا ہے؛ لیکن یہ تعیین نہیں کی گئی ہے کہ شبِ قدر میں کس نوعیت کی مشروع عبادت انجام دینی ہے، رسول ﷺ نے ان راتوں میں کسی بھی خاص عبادت کی پابندی نہیں بتلائی؛ لہٰذا ان راتوں میں ہر وہ عبادت انجام دینا درست ہے جو کتاب وسنت سے عموما ثابت ہے جیسے نفل نمازیں، صدقہ خیرات، تلاوتِ قرآن، ذکر واذکار، دعاء واستغفار، تسبیح وتہلیل، تکبیر وتحمید، درود کی کثرت بقدرِ ضرورت دعوت وتذکیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ۔

لیکن ان راتوں میں مساجد کے اندر ساری رات یا رات کا اکثر حصہ تقریری مسابقے کی

---

(۱) رد المحتار ۲ :/۴۶۹، ط: زکریا دیوبند

(۲) واللہ تعالیٰ اعلم دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، فتوی 1532:=1212 / 1430 /ل

نذر کر دینا کہ مختلف مقامات سے خطباء کو دعوت دے کر ان کا تقریری مقابلہ رکھا جاتا ہے، عمل کرنے کا جذبہ کم اور تقابل کا جذبہ زیادہ ہو جاتا ہے کہ کس مقرر کا انداز اچھا تھا؟ کس نے کتنی نئی باتیں بیان کی؟ مقرروں کا آپس میں ایک دوسرے پر طنز اور عوامی مجمع میں نظریاتی تردید، نورانی راتوں کو مسلکی جھگڑوں کی نظر کر دینا، اپنی عبادات واعتکاف سے ہر سال غافل رہنا، جس سے نہ صرف عبادت کی روح غارت ہو جاتی ہے؛ بل کہ مساجد کا رخ کرنے والے حضرات عبادت کے مواقع سے محروم ہو جاتے ہیں، معتکفین کی عبادتوں میں خلل ہو جاتا ہے، اس لیے اس طرزِ عمل کو درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔

رمضان کی راتوں میں مساجد کو حد سے زیادہ روشن کرنا اسراف میں داخل ہے، خواہ ذاتی رقم سے ہو یا مشترکہ رقم سے، اگر مسجد کی رقم سے ہے تو بالکل ناجائز ہے۔

پندرھواں باب

عید کے دن نمازِ جمعہ کی حیثیت

اس باب میں جمعۃ الوداع کی حیثیت اور عید کے دن نمازِ جمعہ نہ پڑھنے کی غلط فہمی دور کی گئی ہے۔

جمعہ جیسا بہترین اصلاحی نظام کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا

جمعہ مسلمانوں کے لیے ہفتہ وارا جتماعیت اور خطبہ اس اجتماع میں تذکیر وموعظت اور دعوت و اصلاح کی ایک مسلسل اور مستقل تدبیر ہے شاید کسی کام میں اس کی مثال مل سکے دیگر مذاہب میں انکا پیشوا کیا پڑھتا ہے خود اسی کو سمجھ میں نہیں آتا ہے، اصلاحی اعتبار سے جمعہ کا اجتماع جس قدر مؤثر اور مفید ہے شاید ہی کوئی اور جلسہ اور اجتماع مسلمانوں کی زندگی پر اس درجے اثر انداز ہوگا، مسجد کا پاکیزہ ماحول، مسلمان نمازِ جمعہ سے پہلے جا نہیں سکتے، پوری یکسوئی اور توجہ، تمام لوگ پاک صاف، صفائی ستھرائی کی وجہ سے ماحول میں انبساط، ذہنوں میں جمعہ کا تقدس اس کی عظمت کا تصور، ہر ہفتہ تسلسل کے ساتھ تقریبا ایک ہی خطیب کی بات کو سننا، دل و دماغ میں اسے جذب کرنا، یہ ساری باتیں وہی ہیں جو انسان کے دل و دماغ پر گہرے نقوش مرتسم کرتی ہیں، قلب و ذہن کے تزکیہ میں نہایت مؤثر کردار ادا کرتی ہیں۔

یہ خطاب اصلاح و تربیت تعلیم و تزکیہ ذہن سازی کے لیے نہایت سنہرا موقع ہے ہر ہفتہ تسلسل اور ترتیب کے ساتھ جب کوئی بات کہی جاتی ہے تو دل و دماغ پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے، آہستہ آہستہ فکر و نظر کا سانچہ بنتا جاتا ہے، پانی کی تیز لہریں جن میں تسلسل اور دوام نہ ہو ایک طوفان تو کھڑا کر دیتی ہیں لیکن ان سے کسی سخت جان پتھر کے دل میں سوراخ نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر کسی چٹان پر مسلسل پانی کا ایک قطرہ گرتا رہے تو وہاں گہرا سوراخ پڑ جاتا ہے وقتی اجتماعات، طویل الاوقات جلسوں، کانفرنسوں اور جمعہ کے بیانات، ہفتہ وار دروس و اجتماعات کے درمیان یہی فرق ہے۔

جو لوگ عام نمازوں میں نہیں آتے وہ بھی جمعہ میں اہتمام سے آتے ہیں، سال بھر میں پچاس سے زیادہ جمعہ کے ایام آتے ہیں جمعہ کے بیانات مسلمانوں کی اصلاح کا نہایت اہم اور موثر ذریعہ ہیں اس وقت جتنی یکسوئی کے ساتھ لوگ خطیب کی بات سنتے ہیں شاید کسی اور اجتماع میں ایسی یکسوئی کا ماحول پایا جاتا ہے ہو، جس مسجد کا خطیب جس فکر کا حامل ہوتا ہے

اس محلے کے لوگوں پر اس فکر کے غلبے کو واضح طور پر محسوس کیا جاتا ہے۔

خطبہ عربی زبان میں ہو

رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین ؓ نیز بعد کے ائمہ وسلاطین نے خطبہ عربی زبان میں دیا ہے، ان کا عربی میں خطبہ دینا اس وجہ سے تھا کہ خطیب اور سامعین کی زبان عربی تھی، اگر عربی نہیں تو عرب فاتحین کی وجہ سے لوگوں پر اس زبان کا ایک خاص اثر تھا، عربی ناجاننے والے لوگ عربی زبان کو جاننے کی کوشش کرتے تھے، اس لیے کہ خطبے میں ایک پہلو ذکر وعبادت کا بھی ہے، قرآن نے اس کو ذکر سے تعبیر کیا، اسی لیے فقہاء نے اسے نماز جمعہ کے لیے شرط قرار دیا، اس سلسلے میں دو نقطۂ نظر ہیں.. پہلے نقطۂ نظر کے حاملین سامعین کی زبانوں میں بھی خطبے کی اجازت دیتے ہیں، دوسرے نقطۂ نظر کو اختیار کرنے والے حضرات عربی زبان ہی میں ضروری قرار دیتے ہیں، دونوں ہی کے پاس اپنی رائے کیلیے بعض معقول دلائل موجود ہیں، علمائے دیوبند کا نقطۂ نظر خطبہ عربی زبان میں ہونے کا ہے، تفصیل کیلیے مولانا منظور نعمانی صاحب ؒ کا رسالہ دیکھا جائے۔(۱)

خطبۂ جمعہ سے پہلے علاقائی زبان میں خطاب کا ثبوت

ایک بہترین شکل یہ ہے کہ خطبہ عربی زبان میں دیا جائے، اس سے پہلے اردو یا علاقہ کی مروجہ زبان میں ایک تذکیری اور اصلاحی بیان ہو جائے، یہ سب سے بہتر شکل ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں اور فی الجملہ حدیث سے اس کا ثبوت بھی ہے، مدینہ ہجرت کرنے کے بعد غزوۂ احد تک حضور ﷺ کے خطبۂ جمعہ سے پہلے منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی تھوڑی دیر خطاب کرتا تھا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلاتا تھا غزوۂ احد میں آپ ﷺ کے ساتھ اس نے بدعہدی کی اور عین مقابلے کے وقت اپنے

---

(۱) شمع فروزاں: ۱۵۶/۲

متبعین کے ساتھ میدان جنگ سے لوٹ آیا، اسکا نفاق ظاہر ہونے پر انصار نے اسے خطاب سے روک دیا تو یہ سلسلہ موقوف ہوگیا، اس سے فی الجملہ خطبے سے پہلے خطاب کا ثبوت ملتا ہے۔

اسی طرح بنو امیہ کے زمانے میں مروان کے خطبے سے پہلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خطبہ جمعہ سے قبل منبر کے قریب کھڑے ہو کر احادیث کا درس دیتے تھے، جب امام خطبہ کے لیے آتے تو آپؓ بیٹھ جاتے، حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ عمل ایک بڑے اجتماع میں ہوتا تھا اور کسی بھی صحابی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، لہذا خطبے سے پہلے خطاب ایک حد تک عہد نبوی اور عہد صحابہ میں بھی ہے۔

احادیث میں جمعہ سے قبل حلقے بنانے سے ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ خطبہ دینے کے لیے تشریف لائے اور آپ ﷺ نے دیکھا کہ بعض حضرات حلقے بنا کر گفتگو کر رہے ہیں جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا، تو یہ ممانعت دو وجہ سے ہے (۱) دنیاوی باتوں کے لیے حلقے بنانا (۲) امام کے خطبہ دیتے وقت حلقہ بنانا، جمعہ کی اردو تقریر دینی حلقہ ہے نیز اس طرح کے درس یا تقریر سے عربی خطبہ میں بھی کوئی حرج لازم نہیں آتا۔

مسئلہ سب کا ایک ہی ہے کہ عوام کو عربی خطبہ سمجھ نہیں آتا جس کے لیے کچھ نہ کچھ تبدیلی کرنی پڑتی ہے، اس تبدیلی میں یہ مناسب نہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کے عربی خطبہ کو اردو یا انگریزی میں بدل دیا جائے، بلکہ زیادہ مناسب یہ ہے کہ تعلیم کے لیے عربی خطبہ سے قبل عوامی زبان میں درس یا تقریر کر دی جائے اور خطبہ اور نماز کو عربی میں ہی ادا کیا جائے۔

واضح رہے کہ جمعہ کے خطبہ سے قبل اردو بیان کی حیثیت جمعہ کے مسنون خطبے کی نہیں ہے، بلکہ اس اردو بیان کا مقصد حاضرین اجتماعِ جمعہ کے لیے ان ہی کی زبان میں کچھ وعظ و نصیحت ہوتا ہے، جب کہ جمعہ کا خطبہ تو قرنِ اول سے امت کے مسلسل تعامل کی بنا پر عربی میں ہونا ضروری ہے۔" (و) الرابع: (الخطبة فيه)... تتمة: لم يقيد الخطبة بكونها بالعربية اكتفاءً بما قدمه في باب صفة الصلاة من أنها غير شرط مع

القدرة علی العربیة عنده، خلافاً لهما حیث شرطاها...الخ“(۱)

آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا فتوی ہے کہ”اذانِ ثانی کے بعد دونوں خطبے عربی زبان میں ہوں، اور اذان سے قبل کوئی ضروری دینی بات اردو کسی بھی مادری وعلاقائی زبان میں حاضرین کو بتلادی جائے تو گنجائش ہے، بشرطیکہ اس وقت اردو وغیرہ میں بیان کرنے سے نمازیوں کی نماز تلاوت وغیرہ میں خلل نہ ہوتا ہو، اگر خلل کا موجب ہو یا بیان تقریری کی وجہ سے خطبہ ونماز میں تاخیر ہوتی ہو تو پھر ایسی صورت میں وعظ تقریر درست نہیں، وعظ بیان کا بہتر وقت یہ ہے کہ بعد فراغ از فرض نیز سنت ونوافل سے جب سب فارغ ہوجائیں تو بیان کیا جائے۔واللہ اعلم۔(جواب نمبر:13272)

جمعۃ الوداع کی حیثیت

رمضان المبارک کے ختم پر آخری جمعہ کو رمضان کی رخصتی کا سوگ منایا جاتا ہے،جس سوگ واظہارِ افسوس کا نبی کریم ﷺ سے اور صحابہؓ سے کوئی ثبوت نہیں ہے،بل کہ رمضان کے ختم پر خوشی ومسرت منائی گئی ہے، روزے دار کے لیے دوخوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت دوسری اللہ سے ملاقات کے وقت،ہر دن کا افطار جس طرح باعث مسرت ہے اسی طرح مہینے کے ختم کا افطار بھی باعث مسرت ہے،اگر رمضان کے ختم پر افسوس کرنا عبادت ہوتا تو ہر روزہ کے ختم پر افسوس کرنا بھی عبادت ہوتا،چوں کہ ہر دن کے روزے افطار صغیر ہے اور رمضان کا ختم افطارِ کبیر ہے۔

عید کی آمد پر مومن کی مغفرت کا وعدہ وبشارت سنائی گئی ہے،اور عید کی آمد رمضان ختم ہونے پر ہی ہوتی ہے اگر رمضان کے ختم پر افسوس کرنا مشروع ہوتا تو یہ بشارت نہ سنائی جاتی ،بل کہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ رمضان کے ختم پر مغفرت کی خوشی سے خوش ہونا چاہیے اور یاد رہے کہ خلافِ سنت عمل دروازے سے مسجد کے منبر تک پہنچ جائے تو پھر اس کی

---

(۱)ردالمحتار علی الدرالمختار : کتاب الصلاۃ،باب صلاۃ الجمعۃ: ۳/۱۹، ط : دارعالم الکتب،ریاض

اصلاح دشوار ہو جاتی ہے، اس لیے جمعۃ الوداع کا خطبہ ترک کرنا ضروری ہے۔(۱)

خطبہ اور تقریر سے پہلے سلام کرنا

شوافع وحنابلہ کے نزدیک جب خطیب منبر پر بیٹھے تو اس کو سلام کرنا چاہیے؛ کیوں کہ ابن ماجہ میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب منبر پر بیٹھتے تو سلام فرماتے، "کان النبی ﷺ اذا صعد المنبر سلّم"(۲) حنفیہ کے یہاں قولِ مشہور یہی ہے کہ خطیب سلام نہ کرے، کیوں کہ اگر وہ سلام کرے گا تو سامعین جواب دینے پر مجبور ہوں گے اور امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد سامعین کے لیے گفتگو کی ممانعت ہے، جہاں تک حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے تو اس کو بیہقی اور بعض محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن حنفیہ میں سے علامہ حدادیؒ اور ایک گروہ کا خیال ہے کہ خطیب سلام کرسکتا ہے، اس لیے بہتر تو یہی ہے کہ خطیب سلام نہ کرے؛ لیکن اگر کرلے تو اس کی بھی گنجائش ہے، جہاں تک عام بیانات اور تقریروں سے پہلے سلام کی بات ہے، تو اگر حاضرین سے پہلے ملاقات ہو چکی ہو تب تو بیان سے پہلے سلام نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ سلام کا تعلق ملاقات سے ہے نہ کہ بیان سے، اور سلام کی جگہ اول ملاقات ہے اور وہ ہو چکی ہے اور اگر پہلے سے حاضرین سے ملاقات نہیں ہوئی یا حاضرین میں زیادہ لوگ ہوں کچھ سے ملاقات ہوئی اور کچھ سے نہیں تو تقریر کرنے سے پہلے سلام کرسکتے ہیں، تاہم ایسا کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ سلام کرنا سنت ہے نہ کہ واجب۔(۳)

جمعہ اور عیدین ایک دن میں جمع ہو جائیں تو کیا حکم ہے؟

تمام فقہاء حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ وغیرہم کا اتفاق واجماع ہے کہ ہر عاقل بالغ

---

(۱) ملخص از: امداد الفتاوی: ۱/ ۶۸۶

(۲) سنن ابن ماجہ: باب ماجاء فی الخطبة یوم الجمعہ حدیث: ۱۱۰۹، جمع الفوائد حدیث: ۱۹۱۷

(۳) کتاب الفتاوی: ۳/ ۴۸

مکلف مسلمان پر جمعہ فرض ہے،اور اس کا منکر کافر ہے "الجمعة فرض لا یسع ترکھا، ویکفر جاحدھا"(۱) علامہ ابن جزریؒ فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک جمعہ فرض عین ہے۔"وھی فرض عین عند الجمھور"(۲)

جمعہ کی فرضیت قرآن مجید سے،احادیث نبویہ سے،اجماع سے،اور قیاس سے ثابت ہے۔

جمعہ کی فرضیت پر نص قطعی

"یاأیھا الذین آمنوا إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر اللہ وذروا البیع ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون"(سورۃ الجمعۃ:۹)

"فاسعوا"امر وجوب کے لیے ہے،جب سعی واجب ہے تو جس کے لیے سعی کی جائے گی وہ بھی واجب ہوگا"إذا وجب السعی وجب ما یسعی إلیه."(۳)

جمعہ کی نماز ہر بالغ مرد پر واجب ہے"عن حفصة زوج النبی ﷺ عن رسول اللہ ﷺ انه قال: رواح الجمعة واجب علی کل محتلم"(۴)

تارک جمعہ کا حکم

(۱) حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے منبر پر فرمایا کہ: وہ لوگ جو جمعہ کے تارک ہیں اپنے عمل سے باز آجائیں یا یہ کہ اللہ ان کے دل پر مہر لگا دیں گے،پھر وہ غافلین میں سے لکھے جائیں گے"لینتھین أقوام عن ودعھم

---

(۱)بدائع الصنائع:۱/۲۵۶،الدر المختار:۲/۱۳۶،المبسوط للسرخسی:۲/۳۰۶،المحرر فی الفقه:۱/۱۴۲،الذخیرہ:۲/۳۲۹

(۲)القوانین الفقھیة:۵۵

(۳)اعانۃ الطالبین:۲/۶۲،المبدع لابن مفلح:۲/۱۴۱

(۴)سنن نسائی،حدیث:۱۳۷۱،البانی اس حدیث کو صحیح کہا ہے

الجمعة ،أو ليختمن الله على قلوبهم،ثم ليكونن من الغافلين"(۱)
امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں جمعہ کے فرض عین ہونے کی وضاحت ہے"وفيه أن الجمعة فرض عين۔"(۲)
(۲) آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ: جوشخص تین جمعہ کو سستی و ہلکا سمجھ کر چھوڑ دے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دے گا"من ترك الجمعة ثلاث مرات تهاونا طبع الله على قلوبهم"(۳)
(۳) آنحضرت ﷺ نے اس جماعت کے متعلق فرمایا جو جمعہ کی نماز ترک کرتی ہے کہ: میرا من کرتا ہے کہ کسی کو جمعہ قائم کرنے کا حکم کروں اور ان لوگوں کے گھر کو آگ لگا دوں جو جمعہ کی نماز چھوڑتے ہیں۔ "عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال لقوم يتخلفون عن الجمعة :لقد هممت أن آمر رجلا يصلي بالناس ،ثم أحرق على رجال يتخلفون عن الجمعة بيوتهم۔"(۴)
(۴) ابن المنذرؒ نے جمعہ کی فرضیت پر اجماع نقل کیا ہے" وأجمعوا على أن الجمعة واجبة على الأحرار المقيمن الذين لاعذر لهم"(۵)
فائدہ: جمعہ مکہ مکرمہ میں فرض ہوا،لیکن مکہ میں جمعہ کی نماز ادا نہیں کی گئی، یا تو اس وجہ سے کہ شرائط جمعہ نہیں پائے جاتے تھے، یا اس وجہ سے کہ جمعہ کا مقصد شعائر کا اظہار ہے اور مکہ میں اظہار شعائر کا موقع نہ تھا۔ "فرضت الجمعة والنبي ﷺ بمكة،ولم يصلها حينئذ إما لأنه لم يكمل عندها من المصلين عنده،او لان من شعارها

(۱) صحیح مسلم،حدیث :۸۶۵
(۲) شرح نووی لصحیح مسلم:۶/ ۱۵۲
(۳) الاحکام الکبری:۲/ ۴۷/ ۴
(۴) صحیح مسلم:۱/ ۴۵۲ حدیث:۶۵۲
(۵) الاجماع لابن المنذر:۴۰

الإظهار، و کان النبی ﷺ بمکة مستخفیا"۔ (۱)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ عید الفطر یا عید الاضحی جمعہ کے دن واقع ہو جائے تو جمعہ اپنے وقت پر پڑھنا فرض اور نماز عید اپنے وقت پر ادا کرنا واجب ہے، عید کی نماز ادا کر لینے سے جمعہ کی نماز ساقط نہیں ہوگی، جمعہ فرض قطعی ہے، اور ادائیگی کے بغیر ساقط نہیں ہوتا، عید الفطر یا عید الاضحی صلاۃ جمعہ کا بدل نہیں ہے کہ ایک کی ادائیگی دوسرے کی ادائیگی شمار کی جائے، چنانچہ امام محمدؒ جامع صغیر میں امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ "جب دو عیدیں (عید الفطر اور جمعہ یا عید الاضحی اور جمعہ) ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو اول سنت (اس کا وجوب سنت سے ثابت) ہے اور ثانی (جمعہ) فرض (اس کا ثبوت نص قطعی سے) ہے، اور دونوں میں سے کسی کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ "عیدان اجتمعا فی یوم واحد فالأول سنة، الأخر فریضة ولا یترک واحد منهما" (۲)

۞ حافظ بدرالدین عینیؒ شارح ہدایہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عید کی نماز پڑھائی، پھر خطبہ پڑھ کر فرمایا کہ تمہارے اس دن دو عیدیں جمع ہو گئیں ہیں ہم جمعہ کی نماز بھی ادا کریں گے، آپ کا قول "ہم جمعہ کی نماز بھی ادا کریں گے" دلیل ہے کہ عید کے دن جمعہ کا ترک جائز نہیں، اگر ترک جائز ہوتا اس قدر صراحت سے ذکر کی ضرورت نہ تھی "صلی عثمان رضی اللہ عنہ العید، ثم خطب فقال: إنه قد اجتمع فی یومکم هذا عیدان وإنا مجمعون، دلیل علی أن ترکها لا یجوز" (۳)

---

(۱) الاقناع لشربینی: ۱/۱۷۷، اعانۃ الطالبین: ۲/۳۰۶

(۲) الجامع الصغیر و شرحه النافع الکبیر: باب فی صلاة الجمعة: ۱/۱۱۳، بدایة المجتهد ونهایة المقتصد: الباب الثامن فی صلاة العیدین: ۱/۲۳۰

(۳) بنایہ شرح ہدایہ: ۲/۱۱۹

۞ حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ: جمعہ اور ظہر کی نماز کا نماز عید کی وجہ سے ساقط ہونے کا قول جمہور کے نزدیک متروک اور غیر معتمد ہے" وقال ابن عبد البر: سقوط الجمعة والظهر بصلاة العيد متروك مهجور لا يعول عليه" (۱)

۞ ابن حزم ظاہریؒ فرماتے ہیں کہ: جمعہ کے دن عید ہو جائے تو عید اور جمعہ دونوں کا پڑھنا ضروری ہے، اور کوئی حدیث اس کے خلاف (جمعہ کے ترک پر) صحیح نہیں ہے۔ "وإذا اجتمع عيدان فى يوم جمعة صلى العيد ثم الجمعة، ولا بد، ولا يصح أثر بخلاف ذلك" (۲)

۞ ابومحمد علامہ ابن حزم ظاہریؒ فرماتے ہیں: جمعہ فرض ہے اور عید تطوع ہے، اور کوئی غیر فرض (عید) عبادت فرض عبادت (جمعہ) کو ساقط نہیں کر سکتی، لہٰذا عید کی نماز کی وجہ سے جمعہ کی نماز ساقط نہیں ہوگی" وقال أبو محمد: الجمعة فرض والعيد تطوع، والتطوع لا يسقط الفرض." (۳)

۞ علامہ زرقانیؒ امام مالکؒ کا مسلک نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: علی، ابن وھبؒ مطرفؒ، اور ابن الماجشونؒ کی روایت سے امام مالکؒ کا یہی مسلک نقل کیا گیا ہے "وبه قال مالك فى رواية على وابن وهب ومطرف وابن الماجشون" (۴)

۞ حافظ ابن عبد البر مالکیؒ فرماتے ہیں: کسی مسلمان کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ وہ جمعہ کے معاف ہو جانے کا گمان کرے ان احادیث کی وجہ سے جو خود محدثین کے نزدیک طعن سے خالی نہیں ہیں۔ "لا يجوز لمسلم أن يذهب إلى سقوط فرض الجمعة عمن وجبت

---

(۱) بنایہ شرح ہدایہ: ۱۱۹/۲

(۲) بنایہ شرح ہدایہ: ۱۱۹/۲

(۳) بنایہ شرح ہدایہ: ۱۱۹/۲

(۴) زرقانی: ۳۲۵/۱، ذخيرة العقبى فى شرح المجتبى: ۲۳۷/۱۷

علیہ باحادیث لیس منہا حدیث إلا و فیہ مطعن لأھل العلم بالحدیث" (۱)

۞ امام قرافیؒ فرماتے ہیں کہ: جمعہ کی نماز گرمی اور سردی، اور نہ ہی عید کی نماز کی وجہ سے ساقط ہوسکتی ہے "ولا تسقط (ای الجمعة) بشدة الحر والبرد، ولا بصلاة العید إذا کانا فی یوم" (۲) حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ: عید کے دن جمعہ ساقط ہونے کا قول فقہائے امت کے نزدیک متروک ہے "سقوط الجمعة بالعید عن الجمیع قول مھجور من قبل الفقھاء"۔ (۳)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

امام شافعیؒ اپنی کتاب "کتاب الام" میں فرماتے ہیں: شہریوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ بغیر عذر کے جمعہ کی نماز ترک کریں، اگرچہ وہ جمعہ عید کے دن ہی کیوں نہ ہو "ولا یجوز لاحد من أھل المصر أن یدعوا أن یجمعوا إلا من عذر، یجوز لھم بہ ترک الجمعة وإن کان یوم عید" (۴) اگر عید الفطر جمعہ کے دن ہو تو امام وقت عید کی نماز اپنے وقت پر پڑھادے، اور دیہات والوں کو اپنے دیہات جانے کی اجازت دے دے، انھیں جمعہ کے لیے دوبارہ شہر آنے کا مکلف نہ کرے (چونکہ دو دو بار شہر آنے میں حرج لازم آئے گا اور حرج شرعا مدفوع ہے لہذا جمعہ ان سے مرفوع ہے) "إن کان یوم الفطر یوم الجمعة صلی الامام العید حین تحل الصلاة ثم أذن لمن حضر من غیر أھل المصر فی أن ینصرفوا إن شاءوا الی أھلھم ولا یعودون إلی الجمعة، الخ (۵)

---

(۱) زرقانی: ۱/۳۲۵، ذخیرة العقبی فی شرح المجتبی: ۱۷/۲۳۷

(۲) الذخیرہ للقرافی: ۲/۳۵۵

(۳) التمہید لابن عبد البر: ۱۰/۲۷۰

(۴) کتاب الام: ۱/۲۱۲

(۵) کتاب الام: ۱/۲۷۴

فائدہ: معلوم رہے کہ دیہاتیوں پر جمعہ فرض نہیں ہے، جب دیہاتی جمعہ کے وقت سے پہلے دیہات پہنچ جائیں گے تو ان پر جمعہ کی نماز نہیں رہے گی، خواہ عید کا دن ہو یا نہ ہو اور اگر دیہاتی عید کی نماز کے لیے شہر نہ آئیں تو جمعہ کی نماز کے لیے آنا فرض ہے، نیز اس تفصیل سے ثابت ہو گیا کہ فقہائے اربعہ میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور دیگر فقہائے کرام یعنی جمہور اس پر متفق ہیں کہ عید کی نماز کی وجہ سے جمعہ کی نماز ساقط نہیں ہوگی۔

امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک

امام احمدؒ کا مسلک اس مسئلے میں مختلف فیہ ہے چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں جو شخص عید اور ظہر کی نماز ادا کرلے تو اس پر جمعہ ساقط ہے "إذا اجتمع العيد والجمعة في يوم واحد فصلوا العيد والظهر جاز، وسقطت الجمعة عمن حضر العيد" (۱) لیکن امام پر واجب ہے کہ جمعہ ادا کرے، چنانچہ فقہ حنبلی میں اس کی صراحت ہے۔ "ويستثنى من ذالك الإمام، فيجب عليه أن يصلي الجمعة" (۲)

جمہور فقہاء کے دلائل

(۱) نمازِ جمعہ کا ثبوت دلیل قطعی سے ہے اور جو حکم دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے اس کے سقوط کے لیے اسی درجے کی دلیل قطعی ضروری ہے، خبر واحد یا ضعیف حدیث سے کتاب اللہ اور خبر متواتر سے ثابت حکم کو ساقط کرنا جائز نہیں ہے اور جو حضرات عید کی وجہ سے جمعہ کی نماز کو جس دلیل سے ساقط کر رہے ہیں، وہ دلیل دلیل قطعی یا خبر مرفوع تو کجا حسن درجے کی حدیث بھی نہیں ہے، چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے "اذا نودی للصلاة من یوم

---

(۱) الموسوعة الفقهية الكويتيه باب اذا اجتمع العيد والجمعة في يوم واحد: ۲۰۹/۲۷
(۲) شرح زاد المستقنع، کتاب الصلاة: ۴۵/۸

الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ"(۱) جب جمعہ کی نماز کے لیے پکارا جائے تو تم سب اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو، اس آیت میں بلاتفریق یومِ عید مطلقاً نماز جمعہ کو فرض قرار دیا گیا ہے، پس نماز جمعہ جس طرح غیر عید کے دن فرض ہے اسی طرح عید کے دن بھی فرض ہے۔ "ولم یخص مجیئھا فی یو م عید من غیرہ، فمن وجبت علیہ فی غیریوم العید وجبت علیہ فی یوم العید"(۲)

(۲) حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ عید اور جمعہ جمع ہو جاتے تو آپ ﷺ دونوں میں یہی سورتیں تلاوت فرماتے تھے۔ "واذا جتمع العید والجمعة فی یوم واحد قرأبھما فی الصلاتین"(۳)

(۳) حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جمعہ اور عیدین میں سورہ اعلی اور سورہ غاشیہ پڑھتے تھے اور اگر کسی دن جمعہ وعیدین جمع ہو جائیں تو دونوں نمازوں میں یہی سورتیں پڑھتے تھے۔ "عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال: کان النبی ﷺ یقرأ فی العیدین وفی الجمعة :بسبح اسم ربک الأعلی، وھل أتاک حدیث الغاشیة، وربما اجتمع فی یوم واحد فیقرأبھما"(۴)

فائدہ: اس حدیث کے تحت غیر مقلد عالم دین شارحِ ترمذی مولانا عبدالرحمن مبارک پوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان لوگوں کے خلاف حجت ہے، جو عید کی وجہ سے جمعہ کو ساقط قرار دیتے ہیں جب کہ وہ اپنے مسلک پر کوئی مرفوع حدیث پیش نہیں کر پاتے ہیں تو اپنے

---

(۱) سورۃ الجمعۃ:۹

(۲) التمھید لابن عبدالبر:۱۰/ ۲۷۷، المھذب للشیرازی:۱/ ۳۶۰

(۳) مسلم شریف: باب مایقرأ فی صلاۃ الجمعة: ۲/ ۵۹۸، حدیث: ۸۷۸، یہ حدیث حسن صحیح ہے، سنن نسائی: ۲/ ۱۱۳ حدیث: ۱۴۲۴، مسنداحمد: جزء : ۳۰/ ۳۳۹ حدیث: ۱۸۳۸۷

(۴) اس حدیث کی سند صحیح ہے، العرف الشذی شرح سنن الترمذی: باب ما جاء فی القراۃ فی العیدین : ۲/ ۳۶ حدیث: ۵۳۳

عمل پر حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور دیگر تابعینؒ کا عمل پیش کرتے ہیں۔

”حدیث الباب یفید فی مقابلة من یدعی العمل بالحدیث، فانه یقول :إذا اجتمع العید والجمعة فالجمعة عفو، ومرفوع الباب یرد علیهم، ولا مرفوع لهم، نعم ثبت ماقالو عن ابن الزبیر وبعض التابعین“(۱)

(۴) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک موقع پر عید جمعہ کے دن آئی تو آپؓ نے فرمایا کہ ”تمھارے لیے دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں، پس اہلِ دیہات میں سے جو جمعہ کا انتظار کرنا چاہے وہ انتظار کرے اور جو جانا چاہے وہ چلا جائے، میں اسے اجازت دیتا ہوں۔ ”قد اجتمع لکم فی یومکم عیدان فمن أحب من أهل العالیة أن ینتظر الجمعة فالینتظرها، ومن أحب أن یرجع فلیرجع، فقد أذنت له“(۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس واقعے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جمعہ کی رخصت اہل دیہات کے لیے ہے، نہ کہ شہریوں کے لیے۔

فائدہ: واضح رہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ اعلان تمام صحابہؓ کے سامنے عید کے مجمع میں ہو رہا ہے، اگر سقوط جمعہ عام ہوتا تو صحابہؓ و تابعینؒ نکیر کرتے کہ یہ رخصت عام ہے، آپ اسے اہل عوالی کے ساتھ کیسے خاص کر رہے ہیں، معلوم ہوا کہ سقوط جمعہ صرف اہل عوالی کے ساتھ خاص ہونے پر صحابہ کا اجماع سکوتی ہوگیا ورنہ کوئی ایک تو نکیر کرتا، اعلاء السنن میں علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فرمایا ہے۔ ”وکان عثمان قال ذلک بمحضر من الصحابه، فلو کانت الرخصة تعم أهل القری، وأهل البلد جمیعا، کما زعمه احمد ابن حنبل علیہ الرحمۃ لأنکروا علیه تخصیصها بأهل العالیه، فثبت ان

---

(۱) العرف الشذی: باب ماجاء فی القراۃ فی العیدین: ۳۶/۲

(۲) الاوسط فی السنن: ۲۹۰/۴ حدیث ۲۱۸۴

الرخصة مخصوصة بمن لم تجب عليه الجمعة"(۱)

(۵) علی ابن المدینیؒ یحی بن سعیدؒ سے اور جعفر بن محمدؒ سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے زمانے میں دو عیدیں (جمعہ اور عید) ایک دن جمع ہوگئیں تو آپؓ نے خطبہ کے بعد فرمایا کہ: بلاشبہ آج دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں، ہم دونوں ادا کریں گے اور تم لوگوں کو اختیار ہے کہ چاہے تو آئے یا نہ آئیں۔ "إن هذا يوم اجتمع فيه عيدان، ونحن نصليهما جميعا، ولكم رخصة ايها الناس فمن شاء جاء ومن شاء قعد"(۲) اس اثر میں "ونحن نصليهما جميعا" پر غور کریں کہ "نحن" سے مراد ہم اہل شہر دونوں ادا کریں گے، البتہ اہل عوالی کو جو دور دور سے آئے ہیں، رہنے اور جانے کا اختیار ہے، اگر یہ مطلب نہ ہو تو خلیفہ ثالث کے قول سے خلیفہ رابع کا مختلف ہونا لازم آئے گا۔

(۶) اللہ تعالی نے مسلمان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں، اور نماز جمعہ کی فرضیت علاحدہ مستقلاً قرآن وسنتِ متواترہ سے ثابت ہے، اور عیدین کی نماز صلوات خمسہ میں سے ہے نہ جمعہ میں سے ہے، پس جس طرح وتر (واجب) کی وجہ سے عشاء کی (فرض) نماز ساقط نہیں ہوتی، صدقہ فطر (واجب) کی وجہ سے زکوۃ (فرض) ساقط نہیں ہوتی تو عید (واجب) کی وجہ سے جمعہ (فرض) کیونکر ساقط ہوگا؟ بل کہ اشراق (نفل) کی وجہ سے چاشت (نفل) ساقط نہیں ہوتی ہے تو یہاں فرض کیونکر ساقط ہوگا؟ "ولأن الجمعة فرض، والعيد سنة، فلا تسقط السنة الفرض"(۳)

(۷) عید الفطر اور عید الاضحی ایک مستقل عبادت اور مستقل عید ہے، اور جمعہ ایک مستقل

---

(۱) اعلاء السنن: ۸/ ۷۴، العبادات فی الاسلام: باب اذا اجتمع العيد والجمعة لا تسقط الجمعة: ۳/ ۱۱۱۳

(۲) الاستذکار: باب الامر بالصلاة قبل الخطبة فی العيدين: ۲/ ۳۸۴

(۳) الاوسط لابن المنذر: ۴/ ۲۹۱، المحلی لابن حزم: ۵/ ۸۹، القول المبين فی اخطاء المصلين: ۱/ ۴۰۱

عید ہے، نماز جمعہ اپنے دن کے ساتھ خاص ہے، ہفتہ یا اتوار کو نماز جمعہ ادا نہیں کی جاتی اور عید الفطر و عید الاضحی جمعہ کے دن کے ساتھ خاص نہیں ہے، بل کہ ایام کی تبدیلی کے اعتبار سے عیدین کبھی جمعہ کے دن اور جمعہ کے علاوہ دوسرے دنوں میں آتے بھی ہیں، پس عیدین جمعہ کے علاوہ پیر، منگل، بدھ وغیرہ میں آنے سے اس دن کی ظہر کی نماز معاف نہیں ہو جاتی، اسی طرح عید جمعہ کے دن آجانے سے جمعہ کی نماز معاف نہیں ہوگی، چونکہ ظہر کی نماز مستقل فرض ہے، جمعہ کی نماز مستقل فرض ہے، عید کی نماز اپنے موقع پر مستقل واجب ہے، ان میں سے ہر ایک دلیل قطعی سے ثابت ہے، پس ایک نماز دوسری نماز کا بدل نہیں بنے گی۔

”ولأنهما صلاتان واجبتان ،فلم تسقط احداهما بالاخرى كالظهر مع العيد“(۱)

---

(۱)المغنی لابن قدامة: ۲/ ۲۱۲،موسوعۃ الفقہیہ: ۲/ ۱۴۲،شرح بلوغ المرام لعطيه سالم :باب الرخصة لمن صلى العيد ،الخ ،الجز: ۱۰۰/ ۳،مسئلے کی مزید تفصیل کے لیے احقر کا رسالہ ”اللمعة اذا اجتمع العيد والجمعة“ ملاحظہ فرمالیں۔

سولھواں باب

عید کے فضائل ومسائل

عید کا مسنون طریقہ، عید کی رات کی کوتاہیاں، وحدتِ عید، عید گاہ میں نماز ادا کرنا، مساجد میں عید کی نماز، عید میں دعا کا وقت، عید میں سلام ومصافحہ، عورتوں پر نمازِ عید، عید گاہ میں عورتوں کا آنا اور شوال کے چھ روزوں کی شرعی حیثیت وغیرہ بیان کی گئی ہے۔

شبِ عید کی اہمیت

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں لکھا ہے کہ: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ یہ کہا جاتا تھا کہ پانچ راتوں میں دعا (زیادہ) قبول ہوتی ہے، جمعہ کی رات میں، عید الاضحیٰ کی رات میں، عید الفطر کی رات میں، رجب کی پہلی رات میں، نصف شعبان کی رات میں۔ "بلغنا انه كان يقال: إن الدعاء يستجاب في خمس ليال في ليلة الجمعة و ليلة الا ضحى، و ليلة الفطر، و أول ليلة من رجب، و ليلة النصف من شعبان" (۱)

اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے جو کچھ ان راتوں کے بارے میں کہا ہے، ان سب کو میں مستحب سمجھتا ہوں، فرض نہیں سمجھتا۔ "و انا أستحب كل ما حكيت في هذه الليالي من غير أن يكون فرضا"۔ (۲)

☆ حضرت ابو امامہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دونوں عیدوں (عید الفطر، عید الاضحیٰ) کی راتوں میں ثواب کی نیت سے عبادت کی اس کا دل اس دن نہیں مرے گا جس دن لوگوں کے دل مردہ ہو جائیں گے۔

☆ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے پانچ راتیں زندہ رکھیں اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔

(۱) آٹھویں ذی الحجہ کی شب۔ (۲) نوویں ذی الحجہ کی شب۔ (۳) عید الاضحیٰ کی رات۔ (۴) عید الفطر کی رات۔ (۵) پندرھویں شعبان کی رات۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پانچ راتیں ایسی ہیں جن میں کی جانے والی دعا رد نہیں ہوتی۔

---

(۱) کتاب الام: ۱/ ۲۶۴، کتاب صلاۃ العیدین، بیان العبادۃ لیلۃ (العیدین، معرفۃ السنن والاثار، تحت حدیث: ۲۰۱۰، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی: ۶/ ۳۸، تحت حدیث: ۸۳۴۲۔

(۲) کتاب الام: ۱/ ۲۶۴، کتاب صلاۃ العیدین، بیان العبادۃ لیلۃ العیدین۔

(۱)شب جمعہ۔(۲) رجب کی پہلی رات۔(۳) شعبان کی پندرھویں شب۔(۴) عیدالفطر کی رات۔(۵) عیدالاضحیٰ کی رات۔

رمضان تو ختم ہو چکا،مگر عید کی رات کی مستقل فضیلت ہے،اس لیے''آج کی رات بازار کے نام'' کرکے بارگاہِ ایزدی میں محروم نہ لکھے جائیں اور اپنے آخری عمل کو شیطانی وطاغوتی بنانے کی بجائے رمضان میں حاصل شدہ نور کی حفاظت کی فکر کریں۔

شبِ عید کی کوتاہیاں

اللہ تعالیٰ سارے رمضان میں جس قدر جہنمیوں کو آزاد فرمایا تھا،آج کی رات ان سب کے برابر بندوں کو جہنم سے آزاد فرماتے ہیں،یہ دعاؤں کی قبولیت کی رات ہے،ایک حدیث میں ہے کہ: جو شخص اخلاص کے ساتھ عیدین کی راتیں عبادت میں گزارے تو اس کا قلب اس دن زندہ رہے گا جب سب لوگوں کے دل مرجائیں گے''من قام لیلتی العیدین محتسبا للہ تعالی لم یمت قلبه یوم تموت القلوب''(۱) آج کی رات عبادت اور مزدوری لینے کی رات ہے،لیکن عوام تو عوام خواص میں بھی اس رات کی عبادت کا اہتمام نہیں ہوتا،درزی کی دکان پر کپڑوں کی خاطر رات گزارنے چلے،کوئی سبزی اور عید کے فروٹ لانے چلے،عورتیں سارا گھر دھونے سجانے میں لگیں،درزی ساری رات جاگ کر گاہکوں سے رقم لینے میں معروف،حلیم بیچنے والے،کپڑے بیچنے والے،جوتے بیچنے والے سب کم سے کم قیمت میں اپنا مال نکالنے کی فکر میں آوازوں پر آوازیں نکالے جارہے ہیں،کیا یہی راتیں روپیہ کمانے کے لیے رہ گئی تھیں؟ یہی راتیں گوشت وحلیم اور کپڑے بیچنے کے لیے رہ گئی تھیں؟ رمضان بجلی کی طرح تو نہیں گرجتا ہے،اس سے پہلے شعبان کا مہینہ ہے

(۱)سنن ابن ماجہ: کتاب الصیام،باب فیمن قام فی لیلتی العیدین حدیث:۱۸۷۸۲،اس حدیث کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے،مگر دیگر روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے،اور فضائل میں ضعیف حدیث قابل قبول ہے۔

پھر شعبان میں شاپنگ کر کے رمضان عبادت کے لیے فارغ کیوں نہیں کر لیتے؟ الحمد للہ کئی بندے ایسے بھی ہیں جو رمضان کے بعد شوال میں اگلے رمضان کے کپڑے لے کر فارغ ہو جاتے ہیں، انھیں نہ شعبان میں اور رمضان میں عبادت گاہوں کی بجائے لعنت گاہوں کا رخ کرنا نہیں پڑتا ہے؛ مگر ہمارے بازار رمضان ہی میں چمکتے ہیں، جس شخص کو تجارت نہ بھی آتی ہو وہ بھی رمضان میں کوئی تجارت کا پلان بناتا ہے، تجارت کے لیے رقم نہ ہو تو صرف رمضان کے لیے قرض لیتا یا کسی کو پاٹنر بناتا ہے، مسجدوں کی طرح فنکشن ہال چمکائے جاتے ہیں تجارت کی منڈیاں سجائی جاتی ہیں، رمضان المبارک کے آخری عشرے میں عید کی تیاری پورے زور وشور اور جوش وخروش سے جاری ہو جاتی ہے، بازاروں میں مردوں عورتوں کا ہجوم ایسے جیسے پورا شہر بازار میں امڈ آیا، کپڑوں اور جوتوں، درزیوں اور میوہ جات وغیرہ کی دکانیں اس طرح بھری پڑی ہیں کہ قدم رکھنا مشکل ہے، خرید وفروخت میں بھائیوں سے بڑھ کر بہنوں کا حصہ ہے، افسوس کے اس موقع پر پردہ وحجاب کے سارے احکام، تہذیبی اور ثقافتی روایات کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے، کیا یہی شریعت کی حکم اور عید کی خوشیوں اور برکتوں کا سبب ہے؟ کیا منظر ہمارے بازاروں کا ہوتا ہے ملاحظہ ہوں:

’’دکان کی چمک دمک قابل دید ہے، خاص کر جوتے اور کپڑے کی دوکانیں گاہکوں سے بھری پڑی ہیں، اس پر طرہ یہ کہ یہاں ہر طرف ’’صنف نازک‘‘ کی حکمرانی ہے، کوئی حیادار مرد اپنے دامن حیا کو ٹھیس پہنچائے بغیر اس مجمع سے گذرنے کی قدرت نہیں رکھتا، جوں جوں رمضان المبارک کی مبارک ساعتیں قیمتی ہوتی جائیں گی اور عید مبارک کا فاصلہ کم ہو جائے گا، بازاروں کی رونق بھی بڑھتی جائے گی، جو مسلمان دوکاندار تہجد کے نام پر دو رکعت نماز پڑھنے پر کبھی اپنے کو تیار نہ کر سکے وہ اب پوری پوری رات دوکان پر جاگ کر گزار دیں گے، وہ عورتیں جنھیں پورے رمضان ایک جگہ بیٹھ کر ایک دو پارے قرآن پڑھنے کی توفیق نہ ہو سکی وہ آج کل رات دن بے پردہ دکانوں پر مٹرگشتی کرتی ہوئی دکھائی دیں گی، ان راتوں میں تراویح پڑھنے اور قرآن سننے کا گویا تصور ہی نہیں، بہت ہو گا تو ’’الم تر کیف‘‘ سے پڑھ کر

احسان جتایا جائے گا، جیسے جیسے عید قریب آتی جائے گی مسجدیں خالی اور بازار بھرتے چلے جائیں گے۔

افسوس! جو زمانہ سب سے زیادہ برکت کا تھا اور جو متبرک ساعتیں سارے رمضان کا خلاصہ اور مکھن کی حیثیت رکھتی تھیں، انھیں ہم اپنے ہی ہاتھوں گنوانے کے عادی بن گئے ہیں، ہمارے اندر سے آخرت کی فکر نکل چکی ہے اور دنیا کی زیب وزینت نے ہماری آنکھیں خیرہ کر دی ہیں، ان ہی سب خرافات کی یہ دولت ہم شب قدر جیسی عظیم الشان رات کی کما حقہ عبادت سے بھی محروم رہ جاتے ہیں، اور اس مبارک رات میں بھی معاصی ومنکرات میں مبتلا رہ کر اپنے کو جہنم کا ایندھن بناتے ہیں، ہمارے دن ٹیلی ویژن دیکھتے ہوئے، جھوٹ بولتے ہوئے، غیبت کرتے ہوئے اور راتیں خوش گپیاں کرتے ہوئے گذرتی ہیں۔

حضرت جابرؓ سے بسندِ ضعیف روایت ہے کہ: بہترین موت بندے کی وہ ہے جو کہ حج کے سفر میں ہو یا رمضان کا افطار کرنے کے بعد ہو۔ " خَيرُ مَا يَمُوتُ عَلَيهِ العَبْدُ أنْ يَكُوْنَ قَافِلاً مِنْ حَجّ أوْ مُفْطِراً مِنْ رَمَضَانَ" (۱)

رمضان کا افطار کرنے کے بعد سے رمضان کے کسی بھی دن روزہ افطار کرنے کے بعد کا وقت بھی مراد ہوسکتا ہے اور یہ بھی مراد ہوسکتا ہے رمضان سے فارغ ہونے کے بعد شوال کا چاند نظر آنے کا وقت یعنی چاند رات ہو۔ "(خير مايموت عليه أن يكون قافلا) أى راجعا (من حج) بعد فراغ أعماله (أو مفطرا من رمضان) يحمل أن المراد عقب إفطاره فى يوم منه أى عند الغروب ويحمل أن المراد عقب فراغ رمضان عند استهلال شوال"۔ (۲)

جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ: صحابۂ کرام وتابعین اعتکاف کرنے والے کے لیے اس بات کو پسند کرتے تھے کہ وہ عید الفطر کی رات اپنی (اعتکاف والی) مسجد

---

(۱) (کنز العمال)

(۲) فیض القدیر للمناوی، تحت حدیث: ۲۶۷۲۔

میں گزارے، یہاں تک کہ وہ وہاں سے صبح کو جائے۔"کانوا یستحبون للمعتکف أن یبیت لیلۃ الفطر فی مسجدہ، حتی یکون غدوہ منہ"(۱)

ملحوظ رہے کہ عیدین کی راتوں کی فضیلت کے بارے میں بعض روایتوں کی سند ضعیف ہے،لیکن ان روایات کے مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہونے کی وجہ سے ضعیف حدیث بھی شرائط کے ساتھ قابل عمل ہو جاتی ہے،ضعیف حدیث پر عمل کے شرائط ما قبل میں موضوعات اور ضعیف رویات کے باب میں گذر چکے ہیں،وہاں دیکھ لیا جائے۔

اس لیے لاحاصل بحثوں میں گھرے رہنے یا گھیرے رہنے کے بجائے عہد کریں کہ رمضان کی جو نعمت ہمیں نصیب ہوئی ہے یا ہونے والی ہے ہم اس کی پوری طرح قدر کریں گے،اور ان تمام خرابیوں سے خود بچیں گے دوسروں کو بھی بچائیں گے جو آج رمضان کے پرنور زمانے میں رائج ہوگئی ہیں۔(۲)

عید کی خوشی میں اظہار بندگی

سارا رمضان جس شرافت سے گزارا تھا عید کی صبح ہی سے ساری شرافت شرارت میں بدل جاتی ہے،نماز فجر تک کا خیال نہیں رہتا،عورتیں سویاں بنانے میں،بچے دودھ لانے میں،بالغ اپنی داڑھی و مونچھ بنوانے میں،درزی اپنے گاہکوں کو کپڑے دینے میں،قصائی اپنے جانوروں کا گوشت فروخت کرنے میں،غرض ہر کوئی ایسی مشغولیت میں ہوتا ہے گویا عید حقیقۃً کپڑوں،کھانوں،اور مٹھائیوں کا نام ہے،بل کہ عید کے بعد گناہ کے منصوبے رمضان کی ساری نورانیت کو غارت کر دیتی ہیں،مفتی سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

---

(۱) مصنف ابن أبی شیبۃ، حدیث: ۹۷۷۱، کتاب الصیام، من کان یحب أن یغدو المعتکف کما ھو من مسجد إلی المصلی۔

(۲) ندائے شاہی، فروری ۱۹۹۴ء

دنیا کی قوموں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنے تہوار اور خوشی کے دنوں میں لہو ولعب، ناچ گانے، شراب نوشی اور تفریحات کو پسند کرتے ہیں، اگلے پچھلے رنج وغم اور مصائب کو بھول کر وقتی خوشی میں ایسے سرشار ہوجاتے ہیں کہ انھیں اپنی سدھ ہی نہیں رہتی، ہم اپنے برادرانِ وطن میں ہولی اور دیوالی کے موقع پر ایسے مناظر بکثرت دیکھتے رہتے ہیں، عیسائیوں کے یہاں جب کرسمس کا دن آتا ہے تو وہ ہر طرح کے معاصی اور منکرات میں مبتلا ہوکر اظہارِ مسرت کرتے ہیں، یہی دستور زمانۂ جاہلیت میں بھی رائج تھا۔

حضورِ اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینے کے لوگ سال میں دو دن خوشی مناتے تھے، ان دونوں دنوں میں خوب کھیل کود ہوتا تھا اور گانے باجے کی مجلسیں جمتی تھیں؛ مگر حضورِ اکرم ﷺ نے ان سب سلسلوں کو ختم فرما کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان دو دنوں کی بجائے دو خوشی کے دن (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) مقرر فرمائے۔(۱) اور ان دنوں میں اظہارِ مسرت کا مظاہرہ کھیل کود، لہو ولعب اور تفریحات کے ذریعے نہیں کرایا گیا، بل کہ اسلام کے ماننے والوں کو حکم ہوا کہ وہ مسرت کا اظہار اس انداز میں کریں کہ وہ خوشی ان کے ظاہر اور باطن سے نمایاں ہوسکے، دلوں کی گہرائیوں سے سرور کی خوشبوئیں اٹھیں، ذہن ودماغ کے گوشوں سے عطر بیز ہوائیں پھیلیں اور بدن کا رگ وریشہ اور رواں رواں اظہارِ مسرت میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوششیں کرنے لگے۔

ایسی لازوال خوشی کے حصول اور اس کے اظہار کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان جس رب کائنات کا بندہ ہے، وہ اس بندہ نواز کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار کرکے اس کی خوشنودی کا مستحق بن جائے، ظاہر ہے کہ جس بندے کا آقا اس سے خوش ہوجائے اس بندے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہوسکتی ہے؟ اسی لیے قرآن کریم میں فرمایا گیا ”ورضوان من اللہ اکبر“ (اور اللہ کی طرف سے خوشنودی سب سے بڑی نعمت ہے) اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے خوشی کے دنوں میں اظہار بندگی کا

---

(۱) ابوداود شریف: ۱/۱۶۱

حکم دے کر شکرانے کے طور پر دوگانہ ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے، یہی عید کی اصل روح ہے، بقیہ جو لوازمات ہیں (مثلاً نہانا، دھونا، خوشبو لگانا، نئے کپڑے پہننا، بشاشت ظاہر کرنا وغیرہ) وہ سب ضمنی ہیں، آج کے دن کا اصل کام یہ ہے کہ بندہ اپنے عمل سے یہ ظاہر کردے کہ وہ واقعی اپنے رب کا فرماں بردار اور اطاعت گزار ہے اور ایسے ہی بندے کو درحقیقت آج خوشی منانے کا حق ہے، اسی مضمون کے اظہار کے لیے بعض علماء نے درج ذیل اقوالِ حکمت نقل فرمائے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) لَیسَ العید لمن لبس الجدید انما العید لمن امن من الوعید (اصل عید اس کی نہیں جو محض نئے نئے کپڑے پہنے، بل کہ عید اس کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی وعید سے محفوظ ہو جائے) یعنی منکرات اور معاصی سے بچے اور اپنے آقا کو راضی کرنے کی کوشش کرے، اس کے برخلاف اگر گناہوں میں مست ہے اور محض ظاہری طور پر نئے کپڑے پہن کر عید کی خوشی میں شریک ہونا چاہتا ہے، تو اسے حقیقی مسرت حاصل نہیں ہوسکتی۔

(۲) لیس العید لمن تبخر بالعود انما العید للتائب الذی لا یعود (اصل عید اس کی نہیں ہے جو عود کی خوشبو استعمال کرے، بل کہ عید تو اس توبہ کرنے والے کے لیے ہے جو یہ عزم کرلے کہ اب کبھی گناہ نہ کرے گا) یعنی توبہ محض وقتی نہ ہو بل کہ سچی اور پختہ توبہ کرنے والا ہی حقیقی مسرت سے مالا مال ہوسکتا ہے۔

(۳) لیس العید لمن تزین بزینة الدنیا انما العید لمن تزود بزاد التقوی (عید اس کی نہیں جو دنیا کی زیب وزینت اختیار کرے، بل کہ عید تو اس کی ہے جو تقوی کے توشے کو مہیا کرے) بالخصوص رمضان المبارک کا مہینہ تو اللہ تعالیٰ نے تقوی کے حصول کا بہترین سبب بنا کر امتِ محمدیہ کو مرحمت فرمایا ہے۔

روزوں کی فرضیت کا خاص مقصد بھی قرآن کریم میں یہی بیان کیا گیا ہے، اس لیے رمضان میں جو لوگ تقوی سے اپنے آپ کو آراستہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں بٹھاتے ہیں وہی درحقیقت عید کی مسرتوں کے حق دار ہیں۔

(۴) لیس العید لمن رکب المطایا انما العید لمن ترک الخطایا (عید اس کی نہیں ہے جو سواریوں پر سوار ہو، بل کہ عید اس کی ہے جو گناہوں اور غلطیوں کو چھوڑ دے) کیوں کہ اگر گناہ رہیں گے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف اور خطرہ بھی رہے گا، اس خطرے کی موجودگی میں حقیقی خوشی حاصل نہیں ہو سکتی۔

(۵) لیس العید لمن بسط البساط انما العید لمن جاوز الصراط (عید اس کی نہیں ہے جو فرش اور گدے بچھالے، بل کہ عید تو اس کی ہے جو اپنے لیے پل صراط سے گذرنے کا انتظام کر لے۔(۱)

آج افسوس کا مقام ہے کہ دیگر قوموں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی عید کو محض ایک تہوار سمجھ لیا ہے اور اظہار بندگی کا جذبہ ذہنوں سے بالکل محو ہوتا چلا جا رہا ہے، جیسے ہی عید کا چاند نظر آتا ہے نوجوان لڑکے لڑکیوں کی ٹولیاں بازاروں میں نکل پڑتی ہیں، دکانوں پر مردوں عورتوں کا ہجوم ہو جاتا ہے، گانے بجانے کی آوازوں سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی ہے، عید کی مبارک رات مٹر گشتیوں میں ضائع کر دی جاتی ہے اور پھر عید کے دن بھی دوگانہ ادائیگی کے بعد ان ہی لغویات کا سلسلہ کئی روز تک جاری رہتا ہے، سینما ہالوں اور تفریح گاہوں کی رونقیں بڑھ جاتی ہیں، یہ صورتِ حال اہل اسلام کی اسلامی شان کے بالکل خلاف ہے، اگر ہم بھی یہی طریقہ اپنانے لگیں گے تو ہم میں اور غیروں میں آخر کیا فرق باقی رہے گا؟ اس لیے ضروری ہے کہ عید کو اسلامی شان وشوکت کے ساتھ منایا جائے اور یہ شان وشوکت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کہ ہم اپنی عید کو ہر گناہ اور معصیت سے محفوظ رکھیں اور بندگی کے اظہار میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ صحیح معنوں میں اپنی بندگی کی توفیق عطا فرمائے۔(۲)

---

(۱) مظاہر حق ۱/ ۴۹۲

(۲) تحفۂ رمضان: ۱۵۷

عید پر خوشی کس بات کی ہے؟

نئے کپڑوں کی؟ عمدہ لذیذ اور شیریں غذاؤں کی؟ عیدی لین دین کی؟ تجارتی منفعتوں کی؟ سچ تو یہ ہے کہ مومن کے لیے اصل میں مادی چیزیں خوشی کا سروسامان نہیں ہوتے ہیں، مسلمان کی اصل خوشی یہ ہے کہ اس کا آقا اس سے راضی ہو جائے، غلام کو اپنے مالک کی خوشنودی کی سوغات حاصل ہو جائے، یہی اس کی زندگی کا حاصل اور اس کے لیے خوشی کی اور مسرت کا ذریعہ ہے۔

رمضان المبارک میں بندے نے خدا کی کتاب کو پایا، اس ماہ میں کتاب الٰہی سے اپنے رشتے کی تجدید کیا، اپنے تعلق کو تازہ تر اور قوی تر بنانے کے لیے تلاوت کا اہتمام کیا، تراویح کی نماز پڑھی، قرآن مجید سنتا سناتا رہا، توفیق میسر ہو تو رات کے آخری پہر تہجد ادا کیا، پوری پوری رات جاگ کر خدا کی چوکھٹ پر اپنی پیشانی بچھائے رہا، رویا وگڑگڑایا، اللہ کے حضور دست سوال پھیلایا، عبادت اور بندگی کی لذتیں حاصل ہوئیں، عید کے دن اسی توفیق ارزانی پر اللہ کا شکر ادا کیا جاتا ہے اور اسی پر ایک دوسرے کو مبارکبادی دی جاتی ہے۔

رمضان المبارک کا آخری عشرہ دعا اور التجا کا ہے، جبکہ ہم نے ان قبولیت کے لمحات کو مادی عیش وعشرت اور جسمانی خوشی ولذت کے لیے وقف کر رکھا ہے، ہمیں اپنے اور اپنے بچوں کی خوشحالی وخوش مالی کی فکر تو ضرور ہے، لیکن اپنے ہی سماج کے دوسرے غریب بھائیوں اور فاقہ مست مسلمانوں کی کوئی فکر نہیں، ہم اپنی تقریبات اور دعوتوں میں جو فضول خرچیاں کرتے ہیں، جن رئیسانہ اور شاہانہ تقریبات کی غیر مسلم سماج میں مثال دی جاتی ہے. اگر ہم انہیں کسی قدر سادگی کے ساتھ انجام دیں اور ان بچے ہوئے پیسوں کا ایک حصہ غریب مسلمانوں کے مسائل، بچوں بچیوں کی تعلیم وتربیت، مریضوں کے علاج، بوڑھوں، بیواؤں، مطلقہ عورتوں، یتیموں کی گزر بسر پر صرف کرتے تو ایک ایسا خوشگوار سماجی انقلاب رونما ہو سکتا جس میں کوئی بیوہ اور یتیم اور مفلوک الحال شخص اپنی بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہتا۔

ہماری خوشی کے اسباب کیا ہیں اور خوشی کا مستحق کون؟

عید کی خوشیوں کا اصل راز اللہ تعالی کی اطاعت، اللہ کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک پورے مہینے روزہ رکھنا، دن بھر اپنے آپ کو خدا کے لیے کھانے پینے سے بچائے رکھنا، رات کی راحتوں کو قربان کرنا، نمازوں کا عام دنوں سے بڑھ کر اہتمام کرنا، تلاوت قرآن کا معمول بڑھ جانا ہے، لیکن ہماری عشرت سامانیوں کی کوئی انتہاء نہیں، ہماری عید کی تیاریاں اسراف کی حدوں میں داخل ہو چکی، قیمتی سے قیمتی ملبوسات، بصورت چوڑیاں وزیورات، کھانے پینے کی ایک سے ایک تیاریاں، اور سرمستیاں گویا ہم فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کے قتل عام پر جشن منعقد کر رہے ہوں، ان کی لاشوں پر کھڑے ہو کر مسرت کے نغمے گا رہے ہوں، عید یقینا مبارک ہے لیکن اس مبارک بادی کا تعلق خدا کی خوشنودی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری سے ہے، خلق خدا کی محبت اور اس کے ساتھ مواسات وغمگساری سے ہے، عید کے اس موقع پر اپنا جائزہ لیں! کیا واقعی ہم نے آپ کو عید کی مبارکبادی کا مستحق بنایا؟ عید ہمارے لیے مادی خوشی کا ایک موقع یا روحانی مسرت وسعادت کا مبارک وقت ہے؟

یاد رکھیں! اس کی برکتیں اور سعادتیں ان نیک بخت وخوش نصیب لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے خدا کی کتاب سے اپنا رشتہ کا مضبوط کر لیا، جنہوں نے اپنے مالک کی خوشنودی کو اپنی خواہشات پر غالب رکھنے کا سبق سیکھا، جن کے دل کو دوسرے مسلمان کی مصیبتیں تڑپاتی وبے قرار رکھتی ہیں، دن بھر بھوکے پیاسے رہ کر اپنے بھائیوں کی فاقہ مستی کی تلخی اور کڑواہٹ کو محسوس کرنا سیکھ لیا، جن کے لیے رمضان کا مبارک مہینے ایک انقلاب انگیز مہینہ بن گیا، ورنہ تو پتھریلی زمین پر اچھی سے اچھی برسات بھی اثر انداز نہیں ہوتی، اس کے سخت جان سے پھل اور پھول نہیں اگتے، ان پتھروں کے چٹانوں کے لیے تپش انگیز دھوپ اور فرحت خیز برسات میں کوئی فرق نہیں۔(۱)

---

(۱) شمع فروزاں: ۱/۲۸۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عید

عید کے دن لوگ کاشانۂ خلافت فاروقی پر حاضر خدمت ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دروازہ بند کر کے زاروقطار رو رہے ہیں، لوگوں نے عرض کیا، اے امیر المؤمنین! آج تو عید کا دن ہے اور خوشی ومسرت منانے کا دن ہے، آج یہ خوشی کی جگہ رونا کیسا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: اے لوگو! یہ عید کا دن بھی ہے اور وعید کا دن بھی ہے۔ ”هٰذَاالْيَوْمُ الْعِيْدُ وَهٰذَا الْيَومُ الْوَعِيْدُ“ آج جس خوش نصیب کی نمازیں، روزے اور صدقہ وخیرات مقبول ہو گئے ہیں، بلاشبہ اس کے لیے آج عید (حقیقی خوشی) کا دن ہے لیکن آج جس کی نماز اور روزوں کو مردود کر دیا گیا ہو، اس کے لیے آج وعید کا دن ہے اور میں تو اس خوف سے ڈر رہا ہوں، مجھے یہ نہیں معلوم کہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوا ہوں یا غیر مقبول کر دیا گیا ہوں۔ ”أنا لا أدری اَمِن المقبولین، اَمِن المطرودین“ درحقیقت عید تو ان خوش نصیب مسلمانوں کے لیے ہے، جنھوں نے اس پورے ماہِ مقدس کا صحیح معنوں میں احترام کیا اور اس کے دن کو روزوں میں اور رات کو عبادت وریاضت میں گزارا، یہ عید ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزدوری اور انعام واکرام ملنے کا دن ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عید

ایک شخص عید کے دن حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا آپ سوکھی روٹی کھا رہے ہیں، اس نے عرض کیا آج عید ہے اور آپؓ سوکھی روٹی کھا رہے ہیں؟ آپؓ نے فرمایا: آج عید اس کی ہے جس کے روزے قبول ہو گئے، رمضان المبارک کی کوششیں جس کی بارآور رہیں، خدا نے اس کے گناہ بخش دیے، جس دن آدمی سے گناہ نہ ہو وہی اس کی عید کا دن ہے۔ ”إنما العید لمن قبل صیامه و شکر قیامه و کل یوم لا یعصی الله

فیه فهو عید"(۱) یہاں گناہوں سے خالی دن کو عید کا دن شمار کیا جا رہا ہے تو کہیں گناہوں میں ملوث ہونے کو ہی عید کا دن سمجھا جا رہا ہے، غور کریں حقیقی عید ہماری ہے یا ان حضرات کی؟ اور زندگی کا ہر دن عید کا دن ہوسکتا ہے بشرطیکہ اس دن اللہ کی نافرمانی نہ کی جاے۔

عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اور عید کا دن

عمر بن عبد العزیزؒ خلیفہ راشد شمار ہوتے ہیں، اپنے دورِ خلافت میں ایک موقع پر عید کے دن بچوں کے لیے نئے کپڑوں کا انتظام نہ ہوسکا تو بیوی نے کہا کہ: ہم کسی طرح عید گزار لیں گے، مگر بچے جب پرانے کپڑوں میں عید کریں گے تو دوسرے بچوں کے نئے لباس ان کا دل توڑ دیں گے، اس لیے بچوں کی خاطر انتظام کرلیں، آپ نے فرمایا میرے پاس حلال کی طاقت نہیں ہے اور حرام سے انتظام کرنے کی جرأت نہیں ہے، بیوی نے کہا خزانچی سے ایک ماہ کی تنخواہ پہلے لے لیں، اگلے مہینے فاقہ کرلیں گے، آپؒ نے خزانچی کو خط لکھا کہ اگلے مہینے کی تنخواہ دے دے، خزانچی نے جواب میں لکھا کہ: آپ اگلے مہینے تک زندگی ضمانت دے دیں میں اگلے مہینے کی تنخواہ دے دیتا ہوں، آپ نے بچوں سے فرمایا: بچوں تمہارا باپ حلال پر قدرت نہیں رکھتا اور حرام کی طاقت نہیں رکھتا ہے، پرانے کپڑوں میں عید گوارا ہے مگر حرام مال سے عید کرنا گوارا نہیں، ان بچوں نے کہا: ابو جان! ہمیں اس کا غم نہیں کہ ہم پرانے کپڑوں میں عید کر رہے ہیں، بل کہ ہمیں فخر ہے اس بات پر کہ ہمارا باپ خائن نہیں ہے، ہمارا باپ حرام پر جرأت کرنے والا نہیں ہے۔(۲)

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اہل کوفہ کی عید

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ یہ کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے اور یہ نہیں کہ

---

(۱) غنیۃ الطالبین: ۴۰۲

(۲) سوانح عمر بن عبد العزیز

ایک آدھ دکان تھی کہ کپڑا بکوادیا، جگہ جگہ کپڑے بننے اور سپلائی کرنے کے کارخانے تھے اور اتنی بڑی دولت تھی کہ جب امام ابوحنیفہؒ کی وفات (۱۵۰ھ) میں ہوئی تو کچھ امانتیں بھی تھیں، مگر چھپن ۵۶ ر کروڑ روپیہ خزانے کے اندر موجود تھا، جو انھوں نے چھوڑا، مگر ان چھپن کروڑ سے کیا ہوتا تھا؟ یہ سب غریبوں پر خرچ ہوتا تھا، ان کی تاریخ میں لکھا ہے کہ کوفے میں جتنے غریب، بیوائیں اور یتیم تھے، امام ابوحنیفہؒ کے ہاں سب کی فہرستیں بنی ہوئی تھیں اور ان کے قد و قامت نپے ہوئے تھے کہ فلاں اتنی عمر کا ہے، فلاں جوان ہے، فلاں بچہ ہے، غریبوں کے ہر گھر کے لیے رمضان شریف میں کپڑے تیار ہوتے تھے، بڑے آدمی کے بڑے، چھوٹے کے چھوٹے کپڑے، عورتوں کے لیے ان کے مناسب، اور جہاں عید کا دن آیا، صبح صبح غریبوں کے گھر کپڑے پہنچ جاتے تھے، تو غریب کہتے تھے کہ ابوحنیفہ کو سلامت رکھے، جیسی عید امیروں کی، ویسی عید ہمارے بچوں کی بھی ہے، بہتر سے بہتر کپڑا ملا ہے۔(۱)

کاش کپڑے سے زیادہ قلب صاف ہوتا

حضرت ابوسلیمان دارانیؒ ڈھلے ہوئے کپڑے پہنے تھے تو شیخ احمدؒ نے ان سے کہا کہ کاش آپ اس لباس سے عمدہ لباس پہنتے! یہ سن کر شیخ دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کاش میرا دل دوسرے کے مقابلے میں ایسا ہوتا جس طرح میرا لباس دوسروں کے لباس کے مقابلے میں صاف ستھرا ہے۔(۲)

عید میں ساتر وسنت لباس کا اہتمام کریں

ستر چھپانا انسانی فطرت ہے، اسی لیے تمام مخلوقات میں صرف انسان لباس پہنتا ہے، بلکہ دیگر حیوانات سے انسان کو لباس سے امتیازیت وفضیلت حاصل ہے، لباس کا پہلا مقصد

---

(۱) خطبات حکیم الاسلام: ۳ر۳۰۵

(۲) عوارف المعارف: ۵۰۹

ستر پوشی ہے ”لباسا یواری سوآتکم “پس ایسا باریک، چست، چھوٹا، مغربی لباس جس سے جسم کی بناوٹ وابھار نظر آتی ہو وہ مغربی لفظوں میں ”ڈریس“ تو ہے؛ مگر شریعت کی نظر میں وہ لباس نہیں ہے، وہ کپڑے میں رہ کر بھی ننگا ہے، تہذیب، شائستگی، نیوماڈل، ماڈرن، فیشن، ترقی اور جدت جیسے خوشنما ناموں سے عورت اور مرد کو برہنہ یا نیم برہنہ کر کے سرِ بازار لا کر جانوروں کی صف میں کھڑا کرنے کو فخر سمجھا جارہا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بالباس کو بے لباس کرنے والی قوم ایک مہذب شخص کی نگاہ میں شائستہ قوم نہیں کہلاسکتی؛ کیوں کہ جانور اور انسان کے امتیاز کو ختم کرنا تہذیب نہیں بلکہ تعذیب ہے، پہلے دور میں عید کے موقع پر گھر کی عورتیں کپڑے سینا جانتی تھیں تو اسلامی لباس خود کے لیے بھی بنالیتی

ساتر کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے، حضرت اسماءؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس باریک کپڑا پہن کر آئیں تو آپ ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ: اے اسماء! عورت جب بلوغ کو پہنچ جائے تو جائز نہیں کہ ایسا لباس پہنے جس سے اس کے جسم کا حصہ نظر آئے۔ ''أن أسماء بنت أبی بکر دخلت علی رسول اللہ ﷺ وعلیها ثیاب رقاق فأعرض عنها رسول اللہ ﷺ وقال: یا أسماء إن المرأة إذا بلغت المحیض لم تصلح أن یری منها إلا هذا وهذا وأشار إلی وجهه وکفیه''(۱) اسلام میں پردہ فرض ہونے سے پہلے کا یہ واقعہ ہے ورنہ حضرت اسماءؓ ایسا لباس نہ پہنتیں، مگر انسانی حیاء کا تقاضا تھا تو آپ ﷺ نے اس کی تنبیہ فرمادی۔

موطا امام مالک اور سنن بیہقی میں ہے کہ حضرت حفصہ بنت عبد الرحمن رضی اللہ تعالی عنہما، ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس حال میں کہ وہ باریک دوپٹا اوڑھی ہوئی تھیں، حضرت عاشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے (جلال کے عالم میں) ان کا باریک دوپٹا پھاڑ دیا اور دوسرا موٹا دوپٹا اوڑھایا۔''عن علقمة بن أبی علقمة عن أمه أنها قالت دخلت حفصة بنت عبد الرحمن علی عائشة زوج النبی ﷺ وعلی حفصة خمار رقیق فشقته عائشة وکستها خمارا کثیفا'' (۲) اس لیے عید کے موقع پر انسانی، اسلامی، ساتر لباس کا اہتمام کریں۔

عید عبادت ہے تہوار نہیں

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ ہمارا روزہ ہو یا عید یا کوئی دوسری تقریب، یہ دنیا کے تہواروں کی طرح تہوار نہیں، بل کہ سب کی سب عبادات ہیں اور

---

(۱) سنن ابو داؤد، کتاب اللباس، باب فیما تبدی المرأة من زینتها، حدیث: ۴۱۰۶۔

(۲) موطا امام مالک، کتاب اللباس، باب مایکره للنساء لبسه من الثیاب' حدیث: ۱۶۶۰، سنن بیہقی، باب الترغیب فی أن تکثف ثیابها، حدیث: ۳۳۹۱۔

عبادت کا حاصل اطاعت وفرماں برداری ہے کہ جو حکم ملا اس کی تعمیل کی جائے، اس میں کسی کی عقل ورائے پر مدار نہیں، عبادت میں جس قدر قیود وشرائط ہوتے ہیں وہ سب اس تعمیل حکم کے پیشِ نظر ہوتے ہیں، مثلاً نمازیں پانچ کیوں ہوں، کم وبیش میں کیا حرج ہے؟ نماز کے اوقات وہی کیوں ہوں جن میں از روئے شرع ان کو رکھا گیا ہے؟ دوسرے اوقات میں کوئی نماز کے ارکان، تلاوت، تسبیح، رکوع، سجود پورے خشوع وخضوع سے ادا کریں تو اس کا اعتبار کیوں نہ ہو؟ نمازِ فجر کی دو رکعت اور ظہر کی چار رکعت، مغرب کی تین رکعتیں کیوں ہوں؟ پانچ اور چھ رکعات کوئی پڑھ لے تو کیا گناہ ہے؟ ان سب سوالوں کا جواب اس کے سوا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالی کا حکم اسی طرح ہے اس کی تعمیل ہی کا نام عبادت ہے، اپنی رائے سے اس میں کمی بیشی یا اوقات کا تغیر کوئی معقول بات نہیں، ٹھیک اسی طرح روزہ ہے، صبح صادق سے غروب تک کیوں ہو؟ عشاء تک کوئی رکھے تو کیا گناہ ہے، ۲۹ر یا ۳۰ر کے بجائے کوئی اکتیس ۳۱ر روزے رکھے تو کیا حرج ہے؟ رمضان کے علاوہ کسی اور مہینے میں روزے رکھ لیا کریں تو کیوں صحیح نہیں؟ انتیس ۲۹ر کو چاند ہو یا نہ ہو ہم تیس ۳۰ر روزے پورے کرلیں تو کیوں گناہ ہے؟ یا چاند کا انتظار کیے بغیر انتیس ۲۹ر ہی کو ختم کرلیں تو کیا حرج ہے؟ ان سوالوں کا جواب بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی پیروی سے کوئی عبادت عبادت کہلانے کی مستحق ہے، اس میں انسانی رائے کا دخل ہوا تو پھر وہ عبادت نہیں۔

اسی طرح اس پر غور کیجیے کہ انتیس ۲۹ر تاریخ کو چاند ہونے یا نہ ہونے کا معاملہ سامنے آئے اور آپس میں اختلاف ہوجائے تو اس کا فیصلہ بھی محض انسانی رائے یا یادداشتوں سے نہیں ہوسکتا، بل کہ اس کا طریقۂ فیصلہ بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کی تعلیمات میں تلاش کرنا ہے، کیوں کہ چاند سورج کے کرات یا ان کا طلوع وغروب درحقیقت ہماری عبادت کا محور نہیں بل کہ عبادات کا مدار صرف حکم الہی کے اتباع پر ہے، ورنہ اگر محض عقلی طور پر دیکھا جائے تو صبح صادق ہونے کے ۵ر منٹ بعد سحری کھانے کا اسی طرح غروب آفتاب سے

۵ رمنٹ پہلے افطار کردینے کا روزے کے مجاہدے اور محنت پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا، جس کی بنیاد پر اس کی دن بھر کی محنت کو کالعدم قرار دیا جاسکے، ہاں! غروب سے ۵ رمنٹ پہلے افطار کرنے والا اس جرم عظیم کا مرتکب ہوا کہ اس نے حکم کی خلاف ورزی کی اسی جرم کی پاداش میں اس کے روزے کو کالعدم قرار دیا جاسکتا ہے۔(۱)

وحدتِ عید سے زیادہ وحدتِ فکر کی ضرورت ہے

بعض لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ ”پوری دنیا میں مسلمانوں کی عید ایک ہی دن ہونی چاہیے اس سے عالم کو مسلمانوں کے عالمی اتحاد کا درس ملے گا، اگر سارے عالم کے مسلمان یا کم ازکم مسلم ممالک مل کر ایک ہی دن عید کریں کس قدر خوش گوار ماحول ہوگا، یہ کیسی بات ہے کہ ایک ہی ملک میں کوئی پہلے دن تو کوئی دوسرے دن عید کرتا ہے“ یہ بات جس قدر بھلی معلوم ہوتی ہے اسی قدر بے حقیقت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ: (۱) جب عید ایک عبادت ہے اور عبادت کے اوقات پوری دنیا میں ایک نہیں ہیں، تو عید پوری دنیا میں ایک ہی دن کیوں کر ہوگی؟ جب ہندوستان میں فجر ہو رہی ہے تو عین ممکن ہے کہ کسی دوسرے ملک میں عشاء کی نماز ہو رہی ہے، یہاں ظہر ہو رہی ہے تو کسی اور ملک میں مغرب ہو رہی ہے، اسی طرح آج ہندوستان میں عید ہو رہی ہے تو کل کسی ملک میں عید ہو چکی ہے، ہندوستان میں ایک دن دیر سے عید ہونا باسی عید نہیں کہلائے گی، جس طرح دوسری نمازیں باسی نمازیں نہیں کہلاتی ہیں، دراصل جب ہم عید کو ایک تہوار و تقریب سمجھیں گے جیسے یوم آزادی، یوم جمہوریہ پورے ملک میں ایک ہی دن منایا جاتا ہے، اسی طرح عید بھی ایک ہی دن کرنے کی فکر ہوگی، جبکہ عید ایک عبادت ہے اور عبادت ہر ملک کی اپنے اپنے اوقات پر ہوگی۔

(۲) وحدتِ عید کی فکر کیوں ہے؟ کیا اس پر کوئی فضیلت وثواب مرتب ہوگا؟ اگر ایسا ہے تو پھر صاحب شریعت حضرت مصطفی ﷺ سے کہیں کیوں ایسا منقول نہیں ہے کہ کبھی آپ

---

(۱) ماخوذ از: جواہر الفقہ: ۳/ ۴۸۷

ﷺ نے وحدت عید کی ترغیب یا اس پر کوئی خصوصی ثواب بیان کیا ہو،فضیلت وثواب تو آپ ﷺ کے بیان کرنے پر ہی موقوف ہے ،موجودہ زمانے کی ترقی نے دنیا کو ایک دیہات بنادیا ہے،ساری دنیا ایک طشت میں سماگئی ہے،مشرق کا حال ایک لمحے میں مغرب تک پہنچ جاتا ہے،جب کہ آپ ﷺ کے زمانے میں اس کا تصور بھی مشکل تھا تو آپ ﷺ کے زمانے میں اگر ایک ہی دن ساری اسلامی سلطنت عید کرنا بھی چاہتی تو بھی مشکل تھا، چوں کہ عید کا مدار چاند پر ہے اور چاند جن شہر والوں کو نظر آجائے وہ دوسرے شہر کی رائے کا انتظار نہیں کریں گے اور پوری حیات طیبہ میں ایک مرتبہ بھی وحدت عید کی خاطر کسی شہر سے چاند کی خبر معلوم کرنے کے لیے آپ ﷺ کا کسی صحابی کو روانہ کرنا ثابت نہیں ہے، نیز صحابہؓ کے زمانے میں عید مختلف دن میں ہوئی اور اس وحدت کی انھیں فکر نہیں ہوئی ، چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانے میں جمعہ کی شام چاند دیکھا گیا اور مدینہ میں چاند نظر نہیں آیا، امیر معاویہؓ نے ہفتے کی دن روزہ رکھا اور امیر مدینہ حضرت ابن عباسؓ نے اتوار سے روزہ رکھا،حضرت کریبؒ نے آکر گواہی دی کہ ملک شام میں چاند نظر آگیا ہے،مگر چونکہ ایک ہی شخص کی گواہی تھی تو آپ نے توجہ نہ دی ،ظاہر ہے اس صورت میں عید بھی مختلف ایام میں ہوگی، اگر ایک ہی دن کرنا کوئی شرعی پسندیدہ عمل ہوتا تو حضرت ابن عباسؓ ملک شام سے دوسرا گواہ بلوالیتے اور نصاب شہادت مکمل ہونے پر ایک ساتھ روزہ شروع کرتے ،مگر آپؓ نے حضرت کریبؒ کے اصرار کے باوجود اس پر توجہ نہ دی، معلوم ہوا کہ وحدت عید شرعاً اہمیت کی حامل نہیں ہے۔(۱)

(۳) وحدتِ عید سے زیادہ وحدت فکر کی ضرورت ہے، عالم میں بسے تمام مسلمانوں کی سوچ وفکر کا انتشار عید کی لذت کو بھی ختم کر رہا ہے،ایک ہی محلے کے لوگ ایک ہی عیدگاہ میں نماز پڑھنے کے باجود ایک دوسرے کی سوچ مشرق ومغرب کے فاصلے قائم کر رہی ہے، قوم کا فکری انتشار ظاہری اتحاد کے ساتھ کچھ فائدہ نہ دے گا،دشمنانِ اسلام سے مقابلہ، دعوت

---

(۱) صحیح مسلم: ۱/ ۱۱۲

دین کی محنت، مغربی نظام زندگی کی مخالفت، مذہبی رواداری اور مسلکی اختلافات کے باوجود اتحادِ باہمی، اختلافِ رائے کے بعد ایک دوسرے کا احترام، یہ وہ عناوین ہیں جن پر مسلمانانِ عالم کو متحدہ طور پر کام کرنا چاہیے، علاقائی رسم ورواج، خاندانی ظالمانہ روایات جغرافیائی تعصبات سے پاک معاشرہ تعمیر کرنا چاہیے، سودی نظام کا خاتمہ غیر سودی نظام کے انتظام واستحکام، جہیز کی منحوس رسم کا خاتمہ، بہنوں کی وراثت کا اہتمام، یہ سب وہ کام ہیں جو اتحادِ فکر وعمل کے محتاج ہیں، بجائے اس کے کہ صرف ایک دن کی عبادت میں غیر ضروری اتحاد تلاش کیا جائے، رہا ایک ہی شہر میں مختلف دن عید کرنا اس کی وجہ گذر چکی ہے کہ عوام اپنے قاضی یا ہلال کمیٹی کے تابع ہیں، جس کا جتنا دائرہ کار ہے وہاں تک اس کا فیصلہ نافذ ہوگا، اور ہر ایک اپنے دائرۂ عمل کا مسئول ہوگا۔

عیدین کے مسائل

(۱) عید کے دن ظہر تک نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے، البتہ عید کی نماز کے بعد گھر میں نفل پڑھنا درست ہے۔(۱)

(۲) عید گاہ میں نماز سے پہلے شہر کے مساجد میں نمازِ عید ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔(۲)

(۳) نمازِ عید کے بعد دعاء مشروع ہے، لیکن خطبے کے بعد ثابت نہیں ہے۔(۳)

(۴) عید کی نماز میں اگر کوئی واجب ترک ہو یا کوئی ایسا عمل ہو جائے جس سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہو تو عید وجمعہ کی نماز میں یہ سجدہ ساقط ہو جاتا ہے۔

(۵) عید کے دن نماز اشراق یا کوئی اور نفل عید گاہ جانے سے پہلے نہ مسجد میں درست

---

(۱) فتاوی رحیمیہ: ۱/ ۲۷۳

(۲) امداد الفتاوی: ۱/ ۶۴۴

(۳) امداد الفتاوی: ۱/ ۶۰۲، فتاوی محمودیہ: ۲/ ۲۹۵

ہے اور نہ گھر پر درست ہے، البتہ عیدگاہ سے واپس آنے کے بعد چاشت کی نماز گھر پر پڑھ لینا درست ہے، آنحضرت ﷺ سے عید کے دن اشراق، چاشت وغیرہ پڑھنا ثابت نہیں ہے، عورت کے لیے بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے، البتہ قضا نمازیں یا فجر کی نماز قضا ہوگئی ہو تو پڑھنا جائز ہے۔(۱)

(۴) مرد اور عورت دونوں کے لیے غسل کرنا۔(۲)

بقدر وسعت عمدہ لباس اور عمدہ غذا کا اہتمام کرنا۔(اسرار شریعت: ۱/ ۴۰)

عید کے دن کی ممنوعات

(۱) عید کے دن سویاں پکانے اور سویاں کھا کر ہی جانے کو ضروری سمجھنا بدعت ہے۔(۳)

(۲) عیدگاہ میں جا کر اس طور پر تکبیر کہنا کہ اول ایک شخص تکبیر کہے اور دوسرے لوگ اس کی آواز پر تکبیر کہیں اور نماز تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے، یہ عمل مکروہ ہے۔(۴)

(۳) عید کے دن عید کی نماز تک کچھ کھانے کو عبادت سمجھنا۔

عید مبارک کی حقیقت

عید کے موقع پر ''عید مبارک'' دولفظوں پر مشتمل جملہ استعمال کیا جاتا ہے، عربی زبان میں ''عود'' کے معنی لوٹنے اور واپس آنے کے ہیں اسی سے ''عید'' کا لفظ ہے، یعنی وہ دن جو پھر لوٹ کر آئے گا، عربوں کا طریقہ تھا کہ وہ بعض تعبیرات میں نیک فالی کو ملحوظ رکھتے تھے جیسے جانے والے گروہ کو ''قافلہ'' کہتے ہیں، حالانکہ ''قافلہ'' کے معنی واپس لوٹنے والے کے ہیں، یہ تعبیر نیک فالی کے طور پر ہے کہ جو لوگ جا رہے ہیں ان شاء اللہ خیر وعافیت کے ساتھ واپس

---

(۱) امداد الفتاوی: ۱/ ۶۷۴

(۲) الترغیب: ۱/ ۵۳۳ حلبی کبیری: ۵۲۳ الترغیب: ۱/ ۵۳۳ حلبی کبیری: ۵۲۳

(۳) بہشتی زیور: ۶/ ۵۸

(۴) فتاوی دارالعلوم: ۵/ ۲۱۷

آئیں گے،خوشی کے دن کو”عید“ کہنا بھی ایک طرح کی دعااورنیک فالی ہے مقصد یہ ہے کہ یہ دن ہماری زندگیوں میں بار بار آئے،خوشی کے موقع پرمسرت کے اظہار کے لیے عام طور پرلوگ اکٹھا ہوتے ہیں،اسی لیے ایسے دن کو بھی عید کہا جانے لگا جس میں لوگ جمعہ ہوتے ہیں۔”کل یوم فیه جمع“(القاموس المحیط:۳۸۶)

عید کی خوشی کی مناسبت سے ہر مسلمان کی زبان پر دوسرے مسلمان کے لیے”عید مبارک ہو“ کہ الفاظ ہوتے ہیں”مبارک“برکت سے ماخوذ ہے۔ برکت کے معنی نمو،اضافہ اورسعادت ونیک بختی کے ہیں۔

اللہ رب العزت کے لیے”تبارک وتعالیٰ“ کے الفاظ مستعمل ہیں،جس کے معنی ہیں اللہ کی ذات مقدس اورمنزہ ہے،درود شریف میں”بارک علی محمد“ کے الفاظ ہیں،کہ رسول اللہ ﷺ کو جس رفعت وکرامت سے اللہ نے سرفراز فرمایا ہے وہ قائم و دائم رکھے، قرآنِ مجیدکواورمکہ مکرمہ کو”مبارک“ کہا گیا ہے،انبیاءاورصالحین کے لیے بھی”مبارک“ کے الفاظ آئے ہیں گویا”مبارک“ ایسا مبارک اور بابرکت لفظ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں ورسولوں یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے استعمال کیا ہے،قرآن مجید میں برکت اورمبارک کے الفاظ بتیس (۳۲) مواقع پراستعمال ہوئے ہیں۔

عید مبارک کہنا

عید کادن خوشی کادن ہے،اورخوشی کے دن اظہارخوشی مستحب ہے،مگر شریعت میں اس اظہار کے لیے صحابہؓ اور اسلاف میں حضرت عبداللہ بن یسر مازنیؒ،حضرت خالد بن معدانؒ،راشد بن سعدؒ،عبدالرحمن بن جبیرؒ،عبدالرحمن عائذؒ(۱)

---

(۱)وقول:”تقَبَّلَ الله مِنَّا وَمِنْكُمْ“في العيد، جائز مباح لاشيئ فيه، قَالَ صفوان بن عمرو السكسكيّ :”رأيتُ عبد الله بن بسر المازنِي، وخَالِد ابن معدان، وراشد بن سَعْد، وعبد الرَّحمن بن جُبير بن نفير، وعبد الرَّحمن ابن عائذ، وغيرهم من الأشياخ، يقولُ بعضهم لبعض في العيد :”تقَبَّلَ الله منَّا وَمِنْكُمْ“(تأريخ دمشق:۱۵۴/۲۴)

امام احمد بن حنبلؒ (۱)ابن تیمیہؒ وغیرہ مشائخ سے عید کے دن ”تقبل اللہ منا ومنکم “ کہنا منقول ہے، اس کے علاوہ ”اللہ تمھیں خوش رکھے“ ”اللہ عید کی برکتیں عطا کرے،عید مبارک“وغیرہ کوئی بھی جملہ بولنا درست ہے؛ البتہ وہ جملہ جو اسلاف سے ثابت ہے بولنا زیادہ باعث برکت،افضل اور پسندیدہ ہے،اور”عید مبارک“ کے جملے کو منصوص کادرجہ دینا درست نہیں۔”قال المحقق ابن امیر الحاج :بل الاشبہ بھا جائزة مستحبة فی الجملة“(۲)

خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں عید کے دن حضرت واثلہؓ سے ” تقبَلَ اللہ مِنّا وَمِنکُمْ“ کہتے ہوئے ملاقات کی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جی ہاں!” تقبَلَ اللہ مِنّا وَ مِنکُمْ“ ہم لوگ عید کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ” تقبَلَ اللہ مِنّا وَمِنکُمْ“ کہتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جواب میں فرمایا: ہاں!”تقبَلَ اللہ مِنّا وَمِنکُمْ“(۳)

عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنت ہے

شرعی طور پر عیدگاہ اس کو کہتے ہیں، جو آبادی سے بالکل باہر ہو اور اگر آبادی سے باہر باقاعدہ عیدگاہ بنی ہوئی نہ ہو تو کھلے میدان وجنگل میں نمازِ عید ادا کی جائے تو وقتی طور پر عیدگاہ ہی کہلائے گی،اور سنت مؤکدہ کا ثواب حاصل ہو جائے گا،کیوں کہ حدیث اورفقہ میں نماز عید ادا کرنے کے لیے صحراء وجنگل کی طرف جانا سنتِ رسول اللہ کہا گیا ہے،اگر عیدگاہ آبادی

---

(۱) وقَالَ حَرْبٌ:”وسُئِلَ أَحمد عَنْ قَوْلِ النَّاسِ فِي الْعِيدَيْنِ:”تقَبَّلَ اللهُ منَّا وَمِنْكُمْ “قَالَ:لابَأْسَ به، يَرْوِيه أَهْلُ الشَّام عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قِيل:وواثِلَةَ بن الأَسْقَع؟ قال:نعم،قِيل :فلاتكْرَهُ أَنْ يُقالَ هذايَوْمَ العِيدِ،قال:لا۔(المغني:۲/۲۹۴)

(۲) فتاوی شامی: کتاب الصلاۃ:۳/۵۰ بحوالہ فتاوی قاسمیہ:۹/۸۴۰،فتاویٰ رحیمیہ :۱/۱۸۱

(۳) سنن کبری للبیھقی،حدیث:۶۵۱۹،اس حدیث کی سند ضعیف ہے محمد بن ابراہیم شامی مرفوعاً نقل کرنے میں منفرد ہے،مگر صحابہ وتابعین وجمہور امت کے تعامل سے ضعف ختم ہو جاتا ہے۔

کے اندر آ گئی ہو تو ایسی عیدگاہ سے سنت مؤکدہ کا حکم ختم ہو جائے گا، چونکہ اصل مقصد آبادی سے باہر میدان اور صحراء میں جا کر پڑھنے میں شوکتِ اسلام کا مظاہرہ ہے اور آبادی کے اندر پڑھنے میں یہ مصلحت حاصل نہیں ہوتی، اس لیے سنت ختم ہو جائے گی۔

مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب ہزاروں نمازوں کے برابر ثواب ہونے کے باوجود آنحضرت ﷺ عید کی نماز کے لیے مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔(مسجد نبوی سے تقریباً ایک ہزار قدم کے فاصلے پر ایک میدان تھا، جسے آپ ﷺ نے عیدگاہ کے طور پر مقرر کر لیا تھا) مدینہ طیبہ میں مسجد موجود تھی، آپ ﷺ وہاں بھی نماز پڑھا سکتے تھے، صرف ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ بارش کی وجہ سے عیدگاہ تشریف نہ لے جاسکے اور نمازِ عید مسجد میں ادا فرمائی۔"عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: كان النبي ﷺ يخرج يوم الفطر، والأضحى إلى المصلىٰ"۔ (۱) رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صرف بارش یا کسی دوسرے عذر کی وجہ سے عیدگاہ کی نماز ترک کی جاسکتی ہے اگر عذر نہ ہو تو عیدین کی نمازیں عیدگاہ ہی میں ہونی چاہیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عیدگاہ جانا سنت میں سے ہے۔"عن علي رضي الله عنه الخروج إلى الجبانة في العيدين من السنة"۔(۲)

آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بھی لے جانے کا اہتمام کیا جن پر عید کی نماز واجب نہیں ہے(۳) آپ کے اس عمل سے آبادی سے باہر عید کی نماز کے لیے تشریف لے جانے کی اہمیت صاف معلوم ہوتی ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

---

(۱) صحیح البخاری، كتاب العيدين، باب الخروج إلى المصلى بغير منبر: ۱/۱۳۱، رقم: ۹۴۶، ف: ۹۵۶

(۲) المعجم الأوسط، دار الفکر بیروت: ۳/۱۱۶، رقم: ۴۰۴۰

(۳) ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ: کنواری، حائضہ اور نکاح کے قابل پردہ نشین لڑکیاں بھی عید الفطر اور عید الاضحی کے موقع پر عیدگاہ آئیں، (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

عید الفطر اور عید الاضحی کے دن عید گاہ تشریف لے جاتے تھے، سب سے پہلے آپ نماز پڑھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے، لوگ بہ دستور صفوں میں بیٹھے رہتے تھے(۱) اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مولانا منظور نعمانیؒ نے لکھا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا عام معمول یہی تھا کہ عیدین کی نماز آپ ﷺ مدینہ طیبہ کی آبادی سے باہر اسی میدان میں پڑھتے تھے جس کو آپ نے اسی کام کے لیے منتخب فرمالیا تھا اور گویا (عیدگاہ) قرار دے دیا تھا اس وقت اس کے گرد کوئی چہار دیواری بھی نہیں تھی، بس صحرائی میدان تھا، لکھا ہے کہ مسجد نبوی سے قریب ایک ہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔(۲)

۱۔ مولانا رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اصل حکم یہی ہے کہ عیدین کے لیے شہر سے باہر ایک ہی جگہ اجتماع عظیم ہو، اس میں شوکتِ اسلام کا مظاہرہ بھی ہے، مگر بڑے شہروں سے باہر نکلنا مشکل ہے، اس لیے شہر کے اندر بڑے میدان میں یا ضرورت کے وقت مسجد میں نماز ادا کرنا بلا کراہت درست ہے لیکن حتی الامکان لازم ہے کہ ہر محلّے میں چھوٹے چھوٹے اجتماعات کی بجائے ایک بڑے مقام پر بڑے اجتماع کی کوشش کی جائے۔(۳)

۲۔ حضرت مولانا عبد الرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نماز عید کے لیے عید گاہ جانا سنت

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) چنانچہ حائضہ عورتیں نماز کی جگہ سے الگ رہیں، اور خیر کے کام میں اور دعا میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں“ اس پر میں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! اگر ہم میں سے کسی کے پاس اوڑھنی نہ ہو تو؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی بہن کی چادر یا اوڑھنی لے لے۔ (صحیح بخاری، کتاب العید، حدیث: ۳۲۴، صحیح مسلم، حدیث: ۸۹۰)

(۱) صحیح البخاری: ۲/۱۷، حدیث: ۹۵۶

(۲) معارف الحدیث: ۳/۳۹۹

(۳) احسن الفتاوی: ۴/۱۱۹، بہ حوالہ فتاوی شامی: ۱/۷۷۶

مؤکدہ ہے، بلا عذر اس کا تارک لائق ملامت اور مستحق عتاب ہے، اور ترک کا عادی گناہ گار ہوتا ہے، شہر سے عیدگاہ دور ہونے کی وجہ سے اگر ضعیفوں اور بیماروں کو تکلیف ہوتی ہو تو ان کے لیے مسجد میں انتظام کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔(۱)

۳۔آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں لکھا ہے: عیدین کی نماز آبادی سے باہر عیدگاہ جا کر ادا کرنا مسنون ہے، آنحضرت ﷺ کی عادتِ شریفہ یہی تھی وہ آبادی سے باہر عیدگاہ جا کر عیدین کی نماز ادا فرماتے تھے، بلا عذر طاقت ور لوگوں کا عیدگاہ چھوڑ کر مسجد میں عیدین کی نماز ادا کرنا خلاف سنت اور مکروہ ہے، سنت کا ثواب نہیں حاصل ہوگا، عیدین کے قیام کے مقاصد میں شان وشوکت کا اظہار بھی داخل ہے؛ اسی لیے عیدین کی نماز آبادی کے باہر عیدگاہ میں ادا کرنا مسنون ہے تاکہ مسلمانوں کی کثرت کا پتہ چلے۔"ولو صلی العید فی الجامع ولم یتوجہ إلی المصلی فقد ترک السنة"۔(۲)

نہایت افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے دل سے عیدگاہ کی عظمت ختم ہوتی جارہی ہے، عیدگاہ کی شرعی اہمیت باقی نہیں رہی جیسے قرن اول میں تھی، شہر سے دور ہونے کا بہانہ بے کار ہے، اپنی غرض کے لیے ملک سے باہر بھی چلے جاتے ہیں، علاج کے لیے صوبے وملک کا سفر کر لیتے ہیں، پکنک کے لیے فام ہاؤز چلے جاتے ہیں، جب کہ یہاں عیدگاہ سے زیادہ مسافت ہے، بڑے شہروں میں تو یہ عذر قابل قبول ہوسکتا ہے کہ عیدگاہ بہت دور ہوتی ہے، اور شہر سے نکل کر عیدگاہ تک پہنچنا مشکل ہوتا ہے، لیکن قصبات اور چھوٹے شہروں میں عیدگاہ پہنچنا کوئی مشکل نہیں ہے، اور اگر کچھ مشکل بھی ہو تو کیا اپنی اجتماعیت اور اسلام کی شوکت کے ظاہر کرنے کے لیے اتنی سی مشکل بھی گوارا نہیں کی جاسکتی؟ جب کہ اس دوری ومشقت پر بھی اجر دیا جاتا ہے، عیدگاہ کی طرف اٹھنے والے ہر قدم پر نیکی ہے، شوکتِ اسلام کے اظہار کی خاطر کہا گیا کہ عیدگاہ جانے کے لیے ایک راستے کا انتخاب کریں اور واپس

---

(۱) فتاوی رحیمیہ: ۱/ ۲۷۶

(۲) البحر الرائق: ۲/ ۲۷۸، Fatwa ID: 1526–1523/L=2/1438

آنے کے لیے دوسرا راستہ منتخب کریں، اس سے اجتماعیت اور شوکت کا اظہار ہوتا ہے۔

شہر میں عیدگاہ اگر چھوٹی پڑ جائے تو دوسری، تیسری جماعت کرلی جائے، یا دوسری بڑی عیدگاہ بنالی جائے، ایک شہر میں دو عیدگاہیں بھی ہوسکتی ہیں اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، جس طرح ایک شہر میں کئی جگہ جمعہ کی نماز ادا کرنا جائز ہے۔(۱) علاوہ ازیں عید کے اجتماع کے لیے مستقل عیدگاہ کی بھی ضرورت نہیں ہے، شہر سے باہر کسی بھی بڑے میدان میں عید کی نماز ادا کی جاسکتی ہے، شریعت میں عیدگاہ کی تخصیص نہیں ہے بلکہ مسنون صرف یہ ہے کہ شہر سے باہر جاکر نماز عید ادا کی جائے۔(۲)

اکثر شہروں میں آبادی کی کثرت کو عذر بنا کر عیدین کی نماز ہر محلے کی مسجدوں میں ادا کرنے کا رجحان بہت زیادہ ہوگیا ہے، جب کہ شہر کی آبادی عموماً اتنی نہیں ہوتی کہ عیدگاہ میں سما نہ سکے، اگر آبادی زیادہ ہو تب بھی عیدگاہ میں نماز ادا کرنا ممکن ہے، بس اتنا ہوگا کہ صفیں عیدگاہ سے باہر دور دور تک چلی جائیں گی اور یہ کوئی حرج کی بات نہیں ہے، اگر اس میں حرج ہو تو عیدگاہ میں دو یا تین جماعتیں بھی کی جاسکتی ہیں، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ عام حالات میں تو عیدگاہ کے اندر جماعت ثانیہ کی اجازت نہیں ہے؛ لیکن اگر عیدگاہ میں جگہ کی تنگی وغیرہ کی وجہ سے کافی لوگ جماعت سے رہ گئے ہوں تو ایسے عذر کی بنا پر دوسری جماعت کی گنجائش ہے؛ لیکن اس جماعت کا امام دوسرا ہونا چاہیے۔(۳)

بعض مسجدوں میں عیدگاہ کی نماز کا مذاق کردیا جاتا ہے کہ نماز عید کا وقت عیدگاہ کی نماز کے وقت سے پہلے رکھ لیا جاتا ہے، عجلت پسند لوگ اور جو لوگ عیدگاہ نہیں جانا چاہتے وہ کسی افسوس کے بغیر مسجدوں میں جاکر نماز ادا کرلیتے ہیں، اگرچہ ان کی نماز بلا کراہت صحیح ہوگئی لیکن عیدگاہ کے ذریعے جو اجتماعیت مقصود تھی وہ تو حاصل نہ ہوئی، شوکت اسلام ظاہر

---

(۱) فتاویٰ دارالعلوم: ۵/۲۰۸۔

(۲) فتاوی دارالعلوم: ۵/۲۳۰

(۳) احسن الفتاویٰ: ۴/۱۲۵، فتاوی رحیمیہ: ۵/۳۰

کرنے کا حصہ بننے سے اللہ نے ان کو محروم کردیا،لہذا بلاعذر قولاوفعلا عید گاہ جانے کی سنت کو ترک کرنا اور اس کے خلاف کو قولاً وفعلاً سنت بنالینا مکروہ وخلافِ سنت ہے،جس کے گناہ ہونے میں کوئی شک نہیں "فمن رغب عن سنتی فلیس منی"۔

اگر شہر میں کسی بڑے میدان میں یا مسجد میں ادا کرلیں تو بوقت ضرورت بلا کراہت درست ہے؛ لیکن حتی الامکان لازم ہے کہ محلے میں چھوٹے چھوٹے اجتماعات کی بجائے ایک مقام پر بڑے اجتماع کی کوشش کرے،عید گاہ جانے سے پہلے شہر کی مسجد میں عید کی نماز بلا کراہت درست ہے،نیز شہر کی بڑی مسجد اور آبادی کے اندر کی عید گاہ میں نماز کا ثواب برابر ہے۔(۱)

مساجد میں عید کی نماز پڑھنا

مسنون طریقہ یہ ہے کہ عیدین کی نماز کے لیے اپنی بستی سے باہر عیدگاہ یا کسی میدان میں جا کر پڑھے،جو لوگ بوڑھے،کمزور بیمار ہیں،وہ محلے کی مسجد میں عید کی نماز پڑھ لیا کریں،مسجد میں بھی عید کی نماز صحیح ہو جاتی ہے،باہر کسی دوسرے کی زمین میں نماز عید پڑھنا چاہیں تو مالکِ زمین سے اجازت لے لینی چاہیے،امام ایسے آدمی کو مقرر کرنا چاہیے جو پنج وقتہ نماز اور جمعہ کا پابند ہو،فتاوی قاسمیہ میں لکھا ہے کہ:

" اگر آبادی کے باہر صحراء میں شرعی عید گاہ ہے اور وہاں عید کی نماز پڑھنے میں کوئی عذر بھی نہیں ہے،تو ایسی عیدگاہ کو چھوڑ کر تمام لوگوں کا آبادی کی مساجد میں عید کی نماز ادا کرنا خلافِ سنت ہے،ہاں البتہ عید گاہ میں نماز ہوتی ہے اور بعض مساجد میں بھی نماز ہوتی ہے،تو

---

(۱)فتاوی شامی کراچی:۲/ ۱۶۹،عمدۃ القاری:۶/ ۲۸۱،فتح الباری بیروتی:۲/ ۳۶۱،فتاوی محمودیہ:۷/ ۲۱۶،فتاوی دارالعلوم دیوبند:۵/ ۱۹۸،امداد الفتاوی:۱/ ۶۱۰، فتاوی عالمگیری :۱/ ۳۵۷، بہ حوالہ ایضاح المسائل :۳۵،معارف الحدیث:۳/ ۴۰۶،مظاہر حق:۲/ ۲۹۴،احسن الفتاوی :۴/ ۱۲۹، امداد الاحکام:۱/ ۷۳۲،تحفۂ رمضان:۱۶۱

کوئی حرج نہیں ہے، نیز اگر عیدگاہ آبادی کے اندر آگئی ہے، تو وہ مسنون عیدگاہ کے دائرے سے خارج ہوگئی ہے، اس میں نماز پڑھنا اور مسجدوں میں نماز پڑھنا برابر کا حکم رکھتا ہے"۔
"البروز إلى المصلى والخروج إليه، ولا يصلي في المسجد إلا عن ضرورة، وروي ابن زياد عن مالك قال: السنة الخروج إلى الجبانة۔(۱)

عید کی نماز سے پہلے بیان کرنا

حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: عید کے موقع پر نمازِ عید کی غرض سے عیدگاہ یا مسجد میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد حاضری دیتی ہے، ان میں بہت ایسے بھی ہوتے ہیں کہ عید کے علاوہ ان کو اس طرح کے مجموعوں میں حاضری کی نوبت نہیں آتی، اس لیے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے دین کی ایسی باتیں اور احکام جن کی طرف سے عام طور پر غفلت برتی جارہی ہے مختصراً بیان کردیے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے۔(۲) بعض صحابہؓ سے جمعہ سے قبل احادیث بیان کرنا ثابت ہے، جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز خطبے سے پہلے منبر کے قریب کھڑے ہوکر احادیث بیان فرمایا کرتے تھے، اس کے بعد سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خطبہ فرماتے تھے اس لیے اگر کوئی عالم جمعہ کی نماز سے پہلے ضروری احکام بیان کرے تو اس وقت تلاوت قرآن کو موقوف کرکے تقریر و وعظ سننا افضل و مستحسن ہے، البتہ واعظ کرنے والوں کو چاہیے کہ وقت کی پابندی کریں، عید میں شریک ہونے والا مجمع دور دور سے آتا ہے، اپنی اپنی ضرورتیں ہوتی ہیں، عید کی خوشیوں کے پیشِ نظر شریعت نے تھوڑی دیر کے لیے نفل کو موقوف کردیا، ضرورت

---

(۱) عمدۃ القاري، کتاب العیدین، باب الخروج إلى المصلى قدیم: ۲۸۱/۶، ط: جدید زکریا دیوبند: ۱۷۱/۵، مستفاد: ایضاح المسائل ص: ۳۵، امداد الفتاوی: ۶۴۳/۱، کفایت المفتی قدیم: ۲۴۶/۳، جدید زکریا: ۲۹۳/۳، مطول: ۲۹۰/۵
(۲) محمود الفتاوی: ۲۴۵/۳

کے موقع پر لمبی نماز پڑھانے حضرت معاذؓ پر ناراضگی کا اظہار فرمایا، اس لیے بیان اور نماز وقت پر ختم کر دیں، نیز ایسے موقع پر اختلافی موضوعات نہ چھیڑیں۔

عیدگاہ میں جماعتِ ثانیہ

مسلکی اختلافات اور تعصب پرستی کی وجہ سے عیدگاہ میں دوبارہ جماعت کی اجازت نہیں ہے؛ البتہ اگر عیدگاہ میں جگہ کی تنگی وغیرہ کی وجہ سے کافی تعداد میں لوگ جماعت سے رہ گئے ہوں تو ایسے عذر کی بنا پر دوسری جماعت کی گنجائش ہے؛ لیکن اس جماعت کا امام بھی دوسرا ہونا چاہیے اور اگر صرف دو چار آدمی ہوں تو جماعت کرنے کی بجائے کسی دوسری مسجد میں جہاں ابھی نماز نہ ہوئی ہو وہاں جا کر شریک ہو جائیں، اگر جماعت ثانیہ کر لیتے ہیں تو حرج نہیں ہے، عید میں جماعتِ ثانیہ کی وجہ سے تقلیل جماعت کا اندیشہ نہیں ہے، اور جماعتِ ثانیہ کی کراہیت اس مسجد میں ہے جہاں کا امام، وقت، مصلی متعین ہوں، محلے کی مسجد ہو وغیرہ، جس طرح مسجد سوق، میدان، ہال وغیرہ میں جماعتِ ثانیہ کی اجازت ہے اسی طرح عیدگاہ میں جماعتِ ثانیہ کی اجازت ہے، اگر عید کی نماز مسجد میں ادا کی جارہی ہو اور مسجد تنگ بھی نہ ہو پھر بھی سستی وکاہلی کی وجہ سے پہلی جماعت میں شریک نہ ہو کر جماعت ثانیہ کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔(۱)

عید کی تکبیرات کتنی ہیں؟

احناف کے نزدیک عید کی تکبیراتِ زائد صرف چھ ہیں، تین پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں قراءت کے بعد، حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الاضحی اور عید الفطر میں کتنی تکبیریں کہتے تھے؟ حضرت ابوموسیٰؓ نے جواب دیا کہ چار تکبیریں کہتے تھے، جنازے کی تکبیر کی طرح حضرت حذیفہؓ نے (حضرت

---

(۱) مستفاد از: محمود الفتاوی: ۲۳۶/۳

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ) انھوں نے سچ کہا، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب میں بصرہ میں گورنر تھا تو وہاں بھی ایسے ہی کیا کرتا تھا۔ "کان یکبر اربع تکبیرة علی الجنائز فقال حذیفة رضی اللہ عنہ صدق" (۱)

۲۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں تکبیراتِ نمازِ جنازہ کی تعداد میں اختلاف ہوا کہ چار، پانچ یا سات ہیں؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ اور دیگر لوگوں کو جمع فرمایا اور کسی ایک صورت پر متفق ہونے کا مشورہ دیا، تو صحابہؓ نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ نمازِ جنازہ کی طرح چار تکبیریں ہیں۔ "فأجمعوا أمرهم علی أن یجعلوا التکبیر علی الجنائز مثل التکبیر فی الأضحی والفطر أربع تکبیرات فأجمع أمرهم علی ذلک." (۲)

عید الفطر اور عید الاضحی کی چار تکبیرات سے متعلق مندرجہ ذیل صحابہؓ وتابعینؒ سے بھی روایات مروی ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے

۲۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے

۳۔ حضرت اسود بن یزید رضی اللہ عنہ سے

۴۔ حضرت قاسم بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے، تفصیل کے لیے دیکھیں (۳)

عید میں دعاء نماز کے بعد یا خطبے کے بعد...؟

(الف) دعاء نماز کے بعد واجب ہے اور نہ ہی سنت اور نہ ہی خطبے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ سے نہ خطبے کے بعد دعاء ثابت ہے اور نہ نماز کے بعد البتہ ہر نماز کے بعد دعاء کرنا جس طرح ثابت ہے، اسی طرح عید کی نماز کے بعد دعاء کرنا بھی اس

(۱) سنن ابی داود: ۱/۱۷۰ باب التکبیر فی العیدین
(۲) شرح معانی الآثار، باب التکبیر علی الجنائز: ۱/۳۱۹
(۳) شرح معانی الآثار: باب التکبیر علی الجنائز: ۱/۳۱۹

میں داخل ہے، عیدین میں خطبے کے اخیر میں دعائیہ کلمات موجود ہیں؛ لہٰذا خطبہ ختم کرنے کے بعد الگ سے دعاء کرنا بے ضرورت ہے اور دورِ نبوت یا دورِ صحابہ اور سلفِ صالحین سے ثابت نہیں ہے، اور عید کی نماز کے بعد مختصر دعاء کا معمول امت میں رہا ہے اور دعاؤں کے قبول ہونے کے اوقات میں نمازوں کے بعد کا وقت بھی شامل ہے، اس اعتبار سے عید کی نماز کے بعد ہی دعاء کرنی چاہیے اور خطبے کے بعد الگ سے دعاء نہیں کرنی چاہیے؛ البتہ نماز کے بعد اتنی لمبی دعاء نہ ہو کہ لوگ اکتانے لگیں اور نماز اور خطبے میں لمبا وقفہ ہو جائے؛ بلکہ زیادہ سے زیادہ پانچ چھ منٹ کی دعاء کافی ہے، پس دعاء کو واجب سمجھے بغیر نماز کے بعد دعاء کرلی جائے، اور بہتر ہے عام دعاؤں کی طرح انفرادی دعاء کرلیں، نماز میں بھی دعاء ہے مگر نماز میں ہر طرح کی دعاء نہیں کی جاسکتی اس لیے نماز کے بعد لوگ اپنی ضروریات کے مطابق دعاء کرلیں، حدیث سے عید کے بعد دعاء کی اہمیت کا ثبوت ملتا ہے، حضور ﷺ کے زمانے میں شوکت اسلام کی غرض سے عورتوں کو بھی عیدگاہ پہنچنے کا حکم ہوتا تھا اور اس میں حائضہ اور پردہ نشیں عورتوں کو بھی لے جایا جاتا تھا اور حائضہ عورتیں عیدگاہ میں عید کی نماز میں شریک نہیں ہوتی تھیں، بلکہ الگ بیٹھ جاتی تھیں اور جب عید کی نماز کے بعد دعاء ہوتی تھی تو دعاؤں میں شریک ہوجاتی تھیں۔ ”عن أم عطية قالت: كنا نومر أن نخرج يوم العيد حتى نخرج البكر من خدرها حتى نخرج الحيض، فيكن خلف الناس، فيكبرن بتكبيرهن، ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته“ (۱) ہمارے اکابر مثلاً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولوی یعقوب صاحب نانوتویؒ، مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ، حکیم الامت تھانویؒ، مولانا محمود حسن قدس سرہٗ، کا عمل نماز کے بعد

---

(۱) ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ: کنواری، حائضہ اور نکاح کے قابل پردہ نشین لڑکیاں بھی عید الفطر اور عید الاضحی کے موقع پر عیدگاہ آئیں، چناں چہ حائضہ عورتیں نماز کی جگہ سے الگ رہیں، اور خیر کے کام میں اور دعا میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں‘ اس پر میں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! اگر ہم میں سے کسی کے پاس اوڑھنی نہ ہو تو؟ (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

دعاء کرنے ہی کا رہا ہے، البتہ خطبے کے بعد دعاء کرنا نہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے، اگر ان حضرات نے خطبے کے بعد دعاء کی ہوتی تو ضرور ثابت ہوتی، اس لیے نماز کے بعد دعاء کرلینا سنت ہے خطبے کے بعد دعاء کرنا تغییر سنت ہے اور قابل احتراز ہے، البتہ کلیۃً دعاء نہ کرنے سے بہتر ہے کہ خطبے کے بعد دعاء کرلی جائے لیکن اس کا التزام بہر حال واجب الترک ہے، اگر کوئی خطبے کے بعد دعاء نہ کرے تو قابلِ ملامت نہ سمجھے۔(۱) بہتر تو یہی ہے کہ سرّی دعاء کی جائے؛ لیکن اگر کبھی کبھار بڑے مجمع میں جہری دعاء کرادی جائے تو اسے بدعت نہیں کہا جائے گا۔(۲)

(ب) البتہ صاحب احسن الفتاوی حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ لکھتے ہیں: دعاء بعد الصلوات کا استحباب احادیثِ صریحہ کثیرہ سے ثابت ہے، اس کلیے میں نمازِ عید بھی داخل ہے، خواہ نماز کے بعد متصل دعاء ہو یا خطبے کے بعد، خطبہ توابع نماز میں سے ہے، اس لیے بعد الخطبہ بھی بعد الصلاۃ میں داخل ہے، جیسا کہ عام نمازوں میں تسبیحات واوراد کے بعد ہونے والی دعاء کو کلیۃً بعد الصلاۃ میں داخل قرار دیا جاتا ہے، بلکہ سنن ونوافل کے بعد کی دعاء کو بھی "دبر الصلوات المکتوبہ" میں شمار کیا جاتا ہے، علاوہ ازیں ہر مجلسِ خیر اور دینی اجتماع کے اختتام پر دعاء کا تعامل پوری امت میں ہے، لہذا خطبے کے بعد دعاء ہو یا خطبے سے پہلے یا دونوں جگہ، تینوں صورتیں درست ہیں، البتہ خطبے سے پہلے دعاء مانگی جائے تو مختصر ہو، تاکہ نماز اور خطبے کے درمیان زیادہ فصل نہ ہو، مذکورہ تینوں صورتیں صرف مستحب ہیں ضروری نہیں، لہذا اگر کوئی امام دعا بالکل چھوڑ دے، نہ خطبے سے پہلے مانگے نہ بعد تو اس پر اعتراض

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی بہن کی چادر یا اوڑھنی لے لے۔(صحیح بخاری ،کتاب العید، حدیث: ۳۲۴، صحیح مسلم، حدیث: ۸۹۰)

(۱) ملخص از: امداد الفتاوی: ۱/ ۶۰۲، فتاوی دار العلوم دیوبند: ۵/ ۱۸۸، جواہر شریعت: ۱/ ۴۳۰، کتاب الفتاوی: ۳/ ۹۸، فتاوی قاسمیہ: ۹/ ۵۲۲، فتاوی رحیمیہ: ۳/ ۷۵، کفایت المفتی: ۳/ ۳۰۶۔

(۲) مستفاد: معارف القرآن: ۱/ ۳۹۵، فتاوی محمودیہ: ۲/ ۱۷۳، فتاوی رحیمیہ: ۱/ ۱۸۳

کرنا جائز نہیں۔“(۱)

اور چونکہ خطبہ تتمۂ نماز ہے جس طرح نمازِ فرض کے بعد سنتِ مؤکدہ میں تاخیر نہ ہونی چاہئے، اسی طرح نمازِ عید کے بعد خطبے میں تاخیر نہ ہونی چاہیے خواہ دعاء ہی سے کیوں نہ ہو(۲)

(ج) علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ خطبے کے درمیان دعاء کی جائے، چنانچہ لکھتے ہیں ”ویدعون بدعائهم ای بدعائهم لمومنين فی خلال الخطبة لأنه لم يثبت عنه ﷺ بعد صلاة العيدين دعاء“(۳)

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ سے عید کی نماز کے بعد دعاء منقول نہ ہونا نفی جزئی ہے اور عام نمازوں کے بعد دعاء کا ثابت ہونا یہ اثباتِ کلی ہے۔” فلا تعارض“ لیکن راجح میرے خیال میں ثانی معلوم ہوتا ہے۔(عید کی نماز کے بعد دعاء کرنا) وهو المعمول لی (یہی میرا معمول ہے)”والأمر واسع، ولعل موافقة الجمهور أولى“(۴) اور بہشتی گوہر میں مسئلہ یوں لکھا ہے: بعد نماز عیدین کے یا خطبے کے دعاء مانگنا گو نبی ﷺ اور ان کے صحابہؓ اور تابعینؒ تبع تابعینؒ سے منقول نہیں، مگر چوں کہ ہر نماز کے بعد دعاء مانگنا مسنون ہے، اس لیے بعد نمازِ عیدین بھی دعاء مانگنا مسنون ہوگا۔(۵)

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عیدین میں نہ قبل الخطبہ نہ بعد الخطبہ دعاء منقول ہے تو نہیں لیکن اگر کہیں معمول ہو التزام نہ ہو تو کلیات شرعیہ کی بناء پر کوئی حرج بھی نہیں، ایسی چیزوں کی بحث میں نہ پڑھنا چاہیے جن میں شرعاً وسعت ہو،

---

(۱) احسن الفتاوی: ۴/ ۱۱۶

(۲) فتاوی بینات: ۲/ ۳۰۸، کفایت المفتی: کتاب الصلاۃ: ۳/ ۳۰۰

(۳) فیض الباری علی صحیح البخاری، کتاب العیدین: ۲/ ۲۶۲ مطبع حجازی القاہرہ

(۴) امداد الفتاوی: ۱/ ۶۰۴

(۵) بہشتی گوہر بہ حوالہ احکام اعتکاف: ۹۳

اہتمام کے لائق اور بہت سی باتیں ہیں لوگ ان کے چھوڑنے پر تو آمادہ نہیں جن میں کھلم کھلا دین کی تحریف کر رہے ہیں۔(۱)

حاصل یہ کہ نمازِ عید کے بعد دعاء کرنا افضل ہے، خطبے کے دوران دعاء کرنا درست ہے، مگر نہ نماز کے بعد دعاء کو ضروری سمجھے اور نہ خطبے کے بعد، کسی ایک وقت کو عقیدۃً یا عملاً خاص کر لینا خلافِ شرع ہے، نیز نماز کے بعد کلیۃ دعاء کا ترک کر کے خطبے کے بعد دعاء کا معمول بنالینا اور نماز کے بعد دعاء کرنے کو خلافِ سنت اور خطبے کے بعد دعاء کرنے کو ہی سنت سمجھنا مزاجِ شریعت کے خلاف ہے، نمازِ عید پڑھانے والوں سے ادباً گزارش ہے کہ لوگوں کے بھرے مجمع میں کسی ایک طرح کے عمل پر نکیر نہ کریں، یہ نازیبا حرکت ہے، عید کے موقع پر ایسا جزئی مسئلہ عوام کے سامنے چھیڑنا عالمانہ وقار کے خلاف ہے۔

نمازِ عید اگر فوت ہو جائے

اگر ایک شخص کی نمازِ عید چھوٹ گئی تو شہر میں متعدد جگہ عید کی نماز ہوتی ہے وہاں شریک ہو جائے، اگر سب جگہ نماز ہو چکی ہے تو گھر آ کر چار رکعت نفل پڑھ لینا مستحب ہے، حضرت ابن مسعودؓ سے یہی مروی ہے۔(۲)

اگر کئی لوگوں کی نماز رہ گئی ہے تو کسی ایسی مسجد میں جہاں عید کی نماز نہیں ہوئی ہو جماعت سے ادا کر لیں، عیدگاہ ہی میں دوبارہ عید کی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔(۳)

عید کے بعد سلام کرنا

عید کی نماز کے بعد عموما فوراً تین کام کیے جاتے ہیں (۱) سلام (۲) مصافحہ (۳)

---

(۱) الاضافات الیومیہ: ۱۴۴/۴ بہ حوالہ احکام اعتکاف: ۹۴

(۲) البحر الرائق: ۱۶۲/۲

(۳) امداد الفتاوی: ۴۳۴/۱، احسن الفتاوی: ۱۳۵/۴

معانقہ، ہر ایک سے متعلق کچھ ضروری آداب لکھے جاتے ہیں جس کی رعایت کرنے سے خوشی کے موقع پر تکلیف کا باعث بننے سے محفوظ رہ سکتے ہیں:

سلام صاف صاف الفاظ میں کرے، الفاظ بگاڑ کر سلام نہ کرے، اور سلام کے دو ہی جملے مشروع ہیں ''السلام علیکم'' اور ''سلامٌ علیکم'' اس کے علاوہ ''سلام علیکم'' میم کے جزم کے ساتھ وغیرہ درست نہیں ہے۔(۱)

سلام کے وقت جھکنا منع ہے چوں کہ یہ غیر اللہ کو سجدہ کرنے کے مشابہ ہے۔(۲)

سلام کے وقت سر پر ہاتھ رکھنا ثابت نہیں ہے، البتہ زبان سے لفظ سلام کے ساتھ ہاتھ اٹھانے یا سر اور سینے پر رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔(۳)

سلام مسکراہٹ اور بشاشت سے کریں۔

سلام کے جواب میں سر ہلانا

سلام کے جواب میں سر ہلانا یا سر ہلا کر سلام کرنا بد مذاقی ہے، حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں: بعض لوگ جو سلام کے جواب میں سر ہلاتے ہیں اور زبان سے ''وعلیکم السلام'' نہیں کہتے ہیں، وہ بد مذاق ہیں کہ ٹکا سی زبان نہیں ہلاتے اور دھڑا سا سر ہلا دیتے ہیں، ممکن ہے کوئی معقولی اس کی توجیہ کرے کہ فعلِ بسیط فعلِ مرکب سے آسان ہوتا اور سر کا ہلانا اضافہ اور فعل بسیط ہے، اور زبان کا چلانا فعلِ مرکب ہے، کیوں کہ الفاظ کو مخارج سے خاص ہیئت وترکیب کے ساتھ ادا کرنا پڑتا ہے، سو جواب اس کا یہ ہے کہ اس لحاظ سے اگر چہ سر ہلانا سہل ہے؛ مگر جس غرض سے سلام کرتے ہیں اس غرض وغایت کے لحاظ سے زبان ہی کا فعل آسان ہے، کیوں کہ سر ہلانے سے وہ غرض حاصل نہیں ہوتی، سلام سے مقصود دعاء ہے اور وہ بدونِ کلام وتکلم کے

---

(۱) اسلام کا نظام سلام ومصافحہ: ۱۱۹

(۲) مرقاۃ المفاتیح: ۹/ ۷۶

(۳) ملخص از: فتاوی مولانا عبد الحیؒ: ۴۵۶

حاصل نہیں ہوتی، تو جولوگ سلام وجوابِ سلام میں سر ہلاتے ہیں ان کو غایات ومقاصد سے دل چسپی نہیں اور یہی بدمذاقی کی علامت ہے۔(۱)

مصافحے کی کوتاہیاں

مصافحۂ مسنون جس پر مغفرت کا وعدہ ہے، اس سے قبل سلام ضروری ہے، بعض لوگ بغیر سلام کے مصافحہ کرلیتے ہیں، جس پر سنت کا ثواب نہیں ملے گا۔

مصافحے کے وقت ہاتھ ہلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۲)

مصافحے کے بعد سینے پر ہاتھ رکھنا نہ کسی حدیث سے ثابت ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اصل ہے، اس لیے اس سے گریز کرنا چاہیے۔(۳)

بیان کے بعد مصافحہ درست ہے، مگر التزام سے تکلیف ہوتی ہے۔(۴)

مصافحے کے وقت مخاطب کی طرف رخ ہو۔(۵) ہاتھ کسی اور کے ہاتھ میں چہرہ کسی اور طرف اس بداخلاقی کی ایذاءرسانی سے پرہیز کریں۔ بعض لوگوں کو اپنی اس بداخلاقی کا احساس تک نہیں ہوتا ہے، دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے، دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے مصافحہ کرتے ہیں اور ایسا ان لوگوں کے ساتھ ہوتا جو ان کی نگاہ میں چھوٹے ہوتے ہیں اور جس کی طرف وہ متوجہ ہیں وہ ان کی نظر میں بڑا ہوتا ہے، جب کہ ان کا یہی عمل ان کو اللہ کی نگاہ میں چھوٹا کرنے کے لیے کافی ہے۔

---

(۱) خطبات حکیم الامت: ۲۸/ ۱۲۳

(۲) ملفوظات فقیہ الامت: ۲/ ۱۸

(۳) کتاب الفتاوی: ۶/ ۱۲۸، اغلاط العوام

(۴) اغلاط العوام: ۹۸

(۵) فتاوی شامی: ۵/ ۲۴۴

دو ہاتھ سے مصافحہ سنت ہے

دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہے۔ ”السنة فی المصافحة بکلتا یدیه“(۱) امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”الصحیح“ میں ”باب المصافحة“ کے تحت حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے: نبی اکرم ﷺ نے مجھے التحیات اس حالت میں سکھائی کہ میرا ہاتھ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔ ”عَلَّمَنِي النَّبِيُّ ﷺ التَّشَهُّدَ وَ كَفِّي بَيْنَ كَفَّيه.“(۲)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں ثابت کیا کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تعلق مصافحے کے ساتھ ہے، اس کے متصل بعد ایک اور باب قائم فرمایا: ”باب الأخذ بالیدین“ (مصافحہ کرتے وقت دو ہاتھوں سے پکڑنے کا باب) اور اسی حدیث کو دوبارہ اس باب میں ذکر فرمایا ہے، جس سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حدیثِ ابن مسعودؓ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا ثابت ہے، نیز مصافحہ دونوں ہاتھوں سے اس طرح کیا جائے کہ ہاتھوں کو پکڑا جائے نہ یہ کہ آدمی اپنے ہاتھ دوسرے کے ہاتھ پر رکھ دے۔

یہ کہنا درست نہیں ہے ”کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقط ایک ہتھیلی آں نحضرت ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی، جس سے ایک ہاتھ سے مصافحہ ثابت ہوگا“ کیونکہ نبی پاک ﷺ کے تو دو ہاتھ تھے، ہمیں سنت نبویہ اختیار کرنی چاہیے نیز جب دو ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے تو درمیان میں ایک ہاتھ آتا ہے، دوسرا باہر کی جانب رہتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک ہاتھ حضور ﷺ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا، مگر یہ ہرگز ثابت نہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا صرف ایک ہاتھ تھا اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کے دو ہاتھ ہوں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک

---

(۱) الدر المختار: ۹/ ۶۲۹، باب الاستبراء وغیرہ

(۲) صحیح بخاری: ۲/ ۹۲۶

ہاتھ ہو؟ کیونکہ بڑے چھوٹے کے حوالے سے بھی اس صورت کو دیکھا جائے تو بڑی بے ادبی اور گستاخی ہے کہ بڑا آدمی دو ہاتھ سے مصافحہ کرے اور چھوٹا ایک ہاتھ سے اور یہاں تو امتی اور نبی ﷺ کا معاملہ ہے! باقی رہی یہ بات کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ کا ذکر کیوں فرما رہے ہیں؟ تو یہ اس وجہ سے نہیں کہ انھوں نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا تھا؛ بلکہ اس وجہ سے کہ دو ہاتھ سے مصافحہ کرتے وقت آپ کا جو ہاتھ نبی پاک ﷺ کے دو ہاتھوں کے درمیان آیا تھا آپؓ بطورِ اظہارِ مسرت کے اپنے اس ہاتھ کی خصوصیت بتا رہے ہیں کہ میرا یہ ہاتھ اتنا خوش نصیب ہے جو سردارِ عالم ﷺ کے دو ہاتھوں کے درمیان آیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی "باب الأخذ بالیدین" میں دو مشہور محدثین کا عمل ذکر فرمایا ہے، چنانچہ آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام حماد بن زید نے حضرت عبد اللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ "وَصَافَحَ حمادُ بنُ زَیدٍ ابنَ المبارَكِ بِیَدَیهِ"(۱) الموسوعۃ الفقہیہ الموسوعہ میں ہے: امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ "حماد بن زید نے ابن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ میں معروف ومشہور عمل تھا "صَافَحَ حمادُ بنُ زَیدٍ ابنَ المبَارَكِ بِیَدَیه: إشارة إلی أن ذلک هو المعروف بین الصحابة و التابعین"۔(۲)

حضرت گنگوہیؒ لکھتے: آج پوری دنیا میں جہاں بھی یہودی وعیسائی ہیں وہ سب ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں، یہی ان کا شعار ہے، اور ہمارے ہندوستان میں بھی غیر مسلم بھائی ایک ہاتھ سے ہی مصافحہ کرتے ہیں، تو ان کی مشابہت سے بچنے کے لیے ہم مصافحہ دونوں ہاتوں سے کریں، اس کے خلاف ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو سنت کہنا اور اس پر اصرار کرنا حق واعتدال سے ہٹی ہوئی راہ پر چلنا ہے "والحق فیه أن مصافحة ﷺ ثابته بالید والیدین ،إلا أن المصافحة بیدواحد لما کانت شعار أهل الافرنج

(۱) صحیح البخاری: ۹۲۶/۲

(۲) الموسوعۃ الفقہیہ: ۳۶۴/۳۷، تحت العنوان: مصافحہ

وجب ترکه لذلک"۔(۱)

غیر مسلم سے سلام ومصافحہ

عید کے بعد غیر مسلم بھائی بھی سلام اور عید مبارک کہہ کر سلام اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہیں اس سلسلے میں دو باتیں ہیں :

(۱) سلام اسلام کے شعائر میں سے ہے اور وہی اس کا مستحق ہے جو رب کو مانتا ہو، جس سلامتی کی دعا دی جارہی ہے، غیر مسلم اس سلامتی کے مستحق نہیں ہیں اس لیے غیر مسلم کو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا بھی جائز نہیں البتہ ان کے قابل احترام کا کوئی لفظ بول دیں مثلاً: گڈ مارننگ (good mornig) آداب، یا سلام کریں تو شرک وکفر سے سلامتی کا معنی ذہن میں رکھ کر سلام کریں، لیکن "نمستے، نمشکار، پڑنام، ست شری اکال" وغیرہ الفاظ کہنا جائز نہیں ہے، اور اگر وہ سلام کریں تو جواب میں صرف "وعلیکم، وعلیک، السلام، یا ھداک اللہ" کہنا درست ہے، ہاں! اگر انھیں سلام کرنے سے ہدایت کی امید ہے تو سلام کرنا جائز ہے۔(۲)

(۲) ہونا تو یہی چاہیے تھا کہ جب سلام ختم کردیا گیا تو مصافحہ جو تتمۂ سلام ہے بدرجہ اولی کافر کے لیے جائز نہ ہوتا؛ مگر مسلمان ایسی جگہ ہوں جہاں غیر مسلم سے اکثر واسطہ پڑتا ہو جیسے ہمارا ملک ہندوستان، ان کے ساتھ تجارتی تعلقات ہوں، پڑوس کا تعلق ہو یا کوئی بھی معاشرتی تعلق ہو، ایسی جگہوں میں اگر غیر مسلم مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھادے تو مصافحہ کرلینا چاہیے، بالخصوص اس وقت جب مصافحہ نہ کرنے کی وجہ سے تعلقات خراب ہوسکتے ہوں، البتہ

---

(۱) الکوکب الدری: ۳/ ۳۹۲ تفصیل کے لیے دیکھیں: اوجز المسالک: ۱۶/ ۱۳۳، تجلیات صفدر: ۱/ ۱۴۱، اسلام کا نظام سلام ومصافحہ: ۳۸۲

(۲) ملخص از: بہشتی زیور کامل: ۱۱/ ۷۴۷، فتاوی محمودیہ: ۱۹/ ۹۳، کفایت المفتی: ۱/ ۳۴۶، کتاب الفتاوی: ۶/ ۱۱۸، مظاہر حق: ۵/ ۳۴۰

عام حالات میں بلاضرورت ان سے مصافحہ کرنامناسب نہیں ہے۔ ”لا بأس بمصافحة المسلم جاره النصراني إذا رجع بعد الغيبة ويتاذى بترك المصافحة“۔(۱)

عید کے بعد مصافحے کی حیثیت

مصافحہ ومعانقہ بلاشبہ سنت وعبادت ہے مگر بہ وقتِ ملاقات یا بہ وقتِ رخصت، نماز اور عید کے بعد مصافحہ کرنا آثارِ صحابہؓ واقوالِ سلفؒ سے ثابت نہیں ہے۔ ”وتكره المصافحة بعد اداء الصلاة بكل حال لان الصحابة ماصافحوا بعد اداء الصلاة ولانها من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعي أنها بدعة مكروهة لا أصل لها في الشرع“(۲)

اس لیے اکثر فقہاء نے عید کے بعد مصافحے کو بدعت قرار دیا ہے، اور اپنے اکابر کا بھی یہی فتوی ہے جیسے:

(۱) امداد الفتاوی: ۱/۷۰۸ پر حضرت تھانویؒ نے
(۲) فتاوی محمودیہ: ۸/۴۶۲ پر مفتی محمود الحسن صاحبؒ نے
(۳) فتاوی رحیمیہ: ۱/۱۲۴ پر مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ نے
(۴) کفایت المفتی: ۳/۲۶۰ پر مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے
(۵) آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۵۸ پر مولانا یوسف صاحب لدھیانویؒ نے
(۶) فتاوی رشیدیہ: ۸/۱۳۸ پر حضرت گنگوہیؒ نے
(۷) امداد المفتیین: ۲۰۳ پر مفتی شفیع صاحبؒ نے
(۸) امداد الاحکام: ۱/۹۶ پر مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے
(۹) احسن الفتاوی: ۱/۳۵۴ پر مفتی رشید احمد صاحبؒ نے

---

(۱) فتاوی شامی: فصل فی البیع: ۹ش/۵۹ بہ حوالہ: اسلام کا نظام سلام ومصافحہ: ۳۹۹
(۲) فتاوی شامی: کتاب الحظر والاباحۃ: ۶/۳۸۱

(۱۰) کتاب النوازل: ۵/ ۳۶۸ پر مفتی سلمان منصور پوری صاحب مدظلہ نے۔

البتہ ان علمائے کرام نے جائز قرار دیا ہے:

(۱)"فتاوی فریدیہ: ۳/ ۲۰۷" پر عارف باللہ مولانا مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم نے۔

(۲)"اشرف الفتاوی: ۱۵۹" پر حضرت مولانا فضل الرحیم اشرفی صاحب مدظلہ العالی نے۔

(۳)"فتاوی دارالعلوم زکریا: ۲/ ۵۹۰" پر مفتی ضیاء الحق دامت برکاتہم نے، ان حضرات نے لکھا ہے کہ مصافحۂ عید کو سنت سمجھے بغیر تخصیص اعتقادی سے بچتے ہوئے مصافحہ کر لینا درست ہے، اسی طرح غلبۂ محبت میں اگر کوئی مصافحہ کر لے جیسا کہ بالعموم عیدین کے مواقع پر ہوتا ہے تو اس کی گنجائش ہے۔

عید کا مصافحہ اور نقطۂ اعتدال

مفتی شبیر صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: عید کی نماز کو جاتے ہوئے آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات ہو جائے اور اس میں سلام ومصافحہ نہ ہو پھر عید کی نماز کے بعد وہی لوگ جو ساتھ گفتگو کرتے ہوئے آتے ہیں آپس میں مصافحہ کرنے لگیں تو یہ محض رسمی مصافحہ ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے .... لیکن اگر عید کو جاتے وقت راستے میں ملاقات پر سلام ومصافحہ ہو چکا ہے، پھر عید کی نماز کے بعد عید کی مبارکباد پیش کرنے کے ساتھ ساتھ مصافحہ بھی ہو جائے تو یہ شکل نماز کے بعد کی خصوصیت اور اہتمام کے دائرے میں شامل نہ ہوگی، بل کہ ہر ملاقات پر مصافحے کے حکم میں شامل ہوگی، اس لیے نماز سے پہلے کی ملاقات میں بھی مصافحہ ہوا ہے اور بعد کی ملاقات میں بھی مصافحہ ہوا ہے، اس کو بدعت یا مکروہ کہنا درست نہیں ..... عید کی نماز کے بعد لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا جب کہ اس میں کسی کی کسی سے مہینہ بھر کے بعد ملاقات ہو رہی ہے، کسی کی ہفتوں اور کسی کی ایک دو دن کے بعد ملاقات ہو رہی ہے تو ایسی صورت میں عید کی نماز اور خطبے کے بعد واپسی کے موقع پر ایک دوسرے سے ملاقات پر مصافحہ کرنا نہ

صرف جائز اور درست ہے بلکہ ایک دوسرے سے فرطِ محبت میں اس موقع سے مصافحہ کرنا باعثِ اجروثواب اور گناہوں کے جھڑنے اور معاف ہونے کا سبب بنے گا۔(۱)

اگر کوئی مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو؟

اکثر اکابر کا فتوی عید کے بعد مصافحے کے بدعت کا ہے؛ مگر اگر کوئی شخص اس وقت مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھادے تو اپنا ہاتھ کھینچ لینا اور بے اعتنائی برتنا مناسب نہیں ہے؛ کیوں کہ اس سے مسلمان کے دل کو ٹھیس پہنچتی ہے، اگر چہ بدعت کا تعاون ہو مصافحہ کر لینا چاہیے، علماء کے اختلاف نے مسئلے میں تخفیف پیدا کر دی ہے، خفیف عمل سے اجتناب کے لیے مسلمان کی دل شکنی کا ارتکاب کرنا مناسب نہیں۔(۲)

مصافحہ کرتے وقت روپئے دینا

بعض مرتبہ عید کے بعد لوگ مصافحہ کرتے ہوئے ہاتھ میں روپئے یا لفافہ تھما دیتے ہیں، آج کل تو خطبات کے بعد خصوصا اس کا رواج عام ہوگیا ہے، اگر یہ ہدیہ ہے تو ایسے چھپا کر دینا کیا معنی رکھتا ہے، ہدیہ لینا اور دینا سنت ہے اور ایسی سنت نہیں ہے کہ مجمع سے چھپا کرادا کی جائے، اگر یہ سنت نہیں تو اس کی وجہ سے مصافحے کی اصل سنت میں ایک دنیوی چیز کا تلوث ہو جاتا ہے جو نامناسب عمل ہے۔(۳)

عیدی لینا دینا

عیدین کے موقع پر خوشی کے اظہار کے لیے اپنے عزیز واقارب، دوست واحباب اور ملنے جلنے والوں کو کھانے کی اشیاء، روپیہ، پیسہ اور کپڑے وغیرہ لینا دینا اظہار مسرت،

---

(۱) ملخص از: فتاوی قاسمیہ: ۹/ ۵۳۴

(۲) مرقاۃ المفاتیح: ۹/ ۷۴

(۳) ملخص از: اسلامی تہذیب: ۶۹

مبارکباد اور بلا کسی التزام وجبر کے بخوشی عیدی وغیرہ لینے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عید کے دن عورتوں کو سلام ومصافحہ کرنا

عید کے بعد عورتوں سے بھی مصافحہ کیا جاتا ہے، بعض مرتبہ محرم وغیر محرم کا فرق بھی نہیں کیا جاتا کہیں کہیں تو محلے کی لڑکیاں وخواتین امام صاحب سے مصافحہ کر لیتی ہیں، اس سلسلے میں دو باتیں ملحوظ رہیں:

(۱) اگر محرم رشتے دار مثلا: ماں بہن، خالہ، پھوپھی، ساس وغیرہ یا اپنی بیوی، بیٹی، نواسی، پوتی وغیرہ سے ملاقات ہو تو انھیں سلام کرنا جائز ہے، اسی طرح مذکورہ عورتوں کا اپنے محرم رشتے دار مرد کو سلام کرنا جائز ہے(۱)

غیر محرم اور اجنبی لڑکیوں اور عورتوں کو سلام نہیں کرنا چاہیے اور اگر کسی نے سلام کر دیا تو زبان سے جواب نہیں دینا چاہیے، البتہ دل میں جواب دینے کی گنجائش ہے، اسی طرح ان عورتوں کو اجنبی اور غیر محرم مردوں اور لڑکوں کو سلام نہیں کرنا چاہیے، اور اگر یہ عورتیں سلام کر دیں تو دل میں جواب دے زبان سے جواب دینا مکروہ ہے۔(۲)

البتہ اگر کوئی بوڑھی عورت کسی اجنبی کو سلام کر دے تو زبان سے جواب دینا جائز ہے، اسی طرح اگر کہیں عورتوں کا مجمع ہے مثلا: جلسہ، یا کسی تقریب میں شرعی پردے کے ساتھ عورتیں موجود ہیں تو مرد انھیں سلام کر سکتا ہے، اور خود عورتوں میں (آپس میں) ''السلام علیکم کہنے کا اور مصافحہ کرنے کا رواج نہیں ہے، یہ دونوں باتیں ثواب کی ہیں، ان کو پھیلانا چاہیے۔(۳)

(۲) جنھیں سلام کرنا جائز ہے ان سے مصافحہ کرنا بھی جائز ہے، عید کے بعد بعض

---

(۱) طیبی: ۹/۹

(۲) فتاوی عالمگیری: ۵/۳۲۶

(۳) طیبی: ۹/۹ بہ حوالہ: اسلام کا نظامِ سلام ومصافحہ: ۱۸۰، بہشتی زیور کامل: ۵/۲۹۴

دیندارگھرانوں میں بھی چچی سے، مامی سے، بھابی سے، سالی سے، دیور سے، پڑوسن سے، چچازاد، خالہ زاد بہن سے مصافحے کا رواج ہے جو سراسر غلط ہے اور واجب الترک ہے، اس سے خواہ کسی کی دل شکنی ہوتی ہو، شریعت شکنی کے مقابلے میں دل شکنی کوئی معنی نہیں رکھتی، آج کل کی گندی تہذیب نے اجنبیوں سے مصافحہ کو عام کر دیا ہے، ایسے معاشرے میں اس کی قباحت گو کہ محسوس نہ ہوتی ہو پھر بھی حرام ہے۔

بہر حال فتنے کی جگہ سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے اور مصافحہ کرنے سے احتراز کرنا ضروری ہے۔

معانقے کی حقیقت

محبت وتعلق کے اظہار کا آخری اور انتہائی درجہ معانقہ ہے، معانقہ سلام کا تکملہ وتتمہ نہیں ہے؛ بلکہ فقط جوش ومسرت کے مواقع پر ثابت شدہ امر ہے صحابہؓ میں سفر سے واپسی پر اس کا رواج تھا، احناف کے نزدیک شہوت کے ساتھ حرام ہے، ملاقات کے وقت سلام کے تتمے کی حیثیت سے مکروہ ہے، جوش مسرت میں جائز ہے۔(۱)

معانقے میں گردن ملانا درست ہے، یہ لفظ کی حقیقتِ لغویہ ہے۔

معانقے میں سینہ ملانا درست ہے، یہ حقیقتِ شرعیہ عرفیہ ہے۔

معانقے میں پیٹ کے ساتھ جسم ملانا کوئی حقیقت نہیں محض لغو ہے، جس طرح معانقے کے وقت بھینچنا لغو ہے۔

معانقے کا طریقہ تفصیلاً حدیث سے ثابت نہیں کہ ایک بار کرنا ہے یا تین بار کرنا ہے، دائیں جانب کرنا ہے یا بائیں جانب کرنا ہے، البتہ فقہاء نے لکھا ہے کہ معانقہ صرف ایک ہی مرتبہ کرنا چاہیے، بار بار یا تین مرتبہ کرنا اور اس کو ضروری سمجھنا جہالت ورسم ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، معانقہ بائیں جانب سے ملنے کو فقہاء نے اولیٰ قرار دیا ہے چونکہ محبت کا محل

---

(۱) شرح معانی الآثار: ۳۳۶/۲ بحوالہ: اسلام کا نظام سلام ووصافحہ: ۴۱۹

قلب ہے اور قلب ہر انسان کے بائیں جانب ہوتا ہے، نیز معانقے کا مقصد ہیجان المحبہ ہے، جو دل سے دل ملنے سے حاصل ہوتا ہے، اور ایک ہی بار ملنا چاہیے چوں کہ محل محبت (دل) ایک ہی ہے، معانقے کے بعد پھر مصافحہ کرنا ظلم ہے، مصافحے کا محل معانقے سے پہلے ہے نہ کہ معانقے کے بعد، نیز شریعت میں تکرار سلام مشروع ہے؛ مگر تکرارِ مصافحہ مشروع نہیں ہے۔(۱)

عید کی نماز کے بعد معانقہ کرنا بدعت ہے

جب عید کے بعد مصافحہ کیا جائے تو یوں سمجھا جاتا ہے کہ معانقہ بھی اسی میں داخل ہے اس لیے مصافحے کے بعد فوراً معانقے کی طرف لپکتے ہیں، جب کہ مصافحہ تتمہ ٔسلام ہے اور معانقہ محض اظہارِ محبت کا ذریعہ ہے، غایت درجے محبت ومعرفت ہو تو مصافحہ ومعانقہ دونوں کو جمع کرلینا درست ہے، لیکن عید کے بعد معانقہ کرنا شرعاً درست نہیں، اس کی وجہ سے کئی مرتبہ تکلیف ہوجاتی ہے، ہر کوئی آیا، جان نہ پہچان سینہ پیش کردیا، بار بار کھڑے ہوتے رہو گلے لگاتے رہو اور کوئی کوئی تین تین بار بھینچتا ہے، جو مزید باعثِ تکلیف ہوتا ہے اس لیے عید کا رسمی معانقہ مکروہ وبدعت ہے، نیز معانقے کی حقیقت پر غور کرنے بعد عید کے معانقے کا رسمی ہونا خوب واضح ہوجاتا ہے، البتہ سفر سے آئے ہوئے شخص کا اپنے دوست واحباب سے معانقہ کرنا سنت ہے، حضرت جعفر طیارؓ جب حبشہ سے تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور معانقہ فرمایا۔ ”والمعانقة بعد صلاة العید من البدع المذمومة المخالفة للشرع“(۲)

عید کی نماز کے لیے عورتوں کا عیدگاہ جانا

جمہور کے نزدیک جوان لڑکی کو نہ ہی جمعہ وعیدین کے لیے گھر سے نکلنے کی اجازت

---

(۱) مستفاد از: اہمیت سلام وملاقات: ۵۵، اسلام کا نظام سلام ومصافحہ ۴۳۰، احسن الفتاوی: ۸/۴۱۱

(۲) عون المعبود: کتاب الادب حدیث: ۵۲۱۱ بحوالہ فتاوی قاسمیہ: ۹/۵۴۲

ہے اور نہ ہی کسی اور نماز کے لیے ”وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولی“ کی وجہ سے ،اور دوسری وجہ یہ کہ ان کا خروج فتنے سے خالی نہیں ،احناف کے نزدیک بوڑھی عورت کے لیے بھی نہ نکلنا افضل ہے،امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو نماز کے لیے نکلنے کا حکم ابتدائے اسلام میں دشمنان کی نظر میں مسلمانوں کی کثرت ظاہر کرنے کے لیے دیا گیا تھا،اور یہ علت اب باقی نہیں رہی ،اسلئے اب ان کا نکلنا بھی درست نہیں ۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ : عورتوں کو نکلنے کی اجازت اس وجہ سے تھی کہ ان حالات میں امن تھا اس وقت امن کا دور دورہ تھا،اب جب کہ دونوں علتیں ختم ہو چکی ہیں لہذا اجازت نہ ہونی چاہیے،حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”لو أدرک رسول اللہ ﷺ ما احدث النساء لمنعھن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل“ مطلب یہ ہے کہ عہدِ رسالت میں ایک تو فتنے کا احتمال کم تھا دوسرے عورتیں بغیر تزین کے باہر نکلا کرتی تھیں،اس لیے ان کو نمازوں کی جماعت میں حاضر ہونے کی اجازت تھی؛لیکن نبی کریم ﷺ کے بعد انھوں نے تزّین کا طریقہ اختیار کیا نیز فتنے کے مواقع بڑھ گئے اس لیے اب انھیں جماعت میں حاضر نہ ہونا چاہیے،اوراگر نبی کریم ﷺ باحیات ہوتے تو آپ ﷺ بھی اس زمانے میں عورتوں کو خروج للصلاۃ کی اجازت نہ دیتے ،چنانچہ علمائے متاخرین کا فتوی اسی پر ہے کہ اس زمانے میں ان کا مساجد کی طرف نکلنا درست نہیں ۔واللہ اعلم (۱)

صحابہؓ اپنی عورتوں کو جمعہ وعیدین میں نہیں بھیجتے تھے

ابتدائے اسلام میں عورتوں کو دین کے بنیادی احکامات،مسائل وآداب سے روشناس کرنے کے لیے مختلف اجتماعات مثلا فرض نماز،جمعہ اورعیدین وغیرہ میں شرکت کی اجازت تھی،جب یہ ضرورت دوسری شکل سے پوری ہوگئی تو انھیں اجتماعات سے روک دیا گیا چنانچہ صحابہ کرامؓ کا عمل یہی تھا۔

---

(۱)درس ترمذی:۲/۳۲۰

۱۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بیوی نمازِ عیدین کے لیے نہیں جاتی تھیں "عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ انه کان لا یخرج نسائه فی العیدین"(۱)

۲۔حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ اپنے والدمحترم حضرت عروہ بن زبیرؓ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ اپنے گھر کی کسی عورت کو عید الفطر اور عید الاضحی کی نماز کے لیے نہیں جانے دیتے تھے۔"عن ہشام بن عروۃ رضی اللہ عنہ عن أبیه أنه کان لا یدع إمراۃ من أھله تخرج إلی فطر و لا أضحی۔"(۲)

۳۔حضرت عبدالرحمن بن قاسمؒ کہتے ہیں کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نوجوان عورتوں کے بارے میں بہت سخت تھے کہ انہیں عید الفطر اور عید الاضحی میں نہیں جانے دیتے تھے۔"کان القاسم أشد شئی علی العواتق، لا یدعھن یخرجن فی الفطر و الأضحی"(۳)

۴۔حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ عاتکہ بنت یزیدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مسجد میں جانے کی اجازت چاہتی تھیں تو آپؓ خاموش رہتے تھے تو وہ کہا کرتیں"واللہ لاخرجن إلا ان تمنعنی"بہ خدا میں ضرور جاؤں گی ورنہ آپ مجھے جانے سے روکیے،لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہیں روکا کرتے تھے(۴) حضرت عمرؓ اس وجہ سے منع نہیں کرتے تھے کہ حدیث میں اجازت ہے،لیکن ذاتی طور پر ناپسند فرماتے تھے۔

۵۔حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوا،جس میں حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا نے یہ شرط لگائی کہ وہ مسجد میں نماز کے لیے جائیں گی،تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ حیلہ کیا کہ عشاء کی نماز میں راستے کے کنارے

---

(۱)مصنف ابن ابی شیبہ:۴/۲۳۴حدیث:۵۸۴۵

(۲)مصنف ابن ابی شیبہ:۴/۲۳۴حدیث:۵۸۴۶

(۳)مصنف ابن ابی شیبہ:۴/۲۳۴حدیث:۵۸۴۷

(۴)موطا مالک:باب ما جاء فی خروج النساء الی المساجد، حدیث:۲۷۶

چھپ گئے، جب وہ وہاں سے گذریں تو کمر پر مارا تب وہ گھرآ کر کہنے لگیں: اب لوگ بگڑ چکے ہیں، اس کے بعد نہیں نکلا کرتی تھیں (۱) پتہ چلا کہ صحابہؓ حالات کی تبدیلی محسوس کر چکے تھے اور عورتوں کے مساجد نہ جانے ہی میں عافیت خیال کرتے تھے۔

موجودہ حالات میں جب کہ حالات بد سے بدتر ہو چکے ہیں اس لیے عورتوں کو نہ مسجد آنے کی اجازت ہے نہ ہی عید گاہ آنے کی اجازت ہے، تاہم اگر شرعی پردے کی رعایت کے ساتھ اپنے محرم کے ساتھ شریک ہو جاتی ہیں، اور مجمع سے الگ مردوں سے پیچھے ہو کر بیٹھ جاتی ہیں تو بعض علماء کے نزدیک گنجائش ہے، باقی عبادت گاہوں کو فتنے سے ہی نہیں؛ بلکہ فتنے کے اندیشے سے بھی دور رکھنا چاہیے، ورنہ مندر و چرچ جس طرح بدنام ہیں مسجد و عید گاہ کہیں بدنامی کا شکار نہ ہو جائیں۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ عورتوں کو عید گاہ آنے کی شرعی حدود میں اجازت رہنی چاہیے اور عید گاہ کے منتظمین کو اس کے لیے پردے اور دوسری ضروریات کا انتظام کرنا چاہیے، اس سے شوکتِ اسلام کا اظہار ہوتا ہے اور مرد، عورتیں اور بچے عید گاہ میں اللہ تعالی کے سامنے سجدہ ریز ہو کر دعائیں کرتے ہیں، تو اگر کسی ایک کی بھی دعا قبول ہوگئی تو یہ تمام حاضرین کے لیے باعثِ برکت ہوگی، یہی عورتیں اور لڑکیاں بے تحاشا بازاروں، یونیورسٹیوں، کالجوں، میلوں اور عرسوں وغیرہ میں شریک ہوتی ہیں، آج یہ عید گاہ عبادت میں شرکت کی نیت سے حاضر ہو جائیں، مجمع کی کثرت دعاؤں کے اثرات سے زندگی کی تبدیلی کے فیصلے ہو جائیں۔

کیا عورتوں پر عید کی نماز ہے؟

عورتوں پر عید کی نماز سے متعلق علامہ شوکانی نے پانچ اقوال ذکر فرمائے ہیں:

(۱) عورتوں پر عید کی نماز مستحب ہے، خواہ جوان ہو یا عمر رسیدہ۔

(۲) عمر رسیدہ پر مستحب ہے، جوان پر نہیں جمہور کا یہی قول ہے۔

---

(۱) اوجز المسالک: ۴/ ۲۰۹ بہ حوالہ مسنون نماز ۲۰۶

(۳) عورتوں کے لیے نمازِ عید جائز ہے، مستحب نہیں۔ (یہ امام احمدؒ کا قول ہے)

(۴) عورتوں پر نماز عید مکروہ ہے، امام ترمذیؒ نے سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ سے یہی نقل کیا ہے، ابن قدامہ نے ابراہیم نخعیؒ اور یحیٰ بن سعیدؒ کا یہی قول نقل کیا ہے، امام مالکؒ اور امام ابو یوسفؒ کا یہی قول ہے۔

(۵) عورتوں پر نماز عید کے لیے عید گاہ جانا واجب ہے، قاضی عیاضؒ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے۔ (۱)

اور تمام فقہائے احناف شرائطِ نماز عید نہ پائے جانے کی وجہ سے مکروہ قرار دیتے ہیں، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اکثر فقہاء کے نزدیک عورت پر عید کی نماز واجب نہیں ہے، البتہ سنت یا مستحب ہے، مگر سنت یا مستحب کی خاطر اس سے بڑے کسی گناہ یا فتنے کے مرتکب ہونا عقلمندی نہیں ہے، کیا عورتیں عید کے دن خوشبو لگائے بغیر عید گاہ جائیں گی؟ کیا عید کے دن زینت والا لباس پہنے بغیر اور دکھاوے کے جذبے کے بغیر مجمع میں شریک ہوں گی؟ ان سب کے باوجود اگر وہ عید میں شریک ہو جاتی ہیں اور نماز و دعا میں حصہ لے لیتی ہیں تو نماز و دعا کا ثواب مل جائے گا۔

عورت کی اقتداء میں نماز عید ادا کرنا

جن ائمہ کے نزدیک عورت پر عید کی نماز مستحب ہے وہ مردوں کے تابع ہو کر عید گاہ میں ادا کرنا ہے، گھر میں خواہ معقول پردے کا نظم ہو فتنے سے مامون ہوں بہر صورت گھر میں عید کی نماز پڑھنے کے بارے میں کوئی حدیث وارد نہیں ہے اور نہ ہی یہ عمل شرعاً ثابت ہے گھر میں عید کی نماز ادا کرنا بہت بڑی غلطی ہے؛ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ کرامؓ کے زمانے میں ایسا کہیں نہیں پایا گیا کہ کسی گھر میں خواتین نے عید کی نماز ادا کیا ہو۔

---

(۱) نیل الاوطار: ۳/ ۳۰۵ بہ حوالہ جواہر شریعت: ۱/ ۷۶

عورتیں اگر عیدگاہ چلی جائیں تو نماز پڑھیں گی؟

(الف) اس سلسلے میں امام ابوحنیفہؒ سے دو روایات منقول ہیں ایک روایت حسن بن زیادؒ کی کہ: اگر عورتیں عید گاہ پہنچ جائیں تو سب کے ساتھ عید کی نماز پڑھ لیں "فاذا خرجن یصلین صلاۃ العید" اور امام ابو یوسفؒ نے امام صاحبؒ سے نقل کیا کہ عید کی نماز نہیں پڑھیں گی؛ بل کہ مسلمانوں کی کثرت کا ذریعہ بنیں گی اور مصلین کی دعا میں شریک ہوں گی "لا یصلین بل یکثرن سواد المسلمین وینتفعن بدعائهم" (۱)

البتہ عورتیں گھر میں اگر بطور شکرانہ نفل نماز تنہا تنہا پڑھنا چاہیں تو پڑھ سکتی ہیں۔ (۲)

(ب) اسی طرح اگر کبھی علاج کی غرض سے ہسپتال گئی ہوئی ہوں یا بضرورت بازار گئی ہوں اور نماز کا وقت ہو جائے تو اگر کہیں عورتوں کا مصلیٰ یا گوشہ خانہ (زنانہ مسجد) بنی ہوئی ہے تو نماز قضا کرنے کی بجائے وہاں جا کر پڑھ لینا چاہیے، بہت سی مرتبہ نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو مرد تو پھر بھی مسجد جا کر نماز پڑھ لیتے ہیں؛ مگر عورتیں مسجد نہ ہونے کے بہانے نماز ہی قضاء کر دیتی ہیں اور بڑے بڑے مالس اور ہسپتال والوں کو نماز کے لیے ایک جگہ فارغ کر دینا چاہیے تاکہ پاک جگہ نہ ملنے کے بہانے نماز خطرے میں نہ پڑ جائے، اور اس کی برکت سے رحمت الٰہی متوجہ ہوتی رہیں، اور بازاروں میں ایسی مسجد کی تعمیر ہو جہاں خواتین کے لیے نماز ادا کرنے اور ضروریات سے فارغ ہونے کا معقول نظم ہو۔ (از مؤلفِ کتاب)

مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں خواتین کی نماز

جن روایات میں عورتوں کے مسجد میں آنے کی اجازت کا ذکر ہے وہ مسجد نبوی اور مسجد حرام کے ساتھ خاص ہے، کیوں کہ دورِ رسالت میں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے علاوہ نو ۹/ مسجدیں اور بھی تھیں، مگر عورتیں دیگر مساجد میں شاذ و نادر ہی جاتی تھیں اور آپ ﷺ کے

---

(۱) معارف السنن: ۴/۴۴۶ (۲) تحفۂ رمضان: ۱۶۱

زمانے میں عورتیں مسجد نبوی میں تین وجہ سے آتی تھیں (۱) سنتِ نبوی کا علم حاصل کرنے کے لیے (۲) نبیِ رحمت ﷺ کی زیارت کے لیے (۳) جگہ کی برکت کی وجہ سے، اور مسجدِ حرام میں دو مقصد سے آتی تھیں (۱) بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے (۲) جگہ کی برکت کی وجہ سے، مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں بعد کی دونوں باتیں پائی جاتی ہیں؛ اس لیے آج بھی عورتیں ان دو مساجد میں جاسکتی ہیں، بقیہ مساجد میں جانے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی اور حصول علم کی ضرورت مساجد سے جڑی ہوئی نہیں ہے، اس لیے بقیہ مساجد میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔(۱) موجودہ زمانہ میں اگر حرمین شریفین میں مسجد جانے کی صورت میں کسی فتنے کے پیش آنے کا غالب گمان ہو تب تو واقعی اپنے رہائش گاہ ہی میں نماز ادا کرنا افضل ہے، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو حرمین شریفین کی یہ خصوصیت ہے کہ وہاں عورتوں کو مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی ﷺ میں نماز ادا کرنا افضل ہے۔(۲)

عید کے دن قبرستان جانا

عید کا دن مسرت کا ہوتا ہے بسا اوقات خوشی میں لگ کر آخرت سے غفلت ہو جاتی ہے اور زیارتِ قبور سے آخرت یاد آتی ہے، اس لیے اگر کوئی شخص عید کے دن زیارتِ قبور کرے تو مناسب ہے، کچھ مضائقہ نہیں لیکن اس کا التزام خواہ عملاً ہی سہی، جس سے دوسروں کو یہ شبہ ہو کہ یہ چیز لازمی اور ضروری ہے درست نہیں ہے، نیز اگر کوئی شخص اس دن زیارتِ قبور نہ کرے تو اس پر طعن کرنا یا حقیر سمجھنا درست نہیں، اس میں احتیاط لازم ہے۔(۳)

عید کے دن تعزیت

بعض مقامات پر یہ رواج ہے کہ پورے سال جن کے گھر میں کسی کا انتقال ہو گیا ہو ان

---

(۱) مستفاد از: مسنون نماز: ۲۱۰

(۲) کتاب الفتاوی: ۳/۱۲۷

(۳) فتاوی محمودیہ: ۲/۲۷۷

کے گھر محلے والے جاتے ہیں، ان کے صحن میں کھڑے ہو کر دعا کرتے ہیں، اس طرح اظہار تعزیت بدعت ہے، اس میں شریک ہونا درست نہیں ہے، تعزیت صرف تین دن تک مشروع ہے۔(۱)

عید کے دن اپنے بڑوں کی قدم بوسی

بعض لوگوں میں عید کے دن خاندان کے بڑوں کے پیر پڑنے کا رواج ہے، جس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے، کسی کی عزت واحترام میں جھک کر پیر چھونا اسلامی طریقہ نہیں ہے بل کہ ہندوؤں کا طریقہ ہے کہ وہ شادی اور تہوار کے موقع پر اپنے بڑوں کو پیر چھو کر مبارک بادی دیتے ہیں، تشبہ بالکفار ہونے کی وجہ سے منع ہے، لہٰذا عید کے دن یا کسی بھی موقع سے کسی کے سامنے رکوع کی طرح جھکنا اور پیر چھونا مثل سجدۂ تعظیمی کے ہے جو شرعا جائز نہیں ہے، البتہ اس کے ہاتھ کو یا پیشانی کو بوسہ دے سکتے ہیں، اسی طرح بزرگانِ دین اور صلحاء کے قدم کو بوسہ دینا اگرچہ جائز ہے مگر ترک کر دینا بہتر ہے تا کہ عوام فتنے میں نہ پڑ جائے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آدمی اپنے بھائی یا دوست سے ملاقات کے وقت اس کے لیے جھک سکتا ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں! پس جب جھک کر سلام کرنا درست نہیں تو جھک کر قدم بوسی کرنا جو مشابہ بالسجود ہے کیسے درست ہوسکتا ہے! اس لیے قدم بوسی جائز نہیں۔ ”یارسول الله !الرجل منايلقى أخاه أو صديقه أينحنى له ؟قال : لا، قال أفيلتزمه ويقبله ؟قال: لا، قال: أفياخذبيده ويصافحه ؟ قال :نعم (۲)“

فتاوی شامی میں ہے ”طلب من عالم أو زاهد أن يدفع إليه قدمه ويمكنه

(۱) محمود الفتاوی: ۳/ ۲۴۴

(۲) سنن ترمذی: ۲/ ۱۰۲

(۱) ردالمحتار مع الدر: ۹/ ۵۵۰ زکریا دیوبند

من قدمه ليقبله أجابه وقيل لا يرخّص فيه. وفي رد المحتار: قوله "أجابه" لما أخرجه الحاكم أن رجلا أتى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله ﷺ أرني شيئًا ازداد به يقينًا... إلى... قال: ثم أذن له فقبل رأسه ورجليه (الحديث) وقال صحيح الإسناد" (۱)

لاک ڈاؤن میں نمازِ عید کا حکم

[۱] جمعہ کی نماز فرض اور دین کے شعائر میں سے ہے، بلا عذر جمعہ کی نماز ترک کرنے والا سخت گنہگار ہے، احادیث میں تارک جمعہ سے متعلق سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ دونوں راوی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے منبر کی لکڑی (اس کی سیڑھیوں) پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگ نمازِ جمعہ چھوڑنے سے باز رہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا اور وہ غافلوں میں شمار ہونے لگیں گے۔" قَالَا: سَمِعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ عَلَى أَعْوَادِ مِنْبَرِهِ، لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ، ثُمَّ لَيَكُونُنَّ مِنَ الْغَافِلِينَ" (۲)

لہٰذا بلا عذر جمعہ چھوڑنا سخت گناہ ہے، البتہ اگر عذر کی وجہ سے جمعہ چھوٹ جائے یا حکومتی پابندی کی وجہ سے جمعہ کی نماز نہ پڑھی جاسکے تو ایسا معذور اور مجبور شخص ان وعیدوں کا مصداق نہیں ہوگا، اس حدیث کی تشریح میں صاحب مظاہر حق لکھتے ہیں: "مطلب یہ ہے کہ ترکِ جماعت کے جو عذر ہیں مثلاً کسی ظالم اور دشمن کا خوف، پانی برسنا، برف پڑنا یا راستے میں کیچڑ وغیرہ کا ہونا وغیرہ وغیرہ اگر ان میں سے کسی عذر کی بنا پر جمعہ کی نماز کے لیے نہ جائے تو وہ منافق نہیں لکھا جائے گا، ہاں بغیر کسی عذر اور مجبوری کے جمعہ چھوڑنے والا منافق لکھا جائے گا... حاصل یہ ہے کہ نمازِ جمعہ چھوڑنے والا اپنے نامہ اعمال میں کہ جس میں نہ تنسیخ ممکن

،

(۲) صحیح مسلم: ۱/ ۴۳۳۔

ہے اور نہ تغیر وتبدل، منافق لکھ دیا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ نفاق جیسی ملعون صفت ہمیشہ کے لیے چپک کر رہ جاتی ہے؛ تاکہ آخرت میں یا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اسے عذاب میں مبتلا کردے یا اپنے فضل وکرم سے درگزر فرماتے ہوئے اسے بخش دے۔ غور وفکر کا مقام ہے کہ نمازِ جمعہ چھوڑنے کی کتنی شدید وعید ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے عذاب سے محفوظ رکھے"۔(۱)

[۱] واضح رہے کہ مندرجہ ذیل حکم مجبوری کی حالت کا ہے، ورنہ جمعہ وعید کی نماز میں یہی مطلوب ہے کہ مسلمانوں کا بڑا اجتماع ہو اور جامع مسجد میں جمعہ کی نماز یا عیدگاہ یا جامع مسجد میں عید کی نماز ادا کی جائے، نیک لوگوں کے مجمع سے جلد دعا کی قبولیت میں تاثیر ہوتی ہے، صرف مجبوری کی صورت میں ہی جمعہ وعید کی مختصر جماعتیں قائم کرنے کی اجازت ہوگی، حالات بہتر ہونے کے بعد اس فتوے کی بنیاد پر گھر گھر جمعہ وعید کی نماز قائم کرنا درست نہیں ہوگا۔

[۲] جب تک شہر، فنائے شہر یا بڑی بستی میں جمعہ کی نماز مسجد میں جا کر پڑھنا ممکن نہ ہو تو کم از کم چار بالغ مرد کسی جگہ یا گھر میں اکٹھے ہو کر جمعہ کی نماز پڑھیں، جس جگہ نماز ہو رہی ہو اس کا دروازہ کھلا رکھا جائے اور اگر کوئی نماز میں شریک ہونا چاہے تو اسے منع نہ کیا جائے، اگر جمعہ وعید کی نماز گھر میں ادا کی جائے اور گھر کی خواتین بھی مردوں کی صف کے پیچھے کھڑے ہو کر اس میں شرکت کرلیں تو ان کی بھی جمعہ وعید کی نماز ادا ہوجائے گی، لیکن گھر سے باہر کی خواتین کا اس گھر میں آکر جماعت میں شرکت کرنا مکروہ ہوگا۔" (و) السادس : (الجماعة) وأقلها ثلاثة رجال (ولو غير الثلاثة الذين حضروا) الخطبة (سوى الإمام) بالنص لأنه لا بد من الذاكر وهو الخطيب وثلاثة سواه بنص- {فاسعوا إلى ذكر الله}(۲) واحترز بالرجال عن النساء والصبيان

---

(۱) مظاہر حق جدید ۔ 1/ 872، ط: دار الاشاعت۔

(۲) سورہ جمعہ، ۹

فإن الجمعة لا تصح بهم وحدهم لعدم صلاحيتهم للإمامة فيها بحال، بحر عن المحيط "(۱) خطبہ یاد نہ ہوتو دیکھ کر پڑھ لے، اگر دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکتا ہوتو دونوں خطبوں کی جگہ قرآن پاک کی کچھ آیات یا کوئی سورت ۔(مثلاً: پہلے خطبے میں سورہ فاتحہ اور دوسرے میں سورہ عصر یا سورہ اخلاص) پڑھ لے، اس سے بھی خطبے کا رکن ادا ہوجائیگا اگر کوئی شخص شہر، فنائے شہر یا بڑی بستی میں جمعہ کی نماز نہ پڑھ سکا تو وہ جماعت کے بغیر اکیلے ظہر کی نماز پڑھ لینا بہتر ہے، اگر جماعت سے پڑھ لیتے ہیں تو بھی نماز ادا ہوجائے گی۔

لاک ڈاؤن میں عید کی نماز

نمازِ عید کے درست ہونے کی تمام شرطیں وہی ہیں جو نمازِ جمعہ کی ہیں، سوائے خطبے کے۔ جمعے میں خطبہ شرط ہے اور عیدین میں سنّت، اس لیے موجودہ اضطراری حالت میں امام کے علاوہ جہاں تین بالغ مَرد موجود ہوں، وہ باجماعت عید کی نماز ادا کرلیں، جہاں اتنے لوگ موجود نہ ہوں، یا جمع ہونے پر پابندی ہوتو اُن کے لیے بہتر ہے کہ وہ چار رکعتیں چاشت کی نیت سے پڑھ لیں، البتہ یہ رکعتیں نمازِ عید کے قایم مقام نہیں ہوں گی، خطبہ دیکھ کر پڑھنا درست ہے، البتہ خطبہ شروع ہونے کے بعد اس کا سننا واجب ہے، عید کے لیے خطبہ مسنون ہے، لیکن خطبے کے لیے منبر شرط نہیں، دونوں خطبوں کے درمیان کسی کُرسی وغیرہ پر بیٹھنا کافی ہوگا۔

لاک ڈاؤن میں نماز عید اور انتظامی ہدایات

(۱) نماز سے پہلے یا بعد ایسا کوئی کام نہ کیا جائے جس سے حکومتی قوانین کی خلاف ورزی لازم آتی ہو (۲) حکومت اور ماہرین کی بتائی ہوئی احتیاطی تدابیر کا لحاظ رکھا جائے (۳) مقامی زبانوں میں کیے جانے والے بیانات کا سلسلہ فی الحال مختصر یا موقوف رکھا جائے

---

(۱) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین: ۲/۱۵۱۔

(۳)ابن ماجہ کتاب الصوم ام من شوال

تاکہ اجتماع کا وقفہ کم سے کم ہو(۴) گھر سے ہی مکمل تیاری سے آئیں۔

شوال کے چھ روزوں کا ثبوت

حدیث میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ پورے رمضان کے روزے کا ثواب دس مہینوں کے ثواب کے برابر ہے،اور شوال کے چھ روزوں کا ثواب دومہینوں کے روزوں کے برابر ہوگا،گویا یہ ۳۶/روزوں کا ثواب پورے سال روزہ رکھنے کے برابر ہے۔

۱۔حضرت ابوایوب انصاری سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور شوال کے چھ روزے رکھے تو گویا اس نے پورے سال روزے رکھا۔ ”عن أیوب الانصاری رضی اللہ عنہ أنه حدثه أن رسول الله ﷺ قال: مَنْ صامَ رمضانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ ستًّا مِنْ شوَّالٍ كانَ كصيامِ الدَّهْرِ“(۱)

امام نووی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ: ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے تو رمضان کے تیس روزے دس مہینے کے روزے کے برابر اور شوال کے چھ روزے دو مہینے کے روزے کے برابر ہے۔ ”الحسنة بعشر أمثالها فرمضان بعشر أشهر والستة بشهرين“(۲)

۲۔حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص عید الفطر کے بعد چھ روزے رکھے گویا اس نے تمام سال روزے رکھا،چونکہ اللہ تبارک وتعالی ایک نیکی کا ثواب دس کے برابر دیتا ہے۔ ”عن ثوبان مولی رسول الله ﷺ عن رسول الله ﷺ أنه قال: من صام ستة ايام بعد الفطر كان تمام السنة من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها“(۳)

---

(۱) صحیح مسلم: کتاب الصوم باب استحباب صوم ستۃ من شوال: ۱/۳۶۸، یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ مختلف صحابہ کرام سے منقول ہے لیکن سب سے قوی سند ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کی ہے۔

(۲) نووی: ۱/۳۶۹

،باب صیام ستۃ اید : ۱۲۳،ترغیب وترھیب: ۲/۱۴۲

(۱) فتح القدیر: ۲/۴۹

جمہور امت کا قول

اکثر علماء نے شوال کے چھ روزوں کو مستحب قرار دیا ہے، جن میں ابن عباسؓ، امام طاؤسؒ، امام شعبیؒ، میمون بن مہرانؒ، ابن مبارکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ ہیں۔ "استحب صيام ستة من شوال أكثر العلماء، منهم :إبن عباس رضي الله عنهما وطاؤوس والشعبي وميمون بن مهران، وهو قول ابن المبارك والشافعي وأحمد وإسحاق وبه أخذ جمهور الفقهاء من فقهاء المذهب الشافعي والمذهب الحنبلي وبعض فقهاء المذهب الحنفي والمالكي، قال النووي :قال أصحابنا :يستحب صوم ستة أيام من شوال لهذا الحديث.. وهذا لا خلاف فيه عندنا، وبه قال أحمد وداود"

فقہائے کرام میں سے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کی طرف اس قول کی نسبت کی جاتی ہے کہ وہ ان چھ روزوں کو مکروہ یعنی ناپسندیدہ سمجھتے تھے۔ "وقال مالك وأبو حنيفة :يكره صومها"

امام ابو یوسف رحمہ اللہ ان روزوں کو مسلسل رکھنے کی کراہت کے قول کو نقل فرماتے ہیں، لیکن اگر یہ روزے متفرق طور پر رکھے جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ "و من المكروه... صوم ستة من شوال عند أبي حنيفة متفرقا كان أو متتابعا، وعن أبي يوسف كراهته متتابعا لا متفرقا"... "وعامة مشايخ الأحناف لم يروا بذلك بأسا"(۱) "البحر الرائق" میں مطلقاً کراہت منقول ہے جب کہ "فتح القدیر" میں جمہور احناف کا قول استحباب کا منقول ہے اور یہی قول ہمارے زمانے کے تمام فتاوی میں بھی موجود ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کی رائے: امام مالکؒ کی طرف ان روزوں کی کراہیت کا جو

قول منسوب کیا جاتا ہے، جس کے متعلق ابوعبداللہ العبدری رحمہ اللہ مالکی فرماتے ہیں کہ ''امام مالک اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ ان روزوں کو واجب نہ سمجھ لیں اس لیے منع فرماتے تھے ورنہ امام مالک رحمہ اللہ خود ان روزوں کو رکھتے تھے۔'' وذهب أبو عبدالله العبدري إلى تأويل آخر لقول مالك وهو:أن مالكاإنما كره صومها لسرعة أخذ الناس بقوله فيظن الجاهل وجوبها، وزعم العبدري ،وهو من فقهاء المالكية- أنّ مالكا كان يصومها وحضّ مالكٌ الرشيدَ على صيامها''

خلاصہ یہ کہ شوال کے چھ روزوں کا ثبوت چونکہ صحیح احادیث میں وارد ہیں؛ لہذا ان روزوں کے رکھنے پر ثواب کی امید کی جائے اور جن فقہائے کرام کی طرف اس کی ممانعت کی نسبت تھی وہ عمومی ممانعت نہیں؛ بل کہ ایک خاص نوعیت میں تھی، مثلاشوال کے روزے یکم شوال یعنی عید کے دن سے شروع کر دینا یا ان کو رمضان کا حصہ سمجھ کر ان روزوں کو فرض یا واجب کا درجہ دینا، ظاہر ہے کہ یہ امر کسی کے نزدیک درست نہیں، چونکہ موجودہ دور میں ان روزوں کو لازم یا رمضان کا حصہ سمجھنے کا خدشہ نہیں ہے؛ اور نہ کوئی ان کی فرضیت کا عقیدہ رکھتا ہے، لہذا راجح، اور مختار، مفتی بہ قول یہی ہے کہ شوال کے روزے مستحب ہیں۔

فائدہ: رمضان کا مہینہ اگر ۲۹/ ہی دن کا ہو تب بھی اللہ تعالی اپنے کرم سے ۳۰/ روزوں کا ثواب دیتے ہیں اور شوال کے ۶/ نفلی روزے شامل کرنے کے بعد روزوں کی تعداد ۳۶/ ہو جاتی ہے، اور اللہ تعالی کے کریمانہ قانون ''الحسنة بعشرة امثالها'' ایک نیکی کا ثواب دس گنا) مطابق ۳۶/ کا دس گنا ۳۶۰/ ہو جاتا ہے اور پورے سال کے دن ۳۶۰/ سے کم ہی ہوتے ہیں، پس جس نے پورے رمضان المبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال میں ۶/ نفلی روزے رکھے وہ اس حساب سے ۳۶۰/ روزوں کے ثواب کا مستحق ہوگا، پس اجر وثواب کے لحاظ سے یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی بندہ سال کے ۳۶۰/ دن برابر روزے

رکھے۔(۱)

۳۔علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ شوال کے روزوں کی ترتیب سے متعلق لکھتے ہیں کہ: شوال کے روزے علیحدہ علیحدہ رکھنا مستحب ہے اور عید کے بعد ایک ساتھ رکھ لیں تو بھی جائز ہے " وندب تفریق صوم الستة من شوال ولا یکرہ التتابع علی المختار "(۲)

۴۔البتہ یہ ضروری نہیں کہ عید کے فوری بعد اور تسلسل سے روزے رکھیں، پورا مہینہ جب چاہے رکھ سکتے ہیں۔

۵۔عورتیں اس میں اپنے قضاروزوں کی نیت کرسکتی ہیں؛مگر شوال کے روزوں کا ثواب نہیں ملے گا،شوال کے روزوں کی فضیلت انھیں علاحدہ رکھنے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

عیدِ ابرار بدعت ہے

بعض لوگ عید الفطر اور شوال کے روزے مکمل کرلینے کے بعد اور بعض لوگ شوال کی آٹھ تاریخ کو مستقل عید کی طرح لذیذ کھاناوغیرہ بنا کر خوشی مناتے ہیں،اور اسے عید ابرار کا نام دیتے ہیں،شریعت کی نظر میں یہ نہ عید ابرار نہ عید اشرار ہے،اپنی طرف سے ایک نئی عید گھڑلینا ہے۔" وأما ثامن شوال فلیس عید الأبرار ولا فجار ولا یجوز لأحد أن یعتقد عیدا أو لا یحدث فیه شیئا من شعائر الأعیاد "(۳)

---

(۱)معارف الحدیث: ۱۵۶/۴

(۲)الدر المختار مع رد المحتار: ۴۲۱/۳

(۳)الفتاوی الکبری لابن تیمیہ: ۳۷۹/۵،کتاب الصوم

سترہواں باب

رمضان کے بعد زندگی کیسے گذاریں

عید میں یا شوال کے پہلے جمعہ میں رمضان کے بعد کی
زندگی گذانے کے لیے چند امور کرنے اور چند
چا مور ترک کرنے سے متعلق مواد جمع کیا گیا ہے

میرا رمضان قبول ہوا کہ نہیں؟

رمضان المبارک اپنے آپ کو بدلنے کا مہینہ ہے، ہمیں چاہیے کہ اس ماہِ مبارک میں ہم اپنی عادات و اطوار جو شریعت الٰہی کے خلاف ہوں بدلیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: (یقینا اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلیں)۔ ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ ط'' (۱)

سلف صالحین رمضان المبارک گذرنے کے چھ ماہ تک آہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے رمضان میں کی ہوئی عبادات کی قبولیت مانگا کرتے تھے، کیونکہ عمل دیکھنے میں خواہ کتنا ہی شاندار کیوں نہ ہو، اگر رب کے دربار میں شرف قبولیت نہ پاسکا تو سب بے کار ہے، صحابہ کرامؓ کے متعلق عبدالعزیز بن ابی رواد کہتے ہیں:

''ہم نے صحابہ کرام کو پایا کہ وہ عمل صالح کی انجام دہی میں خوب کوشش کرتے جب نیکیوں سے دامن مراد بھر لیتے تو ان کو یہ فکر لاحق ہو جاتی کہ آیا ان کے اعمال مقبول ٹھہرے یا رد کر دیے گئے؟۔''

اور ہم لوگوں کا حال ہے کہ عید کے دن سے ہی فرائض ضائع کرنا شروع کر دیتے ہیں رمضان المبارک میں نمازِ تراویح (جو کہ نوافل میں سے ہے) کے لیے تو مسجدیں بھر جاتی ہیں مگر افسوس کہ فرض نماز (جس کو قصداً اور شرعی عذر کے بغیر چھوڑنا حرام ہے) کے لیے مسجدیں ویران ہو جاتی ہیں، نمازیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے، عید کے دن ہی سے فلمیں، گانے، فحاشی کی محفلیں اور تفریح گاہوں میں مرد و زن کا اختلاط شروع ہو جاتا ہے۔

فضالہ بن عبیدؓ کہا کرتے تھے:

''اگر میں جان لوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے رائی کے دانے کے برابر بھی قبول کر لیا ہے تو یہ میرے لیے دنیا و مافیھا سے بہتر ہوگا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''انما یتقبل

---

(۱) (الرعد: ۱۱/ ۱۳)

اللہ من المتقین'' کہ: بیشک اللہ تعالی نیک لوگوں سے ہی قبول کرتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''اگر دیکھنا ہو کہ کسی کی رمضان المبارک کی عبادت قبول ہوئی ہے یا نہیں؟ تو اس کے رمضان کے بعد والے اعمال دیکھو، اگر رمضان کے بعد بھی نیک اعمال پر اس کی استقامت اسی طرح باقی ہے جیسے ماہ رمضان میں تھی تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی رمضان میں کی جانے والی عبادتوں اور اطاعتوں کو قبول فرمالیا، جس کی وجہ سے اسے ان اعمال کو تسلسل کے ساتھ باقی رکھنے کی توفیق عطا فرمائی اور جس کو دیکھو کہ رمضان کے بعد اس کے اعمال میں یک لخت فرق آگیا ہے، وہ راہ ہدایت سے بھٹک کر پھر اسی راہ کا راہی ہوگیا جس پر کہ وہ ماہ رمضان المبارک سے پہلے گامزن تھا، تو سمجھ لو کہ اس کا شمار بھی ان ہی لوگوں میں ہے، جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کتنے ہی ایسے روزے دار ہیں جن کے نصیب میں سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ نہیں ہے! کتنے ہی ایسے رات میں قیام کرنے والے ہیں جن کے نصیب میں سوائے رات جاگنے کے کچھ نہیں!''کم من صائم لیس له من صیامه الا الجوع والعطش وکم من قائم لیس له من قیامه إلا السهر۔'' (۱)

ربانی بنیں رمضانی نہ بنیں

ماہِ رمضان تو شیطان کی قید، مسلمان کی تربیت اور گناہوں سے بچنے کیلئے دفاعی حصار کی مضبوطی اور استحکام کا مہینہ ہے مگر رمضان کے گذرنے کے بعد ابلیس کی آزادی کے اثرات ہم مسلمانوں پر واضح طور پر نظر آتے ہیں، رمضانی عبادت گذار نہ بنیں بلکہ ربانی عبادت گذار بنیں، پانچ دن کے حج سے جب حاجی کی زندگی میں تبدیلی کی امید کی جاتی ہے تو تیس دن کے رمضان سے مسلمان کی زندگی میں تبدیلی کی امید کیوں نہیں کی جاسکتی؟

---

(۱) سنن الدارمی، کتاب الصوم، باب فی المحافظة علی الصوم، ج: ۲، ص: ۳۹۰، ط: دار الکتاب العربی، بیروت، مجموع الفتاوی

غور کریں! کہ ایک عورت نے رسی بٹی، جب مکمل رسی بنالی اور وہ بھی بڑی مضبوط و خوبصورت! پھر بغیر کسی وجہ کے وہ اس رسی کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے لگی اور ایک ایک دھاگہ الگ الگ کردیا۔ اب لوگ اس عورت کو پگلی نہیں تو اور کیا کہیں گے؟ یہ اس شخص کی مثال ہے جو رمضان المبارک کے بعد غیبت، جھوٹ، چغل خوری، بدگمانی اور دیگر نافرمانیوں کی طرف واپس لوٹتا ہے اور دوبارہ اللہ تعالیٰ کی بغاوت پر اُتر آتا ہے، دوبارہ گناہوں کے گندے تالاب میں غوطہ لگانا چاہتا ہے،کل تک تو وہ اپنے رب کے سامنے سربسجود تھا آج اس کی ناراضگی پر تُلا کھڑا ہے لیکن شاید اُسے یاد نہیں کہ آنے والے کل (روزِ قیامت) اس نے پھر اسی رب کے حضور لاچار کھڑے ہونا ہے اور نامۂ اعمال میں یہ سب نافرمانیاں بھی تحریر ہونگی۔

مسلمان کو چاہیے کہ وہ مسلسل اپنے رب کا فرمانبردار رہے، ایسا نہ ہو کہ ایک مہینے میں اللہ کی عبادت کو ہی اوڑھنا بچھونا بنالیا اور دوسرے مہینوں میں عبادت کا راستہ ہی بھول گیا۔

کبھی بڑا نیک اور عبادت گذار بنا پھر رہا ہے اور اب بڑا گناہ گار بنا پھرتا ہے، زیادہ ثواب کی جستجو میں رمضان المبارک میں نوافل کی کثرت اور بعد رمضان فرض عبادات سے بھی جی چرانا، بہت بڑا جرم ہے! یاد رکھیں! جو رمضان المبارک میں ہمارا رب تھا دوسرے مہینوں میں بھی وہی ہمارا رب ہے، جو رمضان کی عبادت کرتے تھے وہ سن لیں کہ رمضان گذر چکا، اور رب کی عبادت کرتے تھیں انہیں معلوم ہے کہ ان کا رب ابھی بھی زندہ ہے۔

رمضان ختم ہوا بندگی ختم نہیں ہوئی ہے

اگر رمضان کے فرض روزے ختم ہو گئے تو روزوں سے چھٹی نہیں ہوگئی بلکہ نفلی روزوں کو اپنا شعار بنائیے، جیسا کہ شوال کے چھ روزے، یوم عرفہ اور عاشورہ وغیرہ کے روزے، اسی طرح اگر رمضان میں راتوں کا قیام ختم ہوگیا تو قیام اللیل تو اب بھی ہے اس پر پابندی کریں اور تہجد گذار بن جائیں۔

رمضان المبارک میں آپ نے زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر ادا کرلیا تو مال خرچ کرنے کے لئے اور بھی بہت سے مصارف ہیں، یتیموں، مسکینوں پر خرچ کیجئے، تعمیرِ مساجد اور مدارس میں اپنا حصہ لیتے رہیئے، رمضان میں ہی تلاوت قرآن مجید، باقی دنوں میں قرآن سے اس قدر دوری! الغرض رمضان کے بعد کسی بھی نیکی کا دروازہ بند نہیں ہوتا بس آپ کو رغبت اور شوق ہونا چاہئے، اگر آپ نوافل پر زور نہیں دے سکتے تو رمضان کے بعد فرض نمازوں سے چھٹی تو مت کریں کم از کم فرض نماز تو جماعت کے ساتھ ادا کرتے رہیں اور گناہوں میں لت پت ہونے سے اپنے آپ کو بچا کے رکھیں، اور جس طرح رمضان المبارک میں ہم نے انٹرنیٹ ، فیس بک، یوٹیوب، ڈش، کیبل وغیرہ سے اجتناب کیا اسی طرح بقیہ مہینے بھی گناہوں سے اجتناب کریں ایسا نہ ہو ہمیں موت آئے اور ہم گناہوں میں مصروف ہوں۔

رمضان کے بعد عبادت میں عدم دلچسپی کی وجہ

وجہ یہ ہے کہ ہم رمضانی عبادات گذاروں کا اصل مقصد صرف زیادہ ثواب کی جستجو ہوتی ہے یعنی ہماری عبادت محض طمع کی کیفیت کے تحت ہوتی ہے جبکہ اوّلین ترجیح اللہ تعالیٰ کا خوف ہونا چاہیئے اور پھر اس کے بعد طمع رکھے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: ''اور وہ اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں۔''ویدعون ربھم خوفا وطمعا''(۱)

خوف سے مراد حساب وکتاب کی فکر اور لقائے رب کا احساس ہے، چنانچہ اگر عبادت خوفِ الٰہی کے تحت کی جاتی ہے تو عبادت کی جستجو بقیہ مہینوں میں بھی برقرار رہتی ہے، ویسے بھی لازمی فرائض کی ادائیگی اور جوابدہی سے بے خوف رہتے ہوئے اضافی انعام کیلئے محنت ایک قسم کی حماقت بلکہ سرکشی ہے، صرف رمضان المبارک میں زیادہ ثواب کے غرض سے پابندِ عبادت انسان کی مثال ایسی ہے جو کسی ایک خاص مہینے میں بونس (Bonus) کی خاطر اضافی محنت کرتا ہے اور دیگر تمام مہینوں میں وہ اپنے لازمی فرائض بھی ادا نہیں کرتا

(۱) السجدہ: ۳۲، آیت: ۱۶

یقیناً ایسے شخص کو سال کے گیارہ مہینے میں فرائض کی عدم ادائیگی کی وجہ سے بونس تو کیا تنخواہ بھی نہیں ملے گی۔

آخراس بے خوفی کی بنیادی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ہم غلاموں کو آقائے حقیقی اللہ ربّ العالمین کا خوف، اس کے مرتبے ومقام کی پہچان، اس کی رضا کی اہمیت کا احساس اور اس کے سامنے حاضری کا دلی یقین نہیں ہے، یہ احساسِ خوف پیدا کریں، اس کی نعمتوں کا استحضار خالق سے سچی محبت وعشق پیدا کریں۔

ہم سے دھوبی کا بیٹا خوش نصیب ہے

حضرت نظام الدین اولیاءؒ اکثر کہا کرتے تھے کہ "ہم سے تو دھوبی کا بیٹا ہی خوش نصیب نکلا"، پھر غش کھا جاتے، ایک دن پوچھ لیا کہ حضرت یہ کیا ماجرا ہے؟

آپؒ نے فرمایا ایک دھوبی کے پاس محل سے کپڑے دھلنے آیا کرتے تھے اور وہ میاں بیوی کپڑے دھو کر تہہ کر کے واپس محل پہنچا دیا کرتے تھے، ان کا ایک جوان بیٹا تھا، کپڑوں میں شہزادی کے کپڑے بھی تھے، جن کو دھوتے دھوتے وہ شہزادی کے نادیدہ عشق میں مبتلا ہوگیا، اس کے اطوار تبدیل ہو گئے، وہ شہزادی کے کپڑے الگ کرتا انھیں خوب اچھی طرح دھوتا، انھیں استری کرنے کے بعد ایک خاص نرالے انداز میں تہہ کر کے رکھتا، سلسلہ چلتا رہا، آخر والدہ نے یہ تبدیلی محسوس کی اور دھوبی سے کہا کہ یہ پورے خاندان کو مروائے گا، یہ تو شہزادی کے عشق میں مبتلا ہو گیا ہے، والد نے بیٹے کے کپڑے دھونے پر پابندی لگا دی، ادھر لڑکا بیمار پڑ گیا اور چند دن کے بعد فوت ہو گیا۔

کپڑوں کی دھلائی اور تہہ بندی کا انداز بدلا تو شہزادی نے دھوبن کو بلا بھیجا اور اس سے استفسار کیا کہ میرے کپڑے کون دھوتا تھا؟ دھوبن نے کہا کہ میں ہی دھوتی تھی، شہزادی نے اسے ڈانٹا کہ تم جھوٹ بولتی ہو، سچ سچ بتاؤ دھوبن کا دل بھی غم سے بھرا ہوا تھا، زار وقطار رونے لگ گئی، اور سارا ماجرا شہزادی سے کہہ دیا، شہزادی یہ سب کچھ سن کر سناٹے میں آگئی،

اور ہر سال اس کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لیے اہتمام سے جاتی تھی۔

یہ بات سنانے کے بعد حضرت فرماتے: اگر ایک انسان سے بن دیکھے محبت ہوسکتی ہے تو بھلا اللہ سے بن دیکھے محبت کیوں نہیں ہوسکتی؟

ایک انسان سے محبت اگر انسان کے مزاج میں تبدیلی لاسکتی ہے اور وہ اپنی پوری صلاحیت اور محبت اس کے کپڑے دھونے میں بروئے کار لاسکتا ہے تو کیا ہم لوگ اللہ سے اپنی محبت کو اس کی نماز پڑھنے میں اسی طرح دل وجان سے نہیں استعمال کر سکتے؟ ہم نماز کہاں بوجھ اتارنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر شہزادی محبت سے تہ شدہ کپڑوں کے انداز کو پہچان سکتی ہے تو کیا رب کریم بھی محبت سے پڑھی گئی نماز اور پیچھا چھڑانے والی نماز کو سمجھنے سے عاجز ہے؟

حضرت نظام الدین اولیاءؒ پھر فرماتے وہ دھوبی کا بچہ اس وجہ سے کامیاب ہے کہ اس کی محبت کو قبول کرلیا گیا، جب کہ ہمارے انجام کا کوئی پتہ نہیں، قبول ہوگی یا منہ پر ماردی جائے گی۔

ایک رات میں مسجد کی تعمیر کا دلچسپ واقعہ

رمضان المبارک آتا ہے اور مسجدیں تنگ پڑنے لگتی ہیں، نچلی اور بالائی منزل بھر کر چھتوں پر اور سڑکوں پر نمازی ہوتے ہیں، نمازیوں کی کثرت کے لحاظ سے ہر نماز میں نمازِ جمعہ کا گمان ہوتا ہے؛ لیکن ادھر رمضان گذرا اور ادھر مسجدیں ویران ہوئیں، اب ایک دو صفیں بھی مشکل سے نظر آتی ہیں، یہ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ رمضان المبارک میں اپنے مالک وخالق کی ذات کا جو استحضار تھا اور اس کی خوشنودی ورضا جوئی کا جو جذبہ کارفرما تھا، اب وہ ختم ہو چکا ہے، محبت کی آگ بجھ گئی ہے اور خشیت کے شعلے خاکستر ہوگئے ہیں، اس لئے اس بات کا عزم کیجئے کہ آج بھی آپ اس سے بے نیاز اور مستغنی نہیں ہوسکتے، اور جس خدا کے خوف نے کل آپ کا سر جھکایا تھا، آج بھی اس کی ذات پوری جلال وقدرت کے ساتھ موجود ہے۔

ہماری حالت تو بالکل ایسی کہ ”لاہور کے شاہ عالم چوک میں ایک ایسی مسجد واقع ہے، جسے ایک رات میں تعمیر کیا گیا تھا، اس مسجد کی اتنے قلیل وقت میں تعمیر کی وجہ اور واقعہ بھی انتہائی دلچسپ اور ایمان افروز ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ انگریزوں کے دور میں اس مقام سے ایک مسافر کا گذر ہوا اور اس نے یہاں نماز ادا کی، جب کہ یہ علاقہ اس وقت ہندوؤں کی اکثریت کا حامل تھا، ہندوؤں کو یہ برداشت نہ ہوا اور انھوں نے ہنگامہ آرائی شروع کردی، معاملہ عدالت تک جا پہنچا اور وہاں ہندوؤں کا موقف تھا کہ اس جگہ پر مندر تعمیر ہوگا، جب کہ مسلمان یہاں مسجد تعمیر کرنا چاہتے تھے، اس موقع پر مسلمانوں کے وکیل نے انھیں تجویز دی کہ اگر وہ یہاں صبح فجر سے پہلے مسجد تعمیر کر لیتے ہیں تو کیس کا فیصلہ ان کے حق میں ہو جائے گا، مسلمانوں کی جانب سے اس کیس کی پیروی قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ کر رہے تھے، یہ سننا تھا کہ مسلمانوں نے گاماں پہلوان کی قیادت میں راتوں رات مسجد تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا اور جس مسلمان کے پاس جو سامان تھا اس نے وہ مسجد کی تعمیر کے لیے وقف کر دیا، یہاں تک کہ خواتین رات بھر اپنے سروں پر پانی رکھ کر لاتی رہیں تاکہ مسجد کی تعمیر ممکن ہوسکے، دوسری جانب مسجد کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد عدالت نے بھی مسلمانوں کے حق میں فیصلہ سنا دیا“۔

یہ مسجد ۱۹۱۷ء میں تعمیر کی گئی اور اس کا نام ”مسجد شب بھر“ رکھا گیا، یہ مسجد تین مرلے کے رقبے پر تعمیر ہے، علامہ اقبال کو جب تیسرے روز اس مسجد کی تعمیر کا پتہ چلا تو آپ یہاں تشریف لائے اور بہت خوش ہوئے اور یہی وہ موقع تھا جب انھوں نے یہ مشہور شعر کہا:

؎ مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

اعمال پر استقامت پیدا کریں سری سقطیؒ کا واقعہ

شیخ الاسلام ابوالحسن سری بن مغلس سقطیؒ فضیل بن عیاض کے شاگرد، معروف کرخی

رحمتہ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ، جن کے تعلق مع اللہ کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایک رات مسجد میں اپنے اوراد وظائف میں مشغول پاؤں محراب کی طرف پھیلائے بیٹھے تھے، غیبی آواز آئی ''اس انداز میں تو بادشاہ بیٹھتے ہیں'' فوراً پاؤں سمیٹے، اورعرض کیا '' تیری عزت وجلال کی قسم اے میرے رب! آئندہ نہیں پھیلاؤں گا'' اس واقعہ سے بارگاہ الہی میں آپ کے مقام قربت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ایک بات پر بے موقع ''الحمدللہ'' کہدیا تھا، جس پر تیس سال سے استغفار کررہا ہوں پوچھا گیا کیا واقعہ ہوا؟ فرمایا: میری ایک دکان سازوسامان سے بھری تھی، ایک بار بازار میں آگ لگ ئی، مجھے ملنے والے نے خبر دی کہ تمہیں خوش خبری ہو، تمہاری دکان جلنے سے بچ گئی ، میں نے بطور شکر کہ ''الحمدللہ'' کہا، پھر غور کیا تو مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اس میں خودغرضی کا پہلو چھپا ہے، جب خود نقصان سے بچ گیا تو دوسروں کے نقصان کا کوئی احساس نہیں ہوا۔

آپؒ کا ایک سبق آموز واقعہ استقامت سے متعلق ہمیں سننا چاہئے کہ ایک بار حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ کہیں جارہے تھے، اچانک ایک درخت سے آواز آئی، درخت کہہ رہا تھا ''یا سقطی کن مثلی '' کہ اے سقطی! میری طرح ہوجا!

آپ بڑے حیران ہوئے کہ درخت کیسے بول سکتا ہے! آپ نے فرمایا: کیف اکون مثلک'' میں تیری طرح کیسے بن سکتا ہوں؟

درخت نے کہا : اے سری جولوگ مجھ پہ پتھر پھینکتے ہیں، میں ان کی طرف اپنے پھل پھینکتا ہوں۔ ''إن الذين يرمونني بالأحجار فارميهم بالأثمار.''

آپ نے بات سنی تو سوچا کہ اگر یہ درخت اتنے ہی اچھے ہیں تو اللہ پاک نے ان کی لکڑی کو دوزخ کی غذا کیوں بنایا ہے لہذا آپ نے پوچھا : اگر تو اتنا ہی اچھا ہے تو تم جہنم کی غذا کیوں ہو؟ ''فكيف مصيرك الى النار؟''

درخت نے جب یہ سنا تو کہا : اے سری مجھ میں ہزاروں اچھائیاں ہیں؛ لیکن مجھ میں ایک بہت بڑی برائی وخامی ہے، جس نے میری تمام اچھائیوں پر پانی پھیر دیا، اللہ تعالی کو

میری وہ خامی اتنی ناپسند ہے کہ مجھے جہنم کی غذا بنا دیا، میری خامی ہے کہ : جدھر ہوا کا رخ ہوتا ہے میں اس طرف مُڑ جاتی ہوں مجھ میں استقامت نہیں ہے۔"فاملیت بالھوا ھکذا"

جب کہ قرآن میں اللہ نے فرمایا ہے :"إن الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا "جولوگ ایمان لائے اور کہا کہ ان کا رب اللہ ہے تو وہ اس بات پہ جم گئے۔

استقامت کی اسلام میں اس قدر اہمیت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ رب العزت نے فرمایا :"فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ"۔

حج پانچ دن اور عمرہ ایک دن میں ادا ہو جاتا ہے، مگر لوگ حج کے بعد امید کرتے ہیں کہ"اب حاجی صاحب کو بدل جانا چاہیے، دین دار بن جانا چاہیے" جب پانچ دن کے عمل سے تبدیلی کی امید ہے تو کیا خیال ہے کہ جس عمل کو ایک ماہ مسلسل کیا گیا ہے اس کے بعد تبدیلی کی امید نہیں کی جاتی؟ رمضان کے بعد آپ کی زندگی کا کیا حال ہے؟

اگر تہجد نہیں تو کم از کم آپ فجر کے لیے روزانہ اٹھ جایا کیجیے!

رمضان میں بیس رکعت تراویح (سنت) پڑھ لیتے تھے اب کم از کم بیس رکعت فرض پڑھ لیجیے!

ہر وقت مسجد میں نہ سہی فرض نمازیں جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کر لیجیے!

ایک پارہ نہ سہی روزانہ ایک رکوع ہی تلاوت کر لیجیے!

راہِ خدا میں ڈھائی فیصد نہ سہی کچھ نہ کچھ صدقہ دے دیا کیجیے!

تمام گناہوں سے نہ سہی کچھ تو گناہوں سے بچ جایا کیجیے!

ہر وقت نہ سہی صبح و شام تو اللہ کو یاد کر لیا کیجیے!

حضرت فضیل بن عیاض ایسے لوگوں کے متعلق جو رمضان میں تو بڑھ چڑھ کر عبادت کرتے تھے اور رمضان کے بعد سستی کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے:

"مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو اپنے رب کو سوائے رمضان کے اور کسی مہینے میں نہیں

پہچانتے۔"(۱)

روزے کا مقصد اپنے اندر کتنا پیدا ہوا؟

تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچانا، یہ نافرمانی دو طریقوں پر ہوتی ہے : ایک اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑ کر، دوسرے بندوں کے ساتھ ظلم کرکے، اور اس نافرمانی اور ظلم و ناانصافی کا سبب دو چیزیں ہوتی ہیں: بہتر سے بہتر غذا کی طلب اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کا تقاضہ، روزہ ان دونوں خواہشات پر روک لگاتا ہے، صبح صادق سے لے کر سورج غروب ہونے تک روزہ دار حلال چیزیں بھی نہیں کھاسکتا اور اس پورے وقت وہ اپنی بیوی سے بھی اپنی ضرورت پوری نہیں کرتا، حالانکہ یہ باتیں عام حالات میں مباح اور جائز ہیں، پھر اگر کوئی شخص ایک ماہ اپنے آپ کو جائز خواہشات سے بھی روکنے پر قادر ہوجائے تو باقی گیارہ مہینوں میں کم سے کم وہ اپنے آپ کو حرام سے تو بچاسکے گا، اگر ۳۰ دن روزہ رکھنے کے باوجود ایک شخص کے اندر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس نے اس فریضہ کو صحیح جذبہ کے ساتھ انجام نہیں دیا۔

رمضان کی برکت سے چند گناہوں سے توبہ کیجئے!

حضرت ابودرداءؓ فرماتے تھے کہ تقویٰ کا کمال یہ ہے کہ انسان ایک رائی کے دانہ میں بھی خدا کا خوف محسوس کرے اور بعض حلال چیزوں کو بھی اس ڈر سے چھوڑ دے کہ کہیں حرام نہ ہو۔(۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کہتے تھے کہ صاحب تقویٰ کو گویا لگام لگی ہوتی ہے، اس لئے ایسا نہیں ہوتا کہ جو اس کے دل میں آئے وہ اس کو کرگذرے : "التقی ملجم لا یفعل

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱۲/ ۱۸۷۔

(۲) الدر المنثور ا : ۶۱/۔

کل ما یرید''۔(۱) چند برائیاں جو سماج کا حصہ بن چکی ہیں، تقویٰ کا کم سے کم تقاضہ یہ ہے کہ ہم اپنے سماج کو ان گناہوں سے پاک کریں، روزے سے حاصل شدہ تقوے کی برکت سے چند کاموں کے ترک کر دینے کا مکمل عزم کر لیا جائے:

[۱] حرام کمائی سے توبہ کیجئے!

کسبِ معاش میں حلال وحرام کی تمییز ختم ہوتی جا رہی ہے؛ حالاں کہ حرام ذرائع سے حاصل ہونے والی غذا عبادتوں کو بے نور اور دعاؤں کو بے اثر کر دیتی ہے، اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سود کے گناہ کے ۷۰ درجات ہیں اور ان میں سب سے کم تر درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ برائی کرے، بینک میں ڈپازٹ کی ہوئی رقم سے زیادہ رقم سود ہی ہے، کتنے ہی لوگ ہیں جو ایسے سود کو اپنی خوراک بنا رہے ہیں، کس قدر شرم اور افسوس کی بات ہے کہ جب پولیس فینانسروں پر دھاوا کرتی ہے تو ان میں زیادہ تر مسلمان ہی نکلتے ہیں، جو غریبوں کو معمولی قرض دے کر بہت زیادہ تناسب کے ساتھ سود وصول کرتے ہیں، یہ سودی قرضے متعدد لوگوں کی خودکشی اور سربراہانِ خاندان کی خودکشی کی وجہ سے پورے خاندان کی تباہی کا باعث بنتے ہیں، اس رمضان کی برکت سے حرام کمائی اور سود سے توبہ کیا جائے تجارت میں دھوکہ دہی، عیب پوشی اور جھوٹ کمانے کے ایسے طریقے جن سے اللہ ناراض ہوتا ہے بچنے کا عزم مصمم کر لیجئے، اس سے آخرت بھی سنور جائے گی اور دنیا میں بھی باعزت اور نیک نام ہوں گے۔

[۲] شراب سے توبہ کیجئے!

قانونِ اسلامی کے ماہرین اور فلاسفہ نے لکھا ہے کہ شریعت کے تمام احکام بنیادی طور پر پانچ مقاصد پر مبنی ہیں، دین کی حفاظت، جان کی حفاظت، نسل کی حفاظت، مال کی

---

(۱) شرح السنۃ للبغوی ۱۴: ۳۴۱۔

حفاظت اور عقل کی حفاظت، گویا عقل اور فکر ونظر کی قوت کو برقرار رکھنا، اسے نقصان سے محفوظ رکھنا اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ایک ہے۔

عام طور پر نشہ کی عادت معمولی مقدار سے شروع کرتا ہے اور آگے بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ زہر آمیز انجکشن کے بغیر اس کی تسکین نہیں ہوتی، اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ شراب اور منشیات ایک سست رفتار زہر ہے، جو آہستہ آہستہ انسان کے جسم کو کھوکھلا اور عمر کو کم کرتا جاتا ہے، شراب کی ایک بوتل اتنی قیمتی ہوتی ہے کہ خط غربت سے نیچے زندگی بسر کرنے والے لوگوں کا ایک کنبہ اس سے اپنی ایک وقت کی روٹی روزی کا سامان کر لیتا ہے، بعض منشیات تو اتنی قیمتی ہیں کہ ایک کیلو کی قیمت ایک کروڑ روپے ہوتی ہے، ہماری حکومت ایک مہلوک کے لئے ایک لاکھ روپے ایکس گریشیا دیتی ہے، اس طرح آپ کہہ سکتے ہیں کہ ایک کیلو ہیروئن کی قیمت ایک سو انسانوں کے برابر ہے، اس سے انسانی وجود کی ناقدری اور صحت و اخلاق کے لئے مخرب اشیاء کی ''قدر و قیمت'' کا تقابل کر سکتے ہیں!

چاہے کھانے کو دو روٹی میسر نہ ہو، گھر کے لوگ بھوک اور فاقہ سے گذار رہے ہوں، علاج کے لئے پیسے میسر نہ ہوں؛ لیکن عادت کا مجبور تمام انسانی ضروریات کو چھوڑ کر اپنی بری عادت کو پورا کرے گا، نشہ خوری نے خاندان کے خاندان کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے، بڑی بڑی جائدادیں اور پُر شکوہ حویلیاں اس خود خرید زہر کے عوض کوڑی کی قیمت بک چکی ہیں۔

نشہ انسان کو اپنے گرد و پیش سے بے خبر اور غافل بنا دیتا ہے، اور اس بدمستی میں نہ اس کو لوگوں کے حقوق یاد رہتے ہیں، نہ اپنے فرائض و واجبات، بعض اوقات تو وہ ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے کہ اپنے ساتھ دوسروں کی زندگی بھی تباہ و برباد کر دے، جیسے طلاق کے واقعات ہیں، طلاق کے بہت سے واقعات بالخصوص دیہی علاقوں میں اسی نوعیت کے ہوتے ہیں، جس کا خمیازہ اسے بھی بھگتنا پڑتا ہے اور اس سے زیادہ اس کی بیوی اور بچوں کو۔
نشہ کی بدمستی انسان سے ناکردنی کرالیتی ہے اور ناگفتنی کہلوا دیتی ہے، قتل، عصمت

ریزی، ظلم وزیادتی، سب وشتم اور ہذیان گوئی باعزت لوگوں کی بے توقیری، کون سی بات ہے جو انسان نشہ کی حالت میں نہ کرتا ہو؟ ہوش کی کیفیت میں جس سے آنکھ ملانے کی بھی جرأت نہیں ہوتی، نشہ کی حالت میں اس پر ہاتھ اُٹھا دینا بھی قابل تعجب نہیں، اور معتدل حالت میں تنہائی میں بھی زبان پر جن باتوں کالانا گراں خاطر ہو، نشہ کی حالت میں انسان اس سے زیادہ فحش اور خباثت آمیز گفتگو بے تکلف کرتا ہے، اسی لئے نشہ صرف برائی ہی نہیں؛ بلکہ برائیوں کی جڑ ہے اور محض ایک گناہ ہی نہیں؛ بلکہ سینکڑوں گناہوں کا سر چشمہ ہے، یہ ''ام الخبائث'' برائیوں کی جڑ اور ''اُم الفواحش'' بے حیائیوں کی جڑ ہے، رمضان میں زمزم کا پانی بھی روزے کی حالت میں پینے تیار نہ تھے، مگر کیا ہو گیا کہ رمضان کے بعد ایسی حرام اور غلیظ چیز سے بچنے تیار نہیں ہو۔

[۳] فضول خرچی سے توبہ کیجئے!

اللہ تعالیٰ نے اسراف سے منع فرمایا ہے، رسول اللہ ﷺ نے وضو اور غسل میں بھی ضرورت سے زیادہ پانی کے استعمال کو منع فرمایا ہے، چہ جائے کہ بلا ضرورت اور بے مقصد پیسے خرچ کیے جائیں؛ اس وقت فضول خرچی ہمارے سماج کا کینسر بن چکا ہے، ہر چیز میں فضول خرچی کا رجحان عام ہو چکا ہے، مکانات کی تزئین وآرائش پر اتنا خرچ کیا جاتا ہے کہ اس میں کئی مکانات بن سکتے ہیں، فرنیچر خریدنے اور مختصر عرصہ کے بعد فرنیچر کی تبدیلی پر بے تحاشا رقمیں خرچ کی جاتی ہیں، معمولی دعوتوں میں بھی حد سے زیادہ تکلف کیا جاتا ہے، انواع واقسام کے سالن اور میٹھے اور زیادہ مقدار میں کھانے بنائے جاتے ہیں، یہاں تک کہ کھانے کی اچھی خاصی مقدار پھینک دی جاتی ہے، شادی کی دعوتوں میں جو فضول خرچیاں ہوتی ہیں، وہ تو سب سے سوا ہیں؛ جبکہ ہمارے معاشرہ میں اللہ کے کتنے ہی محتاج بندے ہیں، جن کے پاس سر چھپانے کے لئے جھونپڑی تک نہیں ہے، اور جنھیں کھانے کے لئے دو روٹی بھی میسر نہیں ہے، کیا قیامت کے دن اس کے بارے میں پوچھ نہیں ہوگی؟

طے کر لیجئے کہ اسراف سے بچیں گے، ان ہی پیسوں کو اچھے کاموں میں خرچ کریں گے، اگر دین اور قوم کے لئے خرچ کرنے کی توفیق میسر آجائے تو کیا کہنا ہے! لیکن اگر دل اس کے لئے تیار نہ ہو تو کم سے کم اس کو اپنے اور اپنے بال بچوں کے بہتر مستقبل کے لئے خرچ کیجئے، بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلائیے، صنعتیں لگائیے، دوکانیں کھولیئے اور کارخانے قائم کیجئے؛ تاکہ ان پیسوں سے آپ کا مستقبل سنور سکے، کچھ غریبوں کے لئے روزی روٹی کا سامان میسر آئے اور ذلت و پستی کا طعنہ کھانے والی امت کا سر بھی بلند ہو۔

[۴] شادی بیاہ کے لین دین سے توبہ کیجئے!

ہر شہر میں ہی ہزاروں لڑکیاں ایسی موجود ہیں جن کی عمریں ۳۰ سال سے زیادہ ہو چکی ہیں، اور ان کی شادی نہیں ہوئی ہے، وہ تعلیم یافتہ بھی ہیں، ہنر مند اور سلیقہ شعار بھی ہیں، شکل وصورت کی بھی بری نہیں ہیں، ان کا صرف ایک قصور ہے کہ وہ غریب ہیں، دولت مند نہیں، ان کا دامن مال سے خالی ہے، اس جرم بے گناہی کی سزا انھیں اس طرح مل رہی ہے کہ ان کی جوانیاں گذر گئیں یا گذرنے کو ہیں اور ان کے ہاتھ پیلے نہیں ہو سکے۔

جب قحبہ گری کے خلاف چھاپے پڑتے ہیں اور جوان لڑکیاں پکڑی جاتی ہیں تو ایسے واقعات پر لعن وطعن کی جاتی ہے، جب بیرونِ ملک کے معمر شہریوں سے کمسن لڑکیوں کے نکاح کا واقعہ پیش آتا ہے تو یہ میڈیا کا موضوع بن جاتا ہے اور کبھی ان معمر مردوں کو اور کبھی ان کمسن بچیوں کے والدین کو کوسا جاتا ہے؛ لیکن کیا کبھی آپ نے سوچا کہ یہ واقعات کیوں ظہور میں آتے ہیں؟ اس میں جتنا قصور ان لڑکیوں کا یا ان کے والدین کا ہوتا ہے، اس سے زیادہ قصور ظالم سماج کا ہے، جس نے لڑکی والوں سے بے جا مطالبات کی رسم کو تقویت پہنچائی ، ورنہ کون ماں باپ اپنی پھول جیسی بچیوں کو بے رحم مستقبل کے حوالہ کرنے کو تیار ہو سکتا ہے اور کون شریف لڑکی ہے جو باعزت اور آبرومندانہ زندگی کی خواہش مند نہیں ہوتی؟ اس لئے نوجوان اس بات کا ارادہ کریں کہ وہ اپنا نکاح سنت کے مطابق انجام دیں گے، گھوڑے

جوڑے اور جہیز کی بھیک لینے کے بجائے اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ کریں گے، اور اپنی محنت سے اسبابِ زندگی حاصل کریں گے، عمر رسیدہ اور بوڑھے سرپرستان بھی اس بات کا عزم کریں کہ وہ اپنے بچوں کا نکاح سنت کے مطابق انجام دیں گے اور عمر کے اس مرحلہ میں ظلم و جور کے اس گناہ سے اپنے دامن کو بچا کر رکھیں گے، جس سے ان کی آخرت تباہ ہوگی اور جس سے خود ان کی ذات کو کوئی نفع حاصل نہیں ہوگا۔

[۵] لڑکیوں کو میراث سے محروم نہ کیجئے!

معاشرہ میں یہ بات بھی عام ہو چکی ہے کہ بھائی، بہنوں کو میراث میں حصہ دینے سے محروم رکھتے ہیں، یہاں تک کہ خود باپ بھی لڑکیوں کو اپنی جائیداد میں کچھ دینا نہیں چاہتے اور خیال کرتے ہیں کہ شادی میں جو کچھ ان کو دے دیا ہے، وہی کافی ہے، یہ قرآن کے حکم کی کھلی خلاف ورزی ہے، قرآن مجید نے عورت کو بحیثیت ِماں، بحیثیت بیٹی، اور بحیثیت ِبیوی میراث کا لازمی حقدار قرار دیا ہے اور بعض صورتوں میں بہنیں اور دوسری رشتہ دار خواتین بھی وارث بنتی ہیں، یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے میراث کا قانون بیان کرنے کے بعد "فریضة من الله" کی تعبیر اختیار فرمائی ہے۔

جو لوگ حقیقی وارث ہوں ان کو حق نہیں دینا اور ان کے حصے کو بھی اپنے تصرف میں لے آنا کھلے طریقہ پر حرام مال کو کھانا اور اپنے مال میں حرام کو شامل کر لینا ہے، افسوس کہ بظاہر دیندار نظر آنے والے حضرات بھی ان گناہوں میں مبتلا ہیں، رمضان المبارک کی بے پناہ برکتوں اور رحمتوں کو اپنے دامن مراد میں محفوظ کیجئے اور تقویٰ کو اپنا توشۂ سفر بنا کر زندگی کا سفر طے کیجئے، کہ راستہ پُرخار ہے اور منزل تک پہنچنا ضروری ہے! (شمع فروزاں: ۱/۴۰)

ماخذومراجع

قرآنیات

۱	تفسیرابن کثیر	عماد الدین أبی الفداء إسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی
۲	قرطبی	محمد بن احمد القرطبی
۳	سعدی	عبدالرحمن بن ناصر السعدی
۴	الدرالمنثور	جلال الدین سیوطی
۵	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع
۶	روح البیان	أبوالفداء إسماعیل حقی بن الشیخ مصطفی الاستانبولی
۷	حاشیۃ الجمل علی شرح المنہاج	علامہ منصور عجیلی
۸	الاتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی
۹	حاشیۃ الصاوی	ابوالعباس احمد بن محمد الصاوی
۱۰	کتاب المصاحف	لابن ابی داود السجستانی
	حدیث	
۱	صحیح بخاری	محمد بن إسماعیل بن إبراہیم بن المغیرۃ البخاری
۲	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری أبوالحسین
۳	سنن ترمذی	محمد بن عیسی بن سَورۃ بن موسی بن الضحاک، السلمی الترمذی، أبوعیسی.
۴	سنن ابوداوود	أبوداود سلیمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشیر الأزدی السجستانی المشہور بأبی داود

۵	سنن النسائی	أحمد بن علی بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار، أبو عبد الرحمن النسائی
۶	سنن ابن ماجۃ	أبو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی (بالولاء) القزوینی
۷	موطا امام مالک	أبو عبد اللہ مالک بن انسؒ
۸	موطا امام محمد	امام محمد بن حسن شیبانیؒ
۹	المستدرک الحاکم	ابو عبد اللہ حاکم نیشابوری
۱۰	سنن الدارمی	عبد اللہ بن عبد الرحمن بن الفضل بن بہرام بن عبد الصمد الدارمی
۱۱	سنن دارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر البغدادی الدارقطنی
۱۲	المعجم الکبیر الطبرانی	سلیمان بن أحمد بن أیوب بن مطیر اللخمی الشامی، أبو القاسم
۱۳	المعجم الاوسط الطبرانی	سلیمان بن أحمد بن أیوب بن مطیر اللخمی الشامی، أبو القاسم
۱۴	شعب الایمان	للبیہقی
۱۵	مصنف عبد الرزاق	ابو بکر عبد الرزاق الصنعانی
۱۶	المصنف لابن ابی شیبۃ	عبد اللہ بن محمد بن إبراہیم أبی شیبۃ العبسی
۱۷	صحیح ابن حبان	ابو حاتم محمد بن حبان تمیمی
۱۸	صحیح ابن خزیمہ	أبو بکر محمد بن إسحاق بن خزیمۃ
۱۹	مسند الشافعی	محمد بن إدریس الشافعی
۲۰	مسند ابی یعلی	احمد بن علی الموصلی

۲۱	مسند احمد	أبوعبد اللہ أحمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن أسد الشیبانی
۲۲	مسند البزاز	احمد بن عمرو المعروف بالبزاز
۲۳	مسند الشامیین	سلیمان بن أحمد بن أیوب بن مطیر اللخمی الشامی، أبوالقاسم الطبرانی
۲۴	مسند الشاشی	الہیثم بن کلیب الشاشی أبوسعید
۲۵	مسند ابوداوود الطیالسی	أبوداود سلیمان بن داود بن الجارود الطیالسی البصری
۲۶	اعلاء السنن	علامہ ظفر احمد عثمانی
۲۷	فضائل الاوقات	للبیہقی
۲۸	جزء رفع الیدین	للبخاری
۲۹	حلیۃ الاولیاء	ابونعیم الاصفہانی
۳۰	شرح السنۃ	للبغوی
۳۱	شرح مشکل الآثار	للطحاوی
۳۲	شرح معانی الاثار	للطحاوی
۳۳	الدعاء	محمد بن فضیل بن غزوان الضبی
۳۴	تاریخ المدینہ	شعبہ تحقیق وتالیف دارالسلام
۳۵	القضاء والقدر	للبیہقی
۳۶	امالی حسن الخلال	ابومحمد الحسن بن محمد بن الحسن بن علی البغدادی الخلال
۳۷	کنز العمال	لمتقی الہندی
۳۸	مشکاۃ المصابیح	محمد بن عبداللہ

۳۹	الجامع الصغیر	جلال الدین سیوطی
۴۰	مجمع الزوائد	علی بن ابی بکرالہیثمی
۴۱	الترغیب والترہیب	المنذری
۴۲	جمع الفوائد	محمد بن محمد المغربی
۴۳	الشرح الممتع علی زادا لمستقنع	العثیمین، محمد بن صالح
۴۴	الاستذکار	لابن عبدالبر
۴۵	الاوسط فی السنن	محمد بن ابراہیم بن منذر

شروح حدیث

۱	عمدۃ القاری	بدرالدین العینی
۲	فتح الباری	ابن الحجر العسقلانی
۳	عون الباری	ربیع بن ہادی المدخلی
۴	فیض الباری	انورشاہ الکشمیری
۵	انوارالباری	انورشاہ الکشمیری، جمع وترتیب احمد رضا بجنوری
۶	انعام الباری	مفتی تقی عثمانی
۷	فیض الباری	علامہ انورشاہ کشمیری
۸	حاشیۃ لامعۃ الدراری	رشید احمد گنگوہیؒ
۹	شرح البخاری	لابن بطال
۱۰	شرح الزرقانی	عبدالباقی زرقانی
۱۱	المنہاج شرح نووی	یحییٰ بن شرف النووی
۱۲	فتح الملہم	شبیر احمد العثمانی

۱۳	تحفۃالاحوذی	عبدالرحمن المبارکفوری
۱۴	الکوکب الدری	رشیداحمدالگنگوہی
۱۵	العرف الشذی	انورشاہ کشمیری
۱۶	درس ترمذی	مفتی محمدتقی العثمانی
۱۷	شرح سنن ابی داود	عبدالمحسن عبادالبدر
۱۸	بذل المجہود فی حل سنن ابی داود	خلیل احمدالسہارنفوری
۱۹	عون المعبود	شرف الحق عظیم آبادی
۲۰	اوجزالمسالک	شیخ الحدیث مولانازکریا
۲۱	شرح الزرقانی	عبدالباقی الزرقانی
۲۲	مرقاۃالمفاتیح	محمدملاالہروی القاری
۲۳	شرح الطیبی	حسین بن عبداللہ الطیبی
۲۴	مظاہرحق جدید	قطب دین محمد
۲۵	شرح النووی	اَبوزکریامحیی الدین یحیی بن شرف النووی
۲۶	نیل الاوطار	للشوکانی
۲۷	تطریز ریاض الصالحین	فیصل بن عبدالعزیزنجدی
۲۸	شرح الاربعین	للنووی
۲۹	معارف السنن	محمدیوسف البنوری
۳۰	شرح منتہی الارادات	ابن النجارالفتوحی
۳۱	ترتیب الامالی	محمدجوادالمحمودی
۳۲	شرح زادالمستقنع	موسی بن احمدالمقدسی
۳۳	الاوسط فی السنن	محمدبن اِبراہیم بن المنذراَبوبکر

۳۴	شرح بلوغ المراد	لعطیۃ سالم
۳۵	معرفۃ السنن والاثار	للبیہقی

کتب التخریج والزوائد

۱	آثار السنن	الشیخ ذوالفقار علی
۲	تخریج الاحیاء	محمود بن محمد الحداد
۳	البدر المنیر	لابن الملقن
۴	نصب الرایہ	عبداللہ بن یوسف الزیلعی
۵	موارد الضمآن	عبدالعزیز المحمد السلمان
۶	اتحاف الخیرہ	احمد بن ابوبکر البوصیری

العلل والسوالات

۱	اسرار الموضوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ	ملا علی قاری
۲	الموضوعات	ابن الجوزی
۳	العلل	ابن ابی حاتم
۴	العلل المتناہیۃ	ابن قیم الجوزی
۵	الفردوس بماثور الکتاب	شیرویہ بن شہردار
۶	تلخیص کتاب الموضوعات	ابن الجوزی
۷	النافلۃ فی الاحادیث الضعیفۃ والباطلہ	بو اِسحاق الحوینی
۸	الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعۃ	للشوکانی
۹	سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ	ناصر الدین الالبانی
۱۰	عمدۃ الاقاویل	رضوان صاحب شیخ الحدیث اکل کوا

۱۱	احادیث مشہورہ کی تحقیق	محمد طلحہ بلال منیار
۱۲	الاسماء والتراجم والطبقات	
۱۳	التاریخ الکبیر	محمد بن اسماعیل البخاری
۱۴	تاریخ بغداد	أحمد بن علی بن ثابت المعروف بالخطیب البغدادی
۱۵	تاریخ دمشق	ابن عساکر
۱۶	تاریخ جرجانی	ابن قاسم حمزۃ بن یوسف جرجانی
۱۷	الکامل	لابنی عدی
۱۸	المجروحین من المحدثین	محمد بن حبان السجستانی
۱۹	الضعفاء	للبخاری
۲۰	الضعفاء والمتروکین	النسائی
۲۱	تقریب التہذیب	ابن الحجر العسقلانی
۲۲	تہذیب التہذیب	ابن حجر عسقلانی
۲۳	الجرح والتعدیل	لابنی حاتم
۲۴	تذکرۃ الحفاظ	شمس الدین محمد بن أحمد بن عثمان بن قایماز الذہبی
۲۵	الضعفاء الکبیر	للعقیلی
۲۶	۱۴)میزان الاعتدال	شمس الدین الذہبی
۲۷	۱۵)سیر اعلام النبلاء	شمس الدّین الذَّہبیّ

سیرت

۱	غزوات النبی	علامہ علی بن برہان الدین حلبی
۲	غزوات الرسول	وحید عبد السلام بالی

۳	سیر الصحابۃ	مولانا معین الدین ندوی
۴	زاد المعاد	ابن القیم الجوزی
۵	حیاۃ الصحابۃ	مولانا محمد یوسف الکاندہلوی
	فقہ	
۱	کتاب الآثار	محمد بن الحسن الشیبانی أبوعبداللہ
۲	المبسوط	للسرخسی
۳	الہدایہ	علی بن أبی بکر المرغیانی برہان الدین أبوالحسن
۴	بدائع الصناءع	ابوبکر بن مسعود الکاسانی
۵	الدر المختار	محمد أمین بن عمر عابدین
۶	ارشاد الفقیہ	إسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضو بن درع القرشی البصروی ثم الدمشقی
۷	المجموع شرح المہذ ب	یحییٰ بن شرف النووی
۸	الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیہ	
۹	تحفۃ الفقہاء	علاء الدین السمر قندی
۱۰	الجوہرۃ النیر ۃ	أبو بکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی الزَّبِیدِیّ الیمنی الحنفی
۱۱	بنایہ	بدرالدین العینی
۱۲	فتح القدیر	علامہ کمال الدین ابن الہمام
۱۳	کتاب الام	محمد بن ادریس الشافعی
۱۴	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	محمد عبد الرؤوف المناوی

۱۵	نورالایضاح	حسن بن عمار الشرنبلالی
۱۶	اللباب	عبد الغنی بن طالب بن حمادة بن ابراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی
۱۷	المحرر فی الفقه	مجدالدین ابن تیمیة
۱۸	القوانین الفقهیة	أبو القاسم، محمد بن أحمد بن محمد بن عبد اللہ، ابن جزی الکلبی الغرناطی
۱۹	اعانة الطالبین	أبو بکر (المشہور بالبکری) عثمان بن محمد شطا الدمیاطی الشافعی
۲۰	فقہ العبادات علی مذہب المالکی	کوکب عبید
۲۱	البحر الرائق	زین الدین ابراہیم ابن نجیم
۲۲	حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح	احمد بن محمد الطحطاوی
۲۳	مجمع الانہر	شیخی زادہ داماد- العلاء الحصکفی
۲۴	المفطرات المعاصرہ	الشیخ خالد بن علی المشیقح
۲۵	الفقہ علی مذاہب الآربعہ	علامہ عبد الرحمن الجزیری
۲۶	مراقی الفلاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفی
۲۷	المغنی	موافق الدین ابن قدامہ
۲۸	عمدة الرعایة	محمد عبد الحی اللکنوی
۲۹	تبیین الحقائق	عثمان بن علی الزیلعی
۳۰	شرح المہذب	یحیی بن شرف النووی
۳۱	الجامع الصغیر و شرحہا النافع الکبیر	حمد بن الحسن الشیبانی
۳۲	شرح الفقہ الآکبر	لملا علی قاری

۳۳	اسنی المطالب فی شرح روض الطالب	ابویحییٰ السنیکی
۳۴	فتح الوہاب بشرح منہاج الطلاب	ابویحییٰ السنیکی
۳۵	المنہاج القویم شرح مقدمہ الحضرمیہ	ابن حجر الہیثمی
۳۶	نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج	علامہ شہاب الدین رملی
۳۷	المغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج	علامہ شربینی
۳۸	فتاوی خانیۃ، فتاوی قاضیخان	فخرالدین قاضیخان الحنفی
۳۹	الدرالمنتقی	محمد بن علی بن محمد، المعروف بعلاء الدین الحصکفی
۴۰	المدونہ الکبری	مالک بن انس
۴۱	التعلیق الحسن	محمد بن علی النیموی
۴۲	الذخیرۃ العقبی	أحمد بن إدریس القرافی شہاب الدین
۴۳	المبدع	لابن المفلح
۴۴	زاد المستقنع	مسعود بن محمد المقدسی
۴۵	المبدع شرح المقنع	ابراہیم بن محمد
۴۶	ال إقناع	محمد بن محمد الخطیب لشربینی
۴۷	بدایۃ المجتہد	محمد بن احمد بن محمد بن رشد
۴۸	الاجماع	لابن المنذر
۴۹	احکام الکبری	عبدالحق الاشبیلی
۵۰	ذخیرۃ العقبی فی شرح المجتبی	محمد بن علی الہروی ال إثیوبی
۵۱	التمہید	لابن عبدالبر
۵۲	المہذب	للشیرازی

۵۳	المحلی	لابن الحزم
۵۴	القول المبین فی اخطآ المصلین	اَبوعبیدۃ مشہور بن حسن بن محمود آل سلمان
۵۵	حلبی کبیری	
۵۶	فتح المرید فی علم التجوید	عطیہ قابل نصر
۵۷	ادب الاملاء والاستملاء	عبدالکریم بن محمد السمعانی
۵۸	التذکیر والتہذیب	للشیخ عدّۃ بن تونس
۵۹	کلام العلامۃ ابن باز حول ختم القرآن فی صلاۃ التراویح دعاء الختمۃ فیہا	
۶۰	المصابیح فی صلاۃ التراویح	جلال الدین سیوطی
۶۱	التعلیق الحسن	محمد بن علی النیموی
۶۲	شرح التقریب	لابن العراقی
۶۳	التبیان	شیخ محمد علی الصابونی
۶۴	اصل صفۃ صلاۃ النبی	محمد ناصر الدین الألبانی
۶۵	فتح الرحمن	محمد بن فتحی
۶۶	المحلی	ابن الحجر العسقلانی
۶۷	امداد المفتین	مفتی محمد شفیع صاحب
۶۸	البحر الزخار	لاحمد ابن المرتضی
۶۹	منتدیات قضایا دینیہ	
70	تقریرات الرافعی	علی بن ابی بکر المرغیانی
۷۱	الخلاصہ	علامہ الحلبی
۷۲	شرح منتہی الارادات	تقی الدین ابن نجار

۷۳	زادالمستقنع	موسیٰ بن احمد المقدسی
۷۴	کتاب الکافی	محمد بن یعقوب کلینی
۷۵	کتاب الحوادث والبدع	محمد بن ولید الطرطوشی
۷۶	الباحث علی انکار البدع والحوادث	عبدالرحمن بن اِسماعیل بن اِبراہیم المعروف بابن اَبی شامۃ
۷۷	اللقاء الشہری	محمد بن صالح العثیمین
	فتاوی	
۱	مجموع الفتاوی	علامہ ابن تیمیہ
۲	فتاوی شیخ الاسلام	ابن تیمیہ
۳	الفتاوی الکبری	لابن تیمیہ
۴	فتاوی شامی	علامہ ابن عابدین
۵	فتاوی الحدیثیہ	ابن حجر الہیثمی
۶	فتاوی قاضی خان	امام فخرالدین قاضی خان
۷	الحاوی للفتاوی	عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی
۸	فتاویٰ تاتارخانیہ	عالم بن علاء الحنفی
۹	فتاوی الوالوالجیہ	ابوالفتح الوالوالجی
۱۰	مجموع فتاویٰ	ابن باز
۱۱	فتاوی	شیخ عثیمین
۱۲	من فتاوی اللجنۃ الدائمہ	
۱۳	فتاویٰ	عبدالحی اللکھنویؒ
۱۴	فتاوی ہندیہ	جماعۃ من علماء الہند

۱۵	فتاوی دارالعلوم دیوبند	مفتی عزیز الرحمن صاحب
۱۶	امداد الفتاوی	حکیم الامت تھانویؒ
۱۷	فتاوی رشیدیہ	رشید احمد الگنگوہی
۱۸	فتاوی محمودیہ	مفتی محمود حسن گنگوہی
۱۹	کفایت المفتی	مفتی کفایت اللہ صاحب
۲۰	امداد الاحکام	ظفر احمد عثمانی
۲۱	فتاوی رحیمیہ	مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری
۲۲	احسن الفتاوی	مفتی رشید احمد صاحب
۲۳	دارالافتاء دارالعلوم دیوبند	
۲۴	دارالافتاء	جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
۲۵	آپ کے مسائل اور ان کا حل	مولانا یوسف لدھیانوی
۲۶۶	کتاب النوازل	مفتی سلمان صاحب منصور
۲۷	فتاوی حقانیہ	شیخ مولانا عبد الحق
۲۸	فتاوی قاسمیہ	مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی
۲۹	کتاب الفتاوی	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۳۰	فتاوی دارالعلوم زکریا	مفتی رضا الحق صاحب
۳۱	منتخب نظام الفتاوی	مفتی نظام الدین اعظمی
۳۲	محمود الفتاوی	مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم
۳۳	مرغوب الفتاویٰ	مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوریؒ
۳۴	فتاوی فریدیہ	مفتی فرید صاحب
۳۵	فتاوی عثمانی	مفتی تقی عثمانی

۳۶	فتاوی بینات	مجلس دعوت وتحقیق اسلامی
۳۷	فتاوی ثنائیہ	ابوالوفاثناءاللہ امرتسری
۳۸	خلاصہ الفتاوی	طاہر بن عبدالرشید بخاری
	تاریخ	
۱	البدایۃ والنہایۃ	الحافظ ابن کثیر اسماعیل بن عمر الدمشقی
۲	تاریخ اسلام	اکبر شاہ نجیب آبادی
۳	تحفۃ الملوک	زین الدین الرازی صاحب
۴	اخبار المدینۃ	لعمرو بن شیبہ
	اردو کتب فقہیہ	
۱	بہشتی زیور	حکیم الامت
۲	بہشتی گوہر	حکیم الامت
۳	جواہر الفقہ	مفتی محمد شفیع عثمانی
۴	علم الفقہ	مولانا عبدالشکور لکھنوی
۵	عمدۃ الفقہ	سید زوار حسین شاہ
۶	جدید فقہی مقالات	مفتی تقی عثمانی
۷	جدید فقہی مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۸	قاموس الفقہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۹	کتاب المسائل	مفتی سلمان صاحب منصور پوری
۱۰	انوار رحمت	مفتی شبیر احمد قاسمی
۱۱	ایضاح المسائل	مفتی شبیر احمد قاسمی

۱۲	انوار مناسک	مفتی شبیر احمد قاسمی
۱۳	نماز اہل سنت والجماعت	الیاس گھمن
۱۴	نفائس الفقہ	مولانا شعیب اللہ خان صاحب صاحب
۱۵	مسائل	رفعت مولانا رفعت قاسمی
۱۶	مسنون حج وعمرہ	مفتی ابو بکر جابر قاسمی، مفتی احمد اللہ نثار قاسمی
۱۷	شوال اور عید الفطر کے فضائل واحکام	
۱۸	مسائل غیر مقلدین	آبو بکر غازی پوری
۱۹	نئے مسائل اور علمائے ہند کے فیصلے	
۲۰	سادات خاندان کو زکوۃ دینے کی شرعی حیثیت	مفتی مختار اللہ حقانی
۲۱	زکوۃ کے فضائل واحکام	مفتی رضوان صاحب راولپنڈی
۲۲	چارسو اہم مسائل	مفتی ابراہیم صاحب
۲۳	رؤیت ہلال	مولانا محمد میاں صاحب
۲۴	جدید طبی مسائل	مفتی ابو بکر صاحب قاسمی مفتی رفیع الدین صاحب قاسمی
۲۵	مسنون نماز	مفتی ابو بکر جابر قاسمی مفتی رفیع الدین صاحب
۲۶	اسلام کا نظام سلام ومصافحہ	مفتی تبریز عالم صاحب
۲۷	اللمعۃ اذا اجتمع العید والجمعۃ	مفتی احمد اللہ نثار قاسمی، مفتی سیف اللہ قاسمی
۲۸	بہار شریعت	امجد علی اعظمی

رمضانیات

۱	تحذیر الخلان من روایۃ الاحادیث حول رمضان	عبداللہ بن محمد الحمادی
۲	فضائل رمضان	ابو بکر بن أبی الدنیا
۳	من معارک المسلمین فی رمضان	عبدالعزیز بن راشد العبیدی
۴	احکام رمضان	حضرت تھانوی
۵	احکام اعتکاف	حضرت تھانوی
۶	برکات رمضان	حکیم الامت تھانویؒ
۷	اکابر کا رمضان	شیخ الحدیث حدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ
۸	تحفۂ رمضان	مفتی سلمان صاحب منصور پوری
۹	منکرات رمضان	شعیب اللہ خان صاحب
۱۰	رمضان اور جدید مسائل	شعیب اللہ خان صاحب
۱۱	نفحات رمضان	شعیب اللہ خان صاحب
۱۲	تحفہ رمضان	مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی
۱۳	تراویح میں ختم قرآن پر اجرت کا شرعی حکم	مفتی جمیل صاحب تہانوی
۱۴	بیس رکعت تراویح سنت موکدہ ہے	مولانا محمد الیاس گھمن
۱۵	احکام رمضان	مولانا عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم
۱۶	ماہ رمضان کے فضائل واحکام	مفتی رضوان صاحب راولپنڈی
۱۷	فضائل ومسائل رمضان	شیخ أسد اللہ یاسر
۱۸	آئینہ رمضان	قاری محمد عطاء اللہ

۱۹	فضائل رمضان	عبداللہ شاہ نقشبندی
۲۰	فضائل رمضان	ہدایت اللہ باقوی کڈپوی
۲۱	رمضان کیا ہے؟	مولانا عبداللہ صاحب دہلوی
	متفرقات	
۱	الکبائر	للذہبی
۲	شرح الصدور بشرح احوال الموتی والقبور	لسیوطی
۳	قصص العرب	إبراہیم شمس الدین
۴	محاضرة الابرار ومسامرة الاخیار فی الادبیات والنوادر والاخبار	ابن العربی
۵	لطائف المعارف	ابن رجب
۶	أہوال القبور وأحوال أہلہا إلی النشور	ابن رجب الحنبلی
۷	التذکرة فی احوال الموتی	محمد بن أحمد بن أبی بکر بن فرح الأنصاری الخزرجی شمس الدین القرطبی
۸	الفتوحات الربانیة علی الأذکار النواویة	ابن علان
۹	غنیہ الطالبین	شیخ عبدالقادر جیلانی
۱۰	تنبیہ الغافلین	ابو اللیث سمرقندی
۱۱	مکاشفة القلوب	امام غزالی
۱۲	إزالة الخفاء	شاہ ولی اللہ
۱۳	نزل الابرار	محمد صدیق حسن خان
۱۴	معارف الحدیث	مولانا منظور نعمانی
۱۵	نزہة المجالس	عبدالرحمن بن عبدالسلام الصفوری

۱۶	مختصر صفوۃ الصفوہ	ابن الجوزی
۱۷	تنبیہات	مفتی عبد الباقی اخوندزادہ
۱۸	انیس الواعظین جمہوری اسلام ایران	
۱۹	عنایات رحمانی	قاری فتح محمد پانی پتی
۲۰	ملفوظات مولانا الیاس	صاحب منظور احمد نعمانی
۲۱	ملفوظات فقیہ الامت	مفتی محمود الحسن گنگوہی
۲۲	ملفوظات فقیہ العصر	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم
۲۳	فضائل اعمال	حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ
۲۴	الافاضات الیومیہ	حکیم الامت
۲۵	معمولات اشرفی	حضرت تھانوی
۲۶	اصلاح انقلاب	حکیم الامت
۲۷	اغلاط العوام	حکیم الامت
۲۸	مآثر حکیم الامت	
۲۹	اشرف الجواب	حضرت تھانوی
۳۰	خطبات حکیم الامت	حضرت تھانوی
۳۱	خطبات حکیم الاسلام	قاری محمد طیب صاحب
۳۲	عوارف المعارف	شیخ شہاب الدین سہروردی
۳۳	تجلیات صفدر	امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ
۳۴	اختلاف امت اور صراط مستقیم	یوسف لدھیانوی
۳۵	ذکر و فکر	مفتی تقی عثمانی
۳۶	اصلاحی خطبات	مفتی تقی عثمانی صاحب

۳۷	رحمۃ اللہ واسعۃ	نی
۳۸	راہ اعتدال	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۳۹	شمع فروزاں	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۴۰	حدیث درد دل	اعجاز صاحب اعظمی
۴۱	اللہ سے شرم کیجئے	مفتی سلمان منصور پوری
۴۲	فیض سعید	مولانا عبدالقوی صاحب.
۴۳	مقالات اصلاحی	مولانا عبدالقوی صاحب
۴۴	جواہر شریعت	مولانا شعیب اللہ خان صاحب صاحب
۴۵	واقعات پڑھیے اور عبرت لیجئے	شعیب اللہ خان صاحب
۴۶	سوانح عمر بن عبدالعزیز	
۴۷	قندیل	ڈاکٹر نجیب قاسمی
۴۸	ماہنامہ دارالعلوم دیوبند 2007September	
۴۹	ماہنامہ الفرقان April 2019	
۵۰	مجلہ بحث ونظر	
۵۱	محدث فورم September2007	
۵۲	ندائے شاہی فروری 1994	
۵۳	سہ ماہی حرا	
۵۴	الباحث الاسلامیہ ۲۰۰۶September	
۵۵	ماہنامہ پیام	مدیر غیاث احمد صاحب
۵۶	تحفۃ المدارس	محمد اسحاق ملتانی
۵۷	الاسلام سوال وجواب	

نمبر	کتاب مع مصنف	مطبع
۱	قرآن مجید	
۲	الاتقان فی علوم القرآن (جلال الدین سیوطی شافعی)	حجازی القاہرہ
۳	تفسیر قرطبی (محمد بن أحمد القرطبی)	مؤسسۃ الرسالۃ
۴	حاشیۃ الجمل علی شرح المنہاج (علامہ منصور عجیلیؒ)	
۵	معارف القرآن (مفتی شفیع صاحبؒ)	مکتبہ زکریا دیوبند
۶	بخاری شریف (محمد بن اسماعیل البخاری)	زکریا بک ڈپو
۷	مسلم شریف (مسلم بن حجاج نیشاپوری)	داراحیاء التراث بیروت
۸	ترمذی شریف (محمد بن عیسی ترمذی)	دارالغرب الاسلامی
۹	ابوداؤد شریف (ابوداود سلیمان بن اشعث سجستانی)	دارالرسالہ العالمیہ
۱۰	سنن نسائی (ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی)	المطبوعات الاسلامیہ حلب
۱۱	ابن ماجہ (ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی)	دارالرسالہ العالمیہ
۱۲	موطاامام مالک (امام مالکؒ)	دار إحیاء التراث العربی
۱۳	موطاامام محمد (امام محمدؒ)	دار إحیاء التراث العربی
۱۴	شرح معانی الآثار (امام طحاوی)	عالم الکتب

۱۵	مستدرک حاکم (ابوعبداللہ الحاکم نیشا پوری)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۶	مسند شافعی (محمد بن ادریس الشافعی)	دارالکتب العلمیہ
۱۷	المعجم الکبیر (حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی)	مکتبہ ابن تیمیہ القاہرۃ
۱۸	سنن دارقطنی (ابوالحسن علی بن عمر البغدادی الدارقطنی)	مؤسسۃ الرسالہ بیروت
۱۹	کنزالعمال (علامہ علاء الدین علی المتقی برہان پوری)	مؤسسۃ الرسالہ
۲۰	مسند احمد (ابوعبداللہ احمد بن محمد الشیبانی)	دارالحدیث القاہرۃ
۲۱	المعجم الاوسط طبرانی (سلیمان بن أحمد الطبرانی)	دارالحرمین
۲۲	مشکاۃ المصابیح (محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی)	مکتبہ زکریا دیوبند
۲۳	شعب الایمان (أحمد بن الحسین البیہقی)	مکتبۃ الرشد
۲۴	مسند ابی یعلی (احمد بن علی الموصلی)	دارالمأمون للتراث
۲۵	زادالمعاد (ابن قیم الجوزیۃ)	مؤسسۃ الرسالۃ
۲۶	نیل الاوطار (محمد بن علی بن محمد شوکانی)	دارالحدیث مصر
۲۷	مصنف عبدالرزاق (ابوبکر عبدالرزاق الصنعانی)	المجلس العلمی الہند
۲۸	مصنف ابن ابی شیبہ (عبداللہ بن محمد أبی شیبۃ)	مکتبۃ الرشد
۲۹	الترغیب والترھیب (حافظ ذکی الدین المنذری)	مکتبہ دارالافکار
۳۰	صحیح ابن حبان (ابن حبان)	دارالمعارف
۳۱	صحیح ابن خزیمہ (ابن خزیمۃ)	المکتب الاسلامی
۳۲	العلل ابن ابی حاتم (ابن أبی حاتم الرازی)	المکتبۃ الشاملۃ
۳۳	الکامل فی الضعفاء (عبداللہ بن عدی الجرجانی)	المکتبۃ الشاملۃ
۳۴	الجرح والتعدیل (عبدالرحمن بن أبی حاتم)	دائرۃ المعارف العثمانیۃ
۳۵	سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ (ناصر الدین الالبانی)	منشورات لجنۃ احیاء السنۃ
۳۶	العلل المتناہیہ (ابن قیم الجوزی)	
۳۷	نصب الرایۃ (عبداللہ بن یوسف الزیلعی)	المکتبۃ المکیۃ
۳۸	مجمع الزوائد (علی بن ابی بکر ہیثمی)	دارالکتب العلمیہ بیروت

۳۹	تہذیب التہذیب (ابوالفضل ابن حجر عسقلانی)	دائرۃ المعارف حیدرآباد
۴۰	فیض القدیر (زین الدین محمد الحدادی)	المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر
۴۱	شرح سنن ابی داود (عبدالمحسن عباد البدر)	الشبکۃ الشاملۃ
۴۲	فتح الوہاب بشرح منہاج الطلاب (ابویحیی السنیکی ؒ)	دارالفکر بیروت
۴۳	المغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج (علامہ شربینی)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۴۴	نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج (علامہ شہاب الدین رملی)	دارالفکر بیروت
۴۵	المنہاج القویم شرح المقدمۃ الحضرمیہ (ابن حجر ہیثمی)	دارالکتب العلمیہ
۴۶	حاشیۃ الصاوی علی الشرح الصغیر (ابوالعباس احمد بن محمد الصاوی)	دارالمعارف
۴۷	بذل المجہود فی حل ابی داود (خلیل احمد سہارنپوری ؒ)	دارالکتب العلمیہ
۴۸	مرقاۃ المفاتیح (محمد ملا الہروی القاری)	دارالفکر بیروت
۴۹	اوجزالمسالک (شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب)	دارالقلم دمشق
۵۰	اعلاء السنن (محدثِ ناقد علامہ ظفر احمد عثمانی ؒ تھانوی ؒ)	ادارۃ القرآن...پاکستان
۵۱	میزان الاعتدال (شمس الدین ذھبی)	دارالمعرفۃ بیروت
۵۲	انوارالباری (سید انور شاہ کشمیری)	ادارہ تالیفات اشرفیہ کراچی
۵۳	المستطرف (شہاب الدین محمد الابشیہی)	عالم الکتب-بیروت
۵۴	المجروحین من المحدثین (محمد بن حبان السجستانی)	دارالصمیعی
۵۵	الموضوعات (علی بن الجوزی)	المکتبۃ الشاملۃ
۵۶	مسند بزار (أحمد بن عمرو المعروف بالبزار)	مکتبۃ العلوم والحکم
۵۷	الخلاصہ (علامہ حلبی)	
۵۸	المجموع شرح المہذب (یحیی بن شرف النووی)	مکتبۃ الارشاد
۵۹	تخریج الاحیاء (محمود بن محمد الحداد)	دارالعاصمۃ
۶۰	المنہاج شرح نووی (یحیی بن شرف النووی)	دارِ احیاء التراث العربی

۶۱	تحذیر الخلان (عبداللہ محمد الحمادی)	دار ابن حزم
۶۲	التاریخ الکبیر (محمد بن إسماعیل البخاری)	دائرة المعارف العثمانیة
۶۳	فتح الباری (علی بن حجر العسقلانی)	دار المعرفة- بیروت
۶۴	تقریب التہذیب (علی بن حجر العسقلانی)	دار العاصمة
۶۵	الفردوس بماثور الخطاب (شیرویہ بن شہردار)	دار الکتب العلمیة
۶۶	معارف السنن (محمد یوسف البنوری)	ایچ-ایم-سعید کمپنی-
۶۷	جمع الفوائد (محمد بن محمد المغربی)	مکتبة الرشد
۶۸	أدب الاملاء والاستملاء (عبدالکریم بن محمد السمعانی)	دار الکتب العلمیة بیروت
۶۹	معارف الحدیث (مولانا منظور صاحبؒ)	الفرقان بک ڈپو لکھنو
۷۰	عون الباری (ربیع بن ہادی المدخلی)	دار الامام احمد
۷۱	کتاب المصاحف (ابو داود السجستانی)	دار البشائر الاسلامیة
۷۲	المحلی (ابن حجر)	دار الفکر بیروت
۷۳	شرح مہذب (یحیی بن شرف النووی)	
۷۴	فیض الباری (مولانا محمد أنور الکشمیری)	دار الکتب العلمیة
۷۵	العرف الشذی (محمد أنور شاہ الکشمیری)	دار إحیاء التراث العربی
۷۶	الکوکب الدری (رشید أحمد الگنگوہی)	لجنة العلماء لکہنو- الہند
۷۷	تحفة الاحوذی (عبدالرحمن المبارکفوری)	دار الفکر بیروت
۷۸	فتح الملھم (شبیر أحمد العثمانی)	دار إحیاء التراث العربی
۷۹	الاجماع (ابن المنذر)	دار المسلم للنشر والتوزیع
۸۰	شرح الزرقانی (عبدالباقی الزّرقانی)	دار الکتب العلمیه
۸۱	ذخیرة العقبی (محمد بن علی الہری الاثیوبی)	
۸۲	زاد المستقنع (موسی بن أحمد المقدسی)	دار الوطن للنشر- الریاض
۸۳	الاستذکار (ابن عبدالبر)	مکتبہ نور
۸۴	الأوسط فی السنن (محمد بن إبراہیم بن المنذر)	دار طیبة- الریاض

۸۵	شرح الطیبی (الحسین بن عبداللہ الطیبی)	مکتبۃ نزار مصطفی الباز
۸۶	عون المعبود (شرف الحق عظیم آبادی)	دار ابن حزم
۸۷	البدر المنیر (ابن ملقن)	دار الھجرہ بیروت
۸۸	تطریز ریاض الصالحین (فیصل بن عبدالعزیز نجدی)	دار العاصمہ ریاض
۸۹	اسنی المطالب (ابو یحیٰ السنیکی ؒ)	دار الکتاب الاسلامی
۹۰	من معارک المسلمین فی رمضان (عبدالعزیز بن راشد العبیدی)	مکتبۃ العبید کان
۹۱	غزوات الرسول ﷺ (وحید عبدالسلام بالی)	الآلوکۃ الشرعیۃ
۹۲	حیاۃ الصحابہ (مولانا یوسف صاحب کاندھلوی)	دار الاشاعت لاہور
۹۳	مظاہر حق جدید (قطب الدین محمد)	دار الاشاعت کراچی
۹۴	درس ترمذی (محمد تقی عثمانی صاحب)	مکتبہ نعیمیہ دیوبند
۹۵	الفقہ علی المذاھب الاربعہ (علامہ عبدالرحمن الجزیری ؒ)	دار الکتب العلمیہ بیروت
۹۶	غنیہ شرح المنیہ (علامہ ابراہیم حلبی)	
۹۷	کتاب الآثار (محمد بن الحسن الشیبانی)	دار الکتب العلمیۃ
۹۸	مبسوط (شمس الدین السرخسی)	دار المعرفۃ - بیروت
۹۹	المغنی (موفق الدین ابن قدامۃ)	دار عالم الکتب
۱۰۱	فضائل الاوقات للبیہقی (احمد بن حسین بیہقی)	مکتبۃ المنارۃ المکۃ المکرمۃ
۱۰۲	فتاوی شیخ الاسلام (احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ)	دار الکتب العلمیہ بیروت
۱۰۳	الفتاوی الکبری (أحمد بن عبدالحلیم بن تیمیۃ)	دار الکتب العلمیۃ
۱۰۴	کتاب الام (محمد بن إدریس الشافعی)	دار الوفاء
۱۰۵	الھدایہ (علی بن ابی بکر المرغینانی)	زکریا دیوبند
۱۰۶	المبتدی (علی بن ابی بکر المرغینانی)	دار احیاء التراث بیروت
۱۰۷	فتاوی شامی (علامہ ابن عابدین ؒ حنفی)	دار الفکر بیروت
۱۰۸	فتح القدیر (علامہ کمال الدین ابن الھمام)	دار الفکر بیروت

۱۰۹	البحرالرائق (زین الدین ابراہیم ابن نجیم)	دارالکتاب الاسلامی
۱۱۰	فتاوی قاضی خاں (امام فخرالدین قاضی خان)	دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۱۱	فتاوی عالمگیریہ (شیخ نظام وجماعۃ من علماء الھند)	دارالکتب العلمیہ
۱۱۲	فتاوی تاتارخانیہ (شیخ فریدالدین بن علاء دہلوی)	زکریا بک ڈپو
۱۱۳	مراقی الفلاح مع الطحطاوی (حسن بن عمار الشرنبلالی)	المکتبۃ العصریۃ
۱۱۴	بدائع الصنائع (أبوبکر بن مسعود الکاسانی)	دارالکتب العلمیۃ
۱۱۵	خلاصۃ الفتاوی (طاہر بن عبدالرشید بخاری)	مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ
۱۱۶	الحاوی للفتاوی (عبدالرحمن بن أبی بکر السیوطی)	دارالکتب العلمیۃ
۱۱۷	الاحکام الکبری (عبدالحق الاشبیلی)	مکتبۃ الرشد-السعودیۃ
۱۱۸	فتاوی ثنائیہ (ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری)	ادارہ ترجمان السنۃ
۱۱۹	البنایہ شرح ہدایہ (بدرالدین العینی)	دارالکتب العلمیۃ
۱۲۰	الجوہرۃ النیرۃ	میر محمد کتب خانہ
۱۲۱	حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح (احمد بن محمد الطحطاوی)	دارالکتب العلمیہ بیرو
۱۲۲	نورالایضاح (حسن بن عمار الشرنبلالی)	المکتبۃ العصریۃ بیروت
۱۲۳	فتاویٰ شیخ عثیمین (محمد بن صالح بن محمد العثیمین)	دارالوطن-دارالثریا
۱۲۴	منحۃ الخالق (ابن عابدین)	مکتبہ زکریا دیوبند
۱۲۵	الفتاویٰ الولوالجیہ (ابوالفتح ولوالجی)	زکریا بک ڈپو دیوبند
۱۲۶	تبیین الحقائق (عثمان بن علی الزیلعی)	المطبعۃ الأمیریۃ الکبری
۱۲۷	المصابیح فی صلاۃ التراویح (علامہ جلال الدین سیوطی)	دارعمار عمان
۱۲۸	شرح منتہی الارادات (تقی الدین ابن نجار)	مؤسسۃ الرسالۃ بیروت
۱۲۹	ازالۃ الخفاء عن خلافۃ (مسندالہند شاہ ولی اللہ)	قدیمی کتب خانہ کراچی
۱۳۰	تاریخ جرجانی (حمزۃ بن یوسف الجرجانی)	عالم الکتب-بیروت
۱۳۱	التعلیق الحسن (محمد بن علی النیموی)	المکتبۃ الوقفیۃ
۱۳۲	الفتاوی الحدیثیہ (ابن حجر الہیثمی)	

۱۳۳	الفتوح الربانیہ (ابن علان)	دارالکتب العلمیۃ
۱۳۴	اِتحاف الخیرۃ المہرۃ (أحمد بن أبی بکر البوصیری)	دارالوطن
۱۳۵	المدونۃ الکبری (مالک بن انس)	مکتبۃ نزار مصطفی الباز
۱۳۶	الحوادث والبدع (محمد بن الولید الطرطوشی)	دار ابن الجوزی
۱۳۷	الاجماع (ابن المنذر)	دار المسلم للنشر والتوزیع
۱۳۸	الاقناع (محمد بن محمد الخطیب الشربینی)	دارالکتب العلمیۃ
۱۳۹	التمہید (ابن عبدالبر)	المکتبۃ الوقفیۃ
۱۴۰	اعانۃ الطالبین (عثمان بن شطا البکری)	دار اِحیاء الکتب العربیۃ
۱۴۱	المبدع شرح المقنع (اِبراہیم بن محمد)	دارالکتب العلمیۃ
۱۴۲	البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)	دارالکتب العلمیہ
۱۴۳	حلیۃ الاولیاء (ابونعیم الاصفہانی)	دارالفکر بیروت
۱۴۴	التذکرۃ بأحوال الموتی وأمور الآخرۃ (محمد بن أحمد القرطبی)	دارالمنہاج
۱۴۵	لطائف المعارف (عبدالرحمن بن أحمد بن رجب)	دار ابن کثیر
۱۴۶	فتح الرحمن (محمد بن فتحی)	دار ابن حزم
۱۴۷	القول المبین (ابن حسن بن محمود آل سلمان)	دار ابن القیم
۱۴۸	امداد الفتاوی (مولانا اشرف علی تھانویؒ)	زکریا بک ڈپو دیوبند
۱۴۹	بہشتی زیور (حکیم الامت تھانویؒ)	مکتبہ نعیمیہ دیوبند
۱۵۰	امداد الاحکام (مولانا ظفر احمد عثمانیؒ)	مکتبہ دارالعلوم کراچی
۱۵۱	امداد المفتیین (مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع)	دارالاشاعت کراچی
۱۵۲	فتاوی دارالعلوم دیوبند (مفتی عزیز الرحمنؒ)	مکتبہ دارالعلوم دیوبند
۱۵۳	فتاوی محمودیہ (مفتی محمود الحسن صاحبؒ)	زکریا بک ڈپو دیوبند
۱۵۴	کفایت المفتی (مفتی کفایت اللہ صاحبؒ)	زکریا بک ڈپو دیوبند
۱۵۵	فتاوی رشیدیہ (مفتی رشید احمد گنگوہیؒ)	دارالاشاعت کراچی

۱۵۶	احسن الفتاوی (مفتی رشید احمدؒ)	مکتبہ زکریا دیوبند
۱۵۷	فضائل رمضان (أبوبکرابن أبی الدنیا)	دارالسلف
۱۵۸	جواہرالفقہ (مفتی شفیع صاحبؒ)	زکریا بک ڈپو دیوبند
۱۵۹	آپ کے مسائل اوران کا حل (مولانا یوسف صاحب لدھیانوی)	مکتبہ لدھیانوی کراچی
۱۶۰	فتاوی رحیمیہ (سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ)	دارالاشاعت لاہور
۱۶۱	فتاوی بینات (مجلس دعوت وتحقیق اسلامی)	مکتبہ بینات کراچی
۱۶۲	جدید فقہی مقالات (مفتی تقی عثمانی صاحب)	مکتبہ نعیمیہ
۱۶۳	فتاوی عثمانی (مفتی تقی عثمانی صاحب)	معارف القرآن کراچی
۱۶۴	احکام اعتکاف (حکیم الامت تھانویؒ)	افادات اشرفیہ لکھنؤ
۱۶۵	کتاب الفتاوی (مولانا خالدسیف اللہ صاحب)	مکتبہ نعیمیہ دیوبند
۱۶۶	قاموس الفقہ (مولانا خالدسیف اللہ رحمانی)	مکتبہ نعیمیہ دیوبند
۱۶۷	جدید فقہی مسائل (مولانا خالدسیف اللہ رحمانی)	مکتبہ نعیمیہ دیوبند
۱۶۸	کتاب المسائل (مفتی سلمان منصور پوری)	مکتبہ نعیمیہ دیوبند
۱۶۹	کتاب النوازل (مفتی سلمان منصور پوری)	فرید بک ڈپو دہلی
۱۷۰	تحفۂ رمضان (مفتی سلمان منصور پوری)	مکتبۃ الحق ممبئی
۱۷۱	فتاوی حقانیہ (شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ)	دارالعلوم حقانیہ خٹک
۱۷۲	عمدۃ الفقہ (مولانا سیدزوارحسین شاہ صاحب)	زوارحسین اکیڈمی کراچی
۱۷۳	فتاوی فریدیہ (مفتی محمدفرید صاحب)	دارالعلوم صدیقیہ پاکستان
۱۷۴	فتاوی زکریا (مفتی رضاء الحق جنوبی افریقہ)	زمزم پبلیشر کراچی
۱۷۵	مسائل رفعت (مولانا رفعت صاحب قاسمی)	مکتبہ رضی دیوبند
۱۷۶	فقہ العبادات علی مذھب المالکی الحاجہ (کوکب عبید)	مطبعۃ الانشاء دمشق سوریا
۱۷۷	علم الفقہ (مولانا عبدالشکور لکھنویؒ)	دارالمبلغین لکھنؤ
۱۷۸	الاضافات الیومیہ (حکیم الامت اشرف علیؒ)	مکتبہ تھانوی

۱۷۹	الدعاء للضبی (محمد بن فضیل بن غزوان الضبی)	مکتبۃ الرشد
۱۸۰	اصلاح انقلاب (مولانا اشرف علی تھانوی)	مکتبۃ تھانوی
۱۸۱	منتخب نظام الفتاوی (مفتی محمد نظام الدین اعظمی ؒ)	ایفا پبلیشرنئی دہلی
۱۸۲	مفطرات الصیام المعاصرۃ (ڈاکٹر احمد خلیل)	
۱۸۳	فتاوی لجنۃ الدائمہ	سعودیہ عربیہ
۱۸۴	عنایات رحمانی (قاری فتح محمد پانی پتی)	قرآءت اکیڈمی لاہور
۱۸۵	فتح المدید فی علم التجوید	(عطیۃ قابل نصر)
۱۸۶	کلام العلامہ بن باز (بن باز ؒ)	فتاوی اللجنۃ الدائمہ
۱۸۷	نزل الابرار (محمد صدیق حسن خان)	مطبعۃ الجوائب
۱۸۸	بیس رکعات تراویح سنت مؤکدہ ہے (مولانا الیاس گھمن صاحب)	احناف ڈیجیٹل لائبریری
۱۸۹	کتاب الکافی (محمد بن یعقوب کلینی)	دارالمعارف بیروت
۱۹۰	الموسوعۃ الفقہیہ (وزارت الاوقاف)	والشئون الاسلامیہ
۱۹۱	مجلہ بحث ونظر (مولانا خالد سیف اللہ صاحب)	المعہد العالی حیدرآباد
۱۹۲	ماثر حکیم الامت (حکیم الامت مولانا اشرف علی تھاونی ؒ)	مکتبۃ تھانوی دیوبند
۱۹۳	معمولات اشرفی (حکیم الامت مولانا تھانوی ؒ)	مکتبۃ تھانوی
۱۹۴	اشرف الجواب (حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ)	مکتبۃ تھانوی دیوبند
۱۹۵	اغلاط العلوم (حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ)	مکتبۃ فیصل پبلیشر دیوبند
۱۹۶	احکام رمضان المبارک (حکیم الامت تھانوی ؒ)	ادارہ افادات اشرفیہ لکھنؤ
۱۹۷	اکابر کا رمضان (شیخ الحدیث زکریا صاحب ؒ)	مکتبۃ الحق ممبئی
۱۹۸	فضائل اعمال (شیخ الحدیث زکریا صاحب ؒ)	فرید بک ڈپو دہلی
۱۹۹	اللقاء الشہری (شیخ عثیمین)	
۲۰۰	مکاشفۃ القلوب (امام غزالی ؒ)	جسیم بک ڈپو دہلی
۲۰۱	غنیۃ الطالبین (شیخ عبد القادر جیلانی)	فرید بک ڈپو دہلی

۲۰۲	عوارف المعارف (شیخ شہاب الدین سہروردی)	فرید بک ڈپو دہلی
۲۰۳	تنبیہ الغافلین (فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ)	مکتبہ ملت دیوبند
۲۰۴	فضائل صدقات (شیخ الحدیث زکریا صاحب)	ایم عاشقین اینڈ کمپنی دہلی
۲۰۵	ملفوظات فقیہ الامت (مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ)	زمزم بک ڈپو دیوبند
۲۰۶	تاریخ اسلام (مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی)	مکتبہ تھانوی دیوبند
۲۰۷	حدیث دردِ دل (مولانا اعجاز صاحب اعظمی)	مکتبہ ضیاء الحق اعظم گڑھ
۲۰۸	اختلاف امت اور صراطِ مستقیم (مولانا یوسف صاحب لدھیانویؒ)	فیصل بک ڈپو
۲۰۹	رحمۃ اللہ الواسعہ (مفتی سعید احمد صاحب)	مکتبہ حجاز دیوبند
۲۱۰	اصلاحی خطبات (مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)	مکتبہ نعیمیہ دیوبند
۲۱۱	ذکر وفکر (مفتی تقی عثمانی صاحب)	فرید بک ڈپو دہلی
۲۱۲	راہِ اعتدال (مولانا خالد سیف اللہ صاحب)	نعیمیہ بک ڈپو
۲۱۳	انوارِ مناسک (مفتی شبیر احمد صاحب)	دارالکتاب دیوبند
۲۱۴	انوارِ رحمت (مفتی شبیر احمد صاحب)	دارالکتاب دیوبند
۲۱۵	تحفۃ المدارس (محمد اسحق ملتانی)	ادارہ تالیفات اشرفیہ
۲۱۶	نمازِ اہل سنت والجماعت (مولانا الیاس گھمن صاحب)	اہل السنہ والجماعہ سرگودھا
۲۱۷	ملفوظات مولانا الیاس صاحب (مولانا منظور نعمانیؒ)	
۲۱۸	فتاوی قاسمیہ (مفتی شبیر صاحب)	مکتبہ اشرفیہ دیوبند
۲۱۹	ایضاح المسائل (مفتی شبیر صاحب)	مکتبہ تھانوی دیوبند
۲۲۰	نفائس الفقہ (مفتی شعیب اللہ خان صاحب)	مکتبہ فیصل دیوبند
۲۲۱	منکرات رمضان (مفتی شعیب اللہ خان صاحب)	مکتبہ فیصل دیوبند
۲۲۲	رمضان اور جدید مسائل (مفتی شعیب اللہ خان صاحب)	مکتبہ فیصل دیوبند
۲۲۳	نفحات رمضان (مفتی شعیب اللہ خان صاحب)	مکتبہ فیصل دیوبند
۲۲۴	واقعات پڑھیے (مفتی شعیب اللہ خان صاحب)	مکتبہ فیصل دیوبند
۲۲۵	ماہ رمضان کے فضائل واحکام (مفتی رضوان راولپنڈی)	ادارہ غفران راولپنڈی

۲۲۶	مسائل غیر مقلدین (ابو بکر غازی پوری)	ربانی بک ڈپو دہلی
۲۲۷	اللہ سے شرم کیجیے (مفتی سلمان منصور پوری)	مکتبہ فیصل دیوبند
۲۲۸	فضائل ومسائل رمضان (شیخ اسداللہ حسامی)	تجوید القرآن ایجوکیشنل حیدرآباد
۲۲۹	تحفۂ رمضان (مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی)	فریڈم فائٹر اسماعیل
۲۳	احکام رمضان (مولانا عبدالقوی صاحب)	برکات بک ڈپو حیدرآباد
۲۳۱	فیض سعید (مولانا عبدالقوی صاحب)	برکات بک ڈپو حیدرآباد
۲۳۲	عمدۃ الاقاویل (رضوان الدین معروفی)	معروفی کتب خانہ اکل کوا
۲۳۳	جدید طبی مسائل (مفتی ابوبکر، مفتی رفیع الدین صاحبان)	مکتبہ فیصل دیوبند
۲۳۴	مسنون نماز (مفتی ابوبکر، مفتی رفیع الدین صاحبان)	مکتبہ فیصل دیوبند
۲۳۵	تنبیہات (مفتی عبدالباقی اخونزادہ)	
۲۳۶	اسلام کا نظام سِلام (مفتی تبریز عالم صاحب)	دارالعلوم حیدرآباد
۲۳۷	چارسو اہم مسائل (مفتی ابراہیم صاحب)	
۲۳۸	ماہنامہ پیام (مدیر مولانا غیاث احمد صاحب)	دارالعلوم رحمانیہ حیدرآباد
۲۳۹	فضائل رمضان (مولانا ہدایت اللہ باقوی)	
۲۴۰	بہار شریعت حصہ سوم (امجد علی اعظمی)	قادری کتاب گھر
۲۴۱	انیس الواعظین	جمہوری اسلامی ایران

مرتب کی دیگر کتابیں

۱۔رمضان المبارک معروفات ومنکرات
۲۔اصلاحی واقعات دو جلدیں
۳۔اصلاح الرسوم (تسہیل، تعلیق وتخریج)
۴۔عصری خطبات مجلدات (زیرِطبع)
۵۔جماعت اولی کی اہمیت وجماعت ثانیہ کی حیثیت
۶۔نیاسال مغرب اور اسلام کا نقطہ نظر
۷۔کرسمس کی حقیقت عقل ونقل کی روشنی میں
۸۔ویلنٹائن ڈے تاریخ کے آئینہ میں
۹۔اپریل فول کی تاریخی حیثیت
۱۰۔خیر البیان (مدارس کے طلبہ کے لئے)
۱۱۔ہندوستانی مسلمان آزادئ وطن سے تعمیرِ وطن تک (زیرِطبع)
۱۲۔نفع المفتی والسائل (عربی،تحقیق وتخریج، زیرِطبع)
۱۳۔اللمعة اذا اجتمع العيد والجمعة
۱۴۔کھیل کود کی تاریخی وشرعی حیثیت
۱۵۔احکام اعتکاف
۱۶۔خواتین رمضان کیسے گذاریں؟
۱۷۔یوم جمہوریہ حقیقت کے آئینہ میں
۱۸۔پتنگ بازی حقائق ونقصانات
۱۹۔معراجِ مصطفی کے چالیس سبق
۲۰۔ضیافت فضائل ومسائل

۲۱۔عظمتِ اہلِ بیت اور مسئلہ زکوۃ
۲۲۔ارطغرل غازی سیریل حقائق اور غلط فہمیاں
۲۳۔یتیمی اور یتیموں کے کارنامے
۲۴۔لون (قرض) کے جدید مسائل
۲۵۔ظالموں کا انجام سچے واقعات کی روشنی میں
۲۶۔کرکٹ کی تاریخی وشرعی حیثیت
۲۷۔فروع الایمان (تسہیل،تخریج وتضمیم)
۲۸۔قربانی اور مسلکی مسائل
۲۹۔عصمت دری اسباب وسد باب
۳۰۔سنتِ فجر فضائل ومسائل
۳۱۔خطباتِ قاسمیہ (زیرِطبع)
۳۲۔برادرانِ وطن سے تعلقات حدود وحقوق
۳۳۔کرایہ کے جدید مسائل
۳۴۔کمیشن اور بروکری کے احکام
۳۵۔جبراً تبدیلیٔ مذہب حقائق کی روشنی میں
۳۶۔تقسیمِ میراث کی اہمیت اور سماجی صورتِ حال

مصنف کی دیگر کتابیں

DARUL ULOOM RASHEEDIA

Door Number 12-2-823/A/28A1 Masjid E Qutub Shahi
2nd Floor, opp MS college Santosh Nagar Colony,
(Pillar No17) Mehdipatnum Hyderabad-500028 (T.S)
WWW.darululoomrasheediya.com